

۳۰۵

الکتاب

۱۹۰۹

نیمه سده اول ۲۵۰۰ مطابق اپریل ۱۹۰۶ء جلد
مسن و قلم کا ماہوار علمی رسالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول و نقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ ہے۔

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن خان شروانی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مضمون	صفحہ
۱۶	۱	س العلماء مولوی شبلی صاحب	۱
۲۵	۱۶	مرشد عشق حسین بی	۲
۳۱	۲۶	مولوی ضیاء الحسن صاحب	۳
۳۶	۳۶	شہداء مولوی شبلی صاحب	۴

باہتمام احقرانام محمد عبداللہ خلیف علامہ آئی مولوی محمد عبد العلی صاحب مدد آئی

پیشکش کنندہ کمال حسن بیگ

دفتر ترقی العلماء لکھنؤ، شالیمار ہوا

لیکچر ایسوسی

اپریل ۱۹۰۹ء

اشتہار

پنڈ کے مشہور کتب خانہ میں مرزا کامران (اکبر شاہ کا چچا) یوان اشہی کتب خانہ کا منظر ہے،
 اس کی لوح پر جہانگیر اور شاہجہان کے ہاتھ کی تحریریں ہیں، ہم نے اسکا فوٹو لیا، اور وہ
 زندہ سے عجم پر مل سکتا ہے۔ یادگار چیز ہے، اور دیکھنے کے قابل ہے۔

موازنہ انیس و دبیر

مصنفہ
 شبلی نعمانی
 تقطیع بیسی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت تقریباً ۳۰۰ صفحہ قیمت عیار۔ درخواستیں
 حسب ذیل پتے سے آئیں:-

ندوہ

لکھنؤ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الندوة

ماثر حمی

اور

عبدالرحیم خان خانان

اسلاف کی تصنیفات کا ذخیرہ بچا کچھ جو کچھ رہ گیا ہے، اسکی بنا پر ہم ایک سارے قائم کرتے ہیں اسکو ایک تحریر و تقریر میں دہراتے ہیں، سلسلہ سلسلہ اسکی روایتیں چلتی ہیں، رفتہ رفتہ، وہ ایک سلمہ واقعہ بن جاتا ہے اور لوگوں کے دل و دماغ میں سرایت کر جاتا ہے، اتفاقاً کہیں سے کوئی سزئی گلی کتاب، یا کسی کتاب کے کچھ بوسیدہ اجزائے آجاتے ہیں جس سے دفعہ وہ تمام خیالات، بدل جاتے ہیں، اور ایک نئی تھیوری قائم ہوتی ہے۔

پروفیسر سید یتو نے جو فرائس کا بہت بڑا مشہور عربی دان حاصل گدرا ہے، اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ اہل یورپ نے بہت سی چیزوں کے متعلق یہ سارے قائم کر لی تھی کہ وہ حال کی ایجادات سے ہیں لیکن عربی نایاب کتابوں کے ہم پہنچنے نے ثابت کیا کہ ان کا خیال غلط تھا، آج سے پہلے اہل عرب نے ان چیزوں کے اختراع کی عزت حاصل کی تھی، پروفیسر مذکور نے اس بنا پر فضلاء یورپ سے خط کتابت

اور ایک خاص سوسائٹی اس غرض سے قائم کی کہ عرب کے گم شدہ اسرار کا پتہ لگایا جائے چنانچہ یہ تمام
 فنکارانہ کام کتاب ذکر میں درج کی ہو لیکن یہ وہ غیر موصوف کا خیال، اسکے ساتھ گیا، اور پھر کہیں سے
 کچھ صد انہیں آٹھی، پچھلے دنوں یورپ میں جو اور ٹیل کا نفرنس قائم ہوئی تھی، اس میں یہ رزلیوشن پاس
 ہوا کہ ایک خاص کمیٹی اسلام کی انسائیکلو پیڈیا یا ر کرنے کے لیے قائم کی جائے جس میں مسلمانوں کے تمام
 علوم و فنون، صنائع و ایجادات وغیرہ درج کیے جائیں ہمارے محترم استاد مسٹر ارنلڈ بھی اس کمیٹی کے
 ممبر ہیں، لیکن پھر حکومت کوئی اطلاع نہیں ملی کہ کمیٹی نے اب تک کیا کیا کیا،

یہ ظاہر ہو کہ یہ کام یورپ کے فرائض میں داخل نہیں تاہم اس وقت تک یورپ نے ہماری یادگاروں
 کے زندہ کرنے میں، اور جو جو کام کیے وہ کیا کم ہیں، انھیں کی بدولت فنِ حرب کی دو کتاب شائع ہوئی
 جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اس فن کے علمی اصول مرتب کیے تھے اور ان کا فن جنگ، موجودہ
 فن جنگ کا مکمل خاکہ تھا، یورپ ہی کی بدولت زہراوی کی کتاب، فن تشریح کے متعلق چھپ کر شائع
 ہوئی جس میں کئی سوالات تشریح کی تصویریں، اور ان کے ہتھال کے طریقے درج کیے ہیں پیٹ میں مے ہو
 اپنے کے نکالنے کے میسوں آلات، کے نقشے دیکھ، ان کے ہتھال کے طریقے بتائے ہیں، یورپ ہی کی
 بدولت، تاریخ طبری، طبقات بن سعد، اور تاریخ الخلفاء وغیرہ کا پتہ لگا جو گویا دنیا سے ناپید ہوئی تھیں۔

اسلام آج دنیا کے تمام حصوں میں پھیلا ہوا ہے کہ روئے زمین موجود ہیں، بڑی بڑی حکومتیں اور
 سلطنتیں قائم ہیں، عربی علوم و فنون اسی زور شور کے ساتھ پڑھے اور پڑھائے جا رہے ہیں، اس بنا پر دنیا
 کو ہم سے اس کام کی توقع تھی، لیکن ابھی ہم کو اور ضروری کاموں سے فرصت کہاں ہے۔ محمد اللہ کے بعض ضروری
 مقامات اب تک نازل شدہ ہیں، شرح مائیکل ایک ضمیمہ کا مرجع اب تک متعین نہیں ہوا، میرزا ہادی کی بعدیت
 دہانی اور مکانی کا اب تک فیصلہ نہیں ہو چکا اور خیرایہ سب کام تو اٹھا بھی رکھے جاسکتے ہیں لیکن شیعوں
 کی تکفیر تو بہر حال مقدم ہے، اور گودامیوں کا استیصال اس قدر ضروری نہ ہو، لیکن آخر اس کی اہمیت سے تو

اٹھارہویں پر لکھا۔

انہوں نے ہر درفل سے ایک چھوٹی سی تمبیہ کو کسٹھر لیا اور خارج از بحث کر دیا لیکن کیا کیا جائے۔
ماشق مست و شب افسانہ و یار و ہزار قد سے گریہ و پس پر سر افسانہ رود

اسناد یہ تھا کہ اب بھی بہت سی علمی یا دکانیں ایسی موجود ہیں جن سے مسلمانوں کی تصنیفات کے متعلق جو راجع
عام ہو چکی ہو دفعۃً بدل جاتی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ فارسی مورخوں نے صرف سلاطین اور روسا کے حالات
تلمیذ کیے ہیں، وزراء، امرا، سپہ سالار، اور فوجی افسروں کے حالات مستقل تصنیفوں میں سطح نہیں لکھے تھے
جس سے ظاہر ہو کہ انہوں نے کس طرح تعلیم و تربیت پائی، کیا کیا فن حاصل کیے، کیا کیا کارنامے دکھائے، رفاہ عام
نے کیا کیا کام کیے، کن کن چیزوں کو رونق دیا، کون کون سی باتیں ایجاد کیں، ذاتی شوق کی کیا چیزیں
تھیں، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دسمبر ۱۹۸۱ء میں جب میں کلکتہ گیا تو ایشیاٹک سائنس میں ماسٹر جی کا ایک نسخہ
نظر سے گذرا، یہ کتاب، عبد الرحیم خان خانان کے حالات میں ہے جو آلبر شاہ کا سپہ سالار تھا مصنف
کا نام عبدالباقی ہے جو ایران کا باشندہ اور ایک معزز خاندان کا ممبر تھا، کتاب خود خان خانان کی زندگی میں
لکھی گئی ہے، اور سرمایہ معلومات زیادہ تر ذاتی مشاہدہ اور کاری کاغذات ہیں، یہ نسخہ مصنف کا اصلی مسودہ ہے
جو کسی کتاب سے لکھوایا ہے لیکن اچا کات اور اضافے مصنف نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں، بعض جگہ سائے
صفحے چھوڑ دیے ہیں اور لکھا ہے کہ مزید اطلاع کے لیے صفحہ خالی چھوڑ دیے گئے تھے لیکن چونکہ حالات بدل گئے
اس لیے جگہ سادی کی سادی رہ گئی سرورق پر اُمرائے شاہی کی مہرین ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ تقریباً
۱۸۰۰ء کے کتب خانوں میں رہ چکا ہے مولوی غلام علی آنا دے خزانہ عامرہ میں لکھا ہے کہ ”میں نے اس کتاب
کا اصلی مسودہ دکن میں دیکھا تھا جس پر اچا کات خود مصنف کے ہاتھ کے تھے“ غالباً یہ وہی نسخہ ہے جو
دکن سے کلکتہ پہنچ گیا۔

کتاب کی ضخامت، دو ہزار صفحوں کی ہے نصف کے قریب، خان خانان کے اسلاف اور

سلاطین تیموری کے حالات ہیں، باقی نصف خود خان خانان کے کارنامے ہیں، جس میں حسب ذیل معلومات ہیں،

- (۱) خان خانان کی ولادت اور تعلیم و تربیت، تعلیم کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شے بڑے کاملین فن سے تعلیم پائی تھی،
- (۲) دربار شاہی کے تعلقات اور فتوحات،
- (۳) خان خانان کی علمی لیاقت، عربی فارسی، ترکی میں، انشا پر داری اور شاعری، نثر اور نظم و نثر کے نمونے درج کیے ہیں،

(۴) فضائل و حسنات

(۵) فن پسندگی، اور تیغ بازی و نیز بازی کے کمالات،

(۶) خان خانان کو رفاہ عام کے کام،

(۷) فن زراعت کی ترقی،

(۸) خان خانان کے دربار کے صناعتوں اور کاریگریوں کا ذکر اور ان کے حالات و ایجادات،

(۹) خان خانان کا کتب خانہ،

(۱۰) خان خانان کے دربار کے شعرا،

(۱۱) علماء، اطباء اور خوشنویس،

اسی بڑی ضخیم کتاب کا مختصر سے مختصر خلاصہ بھی لکھ دیا جائے تو اچھا خاصہ سالہن بن جائے گا،

اس کے علاوہ اردو زبان کے مشہور جادو طراز، مولوی محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں خان خانان کا

تذکرہ دل کھول کر لکھا ہے، اور بہت سی کتابوں کو کھٹکا لایا ہے (گویہ کتاب ان کو بات نہیں آئی ہے، ان جہہ

سے ہم نہایت اختصار کے ساتھ کتاب کو رکے کچھ کچھ مقبسات، اس غرض سے درج کرتے ہیں کہ ہمارے

کتاب کے ارباب دولت، اسکی طبع و اشاعت کی طرف متوجہ ہوں، ہماری نگاہیں خلیفہ سید محمد حسین صاحب
وزیر پٹیل، نواب علی حسن خان صاحب بھوپال، نواب منزل احمد خان صاحب بھکین پور، اور حبیب صادق
مولوی حبیب الرحمن خان صاحب غروانی کی طرف بلند ہیں۔

خان خانان کی فتوحات اور معرکہ ہائے جنگ، دراصل، مرتع اکبری کے نقش و نگار ہیں، اسلئے
ان کو چھوڑ کر ہم قسم کے واقعات اور حالات کو لیتے ہیں،

شاعری اور انشا پر دازی خان خانان مختلف زبانوں میں کمال رکھتا تھا، مصنف نے اسکی عربی، فارسی،
ترکی، کھلم کا نمونہ دیا، اور فارسی تو اسکی مادری زبان تھیں، لیکن عربی کی تحریر بھی کم درجہ کی نہیں
البتہ چونکہ اس زمانے میں عمود انشا پر دازی لفاظی اور قافیہ بندی کا نام تھا، اسلئے خان خانان کا کجی ہی
انداز ہو۔ افسوس اور سخت افسوس یہ کہ مصنف نے چونکہ ایرانی تھا، بھاشا زبان کے نمونے نہیں دیے
اور نہ اس بات کا سراغ لگتا کہ اردو نے بھاشا پر کیا تھرت کرنا شروع کر دیا تھا،

خان خانان کو عربی زبان میں یہ مہارت تھی کہ کہیں سے کوئی عربی تحریر آتی تھی، تو بغیر اسکے
کہ اصل عبارت تھے، اسطرح ترجمہ پڑھتا چلا جاتا تھا کہ گویا کوئی لکھی ہوئی تحریرات میں ہر جگہ دیکھ کر پڑھتا تھا
لیکن نہ شریف کہنے اکبر کو خط لکھا اور عبارت آرائی کے لیے بڑے بڑے مطلق اور دقیق الفاظ بھریے
اکبر نے ابو الفضل، فتح الد شیرازی، اور خان خانان کو حکم دیا کہ فارسی میں ترجمہ کر کے لائیں، ابو الفضل، اور
فتح الد شیرازی، دونوں نے اس خیال سے کہ ترجمہ کرنے کے لیے لغت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت
ہوگی، تحریر کو ساتھ لیگئے لیکن خان خانان نے وہیں، روشنی کے سامنے لیجا کر خط پڑھنا شروع کیا،
اور ساتھ کے ساتھ ترجمہ کرنا لگیا،

فارسی زبان میں آج بھی اسکی نایک تصنیف موجود ہے، یعنی ترک بابری کا ترجمہ، بابر شاہ نے اپنے

جاگیر سے بھی ترک میں اسکی عربی، فارسی، ترکی، اور ہندی کی مہارت کی تصدیق کی ہے۔

حالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کیے تھے، اور ترک باہری نام رکھا تھا، اکبر کے فراموشی سے خان خانان نے اسکا نہ حید کیا، نہایت سادہ شہسہ اور صاف فارسی ہے۔

خان خانان نے فارسی کا پورا دیوان مرتب کیا تھا لیکن یہ صرف مصنف آثار جمعی کی شہادت ہے، کمین اسکا نسخہ نظر سے نہیں گذرا، البتہ اشعار کثرت سے جا بجا پائے جاتے ہیں، مصنف نے بھی اکثر غزلیں اور رباعیان درج کی ہیں، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خان خانان خود کوئی مصرع طرح کرتا تھا، اور تمام دربار کے شعرا طبع آزمایا کرتے تھے، لیکن جس معرکہ میں نظیری، عرفی، شکیبی، جیسے شعرا کا سامنا ہو، کلام کا سرسبز ہونا، آسان بات نہیں تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر معرکوں میں خان خانان ہی کے ہاتھ میدان راہ چند است، بند است، فرزند است، خان خانان کی دوی ہوئی طرح ہے، جس پر نام شعرا اکبری نے غزلیں لکھیں، لیکن کیا ان شعروں کا جواب ہو سکتا ہے،

حدیث شوق نہ دانستہ ام کہ تا چند است	جزایں مت در کہ دلم سخت آرزو مند است
تا دام و نام و نہ دان این قدر دامنم	کہ پائے تابسم ہرچہ ہست در بند است
مرا فروخت محبت و لے نہ دانستم	کہ مشتری چه کس است بہامی من چند است
ازان بخوشم پہنخناے دلکش تو رحیم	کہ اندکے بے ادا ہاے دوست مانند است

ترکی کلام جو مصنف نے نقل کیا ہے چونکہ ہم اسکو سمجھ نہیں سکتے، اور نہ ناظرین میں کوئی ترکی ان کو ایسے ہم نے قلم انداز کر دیا ہے،

مصنف لکھا ہے کہ فارسی میں جس قدر کہا تھا، اس سے کئی گونہ ہندی میں کہا ہے، لیکن ان کا اُھوج کون لگائے، ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خان خانان نے یورپ کی زبانوں میں بھی ہمارے پیدا کی تھی، ماسکی ضرورت یہ پیش آئی کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے مراسلت رہتی تھی، اسی بنا پر ایسے خان خانان کو یورپین زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا، مصنف لکھتا ہے۔

چون اکثر تاجر ہندوستان در صرک چھپے است ++ و مکاتبات و مراسلات در میان سلاطین

افرنجہ و خاقین ہندوستان بسیار واقع می شود بادشاہ ظل احد الکبر شاہ، این سپہ سالار را

بہ فراگرفتن زبان عیسوی و ہم رسانیدن سواد و خط این قوم، فرمان داد و بہ انکے انضام و چھتے

کہ با خاصان آن قوم کہ در پاس تخت بادشاہی بودند و تجار و متردین ایشان نمود بہ دستور

نتیج آن خط و زبان آن قوم کرد کہ بے شایدہ ریاستہ از ان قوم می دانہ،

خان خانان کی ہفت زبان کا اور مؤرخین نے بھی اعتراف کیا ہے، آثار الامرا میں لکھا ہے کہ دنیا

کی اکثر مروج زبانوں میں وہ بات چیت کر سکتا تھا،

کتب خانہ خان خانان کی علمی فیاضیوں کی ایک بڑی مثال، اسکا بے نظیر کتب خانہ تھا، کتب خانہ

اس درجہ کا تھا اور اس قدر علمی ذخیرے اس میں مہیا کیے گئے تھے کہ بجائے خود ایک اکاڈمی یا دکنگٹ

کا کام دیتا تھا، عرفی، نظیری، نظم و ریاضیکی، غرض اکثر شعرے اکبری نے اپنے دیوان خود اپنے ہاتھ سے

لکھ کر اس کتاب خانہ میں دخل کیے تھے، دربار اکبری کے اکثر اہمال، اسی کتب خانہ کے تربیت یافتہ ہیں

اکثر شعراء، خوشنویس، صنائع، جن کو خان خانان تربیت دینا چاہتا تھا، کتب خانے کے کام پر مقرر ہوتے تھے

اور ترقی کرتے کرتے نادرہ روزگار ہو جاتے تھے، کتب خانہ کا جوا شاف تھا اسکے مشہور ممبر ملاح محمد بن ولساز

ملاح عبد الرحیم عنبر بن قلم، ملاح محمد مومن، محمد حسین، کامی نمرواری، بقالی بہر آبادی، اغنی ہمدانی تھے، کتب خانہ

کی ترتیب و انتظام کے لیے اہل کمال کا ایک بڑا اعلیٰ مقرر تھا، جو تمام نسخوں کی تکمیل کرتے تھے، تصویب

و ترمیم کھینچتے تھے، مرقع طیار کرتے تھے، کتابوں کی لوح وغیرہ پر طلاکاری کا کام انجام دیتے تھے

ان میں سے بعض کے مختصر حالات ہم درج کرتے ہیں،

شیخ عبد السلام بھڑاچ کے رہنے والے تھے ان کے والد بھاشا زبان کے مشہور شاعر تھے، اور برہمی

تخلص کرتے تھے، وہ حج کو جانے لگے تو عبد السلام کو خان خانان کی خدمت میں دیتے گئے،

خان خانان نے کتب خانے میں ان کی تعلیم و تربیت کرائی، رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ کتب خانے کے
داروغہ مقرر ہوئے، پھر مساعب خاص کا رتبہ ملا، ہندی زبان کی شاعری میں بے نظیر تھے۔

شجاع شیراز وطن تھا، خط نسخ و ثلث میں نہایت کمال رکھتے تھے، ۱۱۹۹ ہجری میں بمقام ٹھٹھہ خان خانان
کے دربار میں آئے، اور ترقی کرتے کرتے کتب خانے کی افسری حاصل کی۔

علامہ عبد الرحیم عربی قلم ہرات کے باشندے تھے، نسخ اور نستعلیق میں کمال حاصل کیا، اور ہرات سے خان خانان
کے دربار میں آئے، خان خانان نے ان کی تربیت پر خاص توجہ کی، رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ محمد حسین بک
لے سے اس زمانے میں، خوشنویسی میں کوئی شخص ان کا مقابل نہ تھا، خان خانان کے کتب خانے میں اکثر
کتابیں ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، بالآخر ان کا شہرہ اس قدر بڑھا کہ اکبر نے اپنے بیان بلایا،

علامہ امین خراسان کے رہنے والے تھے، طلاکاری میں استاد تھے، مشہد مقدس میں امام ضامن علیہ السلام
کے نام سے جو کتب خانہ جو مدت تک اس میں کام کرتے رہے جب ازبکوں نے خراسان پر قبضہ کر لیا تو یہ
وہاں سے نکلے، اور خان خانان کے دربار میں آئے، چار ہزار روپیہ مشاہرہ مقرر ہوا، کتب خانے کی اکثر کتابیں
ان ہی طلاکاری سے مزین تھیں، برسی کا کاغذ انھیں کی ایجاد ہو۔

امام حسین علامہ موسیٰ کے بھائی تھے، جلد سازی کے فن میں کمال رکھتے تھے، عکس کا کام بھی اعلیٰ چوڑ
جاتے تھے، ۳۵۰ برس کتب خانے کے ملازم رہے، مصنف اثر رحیمی کے زمانے میں کتب خانہ کا نام
داروغہ بارانین کے ہاتھ میں تھا،

میر باقی اور الہ نری ترکستان کے رہنے والے تھے، خاندان کے سید تھے، کتب خانے میں تربیت پائی،
اور بالآخر افسری کی خدمت حاصل کی،

میان ندیم، ایسان فہیم جنگی نسبت یہ نسل مشہور ہے کہ کمائیں خان خانان اور ادا میں فہیم، یہ ان کے بھائی
تھے، نقاشی اور مصوری میں ان کا جواب نہ تھا، کتب خانہ ہی میں تربیت پائی تھی،

ہیود میرزا باقر ایک مشہور خوشنویس تھے، جو میر علی خوشنویس کے بھائی تھے، بہبود ان کا غلام تھا نقاشی اور خوشنویسی میں کمال پیدا کیا، اور کتب خانے میں ملازم ہوا،

مولانا شفق فن نقاشی میں یکساں روزگار تھے، اور کتب خانے میں اسی کام پر مقرر تھے،

ماوہو ہندو بچہ تھا، تصویر، طراحی، مصوری، شبیہ سازی میں نادرہ روزگار تھا، کتب خانے کی کٹر کتابین، ایسکے ہات کی بنائی ہوئی ہیں،

دربار کے علما اور اطبا علما اور اطبا کے حالات ہم تطویل کے خون سے قلم انداز کرتے ہیں،

شعرا مصنف نے شعراے دربار کا تذکرہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے، کلام کا انتخاب بھی کثرت سے

لیا ہے، البتہ یہ خصوصیت ملحوظ رکھی ہو کہ صرف وہ قصائد یا قطعے نقل کیے ہیں جو شعر نے خان خانان کی

روح میں لکھے ہیں، اس پر بھی کتاب کا بڑا حصہ زمین صرف ہو گیا ہے، شخصی سلطنت کا اثر دیکھو کہ تمام خان خانانی

شعرا کبیر کے دربار سے منسوب ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے تمام شعرا جتنے نام سے ابوالفضل نے

دربار اکبری کا موقع سجایا ہے بجز دو ایک کے، سب کے سب، خان خانان یا ابوالفتح گیلانی کے پروردہ اور

تربیت وادہ ہیں، مصنف نے نہایت صحیح لکھا کہ

ہر کہ تازہ از ولایت آمدہ بنگ و مصاحبت ایشان (ابوالفتح گیلانی) اختیاری نوادہ

چنانکہ خواجہ حسین ثنائی و مرزا قلی سیلی و عرفی شیرازی و جانی گیلانی و سائر

مستعدان در خدمت او بودہ اند،

مصنف کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ خان خانان کے انتساب سے اُس نے تمام مشہور شعرا مثلاً

عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قبی، نظیری، نیشاپوری، محتشم کاشی،

رسمی، نوعی شیرازی کے حالات اس تفصیل سے لکھ دیے کہ جو تذکرے مخصوص تیموری شعرا کے

حالات میں لکھے گئے ہیں، ان میں بھی تفصیل نہیں مل سکتی،

یہ مرتع شعر کے حالات لکھنے کا نہیں ہے، لیکن خان خانان شعر کو جس طرح تربیت کرتا تھا اور جس طرح ان فیاضیوں کا منہ پرساتا تھا، اس کے متعلق بعض واقعات لکھنے ضرور ہیں،

خان خانان کی فیاضیوں کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوادیا، نظیری نیشاپوری جب چکر لگا آیا تو ایک دفعہ کسی واقع پر اسکی زبان سے نکل گیا کہ میں نے لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا، خان خانان نے لاکھ روپیہ ننگو کر ڈھیر لگوادیا، نظیری نے شکاریہ ادا کیا کہ آپ کی بدولت میں نے آنکھ سے لاکھ روپے کا انبار دیکھ لیا، خان خانان سے زیادہ حسن طلب کا ادراشتناس کون ہو سکتا تھا، حکم دیا کہ روپے نظیری کے گھر پہنچا دیے جائیں۔

فیضی اگرچہ شاہی تقرب کے لحاظ سے خان خانان کا ہمسر تھا چنانچہ خود کہتا ہے مصرع ہم باہم انظیر شتم ہے، اور اسی وجہ سے اس نے غنی وغیرہ کی طرح اُمراء شاہی میں سے کسی کی مع نہیں کی تاہم اسکو کہنا پڑا کہ

طبع را رخصت شگفتن داد	نہ خانان عہد کا غماش
صلہ پیش از میج گفتن داد	داشت چون اعتماد بر شعرا

فیضی پھر بھی شاعر تھا، ایسے خان خانان جو بے وجہ بھی شعر کو صلہ اور انعام دیتا رہتا تھا فیضی نے اسکی وجہ یہ قرار دی کہ خان خانان کو شعرا پر اعتماد تھا یعنی روپیہ لیکر رفت نہ کھا جائیں گے بلکہ مع وثما سے اسکا معاوضہ ادا کریں گے، لیکن فیضی کو یہ معلوم نہ تھا کہ خان خانان شعرا کے ساتھ جو بیجا کرتا تھا، اس سے ادب اور انشائی ترقی مقصود تھی،

ان فیاضیوں کے چرچے، عرب و عجم تک پھیلے ہوئے تھے، مصنف لکھا ہے کہ شکیبی صفہانی جب حج کرنے کی غرض سے عدن پہنچا تو بچے گیت گاتے تھے کہ "خان خانان آیا جکی دولت"

لے خزانہ عامرۃ ذکرہ نوعی و نظیری

کنواریوں نے شوہر پائے، تاجرون نے اسباب نیچے، بادل سے جل تھل بھر گئے، شکیبے بے سائنتہ ہو پڑا
اور اسی وقت یہ رباعی موزون کی،

زین دانکہ از نام نکو کا شستہ	از اختر سعد خرمین افرا شستہ
زان گونہ جهان بر جو دینا شستہ	کز سر کفاف و اندر ہوا شستہ

ان فیاضیوں کے قصے گو پچھپ ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ ان سے مراد اٹھانا گدھم کی دلیل ہے، خدا بخشنے
مہربانی کو، کس قدر سچ کہا ہے

سیاہ ملک قناعت کہ در دوسرہ کشی، قصہ پاک بہمت فروشنش طرب بستند،
البتہ یہ نکتہ لکھنے کے قابل ہے کہ خان خانان اسکے ساتھ، شوا کی تربیت کرتا تھا، ان کے کلام کی
تنقید کرتا تھا کبھی کبھی اصلاح دیتا تھا جس کا نتیجہ تھا کہ شعر اکلام روز بروز ترقی کرتا چلتا تھا خود شعر کو بھی
اس بات کا اعتراف تھا، رسمی اپنے شہور قصیدہ میں لکھتا ہے

زمین مع توان نغمہ سنج شیرازی	رسید صیت کلاش بروم از غاورد
بہ طرز تازہ ز مع تو آشنا گردید	چو مے خوب کہ یا بد ز ماشطہ زیور

اکثر شعر کے دیوان، خان خانان ہی کی توجہ سے مرتب اور شائع ہوئے، عرفی جب مرنے لگا تو
دیوان کا مسودہ، خان خانان کے یہاں بھیجا، لیکن مسودہ نہایت اتر تھا اور کاٹ پھانس کیوجہ
سبکار ہو گیا تھا، خان خانان نے محمد قاسم مشہور بہ سراج خلعت خواجہ محمد علی صفہانی کو اسکی ترتیب
پر مامور کیا، سال بھر کی شبانہ روز محنت کے بعد، مسودہ صاف ہوا، خان خانان کو نہایت مسرت
ہوئی، محمد قاسم کو بہت انعام و اکرام دیا چنانچہ محمد قاسم نے ایک نظم میں یہ واقعات ادا کیے،
چند شعر یہ ہیں۔

عرفی آن واضح سخن کہ برا و	ر شک در دروان شردانی
---------------------------	----------------------

رفت ازین دیر شد رفائی	بعد چند سے چو جاے بودن نیست
کش قرین نیست بحرے دکان	ماند از دور شاهوار سے چند
ہمہ از بے سری و سامانی	لیک آن جملگی پر آگندہ
کہ بہ ترتیب نشان بود بانی	آن متد ملتش واجب
کاسے عزیزان جمعی و جانی	گفت با دوستان بگاہ و داغ
بہ جناب معلم ثنائی	برسانید زاد باے مرا
کہ تو عمان و کانیش خوشخوانی	یہیج وانی کہ پیست آن مرکز
خان خانان سکندر ثنائی	ساحب علم و علم و سیف و ظلم
ہمہ محمود لکل پشکانی	دید چون زاد باے عرفی را
کہ دہم شان نظام دیوانی	بعد ایک چند بندہ را منور
تا کہ جمیع آمد از پریشانی	ستے چند خون دل خوردم
گفت ترتیب دادہ نادانی	از خرد خو استم چون از خیش

یہ کہ یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ عرفی، نظیری، شکیبی، وغیرہ نے اکبر اور جہانگیر اور مراد کی مرچ میں اکثر قصیدیں لکھے ہیں لیکن ان قصیدوں کو خان خانان کے مدحیہ قصیدوں سے ملاؤ تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے خان خانان کے مدحیہ قصائد میں صاف نظر آتا ہے کہ شاعر جوش اور اخلاص سے لبریز اور بادۂ کرم کے نشہ میں چور ہے، یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سرستی میں اس سے بھی غافل نہیں کہ مخاطب کی نظر ایک ایک لفظ پر ہو رہا ہے شاعری اور استادی کی اصول سے بال برابر بھی، تجا و زنین کر سکتا، خان خانان کے بیٹا پیدا ہو رہے، عرفی تہنیت کا قصیدہ لکھ کر لیے جاتا ہے، تمہید جوش زور طبیعت، اور شاعرانہ معشوق بن کا ناز دیکھو

کہ خود بر سر شل استاد ہی گفت بر آس	بود در کتم عدم، مگر طبیعت را جاے
نقل کی درخواست کے بعد، دوشیزہ طبیعت، جواب دیتی ہے،	
تا بہ حمد کے کہ شود صاحب تمک اسے	گوشہ گیر و جگر می خور و تلخی می کش
ہمہ گوہر طلب گوہری و گنج شناسے	خلق از فروہ بیو فروہ شمع جمع شوند
او کشہ بند نقاب من، من بند نقاب	چرخ آمادہ شود، زہرہ ہمیا گردد
بر در حجلہ ارکان ہمہ از خلوت پاسے	من بصدای و کرشمہ ہمہ رنگ و ہمہ بو

زمانہ عام اور صنعت زراعت کرنی کے کام نہند و تواجیشکایت کریمے ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں اگر ملک کو تباہ کر دیا تھا، لیکن ان کو زامہ نظرون کو معلوم نہیں کہ مسلمانوں نے ہندوستان کی افتادہ زمین کو زمین پر بنادیا تھا، دنیا جانتی ہے کہ ہندو پہلے پتوں پر رکھ کر کھانا کھاتے تھے، ننگے پائون ہتے تھے، زمین پر سوتے تھے، بن سٹلے کپڑے پہنتے تھے، تنگ مکانوں میں بسر کرتے تھے، مسلمانوں نے اگر ان کو کھانے پینے، پہنے، سہنے، وضع لباس، فرش فروش، زیب و زینت، کاسلیق سکھلایا، لیکن یہ موقع اس ضمنوں کے پھیلانے کا نہیں ہے۔

البتہ یہ بات بیان بنانے کے قابل ہے کہ باوجود اسکے کہ ہندوستان زراعتی ملک ہے، جتنے عمدہ قسم کے پھل اور میوے ہیں سب مسلمانوں کے لئے ہوئے ہیں، سیب، ناشپاتی، انگور، خرپڑہ، سنترے وغیرہ کا بیان پہلے نام و نشان بھی نہ تھا، ان چیزوں میں سے خرپڑہ کی پیداوار کا فخر خان خاتون کو حاصل ہے، مصنف مآثر رحیمی لکھتا ہے کہ ہندوستان میں خرپڑہ نہیں ہوتا تھا، ایران اور خراسان سے آتا تھا، سب سے پہلے خان خاتون نے، عراق اور خراسان سے تخم منگوائے، اور ملکوارہ علاقہ گجرات میں آب و ہوا کی مناسبت کے لحاظ سے ایک قطعہ انتخاب کر کے اسکی کاشت کرائی، دو تین سال میں ایسے اچھے خرپڑے پیدا ہونے لگے کہ ولایت کی برابری کرتے تھے،

سماعات خان خانان نے تمام مشہور مقامات دہلی، لاہور، آگرہ، گجرات میں، باغ، مکانات، سرزمین، تعمیر کرائی۔

تین ہفتے ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے،

تمام ہندوؤں کے حمام، دریا کے گھاٹ ہیں، جو آج تک موجود ہیں، مسلمانوں کے عہد میں، امرا اور روسا

اپنے گھروں میں حمام بنواتے تھے لیکن پبلک حمام مطلق نہ تھے، سب سے پہلے خان خانان نے گجرات میں

محمد علی عمار کے زیر انتظام حمام بنوایا اور وقت عام کر دیا، اس وقت سے حمام کا عام رواج ہو گیا،

گجرات خان خانان نے تین جہاز طیارہ کر لئے تھے جھکا نام رحیمی، کریمی، اور سالاری رکھا تھا، یہ جہاز

ہفت اس غرض سے تھے کچ کے موسم میں غریب حاجیوں کو مفت رج کرنا نصیب ہو،

ابو بنی و عکس کا کاغذ جلد بندی کے کام کے لیے ابروی کا کاغذ، خان خانان کے کارگروں کی ایجاد ہے،

عکس کا کاغذ پہلے بھی تھا، لیکن عکس ہفت رنگ اس کے عہد کی ایجاد ہے،

ذاتی ہنر اور خلاق عادات خان خانان نے علوم و فنون کے علاوہ سپہ گری کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی

تھی، اس کے جنگی کارنامے گجرات، اور سندھ کے فتوحات ہیں جن کے لیے تاریخی و فنی دیکھنے چاہیں یہاں

روم کی باتیں لکھی جاتی ہیں،

تیر اندازی میں قدر انداز تھا، گجرات میں جب مظفر پور فتح حاصل کی ہو تو ایک دفعہ میدان میں گیند

کھیل رہا تھا۔ ایک کو امرا میں اڑتا جاتا تھا، خان خانان نے پُر پُر اس کے چاروں طرف تیروں کا دائرہ

بنادیا، چنانچہ بارہ تیر مارے تھے، بالآخر تیر ہوئے تیرین، مار کر گرا دیا، **سنجر کاشی** مشہور شاعر، موقع پر موجود

تھا، رجبہ یہ باعی موزوں کر کے پڑھی،

در عہد دست بردت اسی زریں چنگ	بسیار چنان بود کہ یک جعبہ خدنگ
از جلدی بانے تو در سے ہوا	دنبالہ ہم گرفتہ چون خیل کنگ

اسے انوس برعکس کے کاغذ کا ہم مفہوم نہیں سمجھ سکے، معلوم نہیں کیا چیز تھی،

ہستے تو اس تیزی سے تیر بھینکتا ہوا کہ وہ این تیرون کی اسطرح قطار قائم ہو جاتی ہے جسطرح کنگاں قطار
باندھ کر اڑتے ہیں،

ایک دفعہ ایک شیر کی پیشانی پر تیرا راکہ سوفا رک کر گیا، اسی شاعر نے ایک قطعہ میں اس
واقعہ کو یاد کیا ہے جسکا ایک شعر یہ ہے،

انارک کے دلہ و در پر پیشانی آن شیر زد | کز سر سوفا رآن نمود زخم این بان

بارہا شیروں اور بھیڑیوں کو تلوار سے مارا ہے، چنانچہ صنفی متعدد واقعات نقل کیے ہیں،
نورزش ورزش میں عجیب عجیب تعین پیدا کی تھیں، ایک رومال چار آدمیوں کے ہاتھ میں بٹایا تھا
کہ چاروں کو نے تھاکر نہ کھڑے رہیں، خود دوسرے دوڑتا ہوا آبا، قریب پہنچ کر اچھلا، اور رومال اٹھ
اٹھتا ہوا اس صفائی سے نکل گیا کہ رومال پر آسیب نہ آنے پایا، صنف نے لکھا ہے کہ یہ اس رومال کا
واقعہ ہے جب خان خانان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ ہم نے کرناٹک کے بارگروں کو اکثر یہ تماشہ کرتے دیکھا
ہے، خان خانان نے انھیں لوگوں سے تعلیم پائی ہوگی،

اخلاق عظیم و عفو باوجود اس اقتدار اور عظمت کی حسن اخلاق کے مجسم تصویر تھا، جس نے اپنے خان خانان
کا خطاب ملا ہے، چند نصیحت آمیز فقرے، ایک کاغذ پر لکھ کر، نوکروں کو دیے، کہ جب مجھے کسی بات یا کسی
شخص پر غصہ آئے تو اسکو پیش کر دینا، چنانچہ کتنا ہی غیظ و غضب میں ہوتا تھا اس کاغذ کے پیش ہونے
کے ساتھ، ٹھنڈا ہو جاتا تھا،

ایک دفعہ پانوں میں زخم ہو گیا تھا، دت نامک، دربارہ کر سکا، زخم ابھی آئے تھے، کہ کسی ضرورت کی
وجہ سے باہر نکلا، حجوم عام میں ایک نوکر کا پاؤں، اس کے پاؤں پر پڑ گیا، اور زخم پھٹ گیا، مصاحبوں نے
نوکر کو سزا دینی چاہی، خان خانان نے روکا کہ اسکا کیا قصور ہے، ایک اتفاقیہ واقعہ تھی،

صنف نے لوہریت سے واقعات نقل کیے ہیں، ہم اس محاذ سے قلم انداز کرتے ہیں کہ

خاتمان کو نظر دلگ جاتا،

اس کتاب کا ترجمہ میں تمام خوبون کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خان خاتمان کی
تعبیر بیان ہی خوبیاں کثافت ہیں۔ نکتہ چینی کا نام نہیں، حالانکہ آج کل کے ذاق کے موافق، سوانح عمری
اور لائسنٹ کی یہ ضروری شرط ہے، لیکن اس طریقہ کو ہم آج کل کے پرفریز طریقے سے زیادہ پسند کرتے ہیں
جس سے راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعویٰ کر کے بھی سوانح عمری کے بڑے مناقب کی
تائید کی جاتی ہے اور کوئی عیب اور وہ بھی خفیف کر کے لکھا جاتا ہے، تو اس غرض سے کہ محاسن کے
تقرین کر لیتے۔ کے کام آئے، یعنی جب عیب نہیں پھپھایا ہے تو محاسن کیوں غلط لکھے ہونگے، بہتر سے
سوانح عمری جو ہماری زبان میں لکھی گئی ہے اس طریقے کی عمدہ مثال ہے،

اب ہم خان خاتمان سے رخصت ہوتے ہیں، خدا نے چاہا تو شعرِ محبسم میں
چرنا و چاہل ہوگا،

یاد کا روزمانہ میں ہم لوگ، سن رکھو تم ہمسائے میں ہم لوگ،

شبلی نعمانی

۱۶- اپریل ۱۹۰۷ء

باباطاہر ہمدانی

یہ مضمون، ہم اس لحاظ سے چھاپتے ہیں کہ لوگوں کو اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ یورپ کے
ہماری علوم و فنون اور لٹریچر کے ساتھ کس قدر افتادہ ہیں، باباطاہر کو یہ بیان کوئی جانتا بھی نہیں
لیکن یورپ کے فضلاء نے اس کے حالات اور تصنیفات کے تعلق کس قدر جلد و جہد کی ہے،
ایڈیٹور ہرن ایلن نے اُن کی ربا عیات کا ایک مجموعہ شائع کیا جو ان کے دیباچے میں بڑی تلاش سے
وہ کچھ حالات باباطاہر کے ہم ہونچا سکے ہیں، یہ مضمون انھیں کے دیباچے سے اخذ ہے،

باباطاہر کے واقعات زندگی ایسے دادیہ خمول میں ہیں کہ ان کا تفصیل، یوڈ مصر کے قدیم طرزِ تہ
نحت سازی کو یاد دلانا ہی کوہِ کندن و کاہِ برآوردن کے بعد بھی، حقیقت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہمیں اُن کا حال
پر کچھ بھی اطلاع حاصل ہوئی، ان کا نام صرف ان کی ربا عیات کی وجہ سے جو آج تک ایران میں تار پر گر گھڑائی
جاتی ہیں بانی رہ گیا ہے، اُن کے اشعار کا ایک چھوٹا سا مجموعہ بھی ہے جو ایران میں چھپ گیا ہے، اس مجموعہ میں
کچھ بعض ربا عیات بھی نہیں ہیں اور خود شاعر کے حالات تو بالکل ہی نہیں ہیں،
باباطاہر پر سے اس پردہ گناہی کے ہٹانے کی سوقت تک جو کوشش کی گئی، اُس کا پتہ کسی قدر
رضا علی خان کے مجمع المصنوع سے ملتا ہے، جہاں اُس نے طاہر کی صرف دس ربا عیات نقل کی ہیں اور اُن کے
عنوان میں تمہید کے طور پر یہ بیان کیا ہے،

طاہر عریان ہمدانی، ان کا نام باباطاہر تھا۔ اپنے زمانے کے صوفیہ کرام میں سے تھے،
بعض مضمین کا یہ بیان ہے کہ یہ سلاطینِ مجتہد کے زمانے میں تھے، مگر یہ غلط ہے، دیلیون کے

ہائے میں گزرتے ہیں قصائے شیوخ میں انکا بھی شمار کیا جائے نہ کہ پھر میں ہر ماہ غفری فرد کا

اور تا اپنے معاصرین سے پہلے ہی انھوں نے انتقال فرمایا، انکی ربا عیان قدیم زبان میں ہیں اور اپنی

حربی و فاضل کے محاکاتے آج تک مقبول ہیں،

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انکی تصنیف چند سالے بھی ہیں جواب تک ثانی ہیں اور طوائف انکی بڑی

بڑی بڑی شرحیں لکھی ہیں،

رضا قلی خان اپنی دوسری تصنیف 'یاض العارفین' میں پھر لکھتے ہیں۔

باباطا ہر عدانی نے نہ کہ پھر ہی سلطان غنیمت و غنیمت میں انتقال فرمایا، اسوجہ سے جیسا کہ

بعض مصنفین کا قول ہے آپ نے تو عین اقصاء عدانی المتوفی ۱۱۸۲ ہجری یا ۱۱۸۳ ہجری اور نہ نصیر الدین

طوسی المتوفی ۱۱۸۲ ہجری کے ہم عصر ہو سکتے ہیں

انسوس ہے کہ رضا قلی خان نے یہ نہیں بیان کیا کہ یہ حالات انھیں کہاں سے ملے، باوجودیکہ اپنے بعد کی

ایک تصنیف میں انھوں نے باباطا ہر کی چوبیس ربا عیان نقل کی ہیں، اگر اس تاریخ یعنی ۱۱۸۲ ہجری کا اعتبار

کیا جائے تو باباطا ہر فردوسی کے ہم عصر اور عمر خیام سے کسی قدر تقدم کہے جاسکتے ہیں،

مشرای، جی بروں نے ذیل کے چند اقعات اور اضافہ کیے ہیں جنہیں ہم کہیں طبع نہیں ہوئے ہیں،

در سلجوقیوں کی ایک بالکل ہی نادر تاریخ میں مجھے باباطا ہر کے حالات کسی قدر ملے، اس تاریخ کا نام

در راقۃ الصدور و آتہ السورہ ہے اور نجم الدین ابوبکر محمد بن علی بن سلیمان بن محمد بن احمد بن حسین بن

حمزہ الرازمی کی تصنیف سے ہے، جس نے سلجوقی سلطان ابوالفتح کبیر بن ملارالد و وزیر الدین

قیس ارسلان بن سلیمان کے حکم سے ۱۱۸۲ ہجری یا ۱۱۸۳ ہجری (۱۱۸۲-۱۱۸۳) میں لکھی تھی

۱۔ مطبوعہ طہران ۱۳۰۰ - صفحہ ۱۲۰۔

۲۔ حاجی خلیفہ جلد سوم صفحہ ۵۹۹-۵۲۶۔ اور نجات ملاحی صفحہ ۵۳۰-۵۴۰۔

اسکا سرحد ملک نے خدایتک ستیا بھراہی جو شیخ گلشن بہریرس میں موجود ہے، خود اس سفر
 آج مسئلہ برکت ہے، اسلئے اسکی مذہب کچھ دینیہ کی جاسکتی ہے اس میں خبر ہے کہ جو وقت
 طہل یکسیر ۱۰۳۰ھ میں ہمدان آیا تو بابا طاہر کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے
 طہل کو بہت کی اور عادی اور اپنے وھو کی پستی کا پرکا ٹوٹا ہوا حلقہ عطا کیا، بادشاہ،
 درویش کے اس تختہ کی بے انتہاء کراتھا اور رائیوں کے مہتوں پر ہمیشہ پائے پاس کھاتا
 میرے خیال میں یہ بڑائی اور قابل وقت شہادت اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ بابا طاہر
 گیارہویں صدی کے وسط میں تھے اور بتائے مجذوب شہور تھے،

اس سے زیادہ کوئی اور قابل وقت سند میں بابا طاہر کے زمانے کی تعیین کے لیے نہیں مل سکی
 انوس ہر کہ نہ تو انکے مجموعہ اشعار مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۱ء (مطابق ۱۲۹۰ھ) اور ۱۲۹۰ء (مطابق
 ۱۲۹۰ھ) اور مطبوعہ طہران ۱۲۹۰ء (مطابق ۱۲۹۰ھ) میں مذہبات خواجہ عبداللہ انصاری
 مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۰ء (مطابق ۱۲۹۰ء) میں کچھ بھی انکی رباعیات کے عنوان میں تحریر نہیں
 جس سے کچھ حال معلوم ہو سکتا،

لیکن آتشکدہ نطف علی بیگ آذر مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۰ء (مطابق ۱۲۹۰ء) میں بیشک صرف
 اچیس رباعیان نقل ہیں اور انکے عنوان میں یہ الفاظ لکھے ہیں،

عوان حکما نام بابا طاہر قہا ہمدان کے ایک مجذوب تھے، یہ ایک عالم اور عہد ان شخص تھے،
 بعض تصانیف میں انکے حالات بیان کیے گئے ہیں، اور علما میں ہر شخص انھیں اچھی طرح
 جانتا ہمدان کی جالت شوق دیوانہ کی سی تھی، جسکے روحانی جذبات اس کے اشعار سے
 چمکے پڑتے ہوں۔

۱۰
 زبان رامی میں انھوں نے بہت سی رباعیان لکھی ہیں جو ایک خاص بحر میں لکھی ہیں جنکی غبی

انھیں رباعیات کے ساتھ مخصوص کی جاسکتی ہیں۔ یہ خاص دو مینیجور عام باغی کی ہجر

نہیں ہے، مگر ایرانیوں نے ان اشعار کو رباعیات میں شمار کیا ہے، یہ ہجر جرج سدس محدث

ہے اور اس طرح پڑھی جاسکتی ہے۔

سب سے قدیم نسخہ ایڈورڈ ہیرالین صاحب کے اپنے کتب خانہ میں ہے جس میں تائیس رباعیان ہیں۔
 ۱۰۔ دو نسخہ ”سیلا تھیک نیشل“ شیفر گلشن پریس میں ہے جس میں ایک چوتھراعیان ہیں جو موجودہ زمانہ
 کے معمولی نیم شکستہ خط میں تحریر ہیں انھیں ۱۲۸۵ ہجری مطابق ۱۸۶۷ء میں ایک شخص سمنی علی بن طالب
 بخش علی قزاقی نے تحریر کیا ہے اور اس نسخہ میں ساٹھ تین صفحوں کا ایک دیباچہ بھی ہے جو محض تعریف و توصیف
 سے ملو ہے، یہ نسخہ نہایت بے ربطی کے ساتھ ختم کر دیا گیا ہے گویا کہ ابھی غیر مکمل ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ قصداً غیر مکمل رکھا
 ہے کہ نہ کر تہ کتاب نے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ ”باباطاہر کی وہ تمام رباعیان جو ۱۲۸۵ ہجری تک اسے
 دستیاب ہو سکیں جمع کر دیں اور بانی اگر ہو سکیں تو بعد میں بڑھا دی جائیگی“ ناظرین کتاب سے بھی اسے یہ
 امید ظاہر کی ہے کہ اگر کسی قسم کی غلطی ہو تو براہ کرم صحیح فراوین، اس دیباچہ میں مصنف کے حالات کے
 متعلق ایک حرف بھی نہیں ہے۔

مشہور ادن کا بیان ہے کہ برلن میں (ملاحظہ ہو فہرست پرش صفحہ ۷۲۔ نمبر ۶۹) رباعیات باباطاہر
 کے چھ اوراق ہیں، مشہور برلن میں کو ان اوراق کے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی مگر ”کوئی فلیچ سیلا تھیک“
 کے ایک ممبر ہارٹرن صاحب فرماتے ہیں کہ ان اوراق میں چھپن رباعیان ہیں اور کئی کا دیباچہ مقدمہ
 نہیں ہے اور گو ان کے اوراق میں کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ۱۲۸۵ء کی لکھی ہوئی ہیں،

۱۱۔ مشہور ہے۔ جی۔ براؤن فرماتے ہیں اگر نسخہ ”بربان“ بھی صحیح ہے تو اس کے ”بربان“ نامی یا ”سندی“ ہونے کی کوئی دلیل بھی نہیں ملتی

اور اگر ”رازی“ پڑھا جائے تو اس کے ”بربان“ سے ”میر“ علم بھی کوئی زبان نہیں ہے مگر ”میر“ کا بھی اس زبان

”رے“ تسلیم کرتے ہیں اس زبان میں نے اکثر جیم سے بدل جاتی ہے۔

موسیو کلیمنٹ ہارٹ اپنی کتاب "رباعیات باباطاہر بزبان مسلمانان ہلوی" بیان کرتے ہیں کہ محدث
شیخ التوفیق شمس جہری مطابق مسکات کے علی کتاب تترتہ قطوب کے ایک فقرہ سے انھوں نے یہ بات
منسوخ کی کہ باباطاہر اس زمانے کے پہلے گذرا ہے فقرہ مذکور کا مضمون یہ ہے،

»باباطاہر کی عمر اس تاریخ یعنی ۱۱۸۵ھ سے دس برس پہلے کی ہے، جہاں میں لوگ اس کی بہت یاد کرتے ہیں»

موسیو مودوت، کاشانی دوی گوینو کی کتاب "تین برس ایشامین" صفحہ ۳۴۲ کی سند دیکھتے ہیں،

»باباطاہر کو اس وقت لوگ ایران میں بدوکان اہل حق (دافرقہ نصیری) کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور انکی
ہنر بی بی غافلہ کی بھی اسی قدر منزلت کرتے ہیں،

بہر حال وہ اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے مجذوب تھے اور جیسا کہ "عربان" انکا تخلص تھا

جہاں کی گلیوں اور کوچوں میں رہتے پھر کرتے تھے، اور لفظ "باباطاہر" سے معلوم ہوتا ہے کہ قلندری
رہنے سے انکو تعلق تھا، اور اہل سلوک میں انکا شمار نہ تھا،

موسیو بلو کے نے "سیلیا تھیک نیشاٹیل" میں ایک عربی کی قلمی کتاب مجھے دکھائی، اس پر مصنف کا

نام نہ تھا اور تاریخ ۱۱۸۹ھ سے جہری مطابق ۱۱۸۵ھ ثبت تھی، ۱۱۸۵ھ میں صفحات ۴۳۲ لیکر صفحہ ۱۰۰۰ تک تصنیف

کلیک سالہ ہے، اس کے شروع کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالیقہ الاحمدی الیکم فی تھے، اُن کے

ارشاد کے موافق یہ لکھا گیا ہے مضامین بالکل صوفیانہ ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ یہ سالہ اُن سالجات میں ہے

یہ ایک سالہ ہو چکا کہ رضاقلی خان نے اپنے ویاچہ میں کیا ہے،

کپتان چارلس کبل ریزیدنٹ انگریزی تعین ہوشہرے ایک ایرانی سے دریافت کر کے باباطاہرانی

کے حالات بعد ازاں "حالات طاہر تخلص" برعربان چنانکہ یافتہ شدہ روایات، حسب ذیل لکھے تھے

»ابو جی کے لیے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہونگے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں،

»بیان کیا جاتا ہے کہ طاہر عریان ایک اُن بڑھکڑا ہارا تھا، دن کے وقت ایک مسجین جا کر

طلبہ کو سبق پڑھتے سنا کرتا تھا، طلبہ اس سے دل لگی مذاق کیا کرتے تھے، ایک دن طاہر نے ایک طالب علم سے کہا کہ ”مجھے حیرت ہو کہ یہ طالب علم کیا کیا کرتے ہیں جو مولویوں کے لکچرنگی سمجھ میں آجاتے ہیں، ایک طالب علم نے دل لگی سے جواب دیا کہ آدھی رات کو یہ سب اس حوض میں چالیس مرتبہ اپنے سرور کو غوطہ دیتے ہیں، چوتھیں آگئی تھیں اُنے لگتی ہو، طاہر نے اسے باور کرایا، اور گو کہ جانے کو کہہ دئے گئے پڑہے تھے، مگر آدھی رات کے وقت اپنے سر کو اُس حوض میں چالیس بار غوطے دینے کے ناگمان ایک فرما رہا ہوا اور اُنے منہ میں غائب ہو گیا، دوسرے روز یہ مدرسہ آیا اور طلبہ سے ایک فلسفیانہ بحث شروع کی جس کے جواب سے وہ لوگ قاصر ہوئے انھوں نے پوچھا کہ آخر یہ انقلاب کہاں سے ظہور میں آیا اسے اپنا قصہ بیان کیا اور کہا بت کمال کو رد و اصحت کا لعرب جنھوں نے اس واقعہ کو سنا کمال تعجب کیا، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کے جسم میں بے انتہا گرمی تھی حتیٰ کہ اُس کے بدن سے آگ نکلتی تھی اور کوئی شخص اُس کے قریب نہیں بیٹھ سکتا تھا اُس کا وقت برابر دشت و کسار میں گذرتا تھا، اور بہت کم لوگوں سے ملتا جلتا تھا،

طاہر عریان کے حالات اس سے زیادہ اور نہیں معلوم ہو سکے، اور جب تک کسی قدیم کتاب سے جواب تک دستیاب نہیں ہوئی ہوا اور حالات معلوم ہوں انھیں پر اکتفا کرنا چاہیے، موسیو بلو کے نے پیرس میں ڈاکٹر اس نے لندن میں مشہورون نے کیمبرج میں اور سٹراپس نے برٹش میوزیم میں تمام باگرفیون کا ایک ایک رقیٹ ڈاکٹر اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوئے،

ان حالات کے علاوہ وہ زبان جس میں بابائے ہمدانی کی رباعیات میں ایک عجیب زبان ہے اسے اکثر لوگ ”لوری“ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اسٹین لکاس صاحب فرماتے ہیں کہ لوریوں کے ایک قبیلے کا بھی نام دوسوا سی طاہر تائی، ”ہو اسی بنا پر کا مٹی دی گو بنو کا خیال ہو کہ یہ رباعیات لوری زبان میں ہیں لیکن چار کو صاحب نے اپنی کتاب ”فارسی کی مقبول عام نظمیں“ مطبوعہ لندن ۱۸۸۵ء

صفحہ ۳۳ میں غم کر کیا ہے کہ یہ رباعیات مازدرانی زبان میں ہیں، چاروی لے میں آنشکہ آؤر کی لے
 دیوہ قابل وقت ہو کہ یہ رباعیان لے کی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ یہ زبان شمالی ایران کے قبائل کی ہے
 جنہیں موسیو ہارٹ "پہلوی سلمان" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں

کرمان کے ایک علامہ شیخ نے مسرہای ہجی، برون کو اپنے ۳۰ جولائی ۱۹۱۸ء کے خط میں اس
 زبان کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے: "وہ زبان جس کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے شیرازہ صفہان کے لویون
 کی زبان ہے جسے پہلوی کہتے ہیں اکثر شاعروں نے مثلاً سعدی، ابواسحاق، حافظ و خاجو کرانی
 نے بھی اس زبان میں اشعار کہے ہیں"

ان رباعیات کو اب قریب نو سو برس کے ہونے آتے ہیں، اور کسی قدر تغیر جس سے کوئی اشعار
 جو گائے بجائے جاتے ہوں اور اتنی مدت تک ابرز زبان زد خلایق ہوں بیچ نہیں سکتے، ان رباعیات
 میں بھی ضرور اثر پذیر ہوا ہے، وحشی قبائل نے جو ان رباعیات کی خوبیاں اور تاریخی حیثیت کے بالکل ناواقف
 تھے یکے با دیگر سے ان اشعار کو ہم تک پہنچایا ہے ایسے یہ ممکن تھا کہ ایک ہی سے تمام نسخے ہوتے تاہم
 جو کچھ بھی مختلف فیہ میں بہت ہی کم ہیں، مرزا حبیب صفہانی کا نسخہ جس سے موسیو ہارٹ نے اخذ
 متن کیا ہے اکثر خاص اور ٹھیک زبان میں ہے مگر علی بن ابی طالب کا نسخہ جو پیرس میں ہے صاف معلوم ہوا کہ
 لکھاری میں ترجمہ کیا گیا ہے اپنے ناظرین کی فہم پرستی کے لیے اب ہم ہمدانی کی چند رباعیان درج کر رہے ہیں

خرم آنان کہ ہر زبان تہ و دین، دان ترا بیند	سخن و اترہ کردن و اترہ شمنین سخن با تو کنند نشینند
گر گرم پائے بوبے کا تم تہ و دینم اگر پا پائے بوبے کا تم تہ و دینم	بشم آفون بونم کہ تہ و دین بشم آفون بونم کہ تہ و دین

یعنی خوش ہیں وہ لوگ جو ہر وقت تجھے دیکھتے بہتے ہیں تجھے جہنم کرتے ہیں اور تیرے ساتھ
 اٹھتے بیٹھتے ہیں، اگر مجھے اتنی قدرت نہ کہ تیرے پاس اگر تیرے زیارت کروں تو انھیں لوگوں
 کو کچھ کترتلی کر لیا کروں گا جو تیری زیارت سے شرف ہونے بہتے ہیں،

بلائے دل بلائے دل بلائے
 گنہ چشمون گردن دل بتلائے
 اگر چشمون نوین سے زیبا
 چه ذوق دل کنه لون در کجایه
خوبان

اگر چشمان نکرے دیدہ بانی
 چه دانستی، دلم خوبان کجائی

ز دست دیدہ و دل ہر دو فریاد
 کہ ہر چہ دیدہ دیدہ دل کند یاد
 بر سازم خنجرے نیش ز پو لاد
 زخم بردیدہ تا دل گرد آید لاد
پاد

شے و یرم کہ بہوشش نیش
 نیش می کرم سودشش نیش
 بیادشش سید ہم نیش می برد باز
 بر آتش می نهم ذوقشش نیش
سودشش

اگر دل دلبرہ دلبرچ نہ
 وگر دلبرہ دل ازچ نہ
 دل و دلبر ہم آمینہ و یرم
 ندوم دل کہ دلبر کردہ
دام

ہزارت دل بغارت برودہ ویشہ
 ہزاران داغ ویش ازوشیم اشمرت
 ہزارت جگر خون کردہ ویشہ
 ہمین نشمرہ از اشمرہ ویشہ
ہنوز نشمرہ

نسبے کز بن آن کا کل آید
 مرا خوشتر دوسے سبیل آید
 شد گیم خیالش را در آغوش
 سحر از بسترم دوسے گل آید
شب

اگر آئی بجانت دانواژم فرازم	وگر آئی ز ہجرات گداژم گداژم
براون درے کہ داری برولم تہ	بیسرم یا بسو جم یا بساژم بسوزم بساژم
ولم از درو تو دائم غمینہ	بیا لین خستہ و بستر زمینہ لا مینہ
ہمین جرم کہ موتہ دوست دیرم دارم	نہ حرکت دوست ازہ حالش اینہ ہر کہ تیرا دارو اینہ
تہ کہ ناخواندہ عم سہوات تہ کہ سود و زبان خود ندونی نہانی	تہ کہ تا بروہ پے در خرابات بروون کے رسم ہیات ہیات مردان
براعی طرز اور وزن دو وزن کا طے عمر خیام سے ملتی جلتی جذبان صاف تہ۔	
در دہست اجل کہ نیست درمان اورا	برشاہ و وزیر بہت فرمان اورا
شاہی کہ حکمہ دوش کرمان می خورد نام نہشت نام نہشت	امروز ہمین خواندہ کرمان اورا یہ

محمد معشوق حسین خان بے۔ لے۔

”فلسفہ تاریخ کا موجد کون تھا“

عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فلسفہ تاریخ کی ضرورت کی صدا اور پ ہی سے بلند ہوئی اور
مہین اس فن کی داغ بیل پڑی۔ اور نشوونما پاکریہ فن یورپ ہی کے علوم و فنون میں
شمار کیا گیا۔ غالباً یہ خیال زیادہ تر اسوجہ سے پھیل گیا کہ یورپ نے اس زمانے میں جو کچھ

اس فن کو ترقی دی جو اسکو دیکھ کر نتیجہ نکالا گیا کہ دراصل اسکے موجد بھی اہل مغرب ہیں۔ ذیل

کے ضمن میں مندرجہ بالا سلسلہ پر ایک محققانہ و مورخانہ نظر ڈالنی مقصود ہے

یورپ کا یہ خیال ہو کہ سب سے پہلی تصنیف جو فلسفہ تاریخ پر کی گئی ہے وہ چوتھی صدی عیسوی میں
 دیوین سیسی کے نقاد اور آرمینین پیر جی کے چار مشہور آباء میں سے ایک کے قلم سے نکلی جو اس مقدس
 آکا کلام سینٹ اگسٹن جو اس کے حالات پر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے عمر میں وہ ایک
 فلسفیانہ خیال کا آدمی تھا۔ اور اپنی تعلیم کے ابتدائی مراحل میں فلسفہ افلاطون کی اسے اچھی طرح سیر کی
 تھی اس وجہ سے یہ اثر دکھایا کہ سینٹ اگسٹن کو فلسفہ افلاطونیہ کا بہت بڑا مؤید بنادیا۔ چونکہ قدرتاں اسکا
 دماغ فلسفیانہ تھا، اور ہر چیز کی چھان بنان وہ محققانہ طرز پر کرتا تھا جب ایک مٹ کے بعد وہ بنے دینی افلاطون
 کے مناظر سے سیراب ہو کر دینداری کی طرف توجہ ہوا تو اسے ان مسائل میں بھی تحقیق و وقت نظر سے کام لیا
 اسکے دائرہ تحقیقات میں دینا کے اس زمانے کے متنازعہ مہذب داخل ہیں اسی تلاش حق میں مہربوں
 مجوسی رہا۔ آخر کار مذہب مسیحی کی تجلیات و افوار نے اس پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ انکے سامنے مستشع و حیران
 ہو کر ہر سر اطاعت عمل کرنے کے اور کچھ نہ کر سکا۔ موزین کا بیان ہے کہ اسے اپنی عمر کے اکیسویں برس میں
 قدم رکھا تھا کہ اسکو حلقہ بلوشان مسیح میں داخل ہونا پڑا۔ اپنے مصطلح کے بعد اسے ایک کتاب شائع کی
 جس میں اسے اپنے ان تمام کیفیات و مشاہدات کو بیان کیا ہے جو اس پر عالم تحقیقات میں گزرتے ہیں اسکے بعد
 اپنی سیاحت کے قبول کرنے کے بھی اسباب گناہے ہیں۔ جو بجائے خود بوجہ ایک فلسفی مصنف کے قلم سے
 نکلنے کے مذہب عیسوی کی تائید میں پرزور دلائل ہیں۔ اس خدمت کو انجام دے چکنے کے بعد اسکا
 فرض یہ تھا کلیسیاں قدیم اور سبھی مشرق پر جو الزامات لگائے گئے تھے انکا جواب دے چنانچہ اس موضوع
 پر اسے قلم اٹھایا اور ایک کتاب سٹیٹیکٹکس نام سے شائع کی جس میں اسے ان تمام واقعات پر جو ان الزامات
 کی تائید میں پیش کیے گئے ہیں ایک تنقیدانہ نظر ڈالی جو اسی کتاب کے متعلق یورپ کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسفہ

ہر گز کی پہلی تصنیف ہر ظاہر ہو کہ کسی واقعہ کی تنقید کرتے وقت ناقد کے ذہن میں کچھ اصول ایسے ہوتے ہیں
 جیسے مطابق اسکے قلم کی رفتار ہوتی ہو اور انھیں کی بنا پر وہ کسی واقعہ کے صحیح و سقیم ہونے کو ثابت کرتا
 ہو۔ اس طرح اگر کچھ اصول سینٹ آگسٹن کے مرکوز ذہنی اصول تھے جنکو اسے آتم حال کیا ہو تو وہ آج ناپید
 ہیں۔ ان وہ کتاب حسین ان اصولوں کو برتا ہو یا نہ سانسے ہو جو بیان کیا جاتا ہو کہ آگسٹن کی خبریں
 کی محنت کا نتیجہ ہو۔ لیکن اگر اسی کا نام فلسفہ تاریخ ہو تو مسلمانوں نے بہت پیشتر فلسفہ تاریخ ایجاد کر لیا تھا
 ہوا یوں کہنا چاہیے کہ تمدن کے ابتدائی مراحل میں وہ فلسفہ تاریخ کے موجد بن گئے تھے۔ یہاں آگسٹن تو
 صرف غلط واقعات کی تنقید ہی کرتا ہو مگر مسلمان مورخین نے ان واقعات کو جسے متعلق شک تھا ترک کر
 کر دیا اس طرح انھوں نے اپنے لکھنے کو ملو از کذب واقعات سے پاک و صاف کر دیا۔ ہم جو فلسفہ تاریخ
 کے سمجھتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ان اصول و قواعد کو رد کرنا جنکی بنا پر کسی واقعہ کی صحت و قسم پر نظر ڈالی جائے
 اس تعریف کے مصداق حقیقی دنیا میں جو دھوین صدی اور یورپ میں اٹھارویں صدی کے جہان تک
 تاریخ ہمارا ساتھ دیتی ہو کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔

شروع اٹھارویں صدی میں ایک شخص اسونامے گذرا ہو جو اس زمانہ کا بہت برا عقلمن تھا
 اسی نے اصول قانون کی بنیاد یورپ میں ڈالی، سب سے پیشتر خیال اسنے ظاہر کیا کہ جب ہماری طاقتوں نے
 نے پھر لسانس مرتب کر لیا جسکا دوسرا نام پھرل ہسٹری ہو تو کیا وجہ ہو کہ سائنس آف ہسٹری ہم دن کی سائنس
 کا اسو صورت یہ خواہش اپنے ساتھ لیکر چل بسا اور اس موضوع پر بہانہ نکالے کہ معلوم ہو اسنے قلم نہیں اٹھایا۔
 اسنے بعد ہی چند برس میں ایک شخص لارائے نامے نمایاں ہوا جسکے اصلی نام کی بنسبت اسکے عرف
 مان ٹسکیو سے لوگ زیادہ واقف ہیں۔ اسنے البتہ ایک سال فلسفہ تاریخ کے موضوع پر شائع کیا۔
 اسنے ایک ضخیم کتاب سلطنت روم کے عروج و زوال پر لکھی ہو۔ اسمیں اسنے یہ لکھایا ہو کہ روم کی ترقی
 کے خاص خاص کیا اسباب تھے اور وہ کونسی خصوصیتیں تھیں کہ جسکے جانے پہنے کے بعد اس عظیم الشان

سلطنت کو زوال آیا۔ یہ کتاب ۱۲۷۳ھ میں شائع ہوئی ہر اسی میں فلسفہ تاریخ کا رسالہ بھی شامل ہے جو سولہ
 باب میں تقریباً دو سو صفحوں کا ہے۔ اس رسالہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہو گیا گو یہ رسالہ اس وقت ہمارے
 پیش نظر نہیں ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ عربی نسخہ جو کہ لفظی ترجمہ ہے لہذا عبارت میں شکستگی نہیں ہے اور مطلب خط
 جو ہلکا ہے۔ مگر خصوصیت کچھ عربی ترجمہ کی نہیں ہے بلکہ علامہ یورپ کی بھی یہ رائے ہے کہ گو مضامین اس
 رسالے کے اچھوتے ہیں۔ لیکن طرز بیان اس وجہ سے ناقص ہے کہ الفاظ دوسے دوسے معانی نہیں ادا
 کرتے ہیں۔ کتاب کے عنوان حسب ذیل ہیں،

(۱) قانون کی تعریف اور اسکی توضیح۔

(۲) نظام حکومت۔

(۳) فوجی قوانین و انتظامات و قواعد ٹیکس۔

(۴) امور اقتصادہ و ادراکی توضیح۔

(۵) مذہبی مباحث۔

(۶) رومن و فرانسیسی اقوام کا مقابلہ۔ فوڈل سسٹم کی تحقیق۔

(۷) رسم و رواج اور انکا اقلیمی کیفیات پر منحصر ہونا۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں دنیا میں فلسفہ تاریخ کا وجود چودھویں صدی میں ہو گیا تھا اس تعلیم کی تخصیص
 اسلامی دنیا ہے۔ ابن خلدون نے دنیا میں سب سے پہلے فلسفہ تاریخ کا سنگ بنیاد رکھا۔ ابن خلدون کی
 محنت کا اندازہ اس کے کام سے ہو سکتا ہے۔ گو ہم کو اس وقت علامہ ابن خلدون کا مقابلہ دوسرے مصنفین سے کرنا

۱۲۷۳ھ انسانیکو پیڈیا برٹانیہ حالات سال ۱۲۷۳

۱۲۷۳ھ فوڈل سسٹم اس نظام حکومت کو کہتے ہیں۔ سیمین ملک کو امرامین تقسیم کرنے کا ہے۔ (ادامہ کلام یہ ہوتا ہے کہ وقت پر فوج

مبارکین۔ انگلستان میں یہ طریقہ وہم نامیج نے سب سے پہلے جاری کیا اور

ظہر نہیں ہو اور اسکو ہم دوسرے عنوان کے لیے اٹھائے رکھتے ہیں صرف ان شکوے سے مقابلے کے لیے
 جسکے بھی چیدہ ابواب عنوانات کی ایک فہرست ذیل میں درج کرتے ہیں جس سے ناظرین خود اندازہ
 لیں گے کہ علامہ نے خطیبہ اجتماعیہ پر کیا احسان کیا ہے۔ اور وہ عنوان یہ ہیں،

(۱) تاریخ کی تعریف اور اسکی وقعت، اور مورخین کی غلطی اور اوہام پرستی کے اسباب۔

(۲) دنیا میں اجتماع انسانی کی حقیقت اور اسکے عوارض۔ تمدن و وحشت۔ علوم و فنون کسب

ومعاش اور ان سب کے علل و اسباب۔

(۳) دنیا کے شمالی حصہ کا نسبت جنوبی حصہ کے زیادہ آباد ہونا اور اسکا سبب اور دنیا کا جغرافیہ۔

(۴) کونسی اقلیم معتدل ہیں اور کونسی منحرف اور انکا اثر انسان کے رنگ میں اور برکت

اور حالتوں میں کیا ہے۔

(۵) زمین کی سرسبزی و شور و ریت کے باعث اجتماع انسانی کا اختلاف اور اسکا انسان کے

بدن اور اخلاق پر اثر۔

(۶) دشمنی اقوام کے حالات اور انکے مختلف مارج و مناظر۔

(۷) دولت و ملک و مراتب شاہی اور انکے حالات۔

(۸) ملکوں شہروں اور اجتماع انسانی کے حالات پر بحث ان کے موجودہ گزشتہ

حالات کی نظر سے۔

(۹) معاش و آمدنی کے طریقے بزرگ کسب یا صنائع۔

(۱۰) علوم فنون اور انکے اقسام تعلیم اور اسکے طریقے۔

اسکے بعد اب کسی فیصلہ یا تقریب کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے اور ناظرین کے دلوں میں

اگر کچھ شکوک ہوں گے تو ہم انکو خود علامہ کی زبان سے ادا کر لے دیتے ہیں علامہ کا بیان ہے کہ یہ انکی تصنیف

کسی سے آخر نہ ہیں ہر ایک ایک فن ہی علیحدہ ہر اسکے ساتھ ہی یہ غلط فہمی بھی اٹھانا چاہیے کہ
تو یہ فن خطابت ہی ہر اور نہ سیاست مدین اور اسکا موضوع ایک ہی چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

اعلم ان العلوم فی هذا البحث مستحقان للصنفين بحث بالکل نئی اچھوتی اور یہ مفید ہر جس پر غور و فکر نہ ملے
وہ سبب النزاع عن مر الفائدۃ انہما علی البعث کیا ہر نہ تو یہ علم خطابت ہر دو علوم منطقی کی ایک شاخ ہر کیونکہ
وادی الیہ القوض وایس من علم الخطابة خطابت کا تو موضوع ایسے چپ کر دینے والے اقوال ہیں جو لوگوں
اللہی موحد علوم المنطقية - فان موضوع کو کسی سے کسی طرف متوجہ کرنے یا اس سے روکنے کی راہ
الخطابت انما هو الاقوال المتفصلة النافعة فی ہوں اور نہ علم سیاست مدین ہی ہر ہوا اخلاق و حکمت کے
استعمال الجمہور الی ائی وہ وہم عنہ لا هو ایضا اقتضا کے مطابق ملک کے انتظام کرنے کا نام ہر ہر ایک
من علم سیاست المدینۃ ہی تدبیر المدینۃ ہر مقصد اسی مرتبہ پر پہنچ جائے جس میں فقط نوع انسان اور اسکی
الاخلاق والحکمة لجمال الجمہور علی مہم ہر کیوں بقا ہر پس اسکا موضوع ان دونوں فنون کے موضوع کے
فیہ حفظ النوع وبقاء و فقد خالف موضوع الامتثال مخالف ہر جو اس سے متاثر ہو ہر گویا یہ علم اس زمانہ کا
موضوع ہر ہر الفین رہا پیشہ انکا نہ مستنداً شنبہ کیا ہو ہر ہر قسم ہر کہ میں نے اس طرح کسی کی تصنیف
ولہی لہر اقف علی الکلام فی عنایہ الاصل من الخلیفۃ دنیا میں نہیں دیکھی۔

اسکے بعد بوجہ اپنی فطری انکساری کے اولیت کا فخر کسی اور کو دینا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ
امکن ہر کہ اور ان نے اس موضوع پر خامہ فرمائی کی ہو مگر اسکا کلام ہم تک پہنچا ہو۔

ایس لظن بہم لعلمہم کہتوا فی هذا الفصل استفادہ انہ بگمان ہوا چاہیے۔ شاید انھوں نے تمام و کمال اس
وہر یصل لینا۔ فالعلوم کثیرۃ والحکماء فی موضوع پر لکھا ہو۔ اور ہم تک پہنچا ہو کیونکہ علوم کثرت ہر
امم ووع الانسانی متعدد وون وصالہم یصل او حکماء نوع انسانی کے اقوام میں متعدد ہیں اور ہر کچھ رسوا
الینا من العلوم اکثر مما وصل ہم تک پہنچا ہو اس سے بہت زیادہ جتنا کہ ہو مگر اس سے۔

لیکن تاریخ آج کسی اور تصنیف کا پتہ دینے سے قاصر ہو،

ایک دوسرے مقام پر اسطو کی کتاب یا ستر دن پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم فصل في الامور والاعمال
اعطيت حق من التصرف والتفهم غشرت في
شأنه على تفسير من الكلمات تفصيل الجمالها
استوفى بيئنا ما وعينان واوضح دليل وبرها اطلعنا
نعمه عليه من غير تعليم اسطو لا افادة موبدان ..
اور اس کی چھان بنان اچھی طرح کرے۔۔۔ میں تم ان کلمات
کی تفسیر اور اس جمال کی تفصیل اچھی عبارت اور صاف
دلائل میں پائے گئے جس پر خدا نے مجھے بغیر اسطو کی تعلیم اور
موہبان کے فائدہ سے مطلع کیا ہے۔

غالباً اب یہ مسئلہ بالکل حل ہو گیا کہ موجودہ سربراہ معلومات کے لحاظ سے یہی کننا پڑے گا کہ
علامہ ابن خلدون ہی فلسفہ تاریخ کا موجد ہے۔ رگبتی یہ بحث کہ یورپ میں اٹھارھویں صدی کے
مورخین نے علامہ سے مدد لی یا نہیں اس کا نفی یا اثبات کوئی جواب ہم نہیں دینا چاہتے ہیں لیکن
آٹھ سو ور کہیں گے کہ رازی وابن رشد کی تصانیف کا درس یورپ میں مدتوں دیا گیا ہے
وہ اسد اعلم بالصواب۔

ضیاء الحسن

علوی

Accession Number.

84682

Date 26.6.88

عزل

چرخ کین فتنه گریلے تو آغاز گرفت
 هر که یکبار نظر بر رخ خوب تو کشاد
 خبرش نیست ز دامن تر خطوتیان
 ماجرای من سوا شده هر جا فاش است
 روزگاری است کس این قصه بیایان نراند
 من به انجام ره عشق گرفتم در پیش
 طلبی بود که مرغ دل من، رزم دادی
 مژده گوئید بر زندان می آیشام که باز
 مگر این شیوه از آن چشم فسون ساز گرفت
 بایزش دیده زدید از جهان باز گرفت
 آن که او خورده بر زندان نظر باز گرفت
 البته آن بود که این دقعه را از گرفت
 گرچه صد بار نبرد خواند و رسد باز گرفت
 ای خوش آن کس که خود این شیوه آغاز گرفت
 این هما بود که از دست تو پرواز گرفت
 صحبت محسوب شهر به من ساز گرفت

بزم را دید که از نغمه دوشینه تری است

شبلی آن زمزمه را باز آغاز گرفت

شبلی نهانی

حکیم علی

مولوی سجاد میزبان ایک صاحب ہوی

حکیم علی ہونے لکھنے کا ایک بہت بڑا اور جامع کتاب جو اردو میں اس فن پر کوئی کتاب نہیں جاسکتی تھی گویا اس نے
 اس کتاب کو اس زمانہ میں ملک کی ضرورتوں کے قابل بنانے کی کوشش کی ہو۔ اور افراد انسانی اس ملک کی
 اصلاح اور ترقی کی تدابیر کے ساتھ ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔ اور مشرقی و مغربی
 علماء کی کتابوں سے وہ مضامین اخذ کر کے درج کیے ہیں جو انسان کی ذات میں جو بہر شرافت پیدا کرنے والے
 اور اس کے زندگی کے مختلف مذاہج۔ مختلف زمانوں اور مختلف حالتوں میں اصول حکمت پر کار بند رکھنے والے ہیں
 مگر انفس انسانی میں حکمت کی ماہیت کے بعد اس پر عمل کرنے کی قوت پیدا ہو
 چونکہ معاشرت اور تمدن کی اصلاح کے لیے عورتوں کی اصلاح اور حقوق کی نگہداشت ضروری ہو
 اس لیے اس کتاب کا مطالعہ مردوں اور عورتوں دونوں کو ضرور اور مفید ہو۔
 اس کتاب کی عبارت نہایت صاف شستہ اور روان ہو اور چونکہ مغربی و مشرقی خیالات کا مجموعہ
 جو مضامین میں شامیت و دلچسپی پیدا ہو گئی ہو۔ اگرچہ نہایت دقیق مسائل پر بحث کی گئی ہو لیکن طرز بیان ایسا
 سادہ اور انشینی ہو کہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی۔ بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو آداب و دلیر، غیر تنہ
 اصول، پرورش دینے اور مہمات امور پر نظر رکھنے، جائزہ آراء اور لائحہ عمل کا اظہار کرنے کی تعلیم دی گئی ہو،
 اور اس قوت حاصل کی ہو جس سے انسان میں بلند و ملکی پیدا ہوتی ہو اور اگرچہ قوت منفعلہ کی خوبیاں بھی جا بجا
 بیان ہوئی ہیں لیکن اس زمانہ سے ہر کمان کا میلان نسبت بہتی کی طرف نہ ہو۔ اور اس خصوصیات میں یہ
 کتاب دوسری اخلاقی کتابوں سے خالی ہو

کتاب علی کے لحاظ سے بھی جدید ہو

جمع۔ تقریباً ساڑھے چار سو صفحہ قیمت تین روپیہ
 پتہ۔ سجاد میزبان ایک : بانارسیہ میان : حیدر آباد دکن

دستور العمل

- (۱) = رسالہ ہر عربی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع کیا جائیگا۔
- (۲) = اس رسالہ کی ضخامت معمولاً ۳۲ صفحے ہوگی۔
- (۳) = اس رسالہ کا مقصد علوم اسلامیہ کا احیاء اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ ہے۔
اس کے ساتھ حسب ذیل مضامین ہونگے :
(الف) عربی زبان کی نادر الوجود کتابوں پر تقریظ و تنقید۔
(ب) ممالک اسلامیہ میں سچل جو کتلیں لکھی جا رہی ہیں ان پر تقریظ۔
(ج) اکابر سلف کی سوانح عمریان جن میں زیادہ تر ان کے اجتہاد و اس کے بحث ہوگی۔
(د) فصاحت و تسلیم مروجہ پر بحث۔
(و) مذہب و علمائے متعلق حالات۔
(و) علمی خبریں۔
- (۴) چونکہ دقیق مضامین سے عام لوگوں کو دلچسپی نہیں ہو سکتی اسلئے ہر پیرچہ میں ایک یا دو دقیق مضامین اور باقی عام فہم و آسان ہونگے۔
- (۵) اس سالہ کی قیمت مع محصول ڈیڑھ پیالہ ہوگی نمونہ کار پڑھیں آئے وصول ہونے پر روانہ کیا جائیگا۔
- (۶) کل خط و کتابت منیر رسالہ کے نام دفتر تذوۃ العلماء الکھنوت کے پتے سے کی جائے اور روپیہ بھی اسی پتے سے بھیجا جائے۔
- (۷) جسکے پاس کسی مہینے میں سالہ پونچھ توہی مہینے میں اطلاع دینی چاہیے ورنہ قیصل نہ ہو سکے گی
- (۸) جو صاحب خط لکھیں وہ اپنا نام صاف و واضح لکھیں و قید ک کا نمبر بھی ضرور درج کریں
- (۹) جواب طلباء کے لیے جولائی کا روزنامہ چاہیے ورنہ دفتر جوابدہ نہ ہوگا۔

سید عبدالحق امینو رسالہ

ادب و ادب

نمبر بیچ الثانی ۳۲۵ء مطابق مئی ۱۹۰۶ء جلد
مجلس ترقی العلماء کا ماہوار علمی رسالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول منقول اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ ہے۔

مربطاً

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن خان شروانی

(سید سلیمان اسٹنٹن اوپیرانڈو)

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	حضرت خضر علیہ السلام	مولوی حبیب الرحمن خان شروانی	۳ — ۱۱
۲	علم ہدایت اور مسلمان	مولوی سید سلیمان صاحب	۱۱ — ۲۱
۳	مولانا بکر العلوم	ایضاً ایضاً	۲۲ — ۳۰

باہتمام احقران محمد قادر علی خان بن احمد خان صوفی مرحوم و معذور اعلیٰ اللہ مقامہ

نمایندہ گرامر مین کمال حسین لکھنؤ

دفتر ترقی العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

مولانا شبلی نعمانی

، اسی کی صبح بھی کس قدر منہوس صبح تھی جس نے سرفندوہ اور الندوہ کا پنڈرہینوں کے لئے رنج و غم کا نشانہ بنایا بلکہ علم کو، فن کو، ملک کو، قوم کو، اخبارات کے ذریعہ سے یہ سب تمام ملک میں پھیل چکی ہے کہ مولانا شبلی نے پاؤں میں بندوق کی ضرب لگی اور نصف پتہ کی پاؤں لگ کر دیا گیا، بعض اخبارات نے، "مولانا شبلی پر حملہ، اور قتلانہ حملہ" کی سرنی سے اس خبر کو شایع کیا اس نے بالکل جھوٹ اور غلط، اور نئے بنیاد، خبر ہے،

واقہ صرف اتنا ہے کہ مولانا کسی پرائیوٹ تقریب سے اپنے وطن آئے تھے (تشریف لے گئے)، اسی سلسلہ میں ان کے شہر العجم کی تالیف میں مشغول تھے شاہنامہ، فردوسی پر ریویو کر رہے تھے اور اتفاق دیکھو کہ ریویو کا اختتام اس شہر پر تھا۔

برید و درید و شکست و ہست
یلا نر سرد سینہ و پاؤں دست

زناخانہ میں تشریف لاء وہاں تخت بچے تھے، دونوں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے تخت پر ایک رتوس کی بھری ہوئی بندو
 رٹھی تھی، وہاں بندو اٹھا کر ایک دوسرے شخص کی دی اوسکا ہاتھ بندو کی کھڑک پر لٹکایا، گھوڑا اگر بندو سر ہو گئی
 پھٹتا تو برسی کے لئے پاؤں پر کڑے بایں پنڈلی کی بڑی چوڑی ہو گئی، اٹری لنگر الگ ہو گئی خون کا وارہ جاری ہو گیا
 یہ سب کچھ تو مولانا کی پیشانی پر ٹکنا تھا آئی، نوکروں کے کہا پاؤں پر پانی ڈالو، پانی ڈالنے سے پاؤں سے بھک بھک
 دھواں نکلتا تھا جسطرح کسی بھی ہوئی آگ سے، بڑی غلی ہوئی کہ جو اسی میں کیسکو اتنا بھی خیال نہ رہا کہ پاؤں تو مضبوط
 باندھ دیا جائے خون روئے، تھوڑی دیر بعد رسول جبریل در سٹنٹ برجن آئے، مولانا بے ہوش ہو کر فرمایا کہ اگر پاؤں جوڑ
 جائے تو بہتر ورنہ سر سے الگ کر دیا جائے اگر نہ لہا کہ پاؤں الگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں یہ ہوشی کی دوا دی گئی
 اور بائیں پاؤں کی نصف پنڈلی سے پاؤں لگ کر دیا گیا،

مولانا کی یہ ہوشی میں بھی ایک نادر واقعہ پیش آیا جو اس مسئلہ کو ثابت کرتا ہے کہ متنازعہ دماغوں کی قوت اور
 جمعیت حواس عام دماغوں کے کہیں بالاتر ہوتی ہے عموماً لوگ چاکس ساٹھ گننے میں بیہوش ہو جاتے ہیں کہ
 اس ضعف و رنقا قابل برداشت صدمہ پر بھی سننا ٹوٹے تک مولانا لگنا، پاؤں لگ کر دینے کے بعد ٹانگے
 دیدے گئے تھے جن میں سے دو ٹانگے کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی کہ اگر گرمی کی وجہ سے کچھ مادہ فاسد جمع ہو جائیگا
 تو وہ اس سے باہر کر دیا جائیگا، مگر الحمد للہ کہ زخم رو بصحت تھا اور مادہ فاسد نہیں جمع ہوا تھا، صرف
 انھیں دو ٹانگوں کی جگہوں میں کچھ مادہ آگیا تھا، ۲۶ مئی شنبہ کو اسل دہ کی ذرا سی کھال تراش دی گئی
 اور ٹانگے کھول دئے گئے، ڈاکٹر ایک روز بیچ دیکر آتا ہے زخم کی جی کھول کر زخم دھو تا ہوا اور پھر ٹی باندھ
 دیتا ہے ڈاکٹر کا بیان تھا کہ دو ہفتہ میں زخم بالکل خشک ہو جائیگا مگر افسوس ہے کہ یہ تیسرا ہفتہ ہوا اور اب تک
 زخم مندمل نہیں ہوا، مواد آ رہے ہیں، زخم میں درد، ٹپک، ٹیس، ہے جس شب بھر نیند نہیں
 آتی، اور چینی رہتی ہے،

بفضیب قوم اور خصوصاً ناظرین امدودہ امید ہے کہ وہ مولانا کی صحت کے لئے دست دعا اٹھائیں گے،

بقیہ مضمون

حضرت خضر علیہ السلام

نمبر	نام راوی	خلاصہ روایت	حرج
۱۲	ابو عمرو بن شاک (فوائد)	حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو خضر کہا	اولون مین علی بن عاصم مین جو بقول ابن ابوزری ضعیف و سنی الحفظ ہیں۔ ابن ابوزری کا قول ہے کہ اس روایت کو احمد بن محمد بن مصدق بھی بیان کیا ہے۔ یہ مجملہ و ضامین حدیث ہے۔ اور اسکی روایتوں میں مجہول راویوں کا ایک سلسلہ ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں نے اس روایت کا ایک جید طریقہ پایا ہے جو یقینی کے دلائل النبوة میں ہے لیکن اُسکے اخیرین راوی کہتا ہے کانہم کا تواتر انہ خضر و الیاس یعنی لوگوں کا ایسا خیال تھا کہ شاید وہ خضر یا الیاس تھے۔

۱۳	ابن ابی الدینا۔	حضرت علیؓ کو طوان میں خضرؑ	و
----	-----------------	-------------------------------	---

انھوں نے حال سنکر ایک
دعا بتائی وہ دعا پڑھ کر سلیمان
کے سامنے گئے تو وہ ملائے ہوئے
تبدیل حالت پر اسکو تعجب
ہوا تو قصہ پوچھا اس شخص نے
تمام ماجرا جنگل کا بیان کیا۔
سلیمان نے سنکر کہا کہ وہ بزرگ
مختصر تھے۔

۲۱ ابو نعیم (حلیہ) رجا بن حیوۃ تابعی مشہور سلیمان
بسنہ تاریخ سلج و بروایت بن عبد الملک کے پاس تھے کہ ایک
محمد بن دلوان بزرگئے اکر انکو حاجت روا کی
خلو کے متعلق مضمیت کی پھر
غائب ہو گئے۔ تابعی مدح
کی رائے تھی کہ وہ مختصر تھے۔

۲۲ زبیر بن بکار ایک بزرگ و ستر بزرگ
نے خاتمہ روایت میں بزرگ
اول کہتے ہیں کہ فطنتہ انہ
انھوں نے گمان کیا کہ وہ
مختصر تھے۔

۲۳ ابو الحسن المنادی ابو عمر بن عبد بن مصلیٰ ابن الجوزی اس روایت کے ایک

(جسکا شمار ابدال میں کیا جاتا) زائد راویوں کو غیر معلوم بتاتے ہیں۔

طی اُخون (ایک بزرگ کو کھگر

حضرت ایسا خیال کرنے پھر

اُسے لکر گفتگو کرنے ساتھ کھانا

کھانے پھر اُنکے غائب ہو جانا

قصہ بیان کیا۔

ایک بزرگ سے لکر اُخون نے

سوال کیا تو اُخون نے کہا ایز

خضر ہوں۔

ابو جعفر منصور نے طوفان میں ایک

شخص کو دیکھا جو ظہور فساد

شکوہ کر رہا تھا پھر اُسے بغیر

سے ابو منصور کو نصیحت پہنچی

اُسکے بعد چلا گیا۔ اور باوجود

تلاش نہ ملا منصور نے کہا یہ خضر

ابراہیم تیمی کو حضرت خضر نے

ایک یہ دیکر کہا کہ میں خضر ہوں

حضرت عمر بن العزیز نے حضرت

۲۴ داؤد بن جہان

۲۵

۲۶ ابن عساکر

۲۷ ابو الحسن بن المنادی

منہ سے ملاقات کی۔

دینوری (مجالس)

ولیعقب بن سلیمان

(تاریخ)

ابن حجر کہتے ہیں کہ اس باب میں جس قدر
روایتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ

بہتر ہے۔

والبوعزہ یہ و البوعزہ (حلیہ)

و ابن حجر (فوائد البوعزہ)

(الرازی)

بلال الخوص حضرت خضر سہو

ابو عبد الرحمن

اور امام شافعی و امام حنبل و

و بشر بن الحارث کی بابت

سوال کیا۔

بلال الخوص نے خواب میں حضرت

البوعزہ (حلیہ)

خضر کو دیکھا اس میں بھی امام احمد

و بشر بن الحارث کی نسبت

وہی سوال جواب میں ہوا کہ

کی روایت میں ہیں۔

حضرت بشر بن الحارث نے

حضرت خضر کو اپنے حجرہ میں دیکھا۔

ابو الحسن بن ہفتم

۳۰

عبدالمغنیث

عن ابن عمر عن رسول الله صلى الله عليه

عليه وآله وسلم قال لا تمنعوا عنكم من كنفه و

المذكورة في البشر

ابونفيس

ابو الحق مرستانی نے حضور کو دیکھا

اور اُن سے دس کھیتوں کا تعین

ابن یزید عن عوف بالکذب

کلیک انگلیز نقل کرتے ہیں۔

حسن بن غالب

اینا ملنا حضرت خضر سے بیان

بن اجڑی کا قوس کہ حسن بن عباس
کی تلمذ سب محدثین نے کی ہے۔ حسن بن

کرتے ہیں۔

طالب کذب وہ)

ابن عساکر (بسنڌي)

الوزير (ع) ملاقات حضرت مخدوم

ایک دفعہ کہ انہوں نے ”منہالی“

أند الخضر،

ابن ابی حاتم رازی۔

عبداللہ بن جریر نے کتاب الترمذی

ایک شخص کا کلام نقل کیا ہے جسکو

(جرح و تعدیل)

و انیسویں من مہینہ

انہوں نے دیکھا اور جو کلام کہے

یہاں ہوگا شمعوں نور کا خیا

کر، مختصر حقیر و کمال، و کی بجائے۔

۳۰۔ ابن جوزی (انجاء برہیم بن بروایت برہیم بن بشار خادم

(ادہم) حضرت برہیم بن دہم کیفیت

ملاقات حضرت خضرؑ

۳۱۔ عبدغنی بن زبیر (دنی) تین روایتیں امام حمز بن حنبل عبدغنیث کی روایتیں امام حمز سے

الکتاب لندی جمع فی حوالہ کی ملاقات حضرت کی بابت ثابت نہیں۔ ابن جوزی

خضرؑ

۳۲۔ حضرت معروف کرخی نے کہا: دس این یصح ہذا عن معروف

محبس خضرؑ نے گفتگو کی۔ ابن جوزی

ابو جہان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل صلاح میں سے بہت سونے میاں لے گیا تھا بعض صحابہ کی ملاقات خضرؑ کو بیان کیا ہے امام ابو الفتح قشیری اپنے ایک شیخ کے حضرت خضرؑ کو دیکھنے اور اُسے کلام کرنا مذکور کیا کرتے تھے جب اُسے کیسے کہا کہ انکو یہ کہنے بتایا کہ خضرؑ میں اور تم اسکو سمجھانتے ہو تو وہ خاموش ہو گئے (فقیر لہ من علامہ الخضر و انت عرفت ذالک فسکت) انھوں نے کہا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ ہر زمانہ کے لئے ایک خضرؑ ہیں (ابن حجر) کہتا ہوں کہ اس میں یہ تسلیم ہے کہ خضرؑ مشہور رحلت کر گئے۔

ابو جہان کہتے ہیں کہ عبدلواحد بنی کے شاگردوں کو اعتقاد تھا کہ وہ خضرؑ سے ملتے ہیں۔ ابن حجر سے اُسے شیخ ابو الفاضل

عراقی نے نقل کی کہ شیخ عبد اللہ یافعی کا عقیدہ تھا کہ حضرت خضرؑ زندہ ہیں۔ میں تجب کہا کہ امام بخاری انکی دفات کے قائل ہیں تو وہ غصہ ہوئے اور کہا کہ جو انکو مردہ بتاے گا میں اُس پر غصہ ہو گا۔ یہ سکر شیخ

اعتقاد فوت خضرؑ سے رجوع کیا۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ بعض ایسے لوگ مینے دیکھے جو حضرت خضرؑ

ملنے کا دعویٰ رکھتے تھے بخلاف انکے قاضی علم الدین تھے جو عہد سلطان نظام ہر رقوق میں مالکوں کے قاضی تھے

خلاصہ مافی الباب ملاقات حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ حضرت قرآنی نے

اگلی نبوت بقول صحیح محقق ہے۔ ذوالقرنین کی وفات و اہمیات کا ذکر ضعیف روایتوں میں ہے۔ درازگی میں بہت بحث ہے اسکی مؤید روایات اکثر ضعیف و مشکوک ہیں محققین (جیسے سرگرم و حضرت امام علی رضا و امام بخاری ہیں) اگلی وفات کے قائل ہیں۔ نیز اگلی حیات جاوید بقول بن سنادی خلاف نفس وانی ہے امام ابوالقاسم قشیری نے ایک گروہ اہل اطن کا یہ قول لکھا ہے کہ ہر زمانے کے لئے ایک حضرت جوتے ہیں جب وہ وفات پا جاتے ہیں دوسرے اگلی جگہ ہو جاتے ہیں

شروانی

علم ہیات اور سلمان

دنیا کے تمام علوم و فنون کا جو در، مدیرین عالم کی دماغ سوزیوں کا نتیجہ ہے لیکن صرف علم ہیات اپنی وجود میں ایشیا کے صحرائیں چرواہوں کا ممنون حسان ہے جو ایشیا کے کھلے میدانوں میں اپنی پرصیبت رائیں اختر شماری میں بسر کرتے تھے۔ شعلی سے گھر اگر صفوا فلاک کا مطالعہ شروع کر دیتے تھے، مزید مطالعہ کے بعد ستاروں ہر سطح میں انھیں یہ عبارت نظر آنے لگتی کہ اس ارہ افلاک کا ہر نقطہ کو کب ایک مستحکم قانون کی سطح پر ساکن ہے یا حرکت کرتا ہے کو کب ساکن و حرکت ہماری زراعت پر خاص اثر کرتی ہے، ان ستاروں کا تغیر و تبدل کسی خاص اصول پر ہے۔

وہ علمین ان خیالات کے آتے ہی انھوں نے ستاروں کے نام رکھے، انکی حرکت کا اندازہ کیا، انکے منازل مقرر کیے ثوابت کی ملامت سے خاص خاص سمتوں کی علامتیں قرار دیں، رفتہ رفتہ یہی جمعی قواعد زراعت کے اصول

اور نئے نشان صحرا اور نئے پامان و ریائی دلیل راہ ہے،

مات تک چند سادہ ہول جو سحر انشینوں کے مشاہدوں کے نتیجے تھے خلفاً عن سلف ایشیا کے جنگجو
گشت کرتے رہے لیکن امتداد زمانہ پر کاربان جموں کی اصولوں کا دائرہ وسیع کر رہا تھا جنگوں کے علم میں
اسطون، لے لقتے یاد کیا جاتا ہے، مگر اب تک اس علم نے فن کی حیثیت نہیں پیدا کی تھی، سب سے پہلے
ہندوستان میں ان چند معمولی اصولوں نے جو اب تک معلوم ہو چکے تھے فن کا قالب اختیار کیا، علم ہی کے سیر
لی فہرست میں ہندوستان کے بعد مصر کا نام ہے،

یہاں پہونچ کر یورپین میں ایک بڑا اختلاف یہ ہوتا ہے کہ مصر میں یہ علمی فیض ہندوستان سے آیا یا جس طرح
ہندوستان کو مستقل یورپ کے بعد ہندو نے حق حاصل ہے، مصر کو بھی ہے لیکن صحیح فیصلہ یہ ہے کہ دنیا کے
دونوں قدیم ممالک میں اس علم نے مستقل زندگی حاصل تھی، نہ ہندوستان اس کے لئے مصر کا ممنون ہے نہ
مصر ہندوستان کا کیونکہ اگر مصری ہیات کا ماخذ ہندوستان ہوتا تو دونوں کے ہول مسائل بطور
بحث ایک ہو یا کم از کم مشابہ ہوتا حالانکہ دونوں کے ہول میں اتنا ہی بعد ہے جتنا مصر کو ہندوستان سے
یہ تاریخی طور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قدیم الایام میں ان دونوں ملکوں میں سلسلہ آمد رفت تھا، مصر و
ہندوستان کا تعلق حملہ ہندریہ سے شروع ہوتا ہے اور علم ہیات کا وجود مصر میں اس سے پہلے ہو چکا
ایک بڑی وجہ ہے کہ ہندوستان کو اپنے علوم کیساتھ جو بخل تھا وہ کیونکر اجازت دے سکتا تھا کہ ہندوستان
مصر کے لئے اپنے خزانہ کا دروازہ کھول دے، اسلئے یہ بالکل صحیح ہے کہ ہندوستان اور مصر میں بالکل لگے
غن پیدا ہوا، ان میں یہ ضرور ہے کہ ہندوستان کی سر زمین اور آب و ہوا سے علم ریاضی کو ایک قدرتی مناسبت
تھی، ہندسہ، موسیقی، علم نجوم کا گہوارہ طفولیت ہی ہندوستان سے، لیکن کاپا ہیہ بھی علم اقلیدس کی
ایجاد ہندوستان سے کچھ زیادہ نسبت نہیں دینے دیتی،

علم ہیات نے مصر اور ہندوستان میں نشوونما پر اپنے حدود سے جب ہر قدم نکالا، تو خوار و خلیل،

ایران میں داخل ہوا، شاہانِ پارس میں سے ضحاک اور جاسپ کے اسکی زیادہ قدر کی، ان متمدن ملکوں
کی سیر کرتا ہوا، فنقیہ، اور یونان بھونچا اور گوسیطر علمِ حیات اپنی ترقی کے منازل طے کرتا تھا لیکن اسکی
تہنیتی ترقی کا پہلا دن وہ تھا جس دن مصیبن مدرسہ اسکندریہ کی بنیاد ڈالی گئی، اب یہ مدرسہ دنیا
میں علمِ حیات کا سب سے پہلا مدرسہ ہے، اس مدرسہ کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا تھا جس میں علمِ حیات کی
تمام کتابیں بقدر امکان جمع کی گئیں تھیں جیسا کہ یونانی اور عربیوں نے صریح جو علمِ حیات کے سب سے پہلے
مدون ہیں اسی مدرسہ کی تعلیم کے نتائج اور اسی پر آگندہ بزم کے مولفین، اور گوانتے پہلے اور ان کے
بعد بہت سے اس فن کے ماہرین پیدا ہوئے جیسے ارمیدس *Armedes*، شفق *Shafiq*، ابسطاوس،
سنلہ *Senleh*، ابو نیوس *Abu Nuwas*، ثاؤن *Thaun*، فالیس *Falis*، رومی *Rumi*، ثادانیس *Thadani*، کلوسن *Klouson*، امزبا *Amzba*، خب *Kh*، نصر *Nasr*، کاخمر *Kaxmer*،
ایون *Ayon*، حند *Hand*، وغیرہ پیدا ہوئے جن کی کوششوں سے حیات نے ایک حد تک ترقی کی مگر جیسا کہ پہلے
دو ایسے شخص ہیں جن کے ذکر سے علمِ حیات کی تاریخ کبھی نے نیاز نہیں ہو سکتی۔

ہمارا کہ سنہ سیچے چند سال پہلے شہر روسیہ میں پیدا ہوا تھا اجزا فیہ کا طول و عرض البلد پہلے اسی دریافت کیا ستاروں کی ایک فہرست طیار کی جسمیں ان کے چالوں کی تفصیل تھی اسکی زندگی کا سب سے بڑا علمی کا زمانہ یہ ہے کہ اسے نقطہ اعتدال کی جمعی حرکت دریافت کی۔

بطليموس دوسری صدی عیسوی میں تھا مدرسہ اسکندریہ میں اس نے ہیئت کی تعلیم پائی اس فن میں اتنا کمال پیدا کیا کہ مدرسہ اسکندریہ کی تاریخ میں سب جلی نام بطليموس کا لکھا گیا، علم ہیئت کے معلومات کے معتد باضافہ اس وقت سے ہونے لگا جسے آلات رصد ایجاد ہوئے، آلات رصد کی ایجاد اور ستاروں ترصد سے پہلے بطليموس کی ہیئت کی ایک گرہن بہا خدمت یہ کہ اُس نے علم ہیئت کے منتشر معلومات ایک کتاب کی صورت میں منظم کر دی جو جسطی کے نام سے مشہور ہے۔

چونکہ اسلامی علم ہیات کی تاریخ مجسطی سے شروع ہوتی ہے اس لئے اسکے متعلق ہم کچھ تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں جس سے قیاس ہوگا کہ جب مصنف ہیات کی ایک کتاب مجسطی کے متعلق مسلمانوں نے اتنی جانکاہ کوشش کی ہیں تو نفس علم ہیات کے متعلق مسلمانوں نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا،

مجسطی ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی ترتیب کے ہیں چونکہ بطلمیوس اسی کتاب کے ذریعہ سے ہیات کے پرانے معلومات کو یکجا کیا تھا اسلئے مجسطی سے بڑھ کر اس کتاب کا کوئی موزون نام نہیں ہو سکتا تھا یہ ہیات کی سب سے پہلی جامع کتاب ادریانوس *Adrianus* اور انطونیوس *Antoninus* کے عہد میں انھیں دونوں میں ایک کے لئے لکھی گئی تھی بلا کتاب حلبی کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب ہیات کی اعلیٰ ترین تصنیف ہے بلکہ یہ کتاب اصل ہے اور ہیات کی تمام تصنیفات اسکی خوشہ چین ہیں،

سے پہلے علی بن خالد بکلی کی فرمایش سے چند لوگوں نے ملکر اس کتاب کو عربی عباد و مستار سے آرمے کیا یہ علی کے خاطر خواہ یہ ترجمہ نہ ہوا اسلئے اسے بیت الحکمت کے مشہور مترجمین ابو حسان اور سلم کو اس مسئلہ کے انجام دینے کا حکم دیا، ان دونوں نے ماہرین فن کی ایک جماعت کو اسکے ترجمہ کے لئے مقرر کیا جب یہ سب ترجمہ کر چکے، ان ترجمہ میں جو سب سے زیادہ جو صحیح اور بامحاورہ تھا اسکا انتخاب کیا ہا سپر بھی شوق کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، جلال بن مطر نے مامون کے عہد میں اسکا دوبارہ ترجمہ کیا، تبریزی نام ایک شخص نے اسکا تیسرا ترجمہ کیا ثاب بن قرہ (مترجم بیت الحکمت) نے اس ترجمہ کی اصلاح کی، اتحاق نے اسکا چوتھا ترجمہ کیا جسکی اصلاح بھرتاب نے کی، مامون اس کتاب کا عاشق تھا، مامون کے عہد میں حجاج بن یوسف ثاب بن قرہ نے پھر سپر نظر ثانی کی،

اس کتاب میں تیرہ مقالے ہیں صرف پہلے مقالہ کی طرف یوسف اور عمر بن الفرجان اور ابوسعید بن صلت نے تفصیل کی ہے ابوریحان بیرونی نے مشور و زوائد سے پاک کر کے اسکو مختصر کیا، فاضل نظام الدین حسن رحمت

غیاپوری نے اسکی شرح بھی تقاضی زادہ رومی نے اس شرح پر حاشیہ لکھا، فاضل جمال الدین ابوالفتح
کے ایما سے محی الدین محی اندلسی اسکا خلاصہ کیا اور محبیطی پر کچھ ایزا دیا، محقق فیض الدین طوسی نے محبیطی کے
اشکالات ایک خاص تصنیف کے ذریعہ سے حل کئے، محقق شمس الدین سمرقندی نے اسکی شرح لکھی ہے، بعض علما
متاخرین نے محبیطی کی شرح کی ہے۔

محبیطی کے سوا اور کسی خاص ہیأت کی کتاب کا ترجمہ مسلمانوں نے نہیں کیا، دنیا کے اہل علم قوموں کے معلوم
سے فائدہ اٹھایا، انکو اپنی تصانیف میں جگہ دی اور صفحہ عالم پر آج یونانی تالیفات کا نشان نہ ہوتا اگر مسلمان
علمی قدر والی کا ہاتھ انکو نہ تھامتا، ایک انگریز مصنف کہتا ہے،

خدم علماء اسلام العرب علم الیاضۃ خدمۃ علماء عرب ریاضیات کی پوری پوری خدمت کی اگر انکی
کلیۃ ولولہا الصاع کثیر من مصنفات لیونان^۱ تو برہنہ ہوتی تو یونانی ریاضی تصنیفات کا اکثر حصہ برباد ہو گیا
لاہذا حفظت فی تجاعریبۃ بعد فقدان^۲ ہوتا لیکن اصل یونانی نسخوں کے ضائع ہوجانے پر غنی تراجم نے
الواصل للیونان^۳ محفوظ رہا،

مثلاً اوس اسکندرائی جو مشہور مین تھا ہیأت کا بہت بڑا عالم تھا بطلمیوس محبیطی میں اسکا تذکرہ کیا ہے
اسکی تصنیفات یورپ کے عرب کے ہاتھوں سے پائی،

مسلمانوں نے صرف تباہی نہیں کیا قدیم تصنیفات کو معدوم نہیں ہونے دیا بلکہ اپنی خاص تحقیقات اور
معلومات سے علم ہیأت کی تجدید کردی، علم ہیأت کی طرف مسلمانوں کی توجہ ابو جعفر منصور دولت عباسیہ کے
دوسرے تاجدار کے وقت سے شروع ہوتی ہے، ابو جعفر کے بعد ہارون کے عہد تک اس علم کی ترقی
ایک معمولی انداز سے ہوئی، مامون جب سربراہ ہوا تو اُس نے ہیأت پر ایک خاص لطف کی نگاہ ڈالی تو
اسلامی ہیأت کی ترقی دیکھا چھ تھہ مسلمانوں نے اس علم کو تقلیدی طور سے نہیں سیکھا بلکہ جانچو دیکھا اسکی ترقی

ہوموسی مامون کے زمانہ میں محمد، احمد، حسین تین بھائی تھے جنکو فلسفہ اور ہیات کے ساتھ خاص شغف تھا، اعلیٰ میں اکثر تراجم انجیل کے مد سے ہوئے ہیں، علم ہیات میں انکو کامل دستگاہ تھی مامون کے ایما سے خط نصف النہار کے ایک درجہ کی پیمائش اس غرض ہوئی تھی تاکہ محیط ارض دریافت کیا جاسکے اور اسکی تحقیق کیجا کہ یونانی مسغین نے جو محیط ارض بتایا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے۔

افلاک اور ستاروں کی تحقیق کے لئے مامون رصد بنوائی تاکہ یونانی مسائل کی جرح و تعدیل کیجائے۔

مسلمانوں نے اپنی ہیات کی بنیاد صرف یونانی تصنیفات پر نہیں ڈالی، بلکہ دنیا کے تمام اہل علم ملک مصر، ایران، ہندوستان کے منتخب مسائل پر بیرونی نے قانون سعودی میں اہل پارس کی علم ہیات کو سب سے زیادہ قوی صحت بتایا ہے۔ کتاب ہند اور نیز قانون سعودی میں ہندوستان کے علم ہیات کے مبسوط مسائل لکھے ہیں قانون کو بیرونی نے سلطان غزنوی سعود بن محمود بن سبکتگین کے لئے لکھا تھا لیکر اور لندن میں چند بار چھپ چکے ہیں، ابوالقاسم بنو طاطی المتوفی ۳۲۲ھ نے ایک ضخیم کتاب جس میں ہستیا کی پرکھی

شہان اسلام نے اس علم کی طرف جتنی نگاہ تو جبکہ اس سے زیادہ کسی دوسرے فن کی طرف نہیں کی، اسکا انداز اس کے کردہ فائز وایان اسلام میں سب سے زیادہ علم کا دشمن وحشی جو خنزیر جابل، کون تھا، چمنستان بغداد کا تاراج کرنے والا تاتاری ہلاکو، کراس نے بھی مراغہ کی رصد گاہ اپنی یادگار چھوڑی،

کسی قوم میں کسی چیز کی حسن قبول و کثرت کی کیا دلیل ہے؟ یہ ہے کہ اس قوم کا اعلیٰ سے اعلیٰ فرد اور اعلیٰ سے اعلیٰ فرد اسکو قبول کرے، ہیات کے حسن قبول کا یہ حال تھا کہ سلاطین تک اس علم کے ماہر ہوتے تھے ابو غنیہ المتوفی ۳۵۵ھ اس علم کا ایک کامل الفن صاحب تصنیفات ذہن کا اسکی یہ کتاب لندن میں ۱۶۵۱ء میں اور اسکفورڈ میں ۱۶۵۵ء میں چھپ کر شایع ہو گئی ہے، کثرت کا یہ حال تھا کہ مسلمانوں کے غلام تک ہیات میں کمال رکھتے تھے، ابوالعزیز فلکی المتوفی ۳۵۵ھ جو مسلمانوں میں ایک ماہر ہیات دان گذرا ہے، اس شوق

دیکھو کہ یہ ایک شہور محدث تھا، ہیات کا جو شوق ہوا تو، ۴۰ برس کی عمر میں ہیات کیسی اور ایسی کیسی کہ اب اس فن کے ماہرین میں اسکا شمار ہے۔

اسی ابو عتر کا ایک غلام تھا، آقا کے ماں شوق کو دیکھ کر یہ بھی ہیات کی طرف متوجہ ہوا مرتے وقت، کتاب طرح انشعاع، کتاب تحاویل سنی، التام والحکم ایسا کتاب تحاویل سنی، الموالید، دیکھا چھوڑی، ابو الفتح عبد الرحمن، علی بنارن، مروزی نام ایک شخص کا غلام تھا اسے علوم ہندوستان کی تکمیل کی اور ایک زین تصنیف کی اسکا آواز کا شہرت جب سلطان بخر کے کانوں تک پہنچا تو اس نے ہر رو دیا، عبد الرحمن کو مقرر بھیجے۔

مسلمانوں کی رصد گاہیں [اسی سلسلہ میں مسلمانوں نے رصد کے متعلق جو ترقیاں کیں وہ سب زیادہ حیرت انگیز ہیں جس میں علی خواجہ نے پانچ سو برس تک ترصد کی مختلف رصد کے مسلمانوں نے آلات رصد ایجاد کئے، یہ سب بنائیں جنہیں اکثر جرج ورج میں چھپ گئی ہیں یا قلمی محفوظ ہیں، آلات رصد کے نام اکثر تاریخ میں ملتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ انکا استعمال ایک مدت سے چونکہ متروک ہے اسلئے یہ وقت سے دریافت ہو سکتا ہے کہ یہ آلے کس مقصد کے لئے بنائے گئے تھے، ذیل میں ہم مضران آٹون کے نام بتائینگے جنکے موقع استعمال سے کچھ کس قدر واقفیت ہوئی ہے بشرطیکہ اسکی ایجاد کا شرف مسلمانوں کو ہوا ہو،

نمبر	نام آلہ	کیفیت	کس کام کے لئے ہے	موجود
۱	لبنہ	مربع مستوی	اس سے میل کی وسیع عرض البلد اور ستاروں کے درجہ کا پتہ	مسلمان
۲	حلقة الاعتدالية	ایک کٹم حلقة ہوتا ہے جو دائرہ معدل کی سطح میں نصب کیا جاتا ہے	اس سے قیول متدی زینا کیجائی	"
۳	فوات لاوتار	چار مربع اسطواناتی ہیں اسکی ایک حلقة اعتدالیہ	تحوال عدلیہ و تدریج میل و ریافت ہوتی ہے	علامہ علی بدین

نمبر	نام آلہ	کیفیت	کس کام کے لئے	موجد
۱	آلات سمع الارتفاع	ایک نصف حلقہ جو سب سے قطریہ متوازیہ اس سطح اسٹون کی سطح ہے	اسی سمت اور اس کا ارتعاش معلوم ہوتا ہے	مسلمان
۲	ذات الجہیمہ			
۳	المشتملہ بالمائع		اسی دستاروں کے درمیان بعد معلوم ہوتا ہے	علامہ نفی الدین ناصر
۴	الربع التام			ابن الشاطر دمشقی الموتوی سن۶۰۰ھ
<p>ابن الشاطر سلطان مرین کی بہت بڑی اہمیت والا گندرا ہے، النفع العام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ایک موقع پر آلہ الربع التام کی زیادتی یہ وجہ لکھی ہے کہ ایک میں جتنے آلات رصد کیے ہیں ان سب میں چھ لچھ دو گداشت ہی اصلی اصلاح کے لئے میں نے الربع التام بنایا جو آسانی سے اور تمام مالون کے برخلاف کرہ ارض کے چرچہ پر استعمال کیجا سکتا ہے۔</p> <p>رصد کا ہولکا وجود سلطانوں سے پہلے تھا، ان سکندرانی نے مسند قسطنطین میں طیمو حاسن سن۳۳۳ھ میں اسکندریہ میں انیس نے الماریق میں مالانوس نے رد میں سن۳۴۰ھ میں بطیموسن سن۳۴۱ھ میں رصد کا میں قائم کیا تھیں، عہد اسلام میں سب سے پہلے مامون نے رصد بنوائی،</p> <p>(۱) جب مامون کے زمانہ میں محسبی کا ترجمہ ہوا تو اس نے ان سب آلات کے بنانے کا حکم دیا جو محسبی میں ذکر کیا گیا تھا، دنیا کے ہر گوشہ سے ماہرین حیات جمع کئے گئے، جگہ ہاتھوں کشہ شماسیہ بعد ادا و رد مشق میں سن۳۴۵ھ میں رصد کا یہن طیار ہوئیں، ان رصد کا ہونے صرف چار برس کی عمر مانی ہو کیونکہ بدستہ سے مسلمین مامون کا انتقال ہو گیا، مگر اس قبیل حصہ میں بھی چند ہی باتیں دریافت ہوئیں جو ایک کتاب کی صورت لے کشف الظنون ج ۱ ص ۱۵۹ لے قبل از حضرت عیسیٰ</p>				

رتبہ مامونی کے نام سے مشہور ہے یہ رصد گاہیں یحییٰ ابن منصور، خالد بن عبد الملک مروزی، سند بن علی عباس بن سعید کے زیر اہتمام تھیں،

(۲) رصد ابی حنیفہ دیوڑی ۳۳۰ھ میں اصفہان میں قائم کی گئی، اس رصد میں ستاروں کے متعلق جو معلومات ہوئے تھے انکو ابو حنیفہ المتوفی ۳۵۰ھ نے ایک کتاب میں ترتیب دیکر رکن الدولہ دہلی کے نام سے معنون (ڈیکمیشن) کیا تھا۔

(۳) رصد حاکمی، حاکم بامر اللہ مصر کا چٹھا فاطمی خلیفہ تھا اس مصر میں ایک رصد بنوائی تھی، ابن یونس المتوفی ۳۹۹ھ میں مکہ مہتمم تھا، ابن یونس حاکم کے نام سے ایک نیچ بھی لکھی تھی، اس نیچ کو ۳۵۰ھ میں فرخ ترجمہ کیا تھا کون ساڈی برسفال نے چار جلدوں میں شایع کیا ہے اس کے قلم سے اور کتابیں بھی نکلی ہیں جن میں سے بعض خدیوی کتب خانہ مصر میں موجود ہے،

(۴) رصد ابو الاعلم، یہ رصد بغداد میں ۳۵۰ھ میں بنائی گئی تھی،

(۵) رصد بیرونی، ابوریحان بیرونی المتوفی ۴۲۰ھ اس کا بغیر تھا،

(۶) رصد طوسی، ہلاکو خان تغیر الدین طوسی المتوفی ۳۸۰ھ کے درخواست پر مراغہ میں یہ رصد بنوائی تھی

اس رصد کی طیاری میں ہلاکو نے بیسٹار روپے صرف کئے، رصد کے ماہانہ اخراجات کے لئے بیس ہزار

اشرفیان مقرر تھیں، اسکے اہتمام کے لئے دو دروہوں کوں سے اس علم کے ماہرین طلب کیے گئے، مویہ عرضی

دمشق سے فرغانہی موصول سے فرطاطی ہفلیہ کس نجم الدین قزوین سے بلانے گئے، ماہ جمادی الاول

۳۵۰ھ سے یہ رصد بنی شروع ہوئی تھی، یہاں ایک کتب خانہ بھی تھا جو بغداد شام جزیرہ کی تاراج کردہ

کتابوں سے آراستہ کیا گیا تھا،

(۷) رصد الورغ بیگ، الورغ بیگ بن شاہ رخ بن تیمور لنگ، المتوفی ۳۸۰ھ اس کا واسطط

لے اس رصد کی تاریخ بنا کاٹھلی نے ۳۵۰ھ لکھی ہے مگر یہ کس طرح صحیح نہیں کیونکہ اسکا مہتمم ابن یونس تھا اور حالانکہ خود ابن یونس کی دست

موجود تھا خود ہی علم حیات کا ماہر اور علماء حیات کا ایک مجمع بھی اپنے پاس رکھتا تھا موسیٰ بن محمود قاضی زادہ
رومی مصنف شرح چمنی ۱۰۰۰ میں صدی میں تھا اور غیاث الدین کشید کا شاگرد تھا انھیں دونوں کے مشورہ
اس وقت میں اس بعد کی نیابت ان کے اس کی بہت سی سے حیات کے یہ دونوں آفتاب و ماہتاب تھے
رصدت پہنچے وہ بے شک لیکن ملک بھی بالکل اوان حالی تھا ہمیشہ کے لائق جاننشین فرزند علی قوشی
کا اجتماع یہ رصد کا تکمیل کو چوٹی ۔

ان مذکورہ آثار صدوں کے علاوہ اور بہت سی رصد گاہیں تھیں، جیسے رصد بن الشاطر، رصد تاجو
رصد بنی، رصد طلیطلہ، گمان کے واضح حالات چونکہ دستیاب ہو سکے اسلئے فہوس کے ساتھ انکو
تعمیم مل کر لیا پڑا،

۱۔ خاشیہ پرہیز میں مسند پر بھی نور کرنا ہے کہ یورپ کی گردن میں اسلامی حیات کا طوق تلو
۲۔ اس کے جواب ثبات میں ملے ہے جہن کا علم دوست بادشاہ فرڈرک دوم ایک
زیر زمین جہاں میں سماؤں سے نور پیا سا ہو رہا تھا اور دوسری طرف سماؤں کے علوم سیراب ہوا
تھا اور میدان جنگ میں سماؤں کے مقابلہ کے لئے صف راجی ہے اور ریاضی کسائل ہائی فوج کے سپہ سالار
حل بھی کرتا ہے

۳۔ ابن یونس نے جوہر اکمل اور خلیفہ فاطمی کا مشہور فلکی تھا جسکی کتاب بجا اول حاکمہ میں ہے
چھپ گئی ہے اس کے حالات میں اور دین کریم میں فاطمیک لکھا ہے

۴۔ اسْتَعْمَلَ ابْنُ يُونُسَ جَوْهَرَ الْحَسَابِ وَالْفَلَاحِ ۱۰۰۰ ابن یونس نے حیات کے چند طریقے استعمال کئے جنکو
أَحَدُهُمَا عَدَدُهُمَا بَعْدَ هَلْ الْهَيْئَةِ فِي وَرْدِ ۱۰۰۰ ابن یونس کے بعد یورپ کے ہیئت والوں نے اخذ کیا۔

(المتفاد الفروع ص ۲۳۵)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹ ۱۰۰۰ میں ہر اور حاکم ہر اندر خود چوتھی صدی میں تھا ۱۰۰۰ میں وفات پائی ہے،

سب سے پہلے اس دعویٰ کی ہیات کے اُن عربی اصطلاحات سے ملتی ہے جو یورپ میں آج تک متعارف ہیں۔
جس سے یہ ظاہر نتیجہ اخذ ہوتا ہے، کہ یورپ میں عربوں کی بدولت علم ہیابہ پھیلا ہے۔

نمبر	عربی	انگریزی	کیفیت
۱	اسطرلاب	Alulab	کونست عربی نزلانی سے آیا جو یورپ میں بون بونا پھیلا
۲	الغضادہ	Alchuda	اسطرلاب کا ایک پرزہ
۳	الدبران	Alcholaran	ایک ستارہ کا نام ہے
۴	الرجل	Dragal	"
۵	النسرات	Althair	"
۶	النسرات	Waga	"
۷	آخر النہر	at corner	"
۸	رہاں الغول	Alghol	"

سید جان

مولانا بحر العلوم

اور

انکی ایک صدی کی یادگار

سن تاریخ و سیرگزسما نون کا خاص فن ہے، گنام و گنام لکب بھی جہاں کا قدم
 پہنچا ہے اُنکی تاریخی روشنی سے منور ہو گیا ہے، مگر ہندوستان کی فطرت کچھ ایسی
 اذ اور پڑی جو کہ ابتدا سے آج تک ترازو اور سیر متعلق ایک حرف نہیں لکھا گیا،
 ہندوستان نے قدیم الایام سے سیدڑوں، ریاضی اور موسیقی دان، طبیب اور
 فلسفی، اہل زبان اور اہل قلم پیدا کئے مگر کبھی کوئی مورخ اسکی خاک سے پیدا نہیں ہوا
 چند جھوٹے سچے اسنے انے شہر متظوم ہوئے بھنوں نے چند راجاؤں کے نام ایک تک
 روشن کر دیے،

آب دہوا کی خاصیت نے اون لمانوں کے فنون کے دفتر سے بھی جو یہاں آباد ہو گئے
 ترجم و سیر کا نام جو کر ڈالا، ہکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے ہزاروں فصللا اور باب عام
 پر پردہ گما می پڑ گیا جو قطب الدین رازی، شیرازی، میرزا قاضی زادہ،
 سید شریف کے مقابلہ میں ترجیح کیسا تھویش کئے جاسکتے تھے۔

ہندوستان کے مطلع پر چھ سو برس تک سلائی ہلال چلتا رہا اس عرصہ میں سہما
 علم کے سیکڑوں ستارے نکلے اور ڈونے اور سیل علوم بڑے اور گھٹے، مگر

بحر العلوم اشان سے معقولات کے افق پر طلوع ہوا کہ اکثر ستارے اسکے آگے
ماند پڑ گئے اور اس جو شخص منقولات کے سہل پر اڑا کر تحقیق کے دفتر سے ہنر ستار
فوج نام شاہ نے ۱۲۷۵ء میں بحر العلوم نے وفات پائی اور یہ سنہ ۱۳۷۵ء اس تقریب سے
پچھنوں پورا حرم کی ایک صدی کی سالگرہ کی یادگار ہے جس کے لکھنے کا حق ہے
زیادہ مدد و اور اللہ وہ کو ہے۔

مولانا کا نام سب خانان، عبدعلی محمد نام، ابو الیماش کینت، بحر العلوم اور ملک العلماء خطاب، نسب نامہ
یہ ہے عبدعلی محمد بن نظام الدین محمد بن قطب الدین بن عبدالحکیم بن عبدالمعز بن احمد بن حافظ بن فضل اللہ بن
برہ بن نظام الدین بن علاء الدین انصاری سلسلہ نسب شیخ الطائفہ خواجہ عبد اللہ انصاری کے واسطے
جو شیخ علاء الدین کے دادا تھے مشہور صحابی حضرت ابویوب انصاری تک پہنچتا ہے، مولانا کا خاندان
علیت کے لحاظ سے ہمیشہ متنازع رہا، خواجہ عبد اللہ انصاری ایک مرتاض صوفی تھے، ہرات میں انکا مزار اب تک
مرجع خاص و عام ہے،

مولانا کے بزرگوں کا اصلی وطن ہرات تھا، شیخ علاء الدین پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان کا رخ کیا، انکا
مزار قصبہ زیادہ میں ہے جو سمٹھ اور دہلی کے درمیان واقع ہے شیخ علاء الدین کے بیٹے شیخ نظام الدین
قصبہ سہال میں جو مضافات لکھنؤ سے آگرا آباد ہوئے، اور یہیں وفات پائی، انکے جانشینوں نے بھی
مستقل سکونت کا شرف اسی بستی کو بخشا، شیخ حافظ ایک صلح کل صوفی تھے، دربار اکبری سے انکو تعلق تھا، اکبر
شیخ صاحب کا احترام کرتا تھا، چنانچہ بعض دیہاتوں کے فرامین معافی اور تہنوں میں شیخ صاحب کا
نہایت روایت الاعضان الاربعہ کی ہو لیکن مولوی عبدالحی صاحب موت العالم فی وفاتہ جمعہ العالم میں لکھا ہے کہ شیخ حافظ
لاہور میں پیدا ہوئے اور چھن نشو و نما پائی ان دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہو کہ حافظ اپنے دادا نظام الدین ہی کے زمانہ
پیدا ہو چکے ہوں اور تب تک یہ خاندان لاہور ہی میں ہوں اسکے بعد شیخ نظام الدین سہال آئے ہوں ۱۲

فوت سے نام لیتے تھے، شخص صاحب کا سہال میں ایک مدرسہ بھی تھا جہاں طلباء کی تعلیم سے فیض اٹھاتے تھے، ہوا باجر اعلیٰ کے دارالافتاء تھے، یہ ایک مشہور گیارہ روز گار تھے، یہیں سے اس خاندان کی شہرت کا پایہ چند زینہ اور بلند ہو جاتا ہے، ملا دانیال جو راسی اور قاضی گمشی کے شاگرد تھے، شرح عقائد مولانا دین دوانی پر ایک دقیق حاشیہ لکھا تھا،

قبیلہ مہمانی میں دو خاندان آباد تھے ایک عثمانی یعنی الملو حضرت عثمان کی اولاد ہونے کا دعویٰ تھا اور انصاری جسکے قبیلہ اقصیٰ سرگودھا تعلق دین تھے، دونوں خاندانوں میں ساویانہ رقابت تھی، انتقام و کینہ، عداوت کی چنگاریاں سینوں میں سلگ ہی تھیں، آخر ایک دن بھڑک اٹھیں عثمانیوں نے ملا صاحب کے دو تھانہ کا محاصرہ کر لیا تیغ و دم کی لڑائی میں ملا صاحب کی شمع حیات گل کر دی اس معصوم خون سے بھی جلاش حد ٹھنڈی نہ ہوئی مکان میں آگ لگا دی ملائے شہید کے اوراق مقصیف بھی مفارقت کا صدمہ نہ اٹھا سکے وہ بھی جگر خاک ہو گئے، یہ حسرتناک واقعہ سنہ ۱۱۸۷ھ میں واقع ہوا، ملا صاحب نے چار بیٹے چھوڑے ملا محمد اسعد، ملا محمد سعید، ملا نظام الدین، ملا محمد رضا، ملا محمد اسعد جو ملا صاحب کے بڑے صاحبزادہ تھے وہ مالکیہ کے ساتھ دکن میں تھے، باب کی خبر شہادت سنی اور وہیں وفات پائی، ملا صاحب کے دوسرے صاحبزادہ ملا محمد سعید معصوم خون کی داد خواہ کے لئے دکن روانہ ہوئے عالمگیر نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور ملا صاحب کے قاتلوں کے لئے سزا احکام صادر فرمائے اور ملا محمد سعید صاحب حکام لکھنؤ کے نام یہ فرمان لکھ کر دیا کہ ملا صاحب کے خاندان کے لئے فرنگی محل خالی کر دیا جائے، اس زمانہ میں بڑے بڑے شہر دکن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی دکانیں تھیں ایک دکان لکھنؤ میں بھی تھی یہی دکان فرنگی محل کے نام سے مشہور تھی چھوٹا محل تب تک ستمبر و زمانہ سے محفوظ ہے،

ملا محمد رضا ایک سیاحت پسند صوفی تھے زیارت حرمین کا شوق ان کو ہندوستان سے لے گیا

ہندو سی عالم سیاحت میں بغداد میں وفات پائی،

لا صاحب کے محیط بیٹے لا نظام الدین اپنے باپ کے سب سے زیادہ لائق جانشین تھے تمام ہندوستان کا
ممنون جہاں سے اسی بلع سے تمام ہندوستان میں علم کی بوجھیلی ہے، اسی لئے علماء ہند نے
لا نظام الدین کو استاد الاساتذہ کا خطاب دیا ہے، درس نظامی انھیں کی طرف منسوب ہے مولوی
غلام علی آزاد لکرامی رحمہ اللہ میں لا صاحب کے تھے سجدۂ اوجان میں لکھتے ہیں "میں لا نظام الدین سے
ملا ہوں میں نے انکو بالکل سلف کی طرز پر پایا، تقدس کی روشنی پیشانی پر چمکتی ہے،

شیخ عبدالرزاق بانسوی المتوفی ۸۳۶ھ کے مرید و خلیفہ تھے اور شیخ غلام نقشبند صاحب کھنوی اور ملا امان اللہ
بنارس وغیرہ سے درسیات میں ملند تھا ۱۶۱۱ھ میں وفات پائی چند تصنیفات لا صاحب کی یادگار
ہیں،

بحر العلوم کی پیشین درابتدائی حالات

مگر لا صاحب کی سب سے بڑی یادگار لا صاحب کی سب سے کم سن اولاد
عبد علی محمد ہے، لا صاحب کی دو شادیاں ہوئیں محل دل سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس نے صنع سنساری میں
باپ کو دافع مفارقت دیا، پھر کوئی اولاد اس بیوی سے نہیں ہوئی، لا صاحب کی زندگی کی آخر بہار
تھی گو ہندوستان کے اس سکر سے اس سکر تک لا صاحب کی باطنی اولاد پھیلی ہوئیں تھیں جن سے
لا صاحب کا نام قیامت کے دامن سے وابستہ تھا، مگر ظاہری اولاد نہ ہوئے کیونکہ وہ سے دلگیر رہتے تھے آخر
سید محمد عیسیٰ لکرامی کے مشورہ سے ستر کھ نسل بارہ بنکی میں ایک دوسری شادی کی جس سے عبد علی
محمد اور ایک لڑکی پیدا ہوئی،

عبد علی محمد بحر العلوم رحمہ اللہ میں کھنوی فرنگی محل میں پیدا ہوئے، چونکہ لا صاحب کی قرۃ العین اولاد کو
میں سے صرف بحر العلوم تھے اسلئے بحر العلوم نے ابتدائی زندگی لاڈ پیار میں بسر کی مگر اسی پیار سے
لا صاحب نے بیٹے کو پڑھانا شروع کیا، مگر چونکہ بحر العلوم کی تربیت اس انداز سے ہوئی تھی کہ جب لارنگی

نہو لعوب بین زیادہ مصروف ہوا تھا، لوگ ملا صاحب بحر العلوم کی شکایت کرتے تھے مگر ضعیف العمری کے ولیمین جو کائنات گہرا رنگ تھا کہ نصیب سے اپنے اکلوتے بیٹے کے شیشہ دلو عبارتاً لودہ نہیں کر سکتا تھا خاندانی رستہ کے مطابق بحر العلوم ہر سری طور پر تعلیمات کی مساعیتیں قطع کرتے جاتے تھے، مسند تین یہ منزل نام ہوئی اور، ابرس کی عمر میں باپ سے سند فرائع حاصل کی، ملا صاحب نے اسی سال کو ری ضائع لکھنؤ میں بحر العلوم کی شادی کر دی ابھی ملا صاحب غریبیت کی گہرا زندگی بھی نہ دیکھنے پائے تھے کہ شادی کی چھ ہی مہینہ کے بعد بحر العلوم کو اپنی بیٹی کا غم کرنا پڑا،

باپ کی مسند درس خالی دیکھ کر بحر العلوم کو تحصیل کمال کا شوق پیدا ہوا، لوگوں کا طعن و طنز شہوت کے لئے ایک اور تازیانہ ہوا، تمام اشغال سے فارغ ہو کر مہرتن کتب مبنی کی طرف مصروف ہو گئے، ہم نے بعض نقات سے سنا ہے کہ بحر العلوم رات کو کتابوں کی سیر کرتے تھے ایک بڑا فقیہ سورساروشن رہتا تھا جس میں اس انداز سے تیل ڈالا جاتا تھا کہ قیلہ کی خاموشی ختم شام شب کی خبر دے جب تک پہنچا مجھ نہ جاتا بحر العلوم کے استغراق کا تار نہ ٹوٹا ۳۲ سالہ میں جب ندوہ کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا تھا ان علما کے سامنے جبکو ندوہ کی کشش لکھنؤ کیسج لائی تھی اس خاندان کے علمی تبرکات پیش کئے گئے تھے، انھیں باوقار صالحات میں جبرائیل بھی تھا،

بحر العلوم کی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ کسی عید کی شب کو سرشام ایک نایاب کتاب ملی اسکو یونہی ایک نظر دیکھنے کو چراغ کے سامنے کھڑے ہو گئے کھڑے کھڑے پوری رات گزر گئی اور اسوقت تک نہ چونے جب تک شعل آفتاب کے ہاتھوں نے قوت باصرہ کے شانے کو جنبش ندی،

جلوہ ادھار دے کر برم بہرہ زخواب | شنبہ درج، وہاں محو تماشا باشم
برسون اسطرح مطالعہ کتب میں مصروف رہے شکل مقامات اور دقیق مسائل میں اللکال دشاگر

شہنشاہین سے معاصرانہ مذاکرہ و مباحثہ کرتے تھے۔ لاکمال کے اور شاگرد و مکرر علوم کا یہ سیارہ
 ہندوستان آیا لاکمال نے شکایت کی کہ عبدعلی کو اسکے ستا خانہ مباحثہ پر کیوں نہیں چشم نمائی کرتے
 لاکمال نے کہا، یہ کم سن بچہ میرا آوازادہ (استاد کا بیٹا) ہے اگر وہ مجھے استفادہ کرتا ہے تو یہ اس
 سے وہ کچھ گراں بار نہیں یہ دولت علم اسکے باپ کی امانت تھی جسے میں واپس کرتا ہوں، اور جسے
 ابری بات یہ ہے کہ عبدعلی کا سینہ کم سنی میں اتنے علوم کا مخزن ہے جن سے بڑے بڑے علما کا
 میزانہ دماغ خالی ہے

بحر العلوم کی ایک بڑی خصوصیت جو انکو متاخرین علما سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ بحر العلوم کے سر پر
 فضل و کمال کا تاج بحر العلوم کے اساتذہ نے نہیں رکھا بلکہ بحر العلوم کی خود جان گداختوں نے شہب
 بیداریوں نے تحقیق طلب مباحثوں نے ضخیم کتابوں کی ورق گردانیوں نے،
 چند سالوں کی کتب بینی کے بعد بحر العلوم باپ کی جگہ سنددرس پر بیٹھ گئے، ایک تو اس خاندان کو پہلی ہی
 حسن قبول حاصل تھا دوسرے بحر العلوم کی طلباء کے ساتھ ہمدردی، اور شوق علم میں انکی محویت، و تدریس
 میں محنت طلباء کی تامل و توجہ بحر العلوم کی طرف مبذول دی اور ایک قلیل عرصہ میں بحر العلوم کے معلومات
 کا باغ اداگا، بڑھا، پھولا، پھلا، اور لوگ استفادہ ہو کر اطراف ملک میں پھیلے،

تدریس کے مشغلہ کیساتھ تصنیفات کا سلسلہ بھی شروع کیا بڑے اطمینان و رشان کے ساتھ
 تصنیف و تدریس کے تحت پر جلوہ آرا ہوا تھا کہ ناگہان ایک ہنگامہ نے بحر العلوم کی جمعیت خاطر کے
 شیرازہ کو درہم برہم کر دیا، اور غالباً یہ مسئلہ یا مسئلہ کا واقعہ ہے اس حساب اس وقت بحر العلوم
 کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کی تھی،

بحر العلوم جس زمانہ میں پیدا ہوئے یہ وہ عہد تھا کہ دہلی کی سلطنت کے ٹکڑے پرزے ہو چکے تھے۔
 ملک کے ہر گوشے خود مختاری کی صدا بلند ہو رہی تھی ہندوستان کے صوبہ صوبہ کا ایک

سکون تھا، اور دھکی عمان حکومت شجاع الدولہ کے ہاتھ میں تھی، روہیلکھنڈ نواب عبداللہ خان اور حافظ رحمت یار خان کے زیر تصرف تھا، رامپور میں نواب فیض اسد خان فرمانروائی کر رہے تھے بنگالہ پر قاسم علی خان علیجاہ کا قبضہ تھا، کرناٹک، مدراس کے تحت پر والا جاہ جلوہ آ رہا تھا، گورنمنٹ ریفٹہ ہرنوبہ انگریزی کمپنی کے زیر نگین ہوتا جاتا تھا،

لکھنؤ میں جسکی خمیر میں مہر ہی تقصیب و تفرقہ اندازی شامل ہے بحر العلوم کے ایک فتویٰ پر سنی شیعوں میں اختلاف پیدا ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطنت کے اشتعال سے شیعہ خون کی حرارت بحر العلوم کے مقدس خون کے بغیر ٹھنڈی نہیں ہوئی جا رہی تھی مگر ایک دنیاوی جاہ و جلال کے شہنشاہ کا سرا بہت آسانی سے اُتار جا سکتا تھا لیکن بحر العلوم کا خون بہا آسان نہ تھا، شیعوں کی آمریزی فرج نے اپنے علم و مذہب کے تاجدار کی ہر طرح حفاظت کی، لیکن بحر العلوم نے یہ خیال کیا کہ فوری جوش میں استقلال کی ناسبت نہیں ہوتی شاہجہاںپور چلے گئے شاہجہاںپور کا گورنر اسوقت حافظ الملک حافظ رحمت خان تھا، اُسے بڑے احترام سے بحر العلوم کا خیر مقدم کیا، عبداللہ خان نواب شاہجہاںپور کو جب یہ معلوم ہوا کہ بحر العلوم نے میری حدود سلطنت کو شرف قدم بخشا ہے وہ بحر العلوم کی ملاقات کو شاہجہاںپور آیا، اور قلعہ کے اندر اپنی خاص جوئی میں اُسے بحر العلوم کو ٹھہرایا اور ایک رسہ قلعہ کے باہر لٹ ریا بنوادیاجے شکستہ آثار کچھ اب بھی موجود ہیں،

حافظ الملک جب تک زندہ رہا بحر العلوم نے وہاں قیام کیا، تدریس قالیف کا سلسلہ بحر شروع ہوا طلباء دور دراز مسافتیں قطع کر کے آتے تھے اور بحر العلوم کے ہاتھوں سند فراغ حاصل کرتے تھے بحر العلوم کا مرغ شہرت یہیں سے اوڑ کر ہندوستان کے مغرب و مشرق میں پھونچا، تصنیفات کا بھی زیادہ تر حصہ یہیں مکمل ہوا، اور ان تصنیفات کی تعلیم یہیں اطراف ملک میں پھیلے، بحر العلوم یہاں تقریباً دو برس رہے،

سلسلہ میں حافظ الملک شہید تھا اور وزیر الممالک شجاع الدولہ اور نواب فیض اللہ خان دکن
نے ملکہ حافظ الملک کی سلطنت تقسیم کر لی، شاہجہانپور، فرخ آباد، بریلی، مراد آباد، پٹنہ، بھیت،
شجاع الدولہ کے حصہ میں آیا، اور رامپور ریہ پٹنہ نواب فیض اللہ خان کی قسمت میں آیا، لیکن
نواب فیض اللہ خان نے اپنے ناقص حصہ کی کمی اس طرح پوری کر لی کہ حافظ الملک کے پاس جو عطا کاغذ
تھا اسکو رامپور آٹھ لایا، بحر العلوم اس کا دستہ کے کل سرسبد تھے یہ بھی رامپور آئے،
بحر العلوم نے پھر مدرس کا سلسلہ شروع کیا بعض تصنیفیں یہاں بھی کیں اور ذرا فرصت جو ملی تو کتبہ
تصنیفات پر نظر ثانی کی، باوجود اسکے کہ ملک میں عام بدامنی تھی طلباء کی کثرت کا تاثر نہیں ٹوٹا تھا
ایک دریا تھا جو اٹھ آتا تھا، آخر نواب فیض اللہ خان اتنے طلباء کے بار کا تحمل نہ ہو سکا، وظائف
میں کمی شروع کی، طلبہ کو تکلیف ہونے لگی، بحر العلوم یہاں سے برداشتہ خاطر ہو گئے اور مصمم
ارادہ کر لیا کہ اب یہاں سے کسی اور طرف رخ کرنا چاہیے، اتفاق سے منشی صدر الدین نے
بنگالہ میں آنے کی درخواست کی، بردوان میں ایک مقام بہار ہے جہاں منشی صدر الدین کا
وطن تھا، منشی صدر الدین نے یہیں ایک مدرسہ بنوایا تھا، بحر العلوم نے درخواست قبول کر لی
اور رامپور سے روانہ ہو گئے راستہ میں رائے بریلی بڑا، جہاں ملازمہ راجی تاجر العلوم کے
داماد تھے اُن سے ملنے کے لئے بریلی میں ٹھہر گئے، اور ملازمہ راجی کو ساتھ لئے ہوئے تقریباً
سو ڈیڑھ سو طلباء کے جلو میں بریلی سے آگے بڑھے اوپر میہم کو چون کے بعد یہ چھوٹا سا کاروان
بہار بھونچا،

منشی صدر الدین بڑے ترک ہشتام سے استقبال کو نکلے اور بحر العلوم کو ساتھ لیکر اپنے مدرسہ میں داخل ہوئے چار سوز روپے ماہوار بحر العلوم کے لئے اور ستور روپے ملازمار الحق کے لئے اور ہر ایک طالب علم کا وظیفہ مقرر ہوا،

بہار کا مدرسہ کمپنی گورنر جنرل کے اشارہ سے بنایا گیا تھا کہ علما ان دنوں حکام ہوتے تھے اور ایسے علما جو دستار فضیلت کے ساتھ عثمان حکومت بھی سنبھال سکتے ہوں مشکل سے دستیاب ہو سکتے تھے اس غرض سے یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا کجرا علوم کے فیض اثر سے طلباء تیغ و قلم دونوں کے مالک بن گئے تھے انھیں اس زمانہ میں ہندوستان کے اکثر شہر و زمین بھر علوم ہی کے شاگرد اور شاگرد و شاگرد دقانی قاضی القضاۃ، صدر الصدور وغیرہ ہوتے تھے مثلاً امین قاسم عالی جاہ ناظم بنگالہ نے کمپنی کی شکست کھائی تھی اور بنگال کا نظم و نسق کمپنی نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا اس لحاظ سے یہ مدرسہ شاہ کے بعد قائم ہوا ہو گا اور بحر العلوم اسی سال بہار کے مدرسہ میں مسند نشین ہوئے اس حساب بحر العلوم تقدیر پایا پنج برس رہا ہے۔

ایک مدت تک بہار میں بحر العلوم کا فیض جاری رہا تصنیفات کیں سیکڑوں علماء پیدا کئے جنھوں نے کتب و متین کیں بلکہ کج قسمت میں ابھی صحرا و زردی اور باقی تھی، چند فرد یا بونکی مذہب کو شش بھر علوم اور فنی صدر الدین میں نیش ہو گئی بحر العلوم کا دل گھبرا گیا اور یہ فکر ہوئی کہ یہاں اب کسی اور سمت چلنا چاہیے اسی فکر میں آنکھ لگ گئی دل کی آنکھوں سے مقدس باپ (ما نظام الدین) کی زیارت کی، ملا صاحب نے بیٹے کو تسکین دی، اطمینان دلایا اتفاق سے اسکے کچھ ہی دنوں کے بعد مدرسہ سے والا جاہ نے بحر العلوم کی درخواست کی بحر العلوم مدرسہ سے روانہ ہوئے،

باقی

سید سلیمان

علمی خبریں

فکر اور دماغ، یہ ہر شخص جانتا ہے کہ فکر دماغ کا کام ہے، دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں ایک مرکز اور دوسرا اسکے اوپر لپٹا ہوا، پہلے حصہ کا رنگ پیدری مائل ہوتا ہے اور دوسرا حصہ مائل بہ زردی ہوتا ہے دماغ کے ان دو حصوں کی تشبیہ نازکی کے منہ اور چھلکے سے زیادہ مناسب نہیں کی جاسکتی ہے، جس طرح انسان کی دو آنکھیں ہر چیز کی الگ الگ دو تصویریں کھینچتی ہیں مگر وہ دونوں تصویریں توحیف دماغ میں مل کر ایک ہو جاتی ہیں اور صحیح آدمی کو ایک چیز ایک ہی نظر آتی ہے، مگر احوال جسکے توحیف دماغ میں دونوں تصویریں ایک نہیں ہو جاتیں، وہ ایک طرف کو دو دیکھتا ہے، ایسے دماغ کے دونوں حصے دو عمل کرتے ہیں پھر وہ دونوں عمل مل کر فکر کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں،

دماغ کے دوسرے حصے میں تیرہ ٹیڑھی ٹیڑھی کچھ شکنیں ہوتی ہیں جہاں میں شکنوں کی تعداد متنی زیادہ ہوگی اتنی ہی اسکے دماغی اعمال زیادہ صحیح ہونگے تمام ذی روحوں میں انسان کے دماغ میں شکنیں زیادہ ہیں، فکر دراصل ایک حرکت دماغی کا نام ہے، دماغ کے ترکیبی ذرات جلد جلد حرکت کرنے لگتے ہیں لیکن حرکت اور فکر میں اتنا فرق ہے کہ حرکت ایک محسوس شے ہے اور فکر غیر محسوس،

کم شدہ سلسلہ، جو لوگ ڈارون کی تھیوری صحیح تسلیم کرتے ہیں، اور عالم کی تدریجی ترقی کے قائل ہیں انھوں نے سب سے کم درجہ کے حیوان سے انسان تک حیوانات کا ایک تدریجی سلسلہ قائم کیا ہے جسکی انتہائی سرحد بندر ہے، بندر اور انسان کے درمیان جو حد فاصل حیوان تھا اسکا پتہ انکو نہیں لگا تھا اور مدت سے انکو اسکی جستجو تھی،

اشہد عین جاوہ (ایک ملک) میں ایک قسم کے حیوانات کی طرح پڑیاں ملی ہیں، جنکے اعضاء کی ساخت بندر اور انسان دونوں کے عین ہیں ہے، علمائے طبعیہ کو یقین ہے کہ یہ وہی بندر اور انسان کے درمیان کا گمشدہ سلسلہ ہے جسکی نوع اپنے نیا سے مفقود ہو گئی ہے،

سالی آسٹریلیا کے ساحل میں ایک عورت پائی گئی ہے جس میں اب تک فطری قوتیں باقی ہیں، اسے حاصل بندر سے بہت مشابہ ہیں، درخت پر اسی آسانی سے چڑھ سکتی ہے جس طرح کسی چھوٹے چھوٹے بندر اس کے پاؤں بالکل جھینڈی ہوئی ہیں، اس سے پہلے بھی کوئی انسان نہیں پایا گیا تھا، اسٹرالو جی و علم الان کا ایک پریشانیہ کہتا ہے کہ یہ بندر سے ترقی کردہ حیوان ہے۔

انگلستان کے ایک شہر میں علم ہندو کی ایک تصویر ہے جس میں موسم، سہ ماہی، ہفتہ، دن کے خالی نقشے ہیں، یہ تصویر، ایک مکان ہے، اس مکان کے چاروں طرف کے لحاظ سے چار بازو ہیں، اور ایک سال کے حساب سے ۳۶۵ درجے ہیں، اور ایک برس کے ہفتوں کی مناسبت سے ۵۲ دو گدش ہیں، اور ہفتہ کے سات دن کے لئے سات دروازے ہیں،

ہندوستان کی ایک نامعانت اندیش جماعت نے آزادی نسوان اور پردہ دہری کی آرزو مند ہے مگر اس کو اس ملک کے علمائے تمدن و اقلیت نہیں ہے جسکی صرف عامیانا تقلید کو وہ ملک و قوم کی نجات کا باعث سمجھتے ہیں،

یورپ کے علماء متہم ہیں کہ یورپ کی مردم شماریں کیوں روز بروز کم ہوتی جاتی ہیں، اسکی علت صرف یہ ثابت ہوئی کہ لوگ، شادی نہیں کرتے اور تہجدانہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن یہ علت خود ایک دوسری علت سے پیدا ہوئی ہے چونکہ وہاں کی بے پردگی اور عام مجمع مردوں عورتوں سے ملنے کا کافی موقع دیتا ہے اسلئے یورپ میں ازدواجی تعلقات کم ہوتے جاتے ہیں۔

اشتہار

پٹنہ کے مشہور کتب خانہ مین مرزا کامران (اکبر شاہ کے چچا) کا دیوان، شاہی کتب خانہ کا نسخہ ہے، اسکی لوح پر جہانگیر، اور شاہجہان کے ہاتھ کی تحریریں ہیں، ہم نے اسکا فوٹو لیا، اور دفتر ندوہ سے عطا کر دیا۔ یہ مسکن ہے، یادگار چیز ہے، اور دیکھنے کے قابل ہے۔

موازنہ نسف دیر

مصنفہ

مولانا شبلی نعمانی

تقطیع بڑی، کاغذ عمدہ، ضخامت تقریباً ۳۰ صفحے، قیمت عیناً در خواست حسب ذیل تہ سے بھیجی جائیں،

ندوہ لکھنؤ

کتب خانہ لمعین

ندوہ مین ہر قسم کی اردو، فارسی، عربی، کی کتابیں مطبوعہ ہند، مصر، بیروت، قسطنطنیہ، نہ لکھا جاسکتی ہیں۔

مینجر فضل الرحمن

الف ۲۰۵

۵۰

نمبر ۵ جمادی الاول ۱۳۲۵ مطابق جون ۱۹۰۴ء جلد ۳

مجلس دہ علماء کا ماہوار علمی رسالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول و منقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ ہے

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن خان شروانی

(سید سلیمان اسٹنٹ اوپیر الٹ روہ)

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شذرات	شمس العلماء مولانا شبلی	۱
۲	فلسفہ زنان اور اسلام	مولوی سید سلیمان اسٹنٹ اوپیر	۲۴
۳	بحر العلوم	مولوی سید سلیمان اسٹنٹ اوپیر	۳۴

باہتمام حقیر ام محمد قادیانی خان بن احمد خان صوفی مرحوم و متفقہ اعلیٰ اللہ مقامہ

نیفہ عام پسینہ کمال حسین شایع ہو کر

دفتر ندوۃ العلماء، لکھنؤ سے شایع ہو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مندوہ

شذرات

مندوہ کا کتب خانہ یورپ میں بیسیوں عربی کتب خانہ ہیں جو نادار الوجود قلمی کتابوں کے مخزن ہیں اور جن کے سایہ میں ایسی سیکڑوں کتابیں زندہ ہیں جنکو ہم دم و بجمہ چکے ہیں، اور جن کا صرف نام قدیم فہرستوں میں دیکھتے ہیں، مستشرق علما ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انکو حلیہ طبع و بخشی سے آراستہ کرتے ہیں، اور پہلک ان سے فائدہ اٹھاتی ہے اور باب قلم ان سے مستفید ہو کر قدیم معلومات میں جدید اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

یہ نہیں کہ ہندوستان ان خزانوں سے خالی ہے، بلکہ یہ تو شخصی تعارف کی بنیاد سے برباد ہو رہے ہیں، یا جاہل دارلثون کے صند و قونین کیٹروں کی خوراک بن رہے ہیں، بعض نادار کتب خانے ایسے بھی ہیں جو شاہی انتظامات سے اسطرح محفوظ ہیں کہ مشتاق نگاہیں سیکڑوں حب و جہد پر بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتیں،

ہندوستان میں صرف مندوہ کا کتب خانہ ایک ایسا کتب خانہ ہے جسکو قومی کتب خانہ کہہ سکتے ہیں اور جس شخص بغیر کسی فراہمیت کے مستفید ہو سکتا ہے، بعض دیگر قومی انجمنوں کے شاندار قسروں میں بھی عربی کا کتب خانہ موجود ہے مگر عربی کی بقدری سے کہی وہاں کا دروازہ بھی نہیں کھلتا۔

مندوہ نے بار بار قوم کو ایک قومی کتب خانہ کی طرف توجہ دلائی، مگر اسکی کم اثری کا ہمیشہ گلہ رہا۔ مولانا شبلی کاندلر کتب خانہ آج مندوہ کے وسیع ہال میں ہوتا اگر کوئی قومی سرمایہ اس کے حسب رتبہ ایک علامت

جناب نواب علی حسن خان صاحب بہادر کا مشہور کتب خانہ آج ندوہ کے لئے باعث زینت
 ہوتا اگر گذشتہ سال بعض ہمدردوں نے جو کئی طرح تمام قومی اخبارات جناب نواب صاحب کو اس طرف متوجہ کرتے
 کتب خانہ ندوہ کا سنگ بنیاد ہندوستان کے ایک قدیم شہر عظیم آباد پٹنہ نے رکھا تھا اور بہرہ
 منائیت مسرت سے اظہار کرتے ہیں کہ وہ آئین اضافہ بھی کرتا جاتا ہے، حال میں نواب حافظ
 احمد رضا خان سکندر نواز جنک نے جو عظیم آباد کے ایک مشہور رئیس ہیں، اپنا کتب خانہ ندوہ کے
 لیے وقف کر دیا ہے، کتابیں دفتر میں پہنچ گئیں ہیں، تقریباً چھ سو کتابیں ہیں، جن میں زیادہ تر
 مطبوع اور روسی کتابیں ہیں، ان کتابوں میں سی دیوان فغانی، دیوان حسن، فرزند ملا محمود چوہدری
 کاں قابل ذکر ہیں۔

مولوی غلام محمد صاحب شملوی دیکنل ندوہ - بنگلور میں کچھ دنوں سے ندوہ کی امداد کے لئے کوشش
 کر رہے تھے، خوشی کی بات ہے کہ مولوی حکیم عبد الباسط خان ناظم معین الندوہ بنگلور
 اور مولوی حکیم سید حسن صاحب نائب ناظم اور دیگر اعیان شہر کی من سعی سے چند سوہی پڑے
 چند جمع ہو گیا، روپے بذریعہ نوٹ دفتر میں پہنچ گئے ہیں چندہ کی تفصیل ابھی تک موصول
 نہیں ہوئی ہے،

جناب مولوی محمد عیسیٰ خان صاحب رئیس دماولی ضلع علیگڑھ نے ندوہ کے لئے
 سو روپے ہمدردانہ عنایت کئے ہیں۔

مولانا شبلی نعمانی احمد رحمہ اللہ کو لانا گورنر برصغیر صحت ہوتی جاتی ہے، زخم مند بن ہو چکا ہے۔
 بڑی کولہ لگی ہے، اگر ابھی تک پادن باد نہ لے لے کے لایں نہیں ہوا ہے، ضعف ہاتی ہے،



فلسفہ اسلام

مسئلہ ارتقا، اور ڈارون

دارون کی ۲۰ برس کی بہیم کوشش اور غور و محنت کی داد ہمارے ملک نے تو یہ دی ہے کہ وہ انسان کی اصل بند قرار دیتا ہے اسلئے خود بند رہے، لیکن ایک ایسا مسئلہ جسکو قریباً یورپ کے تمام حکما تسلیم کرتے جاتے ہیں اس قابل نہیں کہ اسکو ہنسی میں اڑا دیا جائے اسلئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ پہلے۔ (دبائین کہ ہر مسئلہ کی حقیقت کیا ہے۔ ڈارون کا کیا دعویٰ ہے۔ اسکے کیا اصول ہیں؟ پھر یہ دیکھیں کہ حکمائے اسلام کا اسکے متعلق کیا خیال تھا؟

جب کسی نئے مسئلہ کا ثابت کرنا مقصود ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ باتیں استدلال میں پیش کی جائیں جن کو فریق مخالف بھی تسلیم کرتا ہے۔ پھر وہ باتیں جو ان تسلیم کردہ باتوں سے خود بخود لازم آتی ہیں، سطح رفتہ رفتہ حاصل مطلب تک آئیں ہم بھی یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

استدلال یہ ہے کہ اکثر جانوروں کی بہت سی مختلف قسمیں ہوتی ہیں کہوڑے سینکڑوں اقسام میں کتے سینکڑوں قسم کے ہوتے ہیں گھوڑوں کی بہت سی نسلیں ہیں، ان اقسام کی صورت شکل رنگ روپ، ذیل، ذول عادت و خاصیت میں بھی نہایت فرق ہوتا ہے، باوجود اسکے سب لوگ یہی مانتے ہیں کہ وہ ایک ہی جانور ہیں، اسی ایک ہی خاندان سے ہیں، طوطے سبز بھی ہوتے ہیں، سفید بھی نہایت چھوٹے بھی چیل کے برابر بھی۔ بعضوں کے سر پر پگھلی بھی ہوتی ہے، لیکن سب کے سب طوطے ہیں، سفید کلمی والا طوطا، چیل، یا باز

نہیں کہلاتا۔

ان مختلف قسم کے طوطوں کی صورت، شکل رنگ، ذیل، ڈول، اس قدر باہم مختلف تھے پہلی تم سب کو ایک ہی جانور اور ایک ہی نسل بتاتے ہو، صرف اس لئے کہ ان میں کچھ چیزیں مشترک بھی ہیں، مغور کہ وہ فاختہ اور کبوتر میں کیا اس سے زیادہ اختلاف ہے کیا ان میں اس قدر مشترک باتیں نہیں ہیں؟ جتنا طوطوں کے اقسام میں ہیں اس بنا پر یہ کیا مناسب نہیں کہ فاختہ کے مفہوم کو، ذرا اور وسیع کرو کہ کبوتر بھی اسکے دائرہ میں آجائے اتنی وسعت پیدا کر لو، تو ذرا اور آگے بڑھو کہ کچھ اور جانور بھی فاختہ کی ذیل میں آجائیں، آگے اور بڑھنا ہوگا، لیکن ابھی ہم یہیں تک رکے جاتے ہیں۔

اب ایک اور بات پر غور کرو، تم نے تمام موجودات کی ہم قسمیں کی ہیں، جمادات یعنی زمین پھل وغیرہ۔ نباتات، حیوانات، انسان۔ ان میں تم نے فرق یہ رکھا ہے کہ جمادات وہ چیزیں ہیں جن میں نمو یعنی بڑھنے کی طاقت نہیں ہوتی، نباتات وہ ہیں جو بڑھتے ہیں جیسے درخت وغیرہ۔ حیوانات وہ جو چل بھر بھی سکتے ہیں اور انسان جسمیں ان سب باتوں کے ساتھ عقل بھی ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ یہ حدیں جو تم نے مقرر کی ہیں کیا ہر جگہ قائم رہتی ہیں، حال کی تحقیق سے ثابت ہو کہ بعض جزا میں ایسی بیلین ہوتی ہیں جو درختوں پر لپٹی رہتی ہیں۔ لیکن جب کوئی کبوتر اسے آجاتا ہے تو صحبت کر اس سے لپٹ جاتی ہیں، اور ان کا خون اس طرح جوس لیتی ہیں کہ وہ جانور مردہ ہو کر گر پڑتا ہے۔ بعض مقامات میں ایک پھول ہوتا ہے، اسکی پتیوں کھلی رہتی ہیں، جب کوئی مکھی اس پر آ بیٹھتی ہے تو فوراً پتیوں سمٹ کر اسکو بند کر لیتی ہیں، اور اسکا خون جوس کر چھوڑ دیتی ہیں، یہ تو حال کے تجربے ہیں، لیکن چھوٹی موشی کا درخت تو تم نے بھی دیکھا ہوگا، اسکو چوہہ تو اسکی پتیوں خود بخود مسٹنی شروع ہوتی ہیں اور حات اٹھا لینے پر بھی سنتی رہتی ہیں۔ عیان تک کہ بالکل سمٹ جاتی ہیں، کیا ان مثالوں سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ بعض نباتات

ہیں یہی حرکت کی قوت ہوتی ہے۔ اس صورت میں نباتات اور حیوانات میں تم نے جو
سر مقام کی قی، وہ نوٹ جاتی ہے۔

۳۔ تم دیکھتے ہو کہ جادات۔ نباتات، حیوانات ہر ایک قسم میں کتنی قسمیں اور ان میں کس قدر
مدارج کا اختلاف ہے، گھوڑے ٹوٹھی ہوتے ہیں۔ ترکی بھی، عیب بھی، دیڑھی، ان کے اعضا
میں آثار میں اوصاف میں، صورت شکل میں کس قدر فرق ہوتا ہے یہ اختلاف مراتب، آب و ہوا
زمین، تربیت، موسم وغیرہ کی اختلاف سے پیدا ہوتا ہے، ان ملکوں کا معمولی کتا، برفانی بھارو،
جاکر، دو ایک نسل کے بعد اس کے بدن پر کچھ کی طرح بال نکل آتے ہیں، ولایت کے انگور،
سیب وغیرہ۔ چارے ملک میں بوئے جاتے ہیں، تو ان کی لطافت مزہ بالیدگی میں فرق
آجاتا ہے۔ یہاں کا گھوڑا عرب میں جائے تو دو چار ہفتوں کے بعد اس میں عربی گھوڑے کے
اوصاف پیدا ہو جائیں گے، کبوتر پانے والے، ایک قسم کے کبوتر میں دوسری قسم کے کبوتروں کے
اوصاف پیدا کرنے چاہتے ہیں، تو ان کا میل دے کر پیدا کر لیتے ہیں، غرض ہر چیز کے
مختلف مدارج ہیں، اور یہ مدارج آب و ہوا وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں۔

۴۔ یہ بھی نظر آتا ہے کہ تمام چیزیں ترقی، اور تنزل کرتی رہتی ہیں، آہ جنگل میں خود دھتے،
آبادی میں آکر ترقی کی، رفتہ رفتہ، بمبئی، لنگڑا۔ فرہشت، فہری اور شاہ پسند ہو گئے۔

۵۔ اب ابتداء سے جلو، سب کم درجہ کے نباتات وہ ہیں جو گھوڑے وغیرہ پر لگتے ہیں یہ
در اصل محض خاک کا لہا ہیں، پانی پڑا، بالیدگی پیدا ہوئی تازہ پھلے وہ پکائی، جہاں خشک ہو گئے
وہ کھنڈن بھر ہوا جلی، پھر پیدا ہوئے۔ اور جب معمول خشک ہو گئے۔ ان سے ٹھہر کر۔ سبزہ
ہے جو دیر تک رہتا ہے۔ زمین سے غذا بھی حاصل کرتا ہے لیکن پھل پھول تخم نہیں اسلئے
اسکی نسل نہیں چل سکتی، ان سے بڑھ کر، جو گیہوں وغیرہ ہیں جن کے تخم ہوتے ہیں وہ اس سے

اُن کی بقا سے نسل ہوتی ہے، ان سے ترقی یافتہ اور خست ہین، جن میں غلہ سے کچھ زیادہ
 اوصاف ہوتے ہیں، بڑے بڑے ترن اور کچھ چھوٹے ہیں، جن میں خست ہین کے

بعض اوصاف پائے جاتے ہیں، حیوانات جس طرح خود مادہ ہوتے ہیں، خرمین بھی
 ترن اور مادہ ہوتے ہیں اور جب تک، نر کے بھول کے زیرے مادہ پر نہ چڑھ کے جائیں، وہ بار بار
 نہیں ہوتے۔ اسی کو عرب کی اصطلاح میں تلقیح اور ہندی میں شادی کرنا کہتے ہیں۔ نباتات کا
 قاعدہ یہ ہے کہ اوپر سے ان کو کاٹ لو تو ان کو فصل نہیں اُچھنچتا، جب تک اُن کی جڑ قائم ہے، وہ
 زندہ رہیں گے، انجلاں اسکے حیوانات اور انسان کا یہ حال ہے کہ اگر اُن کا سر کاٹ جائے تو گو
 تمام اور اعضا سلامت رہیں، لیکن وہ زندہ نہیں رہ سکتے، خرمین کے درخت کا بھی یہی حال ہے
 اگر اُس کے اوپر کے حصہ کو کاٹ ڈالیں تو وہ باقی نہیں رہ سکتا۔

اس سے آگے بڑھ کر چھوٹی سوئی کے پتے میں حرکت کی خاصیت ہے جو خاص حیوانات
 کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس حرکت کی نسبت، یہ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ طبعی اور فطرتی ہے
 اورادی نہیں ہے۔ اسلئے اس درجہ سے بڑھ کر وہ نباتات میں جن کا ذکر اوپر گزرا، اور جن میں خاص
 ارادے حرکت کے پائے جاتے ہیں۔

اب حیوانات کو نو سب سے کم درجے کا حیوان ایک کیر ہے جو سمندر میں پیدا ہوتا ہے
 یہ گویا فافا لودہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے کسی قسم کا کوئی عضو اس میں نہیں ہوتا چڑا، گوشت، پٹھ، رگ،
 کوئی چیز نہیں ہوتی، اسکے اندر سے دھاگے کی طرح تار نکلتے ہیں، انھی تاروں کے ذریعہ سے
 غذا کو جذب کرتا ہے۔ پھر یہ تار سمٹ کر اسکے جسم کے اندر چلے جاتے ہیں۔

اس حالت سے آگے بڑھ کر وہ جانور پیدا ہوتے ہیں جنکے منہ ہوتا ہے، لیکن وہ اعضا نہیں
 ہوتے، اور چھوٹے کے سوا، اُن میں اور کوئی قوت نہیں ہوتی وہ سونگر نہیں سکتے، سن نہیں

اور یہ تین قسم کے اشکال پر مشتمل ہیں۔ رفتہ رفتہ اور معدنا پیدا ہونے جاتے ہیں یا تک
 جس جہان میں کا وجود ہوتا ہے، جس کے کان، ناک، اسب، ہین، ہر قسم کے چہرے ہیں، لیکن
 یہ کائنات آدمی کی طرح، سیدھا نہیں ہوتا، اس سے بھی بڑھ کر، وہ جانور ہیں جن کو لوگ بن مانس کہتے
 ہیں، اور جن کی بعض قسمیں مثلاً گورلا وغیرہ لامٹی لیکر بالکل آدمیوں کی طرح چلتے ہیں، اور ایک خاندان
 اس طرح چل کر رہتا ہے جس طرح آدمی رہتے ہیں، اور ان میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے
 ہیں جو انسانی نوع کے وحشی آدمیوں میں پائے جاتے ہیں۔ اب ان تمام گزشتہ مقدمات کو مختصراً
 پیش نظر رکھو یعنی۔

(۱) موجودات کے جو انواع ہیں، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، ان میں سے ہر ایک
 کی سینکڑوں ہزاروں قسمیں ہیں، جن کو سب لوگ ایک ہی نوع شمار کرتے ہیں، مثلاً گھوڑے، گھوڑے
 وغیرہ کے اقسام،

(۲) ایک قسم کی ترقی کر کے دوسری قسم میں داخل ہو جاتی ہے۔

دوسرے جمادات، نباتات، حیوانات، ان میں سے ہر ایک کی ترقی یافتہ قسمیں اوپر کی نوع سے
 منسلک ہوتی ہیں یعنی جمادات میں پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ نباتات کھلایا جاسکتا ہے۔ نباتات
 میں مادہ ای حرکت، پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کو حیوان کہہ سکتے ہیں، حیوانات میں عقل ہوئی
 اور انسانی درجہ کا تمدن پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ امور تو قطعی ثابت ہو چکے ہیں اب گفتگو صرف یہ رہ جاتی ہے کہ۔

یہ تو ہمیں ابتدا ہی سے ایک ہی زمانہ میں الگ الگ پیدا ہوئی تھیں، جمادات الگ پیدا ہوا
 نباتات الگ وجود میں آئے۔ حیوانات الگ پیدا ہوئے۔ انسان علیحدہ مخلوق ہو یا یہ کہ اسنی
 دو جن میں سے اولیٰ درجہ کی نوع ترقی کر کے اعلیٰ ہوئی پھر اس سے اعلیٰ ہوئی پھر اس سے

اعلیٰ تر ہوئی بیان تک کہ انسان دجوین آگیا۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا جب پیدا ہوئی تو جادات، نباتات، حیوانات سب ایک ہی زمانہ میں پیدا ہوئے اور الگ الگ پیدا ہوئے دارون کی رائے ہے کہ پہلے منہ نوع پیدا ہوئی، وہی ترقی کرتے کرتے انسان کی حد تک پہنچ گئی۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں احتمالوں میں سے کوئی قطعی نہیں کیوں بھی ہو سکتا ہے، اور قطعی ہی اسلئے اتنا تو بھر حال مان لینا چاہیے کہ دارون جو کچھ کہتا ہے وہ ایسی چیز نہیں جسکی منہی اڑائی جائے وہ ہی ایک احتمال ہے اور گرم جو کہتے ہو وہ بھی احتمال ہے اور دونوں میں کوئی قطعی اور یقینی نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں احتمالوں میں سے زیادہ قرین قیاس کون ہے اور روزمرہ کے تجربے کیا شہادت دیتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ نباتات دن دیکھتے رہتے ہیں کہ تمام چیزیں ترقی کرتی رہتی ہیں، گلاب کی صورتیں زمین میں آج کی تسہیں ہیں جن پھولوں میں جو سو پتیاں ہوتی تھیں کسی کئی ہزار تک پہنچیں، آب دہوا، سوہم اور ملکی ترقی نے جانوروں کے اقسام کو کھلن سے کھان تک پہنچا دیا یہ بھی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ کہ اعلیٰ قسم ابتداء خود بخود نہیں پیدا ہوئی بلکہ وہی ادنیٰ چیز ترقی کرتے کرتے اعلیٰ بن گئی خود ہم نے ایک ادنیٰ چیز کو ترقی دیکر اعلیٰ کر دیا اسطرح، نقطۃ ادنیٰ چیزیں اعلیٰ ہوتی رہتی ہیں اس بنا پر بھی زیادہ قرین قیاس ہے کہ جادات، نباتات، حیوانات ابھی اسی طرح ترقی پا پا کر ایک نوع، دوسری نوع ہوتی گئی۔

اس احتمال پر پڑے سے بڑا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ اب کیوں بند ہو گیا آج کیوں کوئی گھاس ترقی کر کے جانور نہیں بن جاتی اسکا جواب یہ ہے کہ ایک نوع سے دوسری نوع میں جو انقلاب ہوتا ہے یہ دوسرے کاکام نہیں ہزاروں برس میں یہ انقلابات، وقوع میں آتے ہیں۔

اسکے علاوہ جو چیزیں ایسی ہیں جن میں اوپر کی نوع کی بعض خاصیتیں پائی جاتی ہیں یہ وہی
 ترقی کی بلو میں ہیں اور رفتہ رفتہ اوپر کی نوع سے مل جائیگی، جن نباتات میں حرکت ارادی کی
 قوت بہت کم کھتے ہو کہ ابتدا ہی سے اسکی یہ حالت ہے، لیکن یہ کیوں نہ مانا جائے کہ بتدریج
 وہ بعض نباتات تھے، ترقی کرتی کر کے اس حالت پر پہنچے کہ ان میں حیوان کی بعض خاصیتیں آئیں
 اس سے بھی بڑھ کر ترقی کرینگے اور پورے حیوان بن جائینگے، اس قسم کی چیزوں کو یہ سمجھنا چاہئے
 کہ دہی جبکہ سے چل چکے ہیں کسی قدر راستہ طے ہو چکا ہے، لیکن ابھی پوری منزل طے نہیں ہوئی۔
 تشریح نے علانیہ ثبوت کر دیا ہے اور ہم نے خود نوٹو دیے ہیں کہ آدمی کا بچہ جب ماں کے
 پیٹ میں مہینہ دو مہینہ کا ہوتا ہے، تو اسکی صورت میں، اور بعض دوسرے جانوروں کے جنین
 وہ پیٹ کا بچہ، مین ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا کیا یہ اس بات کا کافی ثبوت نہیں کہ انسان کا بچہ، ترقی کر کے
 وغیرہ منزل تک پہنچ جاتا ہے اور جانور ابھی تک اس منزل پر نہیں پہنچے ہیں۔
 اگر کوئی شخص کہے کہ کبوتر کی جو سینکڑوں نسلوں میں، ان میں سے ہر ایک قسم،
 ابتدا پیدا ہوتی ہے تو تم بے تکلف کہہ دو گے کہ یہ غلط ہے۔ بلکہ خدا نے کبوتر کو پیدا کر دیا اور
 ترقی و تنوع کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا اسکے موافق کبوتروں کی مختلف اقسام پیدا ہوتی رہتی ہیں
 اسی طرح یہ کیوں نہ مانو کہ خدا نے ایک نوع پیدا کر دی اور ترقی کا قاعدہ مقرر کر دیا، اسکے موافق ایک
 نوع سے دوسری نوعیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔



حکماء اسلام کا اسکے متعلق خیال

رسائل اخوان الصفا میں اس بحث کو تفصیل سے لکھا ہے، اہم جہت جہت مقامات اسکا اقتباس کرتے ہوئے

ترتیب موجودات میں فیما بان آخر مرتبة

الملائكة متصلة بأول مرتبة النباتية
فريد ان تتبعها رسالة النبات ونبات
فيها ايضا طواف من كيفية نشوء النبات
وكمية اجناسها وفنون انواعها و
خواصها ومنافعها ومضارها بنين
فيها ايضا ان آخر مرتبة النبات متصلة
بأول مرتبة الحيوانية وان آخر مرتبة الحيوانية
متصلة بأول المرتبة الانسانية

کچھ حیوانی نبات ہے ان الفصل نبات

یوانی لان بعض احواله متباين لاجل
النبات وان كان جسمه نباتا - بيان ذلك
ان القوة الفاعلة منفصلة من القوة
المفعلة والملايين على ذلك ان اشخاص الفحولة منه سبانية
لاشخاص الايات ولاشخاص الفحولة لقاع وان اشخاصها
يكون ذلك الحيوان فاما سائر النبات فان القوة
الفاعلة منه ليست بمنفصلة من القوة المفعلة

نباتات کے ابتدائی درجے سے ملاحظہ ہے ہم چاہتے ہیں
کہ اسکے بعد نباتات پر ایک رسالہ لکھیں جس میں مختصراً
بتائیں کہ نباتات کیونکر پیدا ہوتے ہیں، ان کے کتنے
اقسام ہیں اور انواع میں؟ ان کے خواص، فوائد
اور نقصانات کیا ہیں؟ اس میں جہت یہ بھی بیان کریں گے
کہ نباتات کا انتہائی درجہ حیوانیت کی ابتدائی درجے
متصل ہے اور حیوانیت کا انتہائی درجہ انسانیت کے
ابتدائی درجے سے ملاحظہ ہے۔

کچھ حیوانی نبات ہے اسلئے کہ اسکے بعض خواص
نباتات کے خواص کے مقابل میں گوارس کا جسم
نباتی ہے اسکا ثبوت یہ ہے کہ کچھ میں قوت فاعلہ
قوت منفعلہ سے ممتاز اور جدا ہے۔ چنانچہ زکھی راہ اور
ادھ کچھ کے درخت ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے
ہیں کہ کچھ راہ کچھ کو حائل کرتی ہے جیسا کہ یہ منظر دکھائے
ہیں پورے اور تمام نباتات میں قوت فاعلہ اور قوت منفعلہ
الگ الگ نہیں ہوتیں۔

وَعِبَارَتَانِ لِنَ الْفُضْلِ بَاقِي بِالْجَمْعِ
يُحْوِي بِالْفُضْلِ أَذْكَاتُ أَفْعَالِهِ أَفْعَالُ
نَفْسِ الْحَيَوَانِيَّةِ -

وَقَوْلُ النَّبَاتِ نَوْعٌ أَخْرَجَهُ أَيْضًا فُضْلُ النَّفْسِ الْحَيَوَانِيَّةِ
لَكِنْ جَمْعُ النَّبَاتِ وَهُوَ لَكِنَّهُ وَذَلِكَ أَنَّ هَذَا
النَّوْعَ مِنَ النَّبَاتِ لَيْسَ لَهُ أَمْلٌ ثَابِتٌ فِي الْأَرْضِ
بَلْ يَكُونُ لِسَائِرِ النَّبَاتِ وَلَا لِدَوَارِ قُلُوبِهَا
وَلَا نَحْوِهَا تَلْتَفُّ عَلَى الْأَشْجَارِ وَالزَّرْعِ وَالشُّوْبِ
فَتَقْتَضِي مِنْ رُطُوبِهَا وَتَقْتَضِي بِهَا كَمَا يَقْتَضِي
الْمُدَّةُ الَّتِي يَدْبُّ عَلَى وَرَقِ الْأَشْجَارِ وَتَقْضِي
النَّبَاتِ وَيَقْرُضُهَا نِيًّا كُلُّهَا وَيَقْتَضِي بِهَا

الْبَقَاةُ مِنْ بَرِيَّتِهَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا إِنَّ النَّبَاتَ لَهُ
قُوَّةُ الْمَسِّ فَقَطُّ وَالْدَّلِيلُ عَلَى ذَلِكَ أَنَّ
بَعْضَ قَدَمِ الْمَوَاضِعِ النَّدِيَّةِ وَامْتِنَاعَهُ
عَنِ لَوْسَالِ نَحْوِ الْعُضْرِ وَالْيَبْسِ أَيْضًا فَكَانَ مَعْنَى
الْتِفَاقِ مُسَبِّحَةً فِي مَقِيدِ مَالٍ وَعَدْلٍ عَنْهُ طَالَمَا
لِلْفَيْحِ وَالْمَسْعَةِ فَإِنْ كَانَ فَوْقَهُ سَقْفٌ مَبْنًى
مِنْ اللَّذَابِ عَلَوًا وَكَانَ لَهُ ثَقَبٌ مِنْ حِجَابِ
الْأَنْحُوْطِ النَّاحِيَةِ حَتَّى إِذَا طَالَ

اِس دلیس سے ثابت ہوا کہ کچھ جسم کے لحاظ سے نباتات
اور نفس کو اعتبار سے حیوان ہے کیونکہ اسکے افعال
حیوانات کے افعال ہیں،

نباتات میں ایک اور قسم ہے جس کا فعل بھی نفس حیوانی
کا فعل ہے لیکن اس کا جسم نباتی ہے۔ وہ پھریل ہے
اسکی پرنسپل ہوتی جطرح اور نباتات کی پرنسپل ہوتی ہیں،
اور نہ اس میں پتے ہوتے ہیں بلکہ وہ درختوں پر کھیتوں پر
کانٹوں پر لپٹی ہے اور ان کی رطوبت کو چوستی ہے اور
اس سے غذا حاصل کرتی ہے جطرح وہ کیر بھی
درختوں کے چتون اور نباتات کی شاخوں پر رکتے ہیں
اور ان کو کٹر کر کھاتے ہیں اور اس سے غذا حاصل کرتے ہیں
نباتات میں صفت قوت الاستیجاب ہوتی ہے اسکی دلیل یہ ہے
کہ نباتات اپنی پرنسپل کو رطوبت زمین کی طرف جانے دیتے
ہیں اور پھریل اور خشک زمین کی طرف جانے سے
روکتے ہیں جب کہ یہی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کھلی گھاس
کسی تنگ جگہ میں لگتی ہے تو ہٹ کر دوسری طرف رخ
کرتی ہے اور وسیع جگہ تلاش کرتی ہے۔ اگر اس کے اوپر
چھبے کی جگہ ہے وہ اوپر نہیں اٹھ سکتی اور چھت
میں کی طرف سرخ رہے تو وہ اسی سرخ کی طرف اٹھ

طلع من هناك - فخذة الافعال تدل
على ان له حساً وقيماً القدس
الحاجة -

سے کم درجہ کا حیوان فادون الحيوان
وانقصه هو الذي ليس له الاحاسية
واحدة فقط * * * وليس لها سمع
ولا بصر ولا شئ ولا ذوق الا الحس
واللس فقط هذه الاثر الا بالان التي
تتكون في الطين وفي قعر البحار

اس درجہ کا جہلن بھی هذا النوع حيوان باق لا
ہے اور نبات بھی يبت جسمه كما يبت بعض
النبات ويقوم على ساقه قائماً وهو من اجل
انه يفر جسمه حركة اختيارية حيواناً ومن
اجل انه ليست له الاحاسية واحدة فهو انقص
الحيوان رتبة في الحيوانية وذلك الحاسة
ايضا فقد يشار اليها بالنبات -

ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب خوب بڑھ جاتی ہے تو اس
سورخ میں سے ہرگز ادب نکل آتی ہے اس بات میں سے
ثابت ہوتا ہے کہ نباتات کو بھی بعد ضرورت اصل و قیصر ہے
سب سے کم درجہ کا حیوان دو ہے جس کے منہ
ایک حاسہ ہوتا ہے، اسکے کان، آنکھ، شامہ
ذایقہ کچھ نہیں ہوتا منہ چوہے کی حاس
ہوتی ہے۔ چنانچہ اکثر کڑے بوٹی میں، اور
دریاؤں کی تہ میں پیدا ہوتے ہیں اسی قسم کے
ہوتے ہیں۔

اس قسم کا حیوان، نباتی حیوان ہے۔ کیونکہ اس کا
جسم بھی نبات کی طرح متحرک ہے اور اپنے
بل پکڑا ہوتا ہے۔ یہ حیوان اس اعتبار سے
کہ اختیاری حرکت کرتا ہے۔ جانور ہے۔ اور اس
 لحاظ سے کہ صرف ایک حاسہ رکھتا ہے، اس سے
کم درجہ کا حیوان ہے اور نبات ہے کیونکہ بعض
نباتات میں بھی یہ حاسہ ہوتا ہے۔

علامہ ابن سکویہ المتوفی ۳۲۱ھ نے بھی الغرزا الاصغر میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، لیکن
ابن سکویہ کائنات کا سلسلہ نباتات سے شروع کرتا ہے۔

کہ جسے نباتات فبقول ان مرتبة النبات نباتات کا درجہ احساس کے قبل کہ تعین اس طرح فرمایا ہو

۱۔ اثر الشریف ہو تا جم من
 ۲۔ فی المیزان لم یحفظ نوعه بیدر کفواع
 ۳۔ مع ذلك انه فی فرق الجمل والفرق
 ۴۔ وهذا القدر الیسیر من الحركة
 ۵۔ الضعیفة فی قول اثر النفس ولا ینال هذا
 ۶۔ الا فی قوی فی نبات آخر لیه فی الشرف
 ۷۔ الى ان یصیر له من القوة فی الحركة الی
 ۸۔ ان یتفرع ویستطو ینشعب ویحفظ نوعه
 ۹۔ بالبدن ویظهر منه من اثر الحاکمة اکثر
 ۱۰۔ مما یظهر فی الاول ولا ینال هذا
 ۱۱۔ المعنی یزداد فی شئ بعد شئ ظهورا
 ۱۲۔ الى ان یصیر الی الشجر الذی له
 ۱۳۔ ساق وورق وثمر یحفظ به
 ۱۴۔ نوعه

وهذا هو الوسط من المنازل الثلاثة الان اول
 هذه المراتب متصل باقبل فی اقصا وهو ما
 كان من الامر علی الجبال فی البراری
 وعلی الغیاض وجزائر البحار لاحتیاج الی غرس
 بل ینبت لذاته وان کان یحفظ نوعه

کہ جس کے ادنیٰ درجہ کا نبات اس میں زمین سے اگتا
 ہے تو وہ تخم کا قلع نہیں ہوتا اور نہ وہ تخم کے ذریعہ سے
 اپنی نوع کی حفاظت کرتا ہے جیسے گھاس اور یہ
 جامد کا آخری درجہ ہے اس قسم کے نباتات اور جامدات
 میں صرف تھوڑی سی حرکت کا فرق ہے اور یہ قوت
 ان دوسرے نباتات میں جامد کے اوپر میں بڑھتی شروع
 ہوتی ہے بیان تک کہ قوت حرکت اتنی بڑھاتی
 ہے کہ اس کی شاخیں ہوتی ہیں بے پلاس ہے تخم کے
 ذریعہ سے اپنی نسل کی حفاظت کرتا ہے اور حکمت
 کے آثار اس میں اس سے کم درجہ کے نباتات سے
 زیادہ ظاہر ہوتے ہیں اور یہ قوت رفتہ رفتہ بڑھتی جاتی
 ہے بیان تک کہ وہ درخت پیدا ہوتے ہیں جنکے
 تنے پتیاں پہل ہوتے ہیں جن سے وہ اپنی نوع کی
 حفاظت کرتے ہیں۔

یہ درجہ متوسط منزل ہے لیکن اسکا ابتدائی درجہ نیچے
 اوپر کے درجہ سے ملا ہوا ہے اور اس سے اوپر کے
 نباتات وہ ہیں جو پہاڑ، جبل، جہانگزی جزائر میں ہوتے
 ہیں جنکو دریا قصداً لگانے کی کچھ ضرورت نہیں
 ہوتی بلکہ خود بخود اگتے ہیں اگرچہ وہ تخم کی وسالت سے

ب ليدرو هو ثقيل الحركة
يلقى الشوء،

شريد ربح من عند المربة
ويقوى هذا الاشرفيه ويظهر
سرفه على مادونه خمينه الى
الاشجار الكريمة التي تحتاج الى
عنايته من استنابة التقابة
واستغراب الماء والهواء لا عندل
مزاجها الى حيانه ثم تها التي تحفظ
بها نوعها كالزيتون والرومان والسفرجل
والنفاح والثلثين واشباهها

وتيد ربح ايضا في قول هذا الاثر من غلظ
الشرف الى ان ينهي الى رتبة الكرم والخل
فاذا انتهى الى ذلك صار في الاثر الاعلى
من النبات وصار بحيث ان زاد قبوله
لهذا الاثر ليقبل له مودة النبات وقبل
حينئذ مودة الحيوان وذلك ان الخل
قد بلغ من شرفه على النبات الى ان حصل فيه
نسبة قوية من الحيوان شابهة كثيرة منه

انبي نسل محفوظا كتمت بين اورس قسم كدفن بين
ويرمين نمو اوربست كم كركت هوتي ہے
بجربات اس درجہ سے آگے قدم رکھتا ہے اور جوتا
کے آثار اور زمین قوی ہوتے جاتے ہیں اور اپنے
سے کم دیر کے حیوانات پر امتیاز خاص رکھتے ہیں
یہاں تک وہ درخت پیدا ہوتے ہیں جنکی نفوذ کا
لئے اعتدال مزاج کی وجہ سے عمدہ زمین خوشگوار
آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس بات کے
محتاج ہوتے ہیں کہ انکے پھل محفوظ رکھے جائیں جن پر
انکی بقاے نوع موقوف ہے ایسے زمیندارانہ
بھی، سیب، انجیر وغیرہ۔

بجربات ترقی کر کے، انگور، کھجور تک پہنچتا ہے
یہاں پہونچ کر نباتات انبی انتہائی منزل پر پہونچ جاتا ہے
کہ اگر اس میں ذرا قوت اور پیدا ہو جائے تو نباتات
کی سرحد سے آگے بڑھ کر حیوانات میں داخل ہو جاتا
اور یہ اس لئے کہ کھجور یا تنہا تمام نباتات سے ممتاز ہو گیا
ہے کہ اسکو حیوان کے ساتھ بہت مشابہت پہونچ
ہے۔ اول یہ کہ کھجور مادہ کھجور سے ممتاز ہوتا ہے
اور حیوانات اسکی طرح مادہ کوز سے عالمہ ہو سکتی ہوتی

موضعی و تمسک به وان کان قد انقلع من الارض
و یاریت للحیاة مالا نه فی الافق القریب
من النبات و فیہ مناسیة منه۔

ثم ینقل عن هذه الرتبة الى ان ینقل و یجری
و یقوی فیہ قوۃ الحس کالدرد و کثیر من الظن
والدبیب

ثم یرقی من هذه الرتبة ایضاً و یقوی اثر نفس
الی ان یمیز من الحیوان الذی له اربعة حواس
کالخلد و ما ینجھ۔

ثم یرقی من ذلک الى ان یصیر
له من حس البصر ضعیف
کالنمل الخلل۔

ثم یفقد ذلک الى ان یصیر منه
الحیوان الکامل فی الحس اس
الخمس و هی مع ذلک متفاوتة
للمراتب منها البلیدة الجافیة
الحواس و منها الذکیة الطیفة الحوامل لقی
تسجیب للتادیب و تقبل الامور و النهی

جائزین کو یہ زمین سے الگ کر دینا، اسلئے نباتات
سے یہ بالکل مشاوریہ کہ ابھی تک زمین سے
بالکل بے نیاز نہیں ہیں۔

پھر حیوان آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ اوس میں
حرکت پیدا ہوتی اور وہ چلنے پھرنے لگتا ہے
قوت احساس زیادہ ہو جاتی ہے جیسے کڑے،
تنگے اور ریگنے والے کڑے، پرتزی کوٹھے
اور اوس میں فیضان روح زیادہ ہوتا ہے یہاں تک
کہ وہ ایسا حیوان ہو جاتا ہے جس میں حواس خمسہ کے
حالتے ہوتے ہیں جیسے چمچہند و غیرہ، ہر ایک
قرینہ اور قدم رکھتا ہے اور اوس میں تہوری ہی بصارت
پیدا ہوتی ہے۔ جیسے مینوٹی اور شہد کی
کسیان۔

پھر آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ حیوان کامل ہو اس پیدا
ہوئے میں ابزرگ و نامین جو اس غصہ و جہور سے مراد،
لیکن ہا متبارکہ کے اونکے مختلف طبقات ہوتے ہیں
بعض بے عجز ناقص الحواس ہوتے ہیں بعض سمجھدار
لطیف الحواس ہوتے ہیں جن میں تعلیم ک صلاحیت ہوتی ہے اور ان کو
سمجھنے میں عقل انسانی کے قبول کرنے کی ان میں

سما اثر النطق كالفرس

سما والبازي من الطير

ان تسمي من اخر مرتبة البعائم ويصير

في افضل الاعلى وفي مرتبة الانسان

سما والمرتبة وان كانت شريفة فهي

انحسبة دنيه بعيدة من مرتبة الانسا

وهي مراتب القسود واشباهاها

من الحيوان التي قاربت الانسان في خلقه

الانسانية وليس بينا وبينه الا اليسير

ان تقاربه صالاتنا

الانسان کے مارج فاذا بلغه التقيت

قامته ويظهر فيه قوة التميز البير

فضل تميز واهتداء الى المعاد

ويقوى فيه اثر النفس

وهذا المرتبة القربية من الانسا

هي في اقل البهيمة وهي في اقص

المسوقة من الارض وفي اطرافها ...

كالزنج وغيرهم فان هؤلاء ليس من

وبين المرتبة الآخرة من البعائم

صلاحیت ہوتی ہے جیسے جو بایزین گھوڑا - اور

پرند طین بین باز،

پھر حیوان ترقی کر کے حیوانیت کے انتہائی درجہ

پر پہنچ جاتا ہے اور انسان کی سہ صدیوں قبل

ہونا چاہتا ہے کہ یہ درجہ باعتبار حیوانیت کے

اعلیٰ ہے مگر نسبت انسانیت کے بہت نیچے

ہے اور یہ درجہ چند و خیرہ کلب ہے جو انسان سے

بالکل مشابہ ہیں اور ابن سین اور انسان میں ایک

تھوڑا ہی سافرق ہے جسکو بندہ اگر کلمے کہیں تو بالکل

انسان ہو جائیں

جب حیوان اس درجہ پر پہنچتا ہے اسکا قد سیدھا

ہو جاتا ہے اور سین تھوڑی سی تمیز کی قوت انجالی

ہے مگر ہی و نہیں ملو کہ استعداد نہیں ہوتی اور نہ

او کلمی روحانی قوت کچھ نہ یا نہ ذرا آدھ ہوتی ہے

اور یہ انسان کا مل سے قریب کا درجہ حیوانیت

کی انتہا ہے یہ حیوانی انسان زمین کے انتہائی

آبا و جد میں اور اوپر دھڑپائے جاتے ہیں جیسے

حبشی اور حبشی تو میں کہیں نہ انہیں اور آخری حیوان

میں کہہ زیادہ فرق نہیں ہوتا نہ تو ان سے کوئی

کثیر فوق و ليس تو شرعتهم
حکمة ولا يقبلو غام الا م
المعروف ثم لا زال اثر النطق يزيل في
ان يصدر في وسط المعمورة في الاقليم
الاول والثاني والرابع والخامس فحينئذ تكمل
هذا الاثر يصير بحيث تراه من المذكور
والفهم واليقظ من الاثر والكيس في الصانع
واستيعاج خواص من العلوم والتسارع للمعاد

حکمت افنگ جاتی ہے اور نہ یہ اجی ہوا یہ
قوسوں سے اخذ کرتے ہیں، اس طرح عقل
انسان درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی ہے یہاں تک
کہ زمین کی وسط آبادی میں یعنی تیسری جو سطحی
پانچویں اقلیم میں عقل انسانی کمال کو پہنچ جاتی
ہے اور ان میں ذہانت و سمجھا بیدار مغزی،
صنائع میں درک ہوتا ہے علوم کی باریکیاں حل
کرتے ہیں فنون کو وسعت دیتے ہیں۔

آئندہ سامی، یعنی ہر تہدی جو چہی صدی کا ایک بلند پایہ حکیم ہے اپنی تعنیف چہا مقالین اسی
مسائل اسطرح تشریح کرتا ہے۔

ہو بن آئندہ این کوالب و قسط این عنان تاثیر کرد...
از میان خاک و آب بحدوث آتش و باد این جلدات
پدید آمد... با چون روزگار برآمد و اوارا فداک
استوار بود و مزاج عالم سفلی منجی یافت و نوبت
الافعال بدین فرج رسید کہ در میان آب و ہوا بود
ظہور عالم نبات بود... تا در علم ہما و ازل چیز کہ
... ترقی نمی کرد و شریف تر می شد ہر جان رسید
یعنی رشد کہ آفرین عالم ہما و آسنت تا پیوستہ بود

تا در کلی تاثیرات نے فجب عالم عنصری میں برک گیا... تو
مٹی اور پانی سے آتش اور ہوا کی مدد سے جہا و اہد پیدا ہوئے...
جب ہر ایک گز گز کی اور فلک کے دور سے ہم جہا دی تھے
اور عالم عنصری میں کیس قدر مستعد پیدا ہوئی اور تا فکری
نوبت اوس فضا تک پہنچی جو در میان پانی اور ہوا کے ہے
تو عالم نبات کا ظہور ہوا... یہاں تک کہ عالم ہما میں پہنچے جہا
جہا چیز ترقی کی اور بے اعلیٰ تر پہنچی و ہر جان ہوا یعنی عالم
جہا کی آخری نوع بنید عالم نبات کی اعلیٰ نوع سے ظاہر ہے

باطن میں چیز سے از غلبت و اول عالم خارج و دوزخ
 مزارا کہ شبیہ کردہ اند عالم حیوان و آن باز
 دشمن بگزید کہ تا کہ از عشقہ بگزید -
 و عشقہ گیا ہیست کہ چون بر ناگ پیچد و از غلبہ گاند
 پس در عالم نبات هیچ چیز بشریہ از غفل و ناگ
 نبود و بخت آنکہ بعالم فوق نسبت کردند و قدم
 اندازد عالم خود بیرون نہاند و بجانب اشرف
 ترقی کردند -

اما چون این عالم کمال یافت و اثر بار از عالم علوی
 در لغات مطلق تاثیر کردہ مزاج لطیف تر گرفت
 و نوبت بفرجہ ہوا و آتش انسا و فرزند لطیف تر آمد
 ظهور عالم حیوان بود و آن قوتہا کہ نبات داشت
 با خود آورد و قوت آنرا افزود یکے قوت
 مہر کہ ... کہ حیوانی چیز را بد و زیادہ دوم قوت
 چندی بن بارادہ خود

ہر حیوان نے این قوتہ مہر کہ و محرکہ را ملا و آن دہ کہ انشا
 شش بن شد و حیوان کامل خاست و ہر جسم کہ بود ناقص
 چنانکہ مار گوش نہاد و دوزخ بنم دارد و الیہ پیچ تا قوت
 انحرطین نمود تا کہ ہیست کہ در گل جوی پیدا شد

و نباتات کہ بتخلی و جبکہ ناشدہ اور انتہائی کجور ہے
 جسکو گونے نے عالم حیوان کے ساتھ تشبیہ دی ہے کجور
 اگر دشمن سے ہلکا ہو و سطح عشق بجان و لکڑ کا زوت بہا گستا
 عشق بجان ایک قسم کی گمانس ہو لکڑ کا زوت پر پٹنے سے خود کا
 خفکہ کر دیتا ہو و نباتات میں کجور اور لکڑ ہو کہ فیضیہ و دقتی
 نہیں ہو سکے کہ یہ دونوں عالم حیوان جو شاہین و نباتات کو
 دائرہ سے ان کا قہر آگے ہے اور انہوں نے دراصل علی
 کی طرف ترقی کی ہے -

لیکن جب عالم عنصری کی استعداد کامل ہو گئی اور گردش فکلی اور
 کو اکب نے عالم عنصری پر اثر کیا تو عناصر کا مزاج زیادہ لطیف ہو گیا
 اور اوس فضا کا قوت پہنچی جو ہوا و آتش کو دسیان و تو عالم حیوان
 پیدا ہوا اور نباتات میں جو کم قوتیں تھیں اور لکڑ ہو اپنے
 ساتھ لایا اور دو قوتوں کا درجہ اضافہ کیا ایک قوت مہر کہ
 یکے ذریعہ سے انسان علم حاصل کرتا ہے اور دوسری قوت محرکہ
 جسکی وجہ سے حرکت ارادی کرتا ہے -

جس حیوان میں کہ قوت مہر کہ اور قوت محرکہ اور دوسرا ہے ہائے
 جائز میں چتری قوت مہر کہ کی شاہین میں دوسرا ظاہر ہے جس
 باطن ہے تو وہ حیوان میں کمال ہو تا ہے اور متعدد حصے کہ
 ہو کر آنتہی کم درجہ کا وہ تھیں حیوان ہو گا جسکو سب کے کل نہیں ہو
 حیوانی و انکیں میں نہیں ہو سکتا لیکن کچھ سے زیادہ کوئی ناقص

حیوان میں قوت مہر کہ اور قوت محرکہ اور دوسرا ہے

افل حیوان بہت و آخر سناس و آن
حیوانیت و بیابان ترکستان مقصب القامت
الغنی القدر و فیض الانظار آدمی را بسیار دوست
دارد و او بعد از انسان از حیوان شریف
تر است

اما چون کدو طویل و دھور و زمان لطف مزاج
زیادہ شود و بہت بفرجہ رسید کہ میان عناصر و افلاک
انسان در دھو آدمی ہر چہ در عالم جاود نبات و
حیوان بود باخوبی شنیدہ و در و قبولات معقولات
بر آن زیارت کرد و بقبل بر بہ بادشاہ باشد۔

حیوانیت کا ابتدائی نمونہ کیچا ہے اور انتہائی بن گیا
بن انسان ترکستان کے صحرا میں ایک قسم کا جانور
ہوتا ہے جس کا قد سیدہ۔ اسٹن چوڑا ہوتا ہے انسان
سے اس کو بہت اگت ہوتی ہے، بن انسان
انسان کے بعد تمام حیوانات سے ترقی یافتہ ہے،
بہ اس عالم ایک مدید زمانہ گذر گیا اور عناصر کے مزاج
بہت زیادہ لطیف ہو گئے تو اس فضا کی ذہن پہنچی
جو عناصر و افلاک کو دیکھ کر انسان کا وجود ہوا، جو
جملہات، نباتات، حیوانات، کے تمام قوی کا جامع ہوا اور معقولات
کے سمجھنے کی قوت مزید بڑھ کر پہنچی، عقل کو دیکھ کر اس نے
بادشاہت کی۔

شبلی، لنہانی،

مولانا بحر العلوم

مدرسہ میں

والا جاہ، گو پاسو کارہنے والا تھا، گو پاسو دھرم و غیرہ جتنی ہے جہان کی خاک سے قاضی
سہارک، اور قاضی ارتعنا علی جیسے نامور علماء پیدا ہوئے تھے، گو پاسو، لکھنؤ کے اطراف میں ہے
اسلئے والا جاہ، بحر العلوم کے خاندانی اور ذاتی دونوں فضیلتوں سے واقف تھا۔

بحر العلوم کا چھوٹا سا قافلہ جب مدرسہ کے قریب پہنچا، تو والا جاہ نے ارکان دولت اور شاہی خاندان

ہے۔ یہ لوگ ایک ہیں تک استقبال کو بھیجا، بحر العلوم نے کہا: ہاں ہاں کہ شہر میں داخل ہوئے ہیں اور
 بعد ازاں سے شہر میں داخل ہوئے اور انکے شان کی جو حیرت سے لوگوں کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ ہنسی بے اختیار نہ ہوتی
 تھی۔ اسی شان سے بحر العلوم کی سواری باب الامیہ تک پہنچی، یہاں والا جاہ اپنے بانی شہر
 شاف اور شاہنشاہوں کے ساتھ استقبال کو کھڑا تھا، بحر العلوم نے بالکی سے اترنا چاہا لیکن والا جاہ نے
 اترنے سے منع کیا، بلکہ سلطان سلاطین میں علی قدغانی کا جو ہر باقی تھا، کمار کو ہٹا دیا، اور جوش خلوص میں بادشاہ خود اپنے
 ہندو شاہی ممبروں کے گاہ پر بلک العلماء کی بالکی تخت تک لایا، بحر العلوم کو تخت پر بٹھایا، اور ہوا کے ساتھ نیچے بیٹھ گیا
 ہنسنے دنیا کی اور قدردان قوموں کی علی قدردانیوں کی داستانیں تاریخوں میں پڑھیں، ہنسنے
 ہنسنے، مگر ان میں ایک واقعہ ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کی اس آخری دور کے قدردانی کا مقابلہ
 کرے، جب مسلمانوں کا علمی ذوق انتہائی بستی تک پہنچ چکا تھا، سلاطین عباسیہ مصفویہ سلجوقیہ
 کی جو ہر شہنشاہی اور قدردانیوں کے واقعات اگر وہ ہر اکے جائیں تو ایک دوسرا مضمون ہو جائے، مگر خبر اسلاف
 کی اتھو ان فریڈیوں سے کیا فائدہ؟ دیکھنا یہ ہے کہ ہم کیسے ہیں؟ ۵

ان الفتی من یقول ہا انا ذا	لیس الفتی من یقول کان ابی
ہو ان وہ ہے جو کہے ہاں میں ہوں	وہ جو ان نہیں ہے جو کہے میرا باپ ایسا تھا

بحر العلوم معمولی مزاج پر سی اور شوقِ ملاقات کے اظہار کے بعد دربار سے اٹھ کر فرد گاہ پر چلے آئے
 پر جب کہی بحر العلوم والا جاہ سے ملنے جاتے تو والا جاہ تخت سے اتر جاتا اور بحر العلوم کو بصد ہوا
 تخت پر بٹھا دیتا اور بحر العلوم کو مجبوراً بیٹھ جانا پڑتا تھا۔

علماء جنکے اعتراف کی زبان کہی خاموش نہیں رہ سکتی، اعتراضات کئے گئے کہ بحر العلوم کو بالکی سے
 اتر پڑنا چاہیے تھا، اور بادشاہ کی جگہ تخت پر قدم رکھنا بحر العلوم کو لازم تھا، کیونکہ اس سے اولوالا امر کی
 اہمیت تھی، جبکہ تغلیک القرآن مجید میں حکم ہے: اور خود اپنے نفس میں ہی کبر پسند راہ تخت پیدا ہوئی

مگر شاید اس فکر خیر کا اونکو دماغ منتھکا اگر والا جاہ ایسا نہ کرتا، تو اس عظمت سے بحر العلوم کی لائف
میں اونکو جھگندہی جاسکتی اور نہ اس آب حیات کا ایک قطرہ اسکے منہ میں جاسکتا تھا جس سے
اوسکا نام بحر العلوم کے نام کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہے گا،

بحر العلوم اس اجماعاً اعتراض کا کیا جواب دیتے یہ کہہ کر دیا کہ میں نے اسے ایسا کیا تاکہ نادان
سمجھیں کہ اگر آدمی میں کچھ جوہر ہو تو دنیا ہمیشہ اوسکی قدر دانی کے لئے موجود ہے۔

والا جاہ نے اپنے خاص محل میں بحر العلوم کو اتارا، ایک مدرسہ بنوایا جسکی اخیر تک بحر العلوم صدر
کرتے رہے، دور دور ہر لوگ اگر تفتیہ ہو، رشتہ کمال سطر فسر طلبا کو مدراس کیج لایا ایسا نہ کر اگر وہ انجمن بحر العلوم کی مجلس میں
شریک ہو یا استعداد اور توشیح ہو جاتے، پورے اور مدرسین اور طلبا سے پڑھ کر اتنی سیاق پیدا کرتے کہ وہ بحر العلوم کو ساتھ میں

والا جاہ نے حسین مولانا عبد العلی کو بحر العلوم اور ملک العلماء کا خطاب دیا ان خطابوں کو یہ حجت
قبول حاصل ہوا کہ مدرسہ کا بچہ بحر العلوم اور ملک العلماء سے واقف ہے اور عبد العلی محمد جہاں
نام ہے خاص لوگوں کے سوا اسکو کوئی جانتا بھی نہیں ہے اور یہ بھی عجیب حسن اتفاق کا کرشمہ
ہے کہ ان دونوں خطابوں نے ملک کے دو حصے تقسیم کر لئے، مدراس میں جہاں مولانا نے
دفترون قیام کیا زندگی ختم کی کوئی بحر العلوم کو نہیں جانتا اور ادھر جہاں مولانا پیدا ہوئے، پرورش
پائی پڑھے کوئی ملک العلماء کو نہیں پہچانتا، مدراس کو ملک العلماء سے تعارف البتہ ہے اور ہندوستان
بحر العلوم سے بے شبہ آشنا ہے۔

بحر العلوم کو مدراس پہنچکر وہ دقار اور شکوہ حاصل ہوا کہ لوگ ایسا ادب سے نام لیتے ہیں، بلکہ یہ کہنا
مبالغہ نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے کہ ملا بحر العلوم مدراس پہنچکر، ملا نہیں رہے تھے، سلطنت کے ایک
جزو حکومت کے ایک بالکل نمبر ہو گئے تھے، مدراس کی تاریخی زبان اس بحث کی تفصیل کے لئے ہمیشہ
طیار ہے۔ مدراس کی پہلی تاریخ کہی بحر العلوم کے ذکر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

جب تک والا جاؤ نہ رہا بحر العلوم کی پہلے خاطر مددات کو یاد دلاوا جاؤ کی وفات کے بعد
بحر العلوم نے والا جاؤ کے بیٹے محمد الامیر کو بحر العلوم کا شاگرد بھی تہا تخت پر بٹھایا، بحر العلوم کے دباؤ
سے تمام امرا اور رعایا نے بھی عمدۃ الامرا کو جائز فرمان روا تسلیم کر لیا، عمدۃ الامرا نے والا جاؤ سے
نیا بحر العلوم کی قدر کی طلبا اور مدرسین کی مقرری میں اضافہ کیا۔

بحر العلوم چونکہ ایک دریا دل، ایثار پسند تھے، اسلئے طلبہ سے بچا کر بھی کچھ اہل وعیال
کو نہیں بیٹھا، بحر العلوم کے بیٹے تنگ حالی سے گھبرا گئے، اور مدرسہ اس جاتے تھے، لیکن باپ
کے ادب سے کچھ بول نہیں سکتے تھے، دوسروں سے کہلاتے تھے لیکن اتنا شخص سمجھ سکتا کہ
کہ ان عزیزوں کے مقابلہ میں بحر العلوم کی دنیا تھی اور جو نظروں کے سامنے تھے، (طلبہ) اور
عزیزوں کو گمراہ کر بیٹھ دے سکتے تھے جو نگاہوں سے دور تھے، عمدۃ الامرا نے بحر العلوم
کے اہل وعیال کے لئے بحر العلوم کی ذات سے الگ وظیفہ مقرر کر دیا جو مدت تک اس خاندان
کو ملتا رہا، جب اس کی نوابی گئی تو ان کا یہ وظیفہ بھی گیا۔

عمدۃ الامرا کے بعد لوگوں نے جہاں کہ بحر العلوم، اس کے بیٹے کو باپ کی جگہ بٹھائیں، لیکن چونکہ
بحر العلوم اس کی فہمی سستیوں سے واقف تھے اسلئے نا منظور کیا، امرا نے انگریزوں کی مدد سے
اس کو تخت نشین کیا، لیکن اس نے تخت پر قدم رکھنے کے ساتھ تہمیدی رسم کے موافق سلطنت کے
اور دھویداروں کو ہر قسم کی تکلیفوں سے مشا دینا جہاں انگریزوں کو بھی اس کی یہ بے اعتدالی پسند
آئی، بحر العلوم کو جب اس کی خبر ہوئی تو ایک دن اس کو نصیحت کرنے گئے، اتفاق سے اسی وقت
انگریزوں نے محل میں گسکا اس کو گرفتار کر لیا، بحر العلوم اس سو انجام پر افسوس کرتے ہوئے مدرسہ
و اہل چلے آئے۔

انگریزی حکام کے ایما سے بحر العلوم نے اس کی جگہ پر نواب محمد علی خان کے بڑے بیٹے

عظیم الدولہ کے ہاتھ میں سلطنت کی باگ دہی، عظیم الدولہ ہی بحر العلوم کا شاگرد تھا، بحر العلوم کا
 بڑا احترام کرنا تھا اس کے ہاتھ سے گو سلطنت نکل گئی تھی مگر یہی جتنی وسیع بحر العلوم کی خدمت سے
 سمجھ رہے تھے، جتنا تھا عظیم الدولہ مد اس کا آخری فرمان روا تھا جس کے سر پر بحر العلوم نے اپنے ہاتھ
 سے تاج رکھا۔

ذات آٹھویں وجہ کو بحر العلوم بیمار پڑے، اعضائے بدن ضعیف ہوتے جاتے
 تھے نقابت بڑھتی جاتی تھی، بحر العلوم کو اذیت طاع حیات کا یقین ہو چکا تھا اکثر اپنے اسباب اور
 منافع شمار دون سے کما کرتے تھے کہ اب سلسلہ معیات منقطع ہونے والا ہے، اور بار بار کہتے
 تھے کہ نعمی الدین بن عربی کی وحدت وجود کی گروہ اس وقت بالکل کسل گئی۔

چار روز تک بحر العلوم کی حالت سنٹ، سنٹ پر بدلتی جاتی تھی، اکثر حصہ بیہوشی میں گذراتا
 کبھی کبھی جو خوش آبا تلو زبان مہارک پر لا الہ الا اللہ جاری ہو جاتا تھا اور کہنے لگتے تھے کہ اب
 نفی و اثبات کا پورا یقین ہو گیا، اور دراصل ہر جود کا اصل مصداق ذات باری کے سوا کوئی دوسرا
 نہیں ہے وہ وحی قیوم لا یموت!

بارہویں جب ۱۲۲۵ھ کو روح نے دار فانی کو الوداع کہا، جسد خاکی جان مع سجدہ در اس کے سپرد
 کیا گیا، اور علم کا یہ موجزن دریا ہمیشہ کے لئے چند بانشت زمین میں سما گیا، تراسی ہر س کی عمر پائی ۵۰

اگر جس رحلت زود چھو لانا سوئے دار البقا	داخل جنت شد آن مقبول در گاہ صمد
اگفت ہاتف سال تیانخ و فائش این چنین	شد نصیب مولوی عبد الاعلیٰ جنت ابر

آداب بحر العلوم کے تین بیٹے تھے مولوی عبد الاعلیٰ، مولوی عبد المنافع، مولوی عبد الرب۔

مولوی عبد الاعلیٰ نے دوسری کتابیں بحر العلوم سے پڑھی تھیں، فرائض کے بعد میں تدریس کا شغل
 شروع کیا، مگر چونکہ کوئی صورت معاش نہ تھی اس لئے وطن سے اٹھ کر رہے ہوئے، اب تک علمائے

مستحق ہی، عالیٰ جنگی، ہمت کا جو ہر موجود تھا، عہد کر لیا کہ جب تک ادھر یا اس کے اطراف کی
 ہمت بچے نصیب نہ ہوگی میں وطن کلن نہ کرونگا، لکھنؤ سے کلکتہ پہنچے، حاصل مقصد کے
 لئے جو ہر روز میرین کین مگر ہمتی سے ایک بھی بن نہ آئی، ناچار وطنی والیں آٹا پڑا، ابھی کچھ ہی
 نہیں قیام کیا تھا کہ غار جنگیوں سے گھبرا کر، کلکتہ چلے گئے، بازوئے ہمت ابھی سست نہیں
 ہوا تھا قضاات کے شہر کو شش کی گریکا،

اس وقت بحر العلوم مدراس میں تھے، کلکتہ سے مولوی عبد الاعلیٰ مدراس گئے، وہاں ایسے سخت
 سیلاب پڑے کہ گھر آٹا پڑا، اسے مین ۸ شعبان ۱۲۰۳ء میں غریب الوطن نے قضا کی۔

طوبی عبد النافع نے دریات کا زیادہ حصہ اپنا خانہ کراؤ علیا سے پڑا۔ جب بحر العلوم شہر اجمہا پور میں تھے تو بحر العلوم
 کی خدمت سے ہی کچھ فیض حاصل کیا تھا، تنگ حالی نے تدریس کا موقع نہیں دیا، اپنی قوت بازو
 سے کچھ حاصل ہی کیا، تو بہت جلد جاتا رہا، ناچار بحر العلوم کی خدمت میں مدراس پہنچے، وہاں
 ہی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، لکھنؤ چلے آئے، اور ایک مدت تک یہیں قیام کیا۔

جب زیادہ پریشان ہوئے نواب امیر خان کے معسکریں جانے کا قصد کیا، اور روانہ بھی ہو گئے
 انطلق سے اندرون ان حدود میں جنگ چھڑی ہوئی تھی، راستہ کے تمام کنوئیں میں لوگوں نے
 پتھر پھینک دیا تھا، اس گرفتار جل کو کیا خبر تھی، کہ پانی کا ہر قطرہ پیام موت ہے، راستہ بہر مولوی عبد النافع
 ہی ہائی استعمال کرتے گئے، نواب امیر خان کے ان پہنچے تو ہر گورثہ میں انٹر کر چکا تھا، سخت
 مریض ہوئے نواب سے رخصت ہو کر، وطن کی طرف مراجعت کی، سفر کی ہر منزل میں، مرض کی
 سخت ایک قدم اور آگے بڑھ جاتی تھی، وطن پہنچ کر درم معدہ، استسقا ہو گیا خون کی تھہ ہونے لگی،
 اس حالت میں ۸ شعبان ۱۲۰۳ء کو انتقال کیا۔

مولوی عبد الرزاق، بچپن سے بحر العلوم کے سایہ عاطفت میں تعلیم پائی بحر العلوم نے بھی دل کھول کر

انکو پڑھانا شاہجہان پور، بہار اور اس ہر جگہ بجز العلوم کے ساتھ اسے اگر بجز العلوم صرف کوشش کے مالک تھے فطرت بدلتا اور کلام نہ تھا درس و تدریس سے انکو ابتدا سے نفرت تھی، یہاں تک پسند آزاد و مشرب تھے، بجز العلوم کے بعد نواب مدرس نے ان کو منہ دوس پر بٹانا چاہا مگر اونکی طبیعت اس میں نہ لگی، اپنے پیچھے مولوی عبدالودود احمد کو اپنا قائم مقام کر کے مکان چلے آئے، جب تک زندہ رہے دوسو روپے نواب مدرس اور ایک سو پچتر روپے گورنمنٹ انگریزی سے وظیفہ ملتا رہا۔

مولانا بجز العلوم کی

تصنیفات

علمائے اسلام میں چند اشخاص ایسے ہیں جنکی کثرت اشغال کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اتنی دقیق اور کثیر تصنیفات کی انہیں کمان فرصت ملی، فلاسفہ اسلام میں انتہائی شہرت کا درجہ شیخ ابوعلی ابن سینا کو ملا ہے، اسکی لائف پر نظر ڈالئے، عمر ہر اس نے منہ وزارت سے نیچے قدم نہیں رکھا اور بقیہ قسمتی سے کبھی اطمینان بھی حاصل نہیں ہوا، اچھاں جاتا ہے، اوسکے دشمن کٹرے ہو جاتے ہیں، سلطان محمود نے اسکا خون ہر کر دیا ہے، اور ابن سینا اپنے دوستوں کے مکان میں چھپتا ہوتا ہے، درس و تدریس کا مشغلہ ہی جاری ہے، ان سب کا ڈاؤٹن پر فلسفہ، منطق، طب میں بیسیوں ایسی تصنیفات کیں جو اترہ علوم کے وسیع ہو جانے پر بھی اب تک ادا نہ کر سکیں۔

ہندوستان کے شیخ اکبریس کا حال بھی اس سے ملتا جلتا ہے، ساری زندگی اطمینان سے ایک جگہ بیٹھنا نصیب نہیں ہوا، طلباء کی کثرت کا اس سے قیاس کرو کہ نواب فیض احمد خان والی راجپور اونکو

ماتہ کا بانی بن گیا، ان کثیر التعداد طلبہ کو دن بہ دروس دینا، اس مانع اور قلت فرصت پر ہی

حقیقات کا ایک دفتر یادگار چھوڑا، بحر العلوم کی تصنیفات کی فہرست یہ ہے۔

اصول فقہ، فوائذ المرجوعین، شرح مسلم الثبوت، تکمیل شرح تحریر ابن ہائم شرح فارسی منار الانوار۔

فقہ، رسائل ارکان اربعہ۔

تقصوف، شرح شرمی مولانا روم، رسالہ توحید،

مستطیل و فلسفہ، حاشیہ بر میرزا ہدیر شرح مواقف امور عامہ حاشیہ بر عدد ۱ حاشیہ بر میرزا ہدیر جلال،

شرح مسلم العلوم منہیہ، حاشیہ بر میرزا ہدیر رسالہ،

مختلف علوم، ہدایتہ العرف، رسالہ احوال قیامت، عجائب النافع مع منہیہ۔

ہر کتاب پر تفصیلی ریویو کرنے کے لئے نہ وقت ہے اور نہ ناظرین ان قدیم اور دقیق تحقیقات کو

بوجہ پس سے دیکھیں گے، اس لئے، ہم صرف ایک اجمالی نظریں تصنیفات پر ڈالتے ہیں، لیکن اس سے

پہلے ہم بحر العلوم کی ان خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو انکی تصنیفات کے مطالعہ کے وقت

ہمارے ذہن میں آئے ہیں۔

(۱) حکماء اسلام میں ایسے لوگوں کی ایک معقول تعداد ہے، جو اسطوار اسکے مصنفین

کے خلاف فریب، پیچیدہ طرز استدلال سے محروم ہو جاتے ہیں، فلسفہ المیہ (تہیا لوجی) کے ان

مسائل کی تردید میں جو مذہب سے ٹکراتے ہیں اور انکا قلم ڈرڈر کر چلتا ہے، ہر لونیانی انسان کا نام ادب

سے لیتے ہیں امام غزالی، اندازی، جنگی زندگی کا اہم موضوع اسطوار اسکے فلسفہ کا مثلاً انسان تھا

وہ ہی او کو برا نہیں کہتے، ابن بن تیمیہ، ابن حزم بے شبہ اس محروم گروہ میں داخل نہیں ہیں۔

بحر العلوم کو دیکھو کہ معقولات میں پلا پرورش پائی ہوٹا، اور اسی میں نام پیدا کیا، سر سے پاؤں

تک یونانی فلسفہ میں جکڑا ہوا اگر مذہب کے مقابلہ میں دیکھو کہ عقلاے یونان کو کس طرح خطاب کرتا ہے۔

ان الباری لم یعمد جمیع الاشیاء
وابداً لہ یعزب عنہ مثقال ذرۃ
قبل ایجاد العالم وافاضۃ الوجود
علیہ ثم افاض الوجود علی حسب
علمہ بافاقہ وحکمہ وخلاف من خالفہ
من فرق علمہ کاظم بعض حیلۃ الیوان خالق یلفت فیہ

خدا سے پاک کوانل سے اہتک ایجاد عالم خلق
کائنات سے پہلے ہر چیز کا علم ہے، اس کے علم سے
زیرہ برغایب نہیں، ہر اپنے علم اور ارادہ کے موافق
اس نے ان کو پیدا کیا، اور ارادہ کے اس علم سے
جس نے ان کا کیا ہے بعض جملہ: وہ ان کی
حالت ہے جس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔

منطق کی ضرورت ثابت کرتے ہوئے مشائین کی نسبت لکھتے ہیں،

ولذا تری افلاسفۃ المشائین یغلطون
اغلاطاً فاحشۃ
اس نے تم مقلدین ارسطو کو دیکھتے ہو کہ وہ کیسی
فاحش غلطیاں کیا کرتے ہیں۔

۲۲) قدماہر اپنے نئے سے نئے دعویٰ اپنی طرف سے دلائل قائم کرتے تھے، ان کو ثابت کرتے
تھے، ان کے مسائل میں انما نہ کرتے رہتے تھے مگر متاخرین فن پر قدرت اور عبور نہ رکھنے کی
وجہ سے ان کا فرض صرف یہ رہ گیا تھا کہ متقدمین کے خیالات، مسائل، دلائل کو اپنے افلاطین
بیان کر دیں، اور دوسروں کے اندوختہ خزانہ کو جن تدبیر سے صرف کرنے دیں۔

لیکن متاخرین میں مولانا بھرا العلوم، اس کلیہ سے استثنیٰ ہیں، وہ اپنی طرف سے دعویٰ کرتے
ہیں دلائل دیتے ہیں، قدما کی گرفت کرتے ہیں، غلطیاں نکالتے ہیں متاخرین ہی جن مسائل کی
تفسیر میں بغرض ہوئی ہے ان کو نبھاتے ہیں، بغیر لفظ پرستی کے معنی تک پہنچتے ہیں، ان کی بجائے
ایک لفظ کے خیر المہرۃ الملاحقین بالماہقین کے خطاب کا ایک ایسا شخص متقی نہیں ہے
بھرا العلوم کی ان خصوصیت کی تحقیق کیے، حاشیہ بر میرزا محمد پر شرح مواقف امور عامہ۔ حاشیہ پر صدر، ابوا

۱۵ حاشیہ بر میرزا ملا جلال ص ۶۰

۱۶ حاشیہ بر میرزا ملا جلال ص ۱۰۴

احشائے میرزاہد جلال کے بعض بعض مقامات کا مطالعہ کافی ہے۔

۳۲) متاخرین شرح کو ایک عادت پڑ گئی ہے کہ وہ غلط سے غلط مسئلہ میں بھی ماتن کی طرف داری اپنا فرض سمجھتے ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ کسی ایک سے ایک پہلو سے ہی ماتن کی دلیل ٹھیک اتر جائے مگر بحر العلوم اس عیب سے پاک ہیں، قدم قدم پر وہ ماتن اور شرح کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے جاتے ہیں، جس نے میرزاہد جلال کا مطالعہ کیا ہو اور میرزاہد کی عظمت اور سکے دل میں بیٹھ چکی ہو وہ حاشیہ بحر العلوم دیکھے، ایک صفحے کے دیکھنے سے میرزاہد کی وقعت اور سکی انہوں سے گرجائگی اور صاف صاف اسکو میرزاہد کی ناش غلطیاں نظر آئیں گی۔

۳۳) منطق و فلسفہ کے عام مصنفین کا انداز بیان یہ ہے کہ انکی کوشش ہوتی کہ طرزاوا ایسا پیچیدہ ہو کر کیسب الفاظ ایسی ناموزون ہو کہ مطلب بہ آسانی ذہن نشین نہو سکے تاکہ خیالات کی وقت اور مصنف کی جلالت کا اعتقاد ہو جائے، متاخرین میں اس مرض کا سب سے زیادہ بیمار ہوتا ہے (جبکہ اس معیوب طرز کے پسند کرنے والے، علما خیر المہرۃ الاحقین بال سابقین اور صاحب الحکمة الیامانیۃ کا خطاب دیتے ہیں مگر بحر العلوم اسکو صاحب الاوق البین کہہ کر ہکا رتے ہیں)۔

بحر العلوم کا طرز بیان اس سے بالکل مختلف ہے، وہ دقیق مسئلوں کو بھی اس طرح تحلیل کر کے دکھا دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کا رگ و ریشہ تک نظر آنے لگتا ہے، مثال کے طور پر ایک دو مسائل کا حل دیتے ہیں، بحث مصدر، علم ہاری، بحث کلی طبعی وغیرہ ان مباحث کو حاشیہ میرزاہد جلالی میں دیکھو پھر کہ کتابوں سے ان کا مقابلہ کرو۔

۳۴) متعصب مصنفین کی طرح بحر العلوم کا یہ انداز نہیں ہے کہ خواہ مخواہ کسی غلط مسئلہ کی طرف داری کی جائے بلکہ بحر العلوم کا ہاتھ ہمیشہ حق کی مدد کے لئے اٹھتا ہے، اسلئے بحر العلوم کی تصنیفات

سے تخلیق جادہ کہ بتناک نہیں آتی، بحر العلوم ایک مائیدی حنفی میں مگر مسلم کی سبائی کلاسیک
رسائل ارکان میں بیسیوں جگہ، مائیدیہ اور اضافت کی مخالفت کی ہے۔

۱۶: بحر العلوم میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ وہ کچھ دیر کے لیے بھی مذہبی خیالات کی باگ نہیں
روک سکتے۔ انکی تصنیفات کے صفحہ صفحہ پر ان کے خیالات کا عکس موجود ہے، غلباً منطق
کی کتاب کو ان مسائل سے مناسبت ہوگی، اور تمہارا خیال ہوگا کہ مذہبی جذبات کا اثر اس میں
نہ ہوگا، اجماع منطق کی کوئی تصنیف اُٹھائو۔ حاشیہ میرزا محمد جلالی ہی اُٹھالو،

الف۔ بحر العلوم وحدت الوجود کے قائل ہیں شیخ اکبر کے سخت معتقد ہیں ایک طرف تو یہ تقریباً
ہے کہ لوگ شیخ اکبر کو کافر کہتے ہیں دوسری طرف یہ افراط ہے کہ بحر العلوم ان کو وارث رسول اللہ کہتے
ہیں، حمد کی بحث میں بحر العلوم لکھتے ہیں۔

نجمیہ الحامدیات والمحمودیات للہ	بہر قسم کی حمایت اور محمودیت خدا کے پاک کے
سبحانہ فتبارک اللہ احسن الحامدین	لے ہے، بابرکت ہے وہ خدا جو تمام اور حامد اور محمود
والحمودین وإن شئت تنقیح	تے اچھا ہے، اور اگر تم اس مسئلہ وحدت وجود کی
هذا المبحث فعلیک بشرح	تفہیم چاہو تو شرح قصوں حکم دیکھو قصوں حکم
فصوص الحکم	شیخ اکبر کی تصنیف ہے)

بناءً علی ان افعال العباد کلہا	ب۔ بحر العلوم کا خیال ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق، خدا ہے، ہدایت کی تفسیر میں لکھا ہے،
مخلوقۃ لہ تعالیٰ عند اہل الحق	اس بنا پر کہ بندوں کے تمام افعال خدا کے پیدا کئے
القامعین للبدعۃ	ہوئے ہیں جیسا کہ اہل حق کا اعتقاد ہے جو عبادت کے
	مٹانے والے ہیں۔

وہ جو بل جیسے ہے۔

المصاحف والآثار حقیقۃ لا

حقیقۃ بل بالابراۃ المعجزات و

نجات فانھا الطريق الی المطلوب۔

وہ اصل ہدایت اور ارشاد نہیں ہو سکتی جب تک

معجزات نہ دیکھا جائیں اسلئے کہ یہی معجز

مطلوب (ہدایت) تک پہنچنے کے وسیلہ ہیں۔

و۔ خدا کے افعال اور احکام مصلح پر مبنی ہیں۔

وهذا الایاس بدبل یحب فان افعال

عندہ تعالیٰ لا تخلو عن مصالح و فوائد

کما ہن فی غیر هذا الفن۔

خدا کے افعال میں برصالح ہونے میں کوئی مضائقہ

نہیں ہے بلکہ ضروری اور واجب ہے اسلئے کہ خدا

پاک کے افعال مصلحت اور فائدہ سے خالی

نہیں ہوتا، جیسا کہ اور دوسرے فنون میں ثابت ہو چکا

و۔ نہ ہی تاثر سے موثر ہو کر علم باری کی تفصیلی اور اجمالی ہونے کی بحث میں تمام فلاسفہ کے خلاف لکھتے ہیں

فبقولہ قد اتفق من لدہ درایۃ و ہر

معلوم عن النواۃ علی ان الیادی

عن اسمہ یعلمو جمیع الاشیاء عزلاً

واید اولو یعزب عندہ مثقال ذرۃ

قبل ایجاد عالم من۔

ہم کہتے ہیں کہ اس شخص نے جب کو ذرا ہی سمجھ ہے اور جو

فطالت سے سب سے بہتر ہے۔ اس بات پر اتفاق کیا ہے

کہ خدا تعالیٰ تمام اشیا کا علم ازل سے ایک ایک

عالم کے پہلے سے رکھتا ہے اور اس کے علم سے

ایک ذرہ غائب نہیں ہے۔

و۔ بحر العلوم اسلام کے اور فرقوں کو اچھا نہیں سمجھتے اسکا انکار وہ اپنی مصنفات میں

ہم بار کو کرتے ہیں، بلکہ مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں تو صاف صاف لکھ کر فتویٰ دیتے ہیں

ماصل یہ ہے کہ انکی تصنیفات انکے دل کا آئینہ ہیں انکے خیالات کے خط و خال کا ہر شخص مطالعہ کر سکتا ہے

۵۴ حاشیہ پر میرزا محمد جلالی ص ۳۰۔

۵۵ حاشیہ پر میرزا محمد جلالی ص ۳۱۔

تصنیفات کی اول حالت ہندوستان میں صحیح عربی علم ادب کا ہمیشہ قحط رہا، ہزاروں علما میں
 شمس جہند نام ایسے ہیں جنکی وجہ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں صحیح عربی ادب کا وجود تھا
 شاہ ولی اللہ قادری، عبدالمقتدر دہلوی، ملا محمود بن پوری، سید عبد الجلیل بلگرامی، چند ایسے فاضل ادیب
 ہیں جن سے عربی ادب نے ہندوستان میں زندگی پائی، مولانا بھرا العلوم اور اسکے خاندان کے
 زور طبیعت کا جولا نگاہ اکثر منطوق و فلسفہ رہا۔ اور منطوق و فلسفہ کے اصول متعارفہ میں پہلا اصول یہ کہ
 کہ ہمارے تاملتہ توبہ معانی کی طرف ہر ہم الغافہ کر پابند نہیں ہیں یا اصول ایک حد تک صحیح بھی ہو اگر اسکی مسخوتیجہ سے
 انگار نہیں ہو سکتا، اکلاس نے معقولات پسند طبیعت کو ہمیشہ زبانہ فی سے محروم رکھا اس کو تاخرین حکانہ فی تصنیفات میں طلب
 سہم کی جو نہیں کہل سکتے اور عبارت مضبوط ہندوستان رہتی ہے۔ مولانا بھرا العلوم کی حالت ہی ایسی ہی ہوتی اگر انکی رعایت
 اور کتب بینی انکی رہنمائی نہ کرتی، اگر عبارت میں وہ شگفتگی نہیں پائی جاتی جو شاہ ولی اللہ کی
 جمعۃ الدابالغہ اور ملا محمود کی شمس بازغا اور زراعت میں ہے، اگر ہر ہی بحر العلوم کے قلم سے بعض
 فقرے ایسے نکل جاتے ہیں جیسے ایک ادیب کی قلم سے نکلنے چاہیں، مثلاً احمد کی بحث میں لکھتے
 ہیں فتبارک اللہ احسن الحامد بن و المحمود بن علم ہاری کے
 مسکین لکھتے ہیں قد انفق علی من لہ درایۃ وھم مبدون عن الغواۃ علی
 ان الباری یعلم الاشیاء انزل وابد الم یعرب عن غفقال ذرۃ (اقتباسات قرانی)
 مبحث علم الباری بحر عمیق لم یسبح
 فیہ احد الا کلت اقدامہ و ضل
 افصامہ الا من تنقیر بالنور الالہی
 و تخصص بالعطاء الرحمانی... فتجبر العلماء
 الاعلام المشاہیر بالبنان (صاحب زبیر علی)
 خدا کے علم کا مسلا یک عمیق دریا ہے جس میں کوئی
 تیرا نہیں لیکن اس کے قدم تک گئے اور اسکی عقل
 گرا ہو گئی لیکن جو خدا کی روشنی سے منور ہو اور خدا
 کی مہربانی اور اس کے ساتھ ہی... بڑے بڑے
 علما جنکی طرف انگشت شاہ شمس سے ہمیں توجہ گئے

لکھن اسی سنی ضرور ہے کہ جب "توریا" اور تیرنے کا استعارہ کیا تھا تو یہ نہ کہنا تھا کہ "ادسے
 سیم تک گئے" بے شبہ یہ فقرہ اور سہولت نہایت بلند تھا اگر "سمیدان" اور "چلنے" کا استعارہ ہوتا
 اسکے علاوہ اور بہت سی ادبی لغزشیں بحر العلوم کی تصنیفات میں بانی جاتی ہیں جو اس فقہار
 معلوم ہو سکتی ہیں ہم نے دو تین کتابوں کے صرف دیباچے اس نظر سے دیکھے ہیں،

نہم کتاب غلط حسب غلطی

دیباچہ حاشیہ میرزا محمد جلالی - یعنی بہ عمافی الضمیر تعریب کے معنی کسی کی طرف سے حمایت یا بولنے کے
 ہیں جو بیان مناسب بتدین بلکہ اعاب ہونا چاہیے
 جگہ معنی اظہار مطلب کہ میں، اور اگر اعاب ہی سے
 اس کو مستحق تسلیم کر لیا جائے تو تعریب کی ضرورت
 کا مرجع کیا ہے،

ایضاً نشکرہ بہاخصنا شکر کا صلابہ، "انہیں آنا" اہلی، آتا ہے دوسرے
 نشکرہ سے نشکرہ زیادہ فصیح ہے۔

اشہد... نحمد - ایک ہی صفتی جہیز میں ایک جگہ، "احد تکلم دوسری جگہ معنی تکلم
 فعل متوہی کے یہاں پر کوئی مناسب معنی نہیں ہے بلکہ لا تقو جا
 ۱۳۳۱ لا تشیع حقیقتہا

میں اچھے مسائل ارکان جملہ مظهر العجائب مختلفہ مختلفہ کے یہاں نہ کوئی معنی ہیں اور نہ ترکیب صحیح ہے،
 نبعت الیہم ایہم کا مرجع انسان ہے اور انسان کی طرف سے مدح کی ضرورت نہیں ہے

سید ولد آدم ولد کی جگہ اولاد چاہیے۔
 تقوم منها الاسلام - اگر جملہ وہی ترین ہو قیوم بہا الاسلام
 دلتی الی عیال ولات ملہ اعلیٰ آتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی مثالیں نگاہِ نفیس پیش کر سکتی ہے مگر اس سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ بحرِ العلوم کی ادبی عظمت وسیع قسماً، ہر شخص اتنا جانتا ہے کہ مصد کا قلم غیر مصد پر مباحثہ جاری ہے مگر بس ادیشام مانگو تو ہر مصنف کی تصنیف زید عدل کی مصنوعی مثال پیش کریگی، مگر حاشیہ میرزا امین جب مولانا بحر العلوم کو اسکی ضرورت پڑی تو زید عدل کی مثال دیکر اپنی کم سربانگلی نہیں ظاہر کی بلکہ بعد اقامتِ حجابی کی کتاب دلائل الاعجاز کا حوالہ دیا کہ حجابی نے لکھا ہے

غ **فانما ہی اقبال و ادب اس** اقبال اور ادب اس دو وزن

مصدقین اور بافتہ دونوں (یعنی) کی خبریں جو غیر مصد ہے، ان اتنی لغزش کہیں ہی ضرور ہے کہ بحر العلوم نے اسکو شاہ کا قول کہا ہے اور محشی حاشیہ اس شعر کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس مصرعہ میں اونٹ کی تیز رفتاری اور سرعت کی تعریف کی ہے حالانکہ یہ عرب کی مشہور رشید گوشت خنسا کا شعر ہے، جبکہ اس نے اپنے بہائی صحف کے مرثیہ میں کہا ہے، اس مصرعہ کا مطلب چند شعر سے ظاہر ہو سکتا ہے،

فما عجلی و مثلی بو تطیف به	بہا حنیان اعلان واسما اس
نہیں ہے دو اونٹنی جیکے پیر کیا ہے اور دو اپنے مصنوعی بچہ کے چار و نطفہ پر ہی ہے اور ایک قوم کی فراہم ہے لیکہ و لیکہ کہتے ہیں	
ترتبع ما رقت حتی اذا ذکر ت	فانما ہی اقبال و ادب اس
الہ جری ہے اچری ہے اور جب بچہ یا پڑا	تو آتی ہے اور جاتی ہے
یو ما من ہا و جد منی حین فارقی	صغیر اللہ من احلاء و امر اس
کبھی مجھے زیادہ نکلین جب صغیر مجھے دست مل	اور زمانہ تین کبھی تلخی اور کبھی شیرین ہے

سید سلیمان
متخرج دارالعلوم - لکھنؤ

اشتہار

پٹنہ کے مشہور کتب خانہ میں مزار کا مرزا اکبر شاہ کے چچا کا دیوان، شاہی کتب خانہ کا نسخہ، اسکی لوح پر جابگیر اور شاہ جہان کے ہاتھ کی تحریریں ہیں، ہم نے انکا فوٹو لیا اور دفتر ندوہ سے عہدہ پر مل سکتا ہے، یادگار چیز ہے اور دیکھنے کے قابل ہے۔

موازنہ آئیں و دبیر

مصنفہ

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

تقطیع طبری، کا عدد عمدہ، ضخامت تقریباً ۲۰ صفحے، قیمت غیر در خواستیں جب ذیل پتہ سے بھیجی جائیں۔

ندوہ لکھنؤ

کتب خانہ لمعین

ندوہ میں قہرسم کی اردو فارسی، عربی، کی کتابیں مطبوعہ ہند، مصر، بیروت، قسطنطنیہ، کفایت مل سکتی ہیں۔ فرمائش آنے پر بہت جلد حسن معاملہ کے ساتھ تعمیل کی جائیگی۔

فیض حسن الرحمن صاحب
دارالکتاب

۵۵

نمبر جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ مطابق جولائی ۱۹۰۷ء جلد

مجلس نذر العلماء کا ماہوار علمی رسالہ

میں کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء تطبیق معقول و مقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ ہے

مرتبہ

حسین العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن خان شروانی

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شیخ محمد طاہر گجراتی	مولوی حبیب الرحمن خان شروانی	۱—۵
۲	عربی زبان کی وسعت	سید سلیمان	۵—۲۰
۳	غزل	مولانا شبلی نعمانی	۲۰—
۴	اعجاز القرآن	مولوی ضیاء الرحمن علوی	۲۱—۳۳

باہتمام احقران نام محمد قادیان صوفی بن احمد خان صوفی مرحوم مفتوحہ علی اللہ مقامہ

نصیحتیں گہرے مین کمال حسین بسطی شہر

دکن ہندوہ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا

دستور العمل

- (۱) یہ رسالہ ہر عربی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع کیا جائیگا۔
- (۲) اس رسالہ کی ضخامت معمولاً ۳۲ صفحے ہوگی۔
- (۳) اس رسالہ کا مقصد علوم اسلامیہ کا احیاء اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ ہے۔
اسکے ساتھ حسب ذیل مضامین ہوں گے۔
- (الف) عربی زبان کی نادر الوجود کتابوں پر تقریظ و تنقید۔
- (ب) ممالک اسلامیہ میں آج کل کے کتابین لکھی جا رہی ہیں ان پر تقریظ۔
- (ج) اکابر سلف کی سوانح عمریاں جن میں زیادہ تر ان کے اجتماعات سے بحث ہوگی۔
- (د) انصاف علیہم و وجہ پر بحث۔
- (ه) ندوۃ العلماء کے متعلق حالات۔
- (و) علمی خبریں۔
- (۴) چونکہ دقیق مضامین سے عام لوگوں کو دلچسپی نہیں ہو سکتی اسلئے ہر چہ میں ایک یا دو دقیق مضامین اور باقی عام فہم و آسان ہوں گے۔
- (۵) اس رسالہ کی قیمت مع محصول دو روپیہ لائے ہوئے نمونہ کا پرچہ میں آنے وصول ہونے پر روانہ کیا جائیگا۔
- (۶) کل خط و کتابت منیجر رسالہ کے نام دفتر ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ سے کی جائے اور روپیہ بھی اسی پتے سے بھیجا جائے۔
- (۷) جسکے پاس کسی مہینے میں رسالہ نہ پہنچے تو اسی مہینے میں اطلاع دینی چاہئے ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔
- (۸) جو صاحب خط لکھیں وہ اپنا نام صاف در واضح لکھیں اور قید کا نمبر بھی ضرور درج کریں۔
- (۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ آنا چاہئے ورنہ دفتر جواب دہ نہ ہوگا۔

سید عبدالحی منیجر رسالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

شیخ محمد طاہر گجراتی

خاک ہندوستان سے جو نامور علمائے دین پیدا ہوئے ہیں ان میں شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ شیخ ممدوح اس ملک کے اون معدودے چند علمائے دین سے ہیں جن کی قسمت میں قرآن حدیث کی خدمت اور احیائے سنت کی سعادت لکھی تھی۔ مغلیہ سلطنت جہان اور بہت سی برکتیں لائی تھی وہاں۔ حدیث و سنت کا رواج بھی تھا۔ اکبری دہانگیری عہد میں شیخ محمد طاہر اور شیخ عبدالحق دہلوی یہ رحمت کا چشمہ اوسکے سر چشمہ (ملک عرب) سے لائے اور فیض سے دلوں کو شاد و شاداب فرمایا۔ شیخ نورالحق محترم باپ کے ارجمند فرزند تھے۔ مصنف کنز العمال نے اگرچہ عمر عرب میں بسر کی لیکن تھے اسی ملک کے فرزند اور یہیں سکے دامن فیض کے تربیت یافتہ۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے طریقہ مجددیہ رائج فرمایا جس میں تمام ترقی کا دار مدار اتباع سنت پر ہے۔

مغلیہ سلطنت کا آفتاب بام آہنچھا تھا کہ ایک اور آفتاب علم طالع ہوا شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم ملک عرب کو گئے اور چشمہ رحمت کا صاف اور خالص آبجیات دل سے لگا کر لائے۔ صاحب کافض تھا کہ دیا بنکر ملک میں پہلا مودون کی خشک کشتزار سرسبز ہو کر لہلہانے لگی

کون ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کے نام سے آشنا ہے مولانا صاحب اور مولانا سید احمد صاحب کی کوششیں اظہارِ انش ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

عبدالکبریٰ الحاداد و دہریت کے تھے بدنام ہے۔ لیکن نگاہوں سے احیائے سنت کی وہ برکتیں نہان ہیں جو شیخ محمد طاہر کی کوششوں سے ظہور میں آئیں ان الحسنات ینذہبن السیات و نیکیان برائون کو محو کر دیتی ہیں کیا عجب ہے کہ اس عہد کی آزادیوں کی تلافی اس سعادت سے ہو گئی ہو۔ آگے چل کر تڑپ ہو گئے کہ اس کوشش میں شیخ کا ماتھ بادشاہ نے بھی بٹایا تھا۔

ولادت و نسب شیخ محمد طاہر قوم کے بوہرے تھے اور پٹن (گجرات) میں پیدا ہوئے۔ سند ولادت نظر سے نہیں گزرا۔ بوہرہ قوم آج بھی تول کے لحاظ سے مشہور ہے۔ اس قوم کو چونکہ تجارت سے تعلق قدیم ہے اس لئے یہ لقب ملا۔ ابتداً وہ لوگ بت پرست تھے اکوئی چھ سو برس گورے ہو گئے کہ ایک فاضل ملا علی کی ہدایت سے دولت اسلام سے مالا مال ہوئے ملائے ممدن کینبات میں مدفون ہیں۔ چونکہ ملا علی امامیہ تھے انہوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جب احمد شاہ کا دور دورہ گجرات میں ہوا اور اسلام کو ترقی ہوئی تو علمائے وقت کی تلقین سے (جو اہل سنتہ و الجماعت تھے) بہت سے بوہرے سنی ہو گئے اختلاف عقیدہ نے اس فرقہ میں بہت سے نزاع پیدا کر دیئے۔ نواب مصمم الدولہ لکھتے ہیں کہ بوہرہ شیعہ ہیں وہ ہمیشہ امور شرعیہ میں ایک فاضل صلح کے ماتحت رہتے ہیں۔ مال کا بانچو ان حصہ سادات مدینہ منورہ کے واسطے بھیجتے ہیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ رئیس مذکور کو دیتے ہیں تاکہ محتاج بوہرون میں منسلک ہو۔

تحصیل علم شیخ محمد طاہر نے ابتداً علوم کی تحصیل وطن میں کی۔ اسکے بعد حج اور تکمیل علم کے واسطے حجاز کا قصد کیا۔ وہاں خوبی قسمت نے ایک ایسے آستانہ پر پہنچایا جو علوم ظاہر و باطن

ماہر کے بعد شیخ عثمان نے پاستر

یعنی حضرت شیخ علی تقی کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت و تلمذ سے شرف پہنچے شیخ مہرچ اوپا کے کالمین میں سے ہیں۔ کالات باطنی کے ساتھ علوم ظاہر میں بھی بالکمال تھے کنز العمال انہی کی تصنیف ہے۔ علاوہ اس معرکہ آرا تصنیف کے بہت سی کتابیں تصوف میں ہیں۔ شیخ عبدالحق ابن تصانیف کی نسبت فرماتے ہیں کہ ایسی تصانیف اسی کامل کی قلم سے نکل سکتی ہیں جبکہ درجہ استقامت اور مرتبہ ولایت و دو نو کا کمال حاصل ہو۔

کنز العمال سیوطی کی جامع صغیر اور جامع الجوامع سے ماخوذ ہے۔ شیخ دہلوی نے لکھا ہے کہ سیوطی کی دو نو کتابوں کا کنز العمال سے مقابلہ کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ مولف کنز العمال نے کیا کام کیا ہے۔ شیخ علی تقی اور ان کے خلفاء کے حالات اخبار الاخیار میں پڑھاؤ دیکھو کہ وہ کیسے دامن فیض تھے جنکے سایہ میں شیخ محمد طاہر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی سرشار قدرت بیست پاتے تھے۔ شیخ محمد طاہر نے شیخ مہرچ سے علم حدیث کی تحصیل کی اور فیض اطن حاصل کیا۔

ابوبت

شیخ محمد طاہر جب عرب سے خزانہ علم سے مالا مال ہو کر وطن میں آئے تو انہوں نے اولن بدعتوں کی بیخ کنی پر کمر بستہ باندھی جو انکی قوم میں پھیلی ہوئی تھیں۔ فرقہ مسدویہ کے استیصال میں بھی سخت کوشش کی۔ احیاء سنت کا جو شش شیخ کے دل میں موج زن تھا اس کا اعانہ اس واقعہ سے ہو سیکے گا کہ انہوں نے عامہ سرے آنا کر رکھ دیا تھا اور یہ عمل کر لیا تھا کہ جب تک تشیع اور دوسری بدعتوں کو بڑے اکھیر کر نہیں پسیندوں گا عامہ نہیں باندھوں گا شیخ اپنی کوششوں میں سرگرم تھے کہ ۹۸۰ء میں غیم شاہی گجرات میں پہنچا۔ بادشاہ نے شیخ سے ملاقات کی اور کہا کہ آپکی فخر دست اکا پورا کرنا میرے ذمہ ہے۔ آپ عامہ باندھیں

یہ لکھ کر اپنے ہاتھ سے عمامہ اوٹنے سے روکنا۔

دعوت شاہی اسطرح پورا ہوا کہ خان اعظم (جو رنج عقیدہ خفی تھے) صوبہ دار گجرات مقرر کیے گئے۔ خان اعظم نے شیخ اہل کوہ پوری مدد دی اور دونوں کوششوں نے ملکر بہت سی چڑھائی کی۔ کٹ دی۔ اس موقع پر یہ نہ کہہ سکتا کہ اگرچہ نے تالیف قلوب کے لئے ایسا کیا ہوگا۔ کیونکہ جرم غفیر شیخ کے خلاف تھا اور تالیف قلوب کی حکمت عملی دوسرا پہلو اختیار کرنے کا مشورہ دے سکتی تھی شیخ کی تائید کا۔ خان اعظم تقریباً چار برس صوبہ دار گجرات رہے اور ان کے بعد ان کا تبادلوں ہو گیا۔ بجائے ان کے ایک ایرانی امیر گجرات پہنچا۔

اس تبدیلی سے بھرون مین از سر نو غور و خوض اور شیخ کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ شیخ نے عمامہ سے آٹا کر پھر لکھ دیا اور فریادی بن کر دربار کو چلے۔ ہنوز اگر وہ پہنچے تھے کہ ادھین دسارنگپور (ماوہ) کے درمیان بعض سیاہ باطنوں نے حملہ کر کے شہادت سے سرخرو کیا۔ یہ واقعہ ۹۸۶ھ کا ہے۔ لاش ٹپن لاکر شیخ کے بزرگوں کے مقبرے میں دفن کی گئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

درس و تدریس علاوہ استیصال بدعت کے شیخ نے ترویج حدیث میں بھی بہت کوشش کی طلباء کو برابر علم حدیث پڑھاتے تھے۔ اپنے شیخ کی ہدایت کے بموجب طالب علموں کے واسطے سیاہی اپنے ہاتھ سے تیار کرتے تھے۔ پڑھاتے وقت بھی سیاہی گسنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا فرماتے تھے ایک حصہ دوسرے کام سے کیون منع ہو۔ دل بیاہٹ

تصانیف سب کے زیادہ مشہور تصنیف مجمع بحار الانوار ہے۔ اس میں کلام مجید اور حدیث کے مشکل لغات کا حل اس انداز سے کیا ہے کہ صحاح شکی شرح بھی غنما ہو گئی ہے۔

شیخ نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب کی بنیاد نہایت اہل اخیر اور ناظرین الغریب میں

کسی ہے۔ کتاب نگارش میں ختم ہوئی۔ برخلاف متاخرین شیخ، مقلد و دل کے
مقلد پرکار بن گئے۔ اسی سے انکی تحریر میں زائد و فضول الفاظ کا ملینگے۔ علاوہ مجمع بحار الانوار
کی اور تصانیف بھی ہیں۔ ایک رسالہ معنی ہے جو فن رجال میں ہے۔ شیخ محدث دہلوی
فرماتے ہیں کہ ”اس کتاب میں اسماء رجال کی صرف تصحیح کی ہے۔ حال نہیں بیان
کیا۔ نہایت مختصر و مفید کتاب ہے“، مجمع بحار الانوار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک
کتاب سیر میں بھی ہے اسکے حوالہ سے اکثر فوائد خاتمہ کتاب مذکور میں نقل کئے ہیں۔
مجمع بحار الانوار کے خاتمہ میں ایک عالم شوق میں فرماتے ہیں کہ عرض اس تصنیف سے
یہ ہے کہ ”ذکر پاک میں عمر صرف ہو“ دیکھو پاک روحین تہیں پاکیزہ باتوں سے تسلی باقی
تعمین اور سرور حاصل کرتی تھیں یہ بھی پاک نیت تھی جس سے مقبولیت نصیب ہوتی
تھی۔ مجمع بحار الانوار کا چشمہ فیض آج تک جاری ہے۔ بانی کی جگہ انوار موحبین مار رہے
ہیں نقطہ

شروانی

”عربی زبان کی وسعت“

آغاز عالم میں جب انسان اپنی طفولیت کے متنازل طے کر رہا تھا، تو ولی جذبات
و خیالات کا اظہار اشاروں سے کرتا تھا۔ پھر مفرد الفاظ کی اعانت سے اظہار مطلب کرنے
لگا، رفتہ رفتہ الفاظ میں ترکیب پیدا ہوئی، جملے بنے، ایک مصدر، صیغوں کے مختلف
مجموع سے طلوع ہونے لگا، عبارت بنی، جسمین نصاحت و بلاغت کا طرہ لگا، لفظی و معنوی
مستلح، اسباب آرائش بنے، اور اس طرح بیسیوں منزلیں طے کرتی ہوئی ایک خوش آواز
شیریں، متمن زبان طیار ہوئی،

ان میں سے تقریباً کئی ہزار زبانوں کے سرسبز و خست لگے ہیں، ہر ایک کا رنگ و بو،
قد و قامت، اذائقہ و سحر سے مختلف ہے مگر علم اللسان (فیلا لوجی) کے ماہرین
نے مستحکم قرائن سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ تمام زبانیں دراصل متحد النسل ہیں، اور چند وقتوں کی
تمام ڈالیاں ہیں، یہ اس وقت کا قصہ ہے جب دنیا ایک مختصر سی آبادی کا نام تھا، اور مختصر
آبادی چند خاندانوں سے عبارت تھی، یہ خاندان بڑھے، اور اس کثرت سے بڑھے،
کہ وہ چھوٹی سی آبادی انگو اپنے ۱۰۰۰ میں پناہ نہ دے سکی اسلئے یہ خاندان اکڑ کر ارض کی مختلف
سمتوں میں پھیل گئے، گو اس سے پہلے ان سب کی زبان ایک تھی مگر اب، آب و ہوا، ضرورت
اخلاق کے اختلاف سے اس زبان میں تراش و خراش ہو کر اوسکی ایسی ہیئت بدلی کہ ایک ہی
زبان دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف رنگوں میں ظاہر ہوئی،

ان تمام شاخوں کی اصل صرف تین زبانیں ہیں، سیمیٹک، ٹیوینین، ایرین، ان تین زبانوں
نے حسب ذیل شکلیں پیدا کیں،

ایرین، سنسکرت، ایران، فرنیچ، لاطینی، یونانی اور یورپ کی تمام زبانیں۔

ٹیوینین، تاتاری، سیام، بنگو، برما، یہ زبانیں شائستگی اور علمیت سے محروم رہیں۔

سیمیٹک، یعنی سامی، یہ زبان سام بن نوح کے انتساب سے پیدا ہوئی ہے، اس زبان نے
تین سامی خاندانوں کی گودوں میں پرورش پائی ہے جنوبی، درمیانی، شمالی، اسلئے لب و لہجہ کے
اختلاف اور مرز و بوم کی خصوصیات سے ایک ہی چیز مختلف جلووں سے نمایاں ہو کر چند
جسز بن گئیں۔

(۱) جنوبی سامی زبان

عربی، زندہ زبان، یہی اب تک بولی جاتی ہے۔

بھٹی، اترہ زبان -

(۲) درمیانی سامی زبان

عبرانی، مردہ زبان، یعنی اب بولی نہیں جاتی،

بھٹی، مردہ زبان -

تدمری، مردہ زبان -

(۳) شمالی سامی زبان

ارامی، مردہ زبان -

کلدانی، مردہ زبان

سریانی، مردہ زبان -

یہ زبانیں بھی ملک کے مختلف صوبوں میں، طرز معاشرت اور بولچہ کی نیرنگیوں سے مختلف تھیں، ایک عرب ہی کو دیکھو، عرب کے اکثر حصص کی زبان عربی تھی، مگر ہر قبیلہ کی زبان، ایک نئے جذبہ و ستائین نمایاں تھی، جنوبی عرب شمالی عربی سے ناواقف تھے اور حمیری قبائل، قریشی اور بنی سہمیر تھے، جسطرح اسلام سے پہلے عرب کے قبیلہ قبیلہ، کا الگ خدا تھا، الگ اخلاق تھے، الگ طرز معاشرت تھی، سیطرہ او کی زبان بھی ہزار اختلاف کا مخزن تھی، مگر قرآن مجید نے جہاں ان کے خیالات، اخلاق، معتقدات کو متحد کر دیا، وہی زبان کو بھی متحد کر دیا۔ آج جس زبان کے خزانہ میں تمام اسلامی لطایف کے زروجاہر ہیں وہ صرف چند قبائل کی زبان ہے، جسکو اسلام نے اپنی زبان قرار دی، یہ زبان اسلام کی بحر کابی میں ایک دنیا کی زبان بن کر تمام اطراف عالم میں پس گئی، اور آج اس زبان میں جو کل تک چند مخصوص قبائل کی زبان تھی چین کا رہنے والا، امریکی سے تین کر سکتا ہے۔ اور ہندوستان کا رہنے والا جرمن سے انہما مطلب کر سکتا ہے،

عربی زبان ظہور اسلام سے پہلے ہی اپنے وطن سے نکل کر حوران، عراق عرب، مابین انہیں
 تک پہنچ چکی تھی، اسلام آیا تو عربی زبان اسلام کے دوش بہ دوش آگے قدم بڑھاتی گئی
 اور جو قومیں اسلام کے حلقہ بگوش ہوئی گئیں ان کی زبان عربی قرار پائی گئی،

جو وقت اسلام عرب کے افق پر طلوع ہوا تھا، مشرق پر دو عظیم الشان سلطنتیں حکومت کر رہی
 تھیں، فارس، اور روم، فارس اور مابین النہرین درفش کاویانی کے زیر سایہ تھا ان کا مذہب
 زروشتی تھا اور ان کی زبان فارسی تھی، شام، مصر، بلاد مغرب کی، بلندیوں پر دفنی نشان لہرا رہا تھا
 گو ان کا مذہب ایک تھا، سب کے سب مختلف فرقہ کے عیسائی تھے مگر ان کی زبان ایک
 نہ تھی، مصر کی زبان قبطی تھی، اہل توبہ بربری زبان میں باتیں کرتے تھے، شام اور مابین النہرین
 والے سریانی، نسطری، آرامی زبانیں بولتے تھے، یونانی زبان ان تمام زبانوں سے ممتاز تھی
 کیونکہ یہ اوس زمانہ کی علمی زبان تھی، ان زبان کے بولنے والوں کی تعداد کم کی کر ڈرتی،

عربوں نے ان قوموں پر چڑھ کر کیا، اور فتح و نصرت کا پرچم اڑاتے ہوئے ان کے ملکوں میں داخل
 ہوئے ان کے مذہب اور زبان پر حملہ نہیں کیا مگر خدا جانے عربی زبان میں کیا کشش تھی جس نے
 ان کی مادری زبانوں کو ہٹا کر مادری زبان کی جگہ خود آپ نے لی اس سے پہلے ہر قوم اپنی زبان
 میں گفتگو کرتی تھی اسلامی محکمہ میں اپنی اپنی زبان میں در خواستیں بھیجی تھی یہاں تک کہ خود سلطنت
 کے دفاتر کا مذاکرات اوس ملک کی زبان میں ہوتے تھے، مصر کے کاغذات قبطی زبان میں
 تھے، شام کے اسلامی محکمہ کی زبان یونانی تھی، اور خود عرب اور فارس کے دفاتر فارسی میں تھے، اور ہندوستان
 کے زیر سایہ، رومی، فارسی، یہودی، سامی، سریانی، نسطری، قبطی، بربری، مختلف اللسان قومیں
 تھیں جن میں سے کسی کی زبان عربی نہ تھی اور خود خلفا سے ارشدین تک عربی زبان سلطنت

۱۵۰۰ شمردہ جلد اور فرات و نہر دجلہ کے درمیان واقع جن "مابین النہرین" کہلاتے ہیں۔

کی زبان دہی

جب جو اسیر اسلام کے حکمران ہوئے، تو انہوں نے رفتہ رفتہ تمام مقبوضہ ممالک کے
 دفاتر عربی میں کر دئے جبکہ عربی زبان سلطنت کی زبان قرار پائی، اس انقلاب کی ابتدا
 حجاج بن یوسف المصفری ۹۵ھ سے شروع ہوئی، حجاج بن یوسف و عبد الملک بن مروان
 کی طرف سے عراق اور خراسان کا گورنر تھا یہاں کا تمام دفتر فارسی زبان میں تھا ایک فارسی شخص
 منہج نام جو عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا اہل تھا دفتر کا صدر محاسب تھا اس نے ایک مرتبہ
 انگریز لکھا کہ حجاج دفتر کے حسابات درست کرنے کے لئے، میرا دستگیر ہے مگر میں اس سے
 بے نیاز ہوں، دفتر کا خیال تھا کہ عربی زبان، چونکہ علمی زبان نہیں ہے اسلئے وہ کبھی کاغذات
 کے خزانہ کا بار نہیں اٹھا سکتی اسلئے دفاتر ہمیشہ فارسی لباس میں رہینگے اور فارسی کے لیے
 حجاج مجھ سے مستغنی نہیں ہو سکتا،

مگر حجاج کے پاس ایک دوسرا شخص صالح نام موجود تھا جو عربی و فارسی کے ساتھ علم حساب
 میں بھی مہارت رکھتا تھا، حجاج نے صالح کو حکم دیا کہ دفاتر کے سر پر فارسی طبلان کے بدلے عربی حمامہ باندھو
 صالح نے آستین بہت چڑھا کر علم حساب کے اصطلاحات عربی میں وضع کئے اور فارسی سے
 کاغذات کا عربی میں ترجمہ کروایا، فارسیوں نے ایک لاکھ درم صالح کو اسلئے دینا چاہا کہ وہ دفتر کا
 روبرو کر کے فارسی زبان کو برباد نہ کرے مگر جس واقعے کے ان ہلکی جھوٹوں سے اس کی شمع کو شش گھل
 ہوئی اس وقت سے عربی زبان میں سلطنت کے کل کاغذات لکھے جانے لگے۔

عربی زبان کی ترقی کا دوسرا ذینہ تھا، پہلا ذینہ وہ تھا جب خالد بن ولید بن معاویہ کے
 حکم سے یونانی ادھ قبطی سے کیمسٹری اور طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں یہ عربی میں پہلا ترجمہ تھا

عربی زبان کی ترقی کا تیسرا زینہ ہارون، مامون، معتصم کے عہد کے ترجمان تھے، جن سے ایک بدوی زبان، علمی زبان کے قالب میں آگئی،

تصنیف کی حیثیت سے عربی زبان کے سب سے پہلے مصنف حضرت صدیق اکبرؐ تھے، پانچویں صدی میں کایا ایک مجموعہ طیار کیا تھا، مگر کسی نامعلوم سبب سے اسکو جلاؤ الا عربی کی دوسری تصنیف حضرت عمر بن عبد العزیز کے ایما سے ابن شہاب زہری نے کی، یہ بھی احادیث کا ایک مجموعہ تھا جو دست بردار مانسی محفوظ نہ رہا، تیسری تصنیف سوطی امام مالک ہے جو اب تک کتب احادیث کی پہلی صف میں موجود ہے، سوطی کے بعد عربی زبان کی تالیفات کا وہ سلسلہ شروع ہوا، جو سلسلہ عالم تک ختم نہیں ہو سکتا،

اب عربی، سلطنت، اسلام اور علم کی زبان ہو گئی، غیر عربی مسلمانوں کو نہ ہبنا عربی کی ضرورت پڑی، ذمی رعایا سلطنت کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے عربی کی محتاج ہوئی، اور ان قوموں کو جو مسلمانوں کی حریت تین اسلئے عربی کی حاجت تھی کہ تمام علمی خزانہ عربیت کے صندوق میں بند تھا، ان وجہ سے عربی زبان نے اس زور و قوت سے مفتوح زبانوں پر حملہ کیا کہ کمزور زبانیں بالکل معدوم ہو گئیں بلکہ انکی قومیت بھی انہیں کے ساتھ معدوم ہو گئی، انکی زبان عربی ہو گئی اور وہ خود عرب ہو گئے، رومی و سریانی، جو شام و عراق میں آباد تھے اور جنکی زبان سریانی اور آرامی

تھی، قبطی جو مصر میں تھے اور جنکی زبان قبطی تھی افریقی اور مغربیہ جو یوننس، جزائر اندلس وغیرہ میں آباد تھے اور قومیں جو وقتاً فوقتاً اسلام کی زیر حمایت آتی گئیں جیسے ارمن، سرکیشن، سودان، کرد، زبان، اخلاق، مذہب، شکل، صورت کی حد تک پوری عرب ہو گئیں، ادیب کاے انبیا انوں کے عربی انکی مادری زبان ہو گئی، اندلس میں جب اسلام آیا تو عربی ہی آئی، اور وہ ان کی مادری زبان قرار پائی، سلطان عربی شعرا اور مصنفین پہلے پیدا ہوئے مگر افسوس یہاں جب اسلام کا چراغ گل ہو گیا تو عربی زبان ہی

مردم شماری	دہشتہنگی زبان عربی ہے
۶۱۲۰۰۰	بغداد
۴۳۳۰۰۰	بصرہ
۳۵۱۰۰۰	سویس
۴۶۲۰۰۰	دیار بکر
۹۹۵۰۰۰	حلب
۷۱۹۰۰۰	شام
۵۳۳۰۰۰	بیروت
۳۴۱۰۰۰	بیت المقدس
۴۰۰۰۰۰	لبنان
۱۲۰۰۰۰۰	مصر (خاص)
۵۰۰۰۰۰	سودان مصر
۴۰۰۰۰۰	نیٹاری
۶۰۰۰۰۰	طرابلس الغرب
۴۶۳۷۰۰۰	جزائر الغرب
۵۰۰۰۰۰	مراکش
۱۹۰۰۰۰	ٹیونس
۲۰۰۰۰۰	زنجبار
۲۵۰۰۰۰	جزائر کومہ اور اسکے اطراف
۴۲۹۴۵۰۰۰	میزان

یہ کثیر تعداد عربوں کے سوا ہے جو صحاری اور فرنج اور مشرقین سودان اور شرقی ہندوستان کے ہر تہ ترین آبادین جبکہ شمار کرتا تقریباً ناممکن ہے۔

اس مردم شماری کی انگلی منہ اور ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جنہوں نے عربی زبان کا رواج پایا ہے اور اگر اس تعداد پر ان لوگوں کا اضافہ کیا جائے جنہوں نے تعلیم و تعلم کے سفر سے عربی شراب پی ہے تو مذکورہ بالا تعداد کو کچھ زیادہ کر دینا چاہیے، کیونکہ مسلمانوں کا ایک چوتھا حصہ چاہے کچھ ہی اوسکی زبان ہو اور کسی ملک کا رہنے والا ہو نہ ہی اثر سے عربیت کے ذائقہ سے آشنا ہے، ہندوستان، افغانستان، چین (مسلمان آبادیان)، اطہ، جاوہ، راس الرجاء، ترکستان، بخارا، ازبکستان، فارس اسی قسم کے ملک ہیں،

عربی جب اپنے وطن سے نکلی تو اسکو خیر مقدم کہنے والے صرف مسلمان ہی نہ تھے بلکہ بعض ایسی قومیں بھی تھیں کہ جن کے دل اسلام کی روشنی سے منور نہ تھے اور نہ اونکی زبان میں عربیت کا چٹخار تھا اگر رفتہ رفتہ عربی زبان کی کچھ ایسی جاٹ اونکو پڑ گئی کہ اونکی مادری زبان گونگی اور بے شبہ فارسی ترکی بعض ایسی قومیں بھی تھیں اور جن جونور اسلام سے منور ہیں اور عربی اونکی مادری زبان نہ ہو سکی لیکن اوسمیں بھی شک نہیں کہ ہر زمانہ میں نصف عربی والوں کا ادون میں وجود رہتا ہے، لیکن اسکو چھوڑ کر بھی جہاں عربی مادری زبان بننے میں کامیاب نہ ہو سکی، اوس نے وہاں کی اصلی زبان کی ایسی ہیئت بدل دی ہے کہ اب اصلی زبان کا وجود شکل سے تسلیم کیا جاسکتا ہے اور خود اسکی جگہ عربی الفاظ، محاورات، ادب کے ارکان جگے جگے علیحدہ کر دینے کے بعد، زبان زبان نہیں رہتی، بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ بغیر عربی کے وہ زبان بولی نہیں جاسکتی، بعض فارسی انشا پر دازوں نے ایسے رسالوں کے لکھنے کی کوشش کی جن میں عربی الفاظ سے بالکل اجتناب کیا جائے مگر حق یہ ہے کہ یہ لزوم بالایہ تمام ادون سے نہ نہرہ مگر ایسی زبان عربی الفاظ کے ذریعے

ادن میں جابجا چمک رہے ہیں۔

اس قسم کی زبانوں میں دنیا کی وہ تمام زبانیں شامل ہیں جنکو وہ مسلمان بولتے ہیں جو عربی زبان کے محروم ہیں، چینی زبان میں تیس فیصد ہی فارسی میں پچاس فیصد ہی ترکی میں پچیس فیصد ہی، اردو میں ساڑھے فیصد ہی عربی الفاظ شامل ہیں۔

اس سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ اردو کی ساری خوبی اور آرائش ادن عربی ہوتیوں سے ہے جو اردو جہلوں میں جابجا ملے رہتے ہیں، مگر اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اردو نے عربی سے نہ صرف الفاظ مستعار لئے ہیں بلکہ محاورات اور ضرب المثلیں بھی، چنانچہ متبع سے ہمیں کچھ مثالیں ملی ہیں جنکو ہم اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں،

عربی محاورے

اردو

ماء الوجه

آبرو

اسودت الارض فی عینہ

آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی

کہا متلون الحرباء

گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا

مشی البطن

پیٹ چلنا

ع ان الحديد بالحديد يفلح

ع کہ آہن بآہن تو ان نرم کرو۔

لا يلقى لهم مبار بغير

اوسکی گرد تک نہیں پہنچ سکتے

مناغاة السماء

آسمان سے باتیں کرنا۔

احرق عليه انما به

دانت چمینا۔

۱۷ قال الجہاسی لعی لی ابو المقدام فاسود منظر من العین واستکت علی المساء
۱۸ قال المتنبی۔

۱۹ کتاب الاشغال لیدانی ج ۱ ص ۱۷۷ حریری ص ۱۷۷ ص ۱۷۷۔

عربی محاورے

تبت يد الی لہب (قرآن مجید)
 غص الطرف (سراج)
 کدحت با ظفاری -
 الکباء یاربعة
 تذهب سیمیکر (قرآن مجید)
 تکاد السموات یفطرن (قرآن مجید)

اردو

اتھ ٹوٹ جائیں
 چشم پوش کرنا
 ناخون تک زور لگانا -
 چار آنسو بہانا
 ہوا اکثر بہانا
 آسمان ٹوٹ پڑنا -

نگاہ نقص اور بہت سے محاورات ایسے ڈھونڈ سکتی ہے جنکا ماخذ عربی زبان ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن ملکوں کی زبان بدلتے پر عربی قادر نہ ہوئی، اوں کی زبانوں میں اپنے الفاظ اور محاورے اس کثرت سے شامل کر دئے کہ وہ بگڑی ہوئی عربی کہی جاسکتی ہیں عربی نے کچھ شرق ہی میں برگ و بار نہیں پیدا کئے بلکہ عرب سے ہزاروں کوس دور مغرب میں بھی یورپ اور عربی یورپ کے قدیم علوم و فنون کا ماخذ چونکہ عربی ہے اس لئے ابتدا ہی سے یورپ کو عربی سے اعتنا ہے، بلکہ یہ کہنا سب لفظ نہیں، اظہار واقعہ ہے کہ پچھلے دور کے علماء اسلام سے یورپ نے عربی کے زندہ اور اشاعت کرنے میں زیادہ حصہ لیا ہے، یہاں تک کہ پندرہویں صدی عیسوی میں چھاپا ایجاد ہونے کے بعد پہلے جو کتابیں حلیہ طبع سے آراستہ ہوئیں وہ ابن سینا و ارازی، ابن رشد کی عربی تصنیفات تھیں، عربی تاریخ و ادب کا ایک بڑا ذخیرہ ہم تک یورپ کی ہدایت پہنچا ہے، عربی میں کامل، اعشانی کی طرح بعض ایسی کتابیں تھیں جن سے اوں کی ضخامت اور کثرت موضوع کی وجہ سے ہم بآسانی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، یہ دیکھتے ہوئے

۱۔ نقصد الشراء ابن قدامہ ص ۳۲ -
 ۲۔ قال الحماسی فی المرافی، ص ۵۸ باہین یکی عند کل صباح، وجودی بار بعة علی الجراح -

مشہور کتابتیں عربی زبان کے لئے یورپ کے مختلف شہروں میں انجمنیں قائم ہیں اور برصغیر
 کتب خانہ نہیں جن میں سے مفصلہ ذیل کتب خانے مشہور ہیں، یہ صرف وہ کتب خانے
 جن میں ایک مفصل فہرستیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور انکا حال معلوم ہے،

(۱) کتب خانہ برلن (جرمنیا)

(۲) کتب خانہ اسکریمل (اسپین)

(۳) کتب خانہ فلورنس (اطالی)

(۴) کتب خانہ چرچ۔

(۵) کتب خانہ کوپنہاگن (ڈنمارک)

(۶) کتب خانہ لیننبرگ (سیکس)

(۷) کتب خانہ لینڈن (ہولینڈ)

(۸) کتب خانہ لندن، لندن میں عربی کے دو کتب خانہ ہیں ایک برٹش میوزیم میں، دوسرا ٹین کورٹ میں

(۹) کتب خانہ لینڈن۔

(۱۰) کتب خانہ رولسالا۔

(۱۱) کتب خانہ کوسفورڈ (انگلستان)

(۱۲) کتب خانہ پیرس (فرانس)

(۱۳) کتب خانہ روما (اطالی)

(۱۴) کتب خانہ پیرسبرگ (روس)

(۱۵) کتب خانہ آسٹریا

عربی زبان کی ہر شعبہ میں مرزین عرب سے نکلا کر یہ پہلی ہیں، وہ صرف اتنی ہی نہیں ہیں

کہ چند مطبع اور چند لائبریریاں ان سے روشن ہیں بلکہ ان سے بہت سے یورورپین دماغ بھی
منور ہیں، امریکا، انگلستان، جرمن، فرانس، روس، اہولینڈ، آسٹریلیا، چین عربی کے بعض ایسے
ارباب قائم موجود ہیں جنکو دیکر خود مصر کے اہل زبان تاجرین، خصوصاً جرمن عربی زبان نے جو بہت
پیدا کی ہے وہ اور یورپ کے ملکوں نے نہیں پیدا کی،

یورپ کو عربی سے جو ضعف تھا اور ہے اور کالانمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ یورپین لنگوں میں عربی الفاظ
کثرت سے شامل ہو جائیں، کسی اور زبان کے متعلق تو نہیں کہا جاسکتا مگر انگریزی میں تقریباً پانچ سو
الفاظ ایسے ہو گئے جو عربی سے مستعار لئے گئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

عربی الفاظ	انگریزی	اردو
القلی۔	Alkali	کسار
القبة۔	Alcove	تہ گنبد
القنف۔	Calke	کشتی درست کرنا۔
تمر ہندی	Tamarind	املی
شربت	Sorbet	شربت
صفر	Cypher	نقطہ عدد
الٹحل	Alcohol	روح شراب
الجبر والمقابلہ	Algebra	علم الجبرا
قطن	Cotton	روئی
شراب	Siroph	شراب
الکیمیا	Chemistry.	علم کیمیا

عربی الفاظ	انگریزی الفاظ	اردو
البسیل	Snail	نیل (عربی میں شکرت سے آیا)
جلاب	Jallop	جلاب
فلک	Telouque	کشتی
الانلیق	Alamlic	عرب کچھنے کا آلہ

قرآن مجید جو مسلمانوں کا دین و ایمان اور عربی زبان کا سرمایہ ناز ہے گو خود مسلمانوں نے اس کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی اور نہ کسی غیر زبان میں اس کا ترجمہ کر کے اپنا فرض ادا کیا، مگر یہ تو عربی زبان کی فطرتی وسعت کا اثر ہے یا قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ بغیر کسی کوشش کے بیسیوں زبانوں میں اس کے ترجمے کئے گئے، لاطینی میں ۱۱۳۳ء میں، اطالیہ میں ۱۵۳۲ء میں جرمن میں ۱۶۱۶ء میں، فرانسیسی میں ۱۶۲۹ء میں، فرینچ میں ۱۶۳۰ء میں، انگریزی میں ۱۸۸۰ء میں ترجمہ الگزٹر روز انگریزی میں ۱۸۳۳ء میں ترجمہ جان سیل، بنگالی زبان میں اس کے ترجمے کئے گئے،

مظہری عربی زبان سے زیادہ خطاطی نے عالمگیر وسعت حاصل کی ہے، تقریباً دنیا کی بیس زبانیں ہیں جن کے خطا توڑے توڑے تغیر کے ساتھ عربی سے ماخوذ ہیں،

(۱) عربی	(۷) آذربائیجانی
(۲) فارسی	(۸) اورینٹلی
(۳) ہسٹو	(۹) آگستانی
(۴) ترکی	(۱۰) کردی
(۵) شہنائی	(۱۱) اردو
(۶) قازانی	(۱۲) کشمیری

دہلی

دہلی

۱۴۵

۱۴۵ (بربر) (مغرب)

(۱۴۵) ریفیہ (مراکش)

کیا اس تفہیم کے بعد بھی اس سے انکار کیا جائے گا کہ کبریٰ زبان دنیا کی سب سے زیادہ
وسیع زبان نہیں ہے جس کی کرین کرہ زمین کے ہر حصہ کو روشن کر رہی ہیں اور دنیا کی اکثر باتوں کے
ذرائع سے لیں

سید سلیمان

غزل از تصنیف شمس العلماء مولانا محمد شبلی نعمانی

ہر ذرہ را نظر بہ جمال تو باز بود	ہر جا کہ روی روشن تو جلوہ ساز بود
روئی سخن بہ آن نگہ فتنہ ساز بود	ہر جا کہ ریت فتنہ ایام کردہ ایم
ما را امید ہا از نگہ ہاے راز بود	جانا از زبان و لب نشو و تر جان دل
زان حلقہ ہا کہ در خم زلف دراز بود	مستورہ زندہ پیچ یکے سر پرون ہر
آن بوالہوس کہ در گرو عز و ناز بود	لذت شناس زندی دوستی نبودہ است
یکبارہ عشق ہای حقیقی مجاز بود	آن شوخ را بہ صومہ ہا چون گذر فساد
کو فتنہ دوست بودہ و این فتنہ ساز بود	با چرخ سفلہ صحبت آن شوخ در گرفت
زینہا گناہ دیدہ معشوقہ باز بود	ما خود سر بہ زدی مستی نہاشتیم

غزلین مباحث اگر سخن از مدعا گرفت
شبلی ہنوز اول راز و نیاز بود

اعجاز القرآن

قرآن پاک کی بلاغت پر بحث کرنے کیلئے میں نے اس مضمون کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا نمبر اجزا سوقت ناظرین کے سامنے ہے فصاحت کے متعلق ہے۔ دوسرا نمبر بلاغت کے متعلق ہوگا جس میں یہ دکھایا جائیگا کہ کسی مضمون کو ادا کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات لانا چاہئیں۔ تیسرے نمبر کے میں تشابہ و استعارات قرآن، چوتھے حصہ میں صنائع و بدائع سے بحث ہوگی پانچویں نمبر کے میں نظم قرآن پر جو اعتراضات ہیں انکا جواب دیا جائیگا۔

گو پہلے نمبر کے بعض مباحث السنہ وین نکل چکے ہیں لیکن محض سلسلہ کلام کی غرض سے اس موقع پر انکا اعادہ کیا جاتا ہے۔

قل لئن اجتمعت الجبن والانس علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لایأتون

بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیراً۔ ۵

یہ آیت اس امر کی نصی شہادت ہے کہ قرآن مجید متحد ہی ہے اور مجرہ ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جیسی کتاب اگر تمام عالم کے لوگ بھی ملکر بنانا چاہیں تو یہ امر ناممکن ہے اس نصی شہادت کے بعد کلام مجید کے معجز ہونے میں کسی کو کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ ہاں بحث ہے تو اس حیثیت سے ہے کہ وجہ اعجاز کیا ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ کلام مجید بحیثیت بلاغت کے مجرہ ہے لہذا ہم سوقت اسی حیثیت سے بحث کرتے ہیں۔

اگر عرب کی فصاحت و بلاغت کے متعلق کچھ تفصیل کی جائے تو خود نباتہ ایک وسیع

موسوع ہے کہ جب بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ اردو میں عرب کی فصاحت و بلاغت کے
 اوپر بہت کچھ زور دیا گیا ہے۔ لیکن عرب کی فصاحت و بلاغت کا کوئی قابلِ وثوق نمونہ نہیں
 پیش کیا گیا ہے۔ میں اسوقت صرف ایک ایسی مثال پر اکتفا کرتا ہوں جو غیر دن کو قابل کرنے
 کے واسطے بہت کافی ہے۔

سبزوادی کا ایک ہدیٰ سیر ترجمہ دنیا میں بہت بڑا مدبر جنرل ادیب و فلاسفہ گذرے ہے اور جو فصاحت و
 بلاغت میں ضربِ المثل ہے اُسکے تین جملے بہت مشہور ہیں اور وہ فصاحت و بلاغت کو
 اعلیٰ مثال سمجھ جاتے ہیں انہیں کا ایک عربی شاعر کے ایک مصرعہ سے مقابلہ کرتا ہے۔
 سیر نے جب وہ ایک فتح کی غرض سے کیا تھا ایک شخص کو یہ تین جملے لکھے تھے 'وینی ایدین'
 ویسی جبکہ معنی ہیں من آیا میں نے دیکھا، میں نے فتح کیا۔ ان لفظوں میں خوبی یہ ہے کہ یہ
 سب ایک ہی سبیل حرکت زبان کے الفاظ ہیں اسکے علاوہ اس میں ایجاز و سلاست و روانی
 کے ساتھ شان و شکوہ بھی پایا جاتا ہے۔ اب دیکھو عربی شاعر کے مصرعہ کو کہ وہ کس قدر اس تمام
 جملہ سے عمدہ ہے ۵

الصباح فالغاف فالانث

یا الھف زیاۃ للحارث

اس شعر کی شانِ نزول یہ ہے کہ حارث قبیلہ بنی بکر کی سردار نے زیاۃ کی غیبت میں جاکر اسکے
 اونٹن کو لوٹ لیا ابنِ زیاۃ نے جب واپس آکر یہ سارا ماجرا سنا تو اسی جوش و خروش کی حالت
 میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ شعر ہے اس شعر میں حارث کے اس طرح واپس جانے پر
 افسوس کا اظہار کیا ہے اور دوسرے مصرعہ میں اسکے آنے اور لوٹ کر واپس جانے کی تصویر کشی ہے اس
 مصرعہ میں نیز کر اس جملہ کی کہیں زائد خوبیاں موجود ہیں سب پہلے تو یہ کہ لفظ صبح غام و آب تینوں ہوزن میں آیا
 ہی صیغہ سر کو تعلق ہے اور تینوں پہلوں (دو کت زبان) کو الفاظ ہیں و سر یہ کہ حروفِ عاطفہ غم و سر یہ کہ اس طرح

مربوط کر دیا ہے کہ اسکو نکال دو تو مطلب خبط ہو جاتا ہے تیسرے یہ کہ باوجود اس روانی و سلاست کے کہ جسکی وجہ سے یہ جملہ شعر بن گیا ہے الفاظ پر عظمت و شان ہیں سب سے بڑی خوبی سیزر کے جملے میں ایجاز کی ہے مگر اس مصرعہ میں جب قدر اختصار و ایجاز ہے وہ سیزر کے جملے میں معدوم ہے ذیل میں ہم دونوں کا بحیثیت وسعت معنی کے مقابلہ کرتے ہیں۔

الصباح صبح کے وقت لوٹے آنا۔

وینی ویڈی آنا اور دیکھنا۔

غانم۔ مال غنیمت کے ساتھ کامیاب ہونا۔

ویسی۔ کامیاب ہونا۔

ائب۔ واپس جانا۔

ان لفظوں کا مقابلہ کرو دیکھو سیزر کو دو لفظوں نے صرف یہ معنی ادا کئے کہ وہ آیا اور آئے دیکھا۔ گریزی کی ایک لفظ نے اتنے معنی ادا کئے۔ آنا، تعین وقت، بغرض آمد سیزر کے تیسرے لفظ نے یہ مطلب ادا کیا کہ اسنے ملک فتح کیا اس کے مقابلہ میں غانم نے دو معنی ادا کئے ایک تو مال غنیمت حاصل کرنا دوسرے کامیاب ہونا۔ رہ گیا تیسرا لفظ ائب تو یہ معنی ہی سرسیر کے جملے میں نہیں ادا کئے گئے ہیں

غرض اس تعابلی سے ایک نمونہ عرب کی فصاحت و بلاغت کا پیش کروایا گیا جس سے اندازہ انکی قیاد و کلامی اور بلاغت کا ہو سکتا ہے۔ اسی فصاحت و بلاغت کو مانتے ہوئے کلام عجیب کہ بحیثیت بلاغت کے معجزہ قرار دیا گیا ہے۔

فصاحت کی تحقیق الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کی مثال بالکل متویر نیکے ہار کی سی ہے۔

میرے نزدیک اس سے عمدہ کوئی مثال اس بحث کے ذہن نشین کرانیکے لئے ہو نہیں سکتی
 بارہ تین تین چہرین ہوتی ہیں یا بار گوند ہنے والے کے تین کام ہوتے ہیں ایک اچھے متون
 کا تلاش کرنا۔ دوسرے انکو تناسب و موافقت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ
 پرونا۔ تیسرے۔ ان سب کا حاصل یعنی بار بنانا۔ اسطرح ایک منشی کا کام یہ ہے پہلے الفاظ کو
 چنے اور انکے بعد انکی ترتیب ایسی قائم کرے کہ ماقبل و مابعد سے تناسب قائم رہے اسکے بعد
 جو قصداً لکھا ہوا سمین وہ انکو استعمال کرے۔

نصاحت کی تعریف علمائے بلاغت نے فصاحت کی تعریف یہ کی ہے کہ جو لفظ تین اور ظاہر
 ذہن یعنی مستعمل ہوں لغت دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وہ
 الفاظ جو رائج ہوں۔ نگے اور عام طور پر جاری و ساری ہونگے اور لغت کے دیکھنے کی ضرورت
 نہ پڑے گی وہ وہی الفاظ ہونگے جو مانوس ہونگے اور متعارف و معروف ہونگے چونکہ الفاظ کا تعلق آواز سے
 ہے اور آواز جو میرلی و خوشگوار ہوتی ہے وہ پسند خاطر ہوتی ہے اور جو بیچ ہوتی ہے وہ بھدی کو یہ
 ہوتی ہے اور طبعاً ناگوار ہوتی ہے جیسے طوطے و بلبل کی آواز کہ وہ لطیف، شیریں، دلاویز
 ہوتی ہے بخلاف کوئی اور کہ ہے کی آواز کہ وہ مکروہ و ناگوار ہوتی ہے اسی طرح الفاظ میں بھی یہ فرق
 نظر آتا ہے کہ بعض الفاظ بک، شیریں، شستہ ہوتے ہیں بعض ویسے ہی ثقیل و بک
 ناگوار ہوتے ہیں مثلاً دیمتہ، مزفتہ، عخن، مدامہ، سلیف، اسد، یہ الفاظ تو
 لطیف و شیریں ہیں لیکن انہیں کے مراد الفاظ بعاق، عسلوج، اسفط، خلیل،
 فدو کس، ثقیل، مکروہ ہیں۔

سنی الفاظ کا تناسب کلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ آتما
 کیے جائیں الفاظ جیسا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان کی قسمیں ہیں اور آواز فطرت و کسی وقت لطیف

میں ہوتی ہے اور کسی وقت پر زور، عجب دارا سخت دکر یہ ہوتی ہے مثلاً عاجزی، حیا، حشمت، وقت آواز میں نرمی آجاتی ہے اور غصہ کبھی الت میں آواز کزخت و سخت ہوتی ہے۔ اسی طرح الفاظ بھی نوعیت مضامین کے لحاظ سے کبھی میب، پر از عجب، و شاندار سخت ہوتے ہیں اور کبھی نرم و شیرین، لطیف یہی سبب ہے کہ قصیدہ کے الفاظ پر شکوہ ہوتے ہیں اور غزل کے الفاظ سہل، شیرین، سادہ کیونکہ پہلی صورت میں عظمت، شان، فخر، جلال کا بیان مد نظر ہوتا ہے اور دوسری حالت میں درد و غم، شوق، ہجر، وصل، تب تکلفی کا اظہار ہوتا ہے، اسلئے فخر و مدح، ذمہ و ثناء، و غلط، غرض ہر ایک مضمون کے ادا کرنے کیلئے خاص طرز کے الفاظ مناسب حال استعمال کئے جاتے ہیں۔ شاعر کی قادر الکلامی اور کلام کی تاثیر اس بات پر منحصر ہے کہ وہ فرق مراتب کا لحاظ کر کے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ایک طرز خاص پر قدرت رکھتے ہیں اور اس میں انکو کمال حاصل ہوتا ہے اور جب اس مرتبہ سے نکل کر کسی دوسرے میدان میں قدم زن ہوتے ہیں تو طفل مکتب معلوم ہوتی ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ فرق مراتب کا لحاظ نہیں رکھتے کسی کو قصیدہ گوئی میں کمال ہوتا ہے اور کسی کو غزل سرائی میں بیطلی حاصل ہوتا ہے مگر ایک دوسرے کے میدان میں طفل ایجاد ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سعدی سے نرم اور فردوسی سے نرم نہیں بن سکتی۔

بشار بن برد عربی زبان کا نہایت درجہ قادر الکلام شاعر گذرا ہے ایک مرتبہ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اسکا کیا سبب کہ کبھی تو تم نہایت پر زور و بلیغ اشعار کہتے ہو اور کبھی سبک و سلیس؟ اس نے جواب دیا کہ اچھا کوئی شعر بڑا ہو ایک شخص نے دو قطعے اس کے مندرجہ ذیل ہیں:

اذا ما غضبنا غضبةً مضريةً	هسكنا حجاب الشمس او قطرت دما
میں ہم مضر نام قبیلہ مضر غضب میں ہوتے ہیں	نورہ آفتاب کو پار دیتے ہیں یا اس سے خون بہکتا ہے

اذا ما اعزنا سيدنا من قبيلة
ذري منبر صلي علينا وسلمنا

ربا تربة البيت

و تصب الخل في الزيت

لها عشر دجاجات

و ديك حسن الصوت

اربابه كس و مرغبان هين

اورايك خوش آواز مرغ

پہلے دو شعرون میں عزت و جلال و فحاری، اوعا کا اظہار کیا گیا ہے اور آخری دو شعرون میں
ربا تربة شاعر کی لوتندی تھی اسکی خانہ داری کی کیفیت دکھائی گئی ہے۔

بشارت جواب دیا کہ یہ آپ کی مجھ کی غلطی ہے جیسا مضمون ویسی ہی اسکے معبر الفاظ کو
ہونا چاہئے، پہلے اشعار میں فخر عزت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسوجہ سے امین الفاظ بھی ایسے لائے
گئے ہیں جو پریشان اور بھاری ہیں۔ دوسرے دو شعرون میں صرف ربابہ کی حالت دکھائی گئی
ہے جو نہایت معمولی مضمون ہے اسی وجہ سے الفاظ بھی اسکے ہلکے ہیں اگر میں پہلے شعرون
اسی وزن کے الفاظ استعمال کرتا جو دوسرے شعرون میں استعمال کئے گئے ہیں تو شعرفضا
سے گرجاتا اور اگر دوسرے شعرون میں پہلے کے سے الفاظ استعمال کئے جاتے تب بھی
فضاحتہ نہ قائم رہتی اس لئے میرا اس میں کوئی تصور نہیں ہے بلکہ یہ مضامین کا اقتضائے
اسی فرق مراتب کا لحاظ کلام مجید میں ہر جگہ رکھا گیا ہے۔ وعظ و نصیحت کے موقع پر دوسری
پریشان الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ دعا کے الفاظ میں رقت و سلامت وزمی ہے۔

جس موقع پر خدا نے اپنی عظمت و جبروت کا تذکرہ کیا ہے یا قیامت کے ہولناک سین کو کھینچا ہے
وہاں لازمی طور پر ایسے الفاظ آگئے ہیں جنہے باوجود وزمی و سلامت کے عظمت و شان یکجہتی پر

مثلاً مثلاً فی ذیل آیت میں دیکھو حسین قیامت کا بیان کیا گیا ہے۔

ولنفرج فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ
 ثم فرج فیہ اخرى فاذا هم قیام کما ینظرون و اشرفت الارض بنور ربہا و ضم
 الکتاب و حیث بالبیین والشہداء وقضیٰ بینہم بالحق و هو لا یظلمون و دفیت
 کل نفس ما عملت و هو اعلم بما یفعلون و سبق للذین کفروا الی جہنم نمرًا حتیٰ اذا
 جاؤھا ففتحت ابوابہا وقال لہم خزنتہا الی انکم رسل منکم یتلون علیکم آیات ربکم
 و ینذروکم لقاء ربکم هذا قالوا بلیٰ ولا کن حقت کلمۃ العذاب علی الکافرین
 فیل ادخلوا البواب جہنم خالدا فیہا فبئس مثویٰ المتکبرین و سبق الذین
 اتقوا ربہم الی الجنۃ نمرًا حتیٰ اذا جاؤھا و فتحت ابوابہا وقال لہم خزنتہا
 سلامٌ علیکم طیبتم فادخلوها خالدا فیہا وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا و عدہ
 و اورثنا الارض ننبوء من الجنۃ حیث نشاء فتعمر اجرا العالمین ۝

ایک وہ سرے موقع پر جہان نبی صلعم کو مخاطب کر کے ان نعمتوں کا تذکرہ کیا ہے جو آپ کے
 اوپر نازل کی گئی ہیں وہاں دیکھو الفاظ کس قدر سبک لطیف و سہل شیریں آگئے ہیں۔

والضحیٰ واللیل اذا سمعی۔ ماود عک ربک وما قلی۔ ولا اخرۃ خیر لک من الاولیٰ
 ولسون یعطیک ربک فترضی۔ الہم یجدک یتیمًا فاوی ووجدک ضالًا فهدی و
 حدک عائلًا فاغنی فاما الیتیم فلا تقهر واما السائل فلا تمهر واما بنعمۃ ربک
 فحدث ۝

یہی فرق مراتب ترغیب و ترہیب کے مواقع پر ہی ملحوظ رکھا گیا ہے مثلاً ذیل کی آیات میں
 دیکھو جو ترغیب کی ہیں کس قدر ان کے الفاظ سلیس اور شیریں ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ دل میں گئے

جائے ہیں۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرۃ العین۔

و فیہا ما تستہیدہ النفس وتلدی الاعین۔

اسی طرح ان آیتوں میں دیکھو جو ترہیب کے موقع پر آئی ہیں جان خدا کو اپنی عزت و جبروت کا اظہار مقصود ہے وہاں الفاظ پر شان اور باری آئے ہیں۔

فکلا اخذنا بذنبہ فمنہم من امرسلنا علیہ حاصبا ومنہم من اخذتہ الصیحة ومنہم من خسفنا بہ الارض ومنہم من اخرقنا۔

اسی طرح غلط و نصیحت کے موقع پر ایسے الفاظ لائے گئے ہیں جو قلب میں رعب پیدا کرتے ہیں۔

افرئیت ان متعنا ہر سنین ثم جاء ہر ما کافوا یعدون۔ ما اغنی عنہم ما کافوا یستعون۔

کلام کی فصاحت اس وقت تک یہ تمام بحث مفرد الفاظ سے متعلق ہے جسکی مثال چنے ہوئیوں کی وی تھی کہ جس طرح ہار گوند پتے وقت خوبصورت اور سڈول موتی ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑے جاتے ہیں اسی طرح مفرد الفاظ بھی کلام میں چنکار لائے جاتے ہیں اور جب موقع سبک، سہل، گراں و یکسر ترتیب دیے جاتے ہیں۔ اسکے بعد اب موقع ہے کلام کی فصاحت کا جس طرح موتیوں کو گوند پتے وقت چھوٹے بڑے کا خیال رکھ کر ایک ترتیب سے گوندا جاتا ہے تاکہ قابل و قابل سے تناسب قائم رہے اسی طرح کلام کی فصاحت بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ جو لفظ جن الفاظ کے ساتھ لایا جائے انکی ساخت، ہیئت، نشئت، بسکی، گرائی کے ساتھ اسکے خاص تناسب توافق ہو مثلاً دیکھو کلام مجید میں دو مختلف موقعوں پر جوف و بطن دو لفظ آئے ہیں جہم ہون اور ہم معنی ہیں

لیکن اگر ایک کو دوسرے کی جگہ رکھیں تو وہ مناسب و توازن نہیں قائم رہتا اور پورا جملہ سپہا
ہو جاتا۔ وہ لطافت اور روانی جو ماقبل و مابعد سے ملنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جاتی رہ سکی۔ وہ
نہ نون آیتیں یہ ہیں۔

ما جعل الله لرجل من قلبين في جوفه۔

سبح انی نذرات لك مافی بطنی محرراً۔

اسی طرح دیکھو ایک دوسری جگہ قلب اور فواد کا لفظ کہ مختلف آیتوں میں آیا ہے یہ دونوں
ظہور جو دیکھتے تو ہنر و فصاحت ہیں لیکن اگر فواد کی جگہ قلب اور قلب کی جگہ فواد آجائے تو فصاحت نہیں
باقی رہتی اسکی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ماقبل و مابعد کے ملنے سے جو سرور و لیے پیدا ہوتی ہے
وہ قائم نہیں رہتی اور وہ آیتیں یہ ہیں۔

ما کذب الفواد ما ساری۔

ان فی ذلک لذكری لمن کان لله قلب والقی السمیع وهو شهید۔

کلام پاک کا اعجاز یہ ہے کہ جو لفظ جس جگہ آگیا ہے اسکی جگہ اسکا مرادف لفظ نہیں
اسکتا اور اگر ایسا کیا جاتا تو مرتبہ فصاحتہ سے کلام گر جاتا۔ حالانکہ جاہلیت کی قصائد و اشعار پر اگر
تفکر و وسوسہ سے ایسے مواقع ہیں جہاں ایک دوسرے کے مرادف الفاظ آتے ہیں لیکن شعر
کی خوبی پر مطلق اثر نہیں پڑا یہی وجہ ہے کہ کلام پاک میں الفاظ کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ذوق
سلیم نے اسکو گوارا ہی نہیں کیا کہ ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ لائے جائیں نہ اسوجہ سے کہ
وہ فصیح نہ تھے بلکہ اسوجہ سے کہ کلام کی فصاحتہ جاتی رہتی۔ مثلاً امر القیس کے مندرجہ ذیل اشعار
میں دیکھو غوایہ، عمایہ، رحل، کورہم معنی الفاظ ہیں اور اختلاف قرأت کی وجہ سے ایک دوسرے
کی جگہ آتے ہیں مگر اشعار پر مطلق اثر نہیں پڑا۔

وما ان ارى عند الغاية تنجلي

وما ان ارى عنك الغاية تنجلي

فيا عجباً من كورها المتحمل

فيا عجباً من راحلها المتحمل

فما انت يمين الله مالك حيلة

فما انت يمين الله مالك حيلة

ويوم عقرت للعذارى طينى

ويوم عقرت للعذارى طينى

بخلاف کلام پاک کے الفاظ کو ان کے صحیح قایم مقام دوسری الفاظ نہیں ہو سکتے مثلاً

مندرجہ ذیل آیتوں میں -

وجہی المجنتین دان -

وما كنت تتلو من قبله من كتاب -

ذلك الكتاب لا ريب فيه -

لا تهنوا -

وهن العظم منى -

انترك الله -

خير لكم -

خلق الله ي منون بالغيب -

وثمر المجنتين قريب -

وما كنت تقرأ قبله من كتاب -

ذلك الكتاب لا شك فيه -

لا تضعفوا -

ضعف العظم منى -

فضلك الله -

افضل لكم -

مخلوق الله ي منون بالغيب -

کلام مجید کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی لفظ اگر غیر فصیح ہے اور کلام مجید میں آگیا ہے

تو ما قبل و ما بعد کے تناسب و توازن نے اس میں خود فصاحت پیدا کر دی ہے اور وہی لفظ

جب کسی شاعر کے کلام میں آیا ہے تو وہ بداد اور ناگوار معلوم ہوتا ہے مثلاً اوکیہ تو توی کا لفظ ہے متنبی

کے ایک شعر میں آیا جان وہ بالکل بے جوڑ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکے بعد ایک جملہ متانفہ لگا

گیا ہے جسے شعر کی سلامت اور روانی کو کوہ دیا ہے اور وہ شعر یہ ہے -

ومن يعشق ليلذله العزائم

يلذله المروة وهي تؤذى

یہ لفظ مجید کلام مجید میں آیا ہے اور کس خوبی سے آیا ہے۔

فاذا اطعتم فانتم من اول المستانین لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی

لیستنی منکم واللہ لا یستغنی عن الحق۔

آیت کی خصوصیت یہ ہے کہ تو ذمی بے چور نہیں آیا ہے بلکہ سلسلہ کلام میں واقع ہوا ہے
اسوجہ سے غیر موزون نہیں معلوم ہوتا یہی لفظ ایک حدیث میں آیا ہے وہاں کاف خطاب
نے آمین جان ڈال دی ہے لبس رسول اللہ اربعہ من کل داء یوذیک۔

یہی حالت بالکل ایک دوسرے لفظی کی ہے مقبلی اپنے ایک شعر میں اسکو لایا
ہے مگر بے چور ہے اور کلام مجید میں جان ہی لفظ آیا ہے نہایت مناسب و موزون معلوم
ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام مجید میں جان یہ لفظ آیا ہے وہاں اسکو ماقبل و مابعد سے
ایک خاص ربط ہے جسکی وجہ سے جملہ میں روانی و سلاست آگئی ہے۔ بخلاف مقبلی کے
شعر کے آمین کی کالفظ بالکل علیحدہ اور منقطع ہو کر آیا ہے۔ تینی کا شعر یہ ہے ۵

فما یقول البیئ لیت ذلک لی

تمسلی لا مانی صریحی دوز منلفہ

کلام مجید کی آیت یہ ہے۔ ہذا اخی لہ سمع وتسعون نعمة ولم یغف واحدہ
قل کا لفظ ایک غیر فصیح لفظ ہے اسکو استعمال کرنے والی کا فرض یہ ہے کہ اسکو ماقبل
و مابعد سے اس طرح مربوط کرے کہ جو سراپا ہوا میں مطلق رکاوٹ نہ ہو۔ فرزدق کو ایک جگہ
یہ لفظ لانا پڑا ہے لیکن یہ ربط و روانی پیدا کرنا چونکہ اس کے اختیار سے باہر تھا لہذا قل کے لفظ
میں جان اسے اسکو استعمال کیا ہے فصاحت نہ پیدا ہو سکی ہے کیونکہ قل شعر کا قافیہ پڑا ہے
اسوجہ سے مناسب نہ قائم رہ سکا۔ فرزدق کا شعر یہ ہے ۵

نر سربا کا نہم لادیہ القمل

من عزہ اصنیرت کلیب عندہ

اب آیت قرآنی میں دیکھو کہ یہی لفظ کیسا سلیس معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے فارمولا
 علیہم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ بن الفاظ کے درمیان میں یہ لفظ آیا ہے وہ نہایت درجہ فصیح ہیں آیت
 میں پانچ لفظ ہیں طوفان، جراد، قمل، ضفادع، الدم، ان میں طوفان، جراد،
 دم، یہ تین لفظ بہت فصیح ہیں لیکن حسن ترکیب کے معنی یہ ہیں کہ یہ الفاظ اس طرح لائے جائیں
 کہ باقی الفاظ بھی فصیح ہو جائیں۔ چونکہ طوفان، جراد، فصیح تھے اور دم فصیح تر لہذا طوفان اور
 جراد کو اول میں لائے تاکہ پہلے کان میں ہی الفاظ پڑیں اسکے بعد قمل و ضفادع کو کہ پایا اور آخر
 میں دم کا لفظ آیا جو فصیح تر تھا تاکہ آخری لفظ خوشائی دے وہ اپنی فصاحت کی وجہ سے
 دل پر اثر قائم رکھے۔

کلام مجید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر ایسے الفاظ موجود ہوں جو کسی نہج سے
 فصیح نہ ہو سکتے ہوں تو اکثر انکو ترک کر دیا جاتا ہے اور محض فصاحت کلام کی غرض سے اس
 معنی کو ترکیب سے ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً اینٹ کی لیے عربی زبان میں دو لفظ تھے قمرید اور
 آجر اور دونوں غیر فصیح اور مبتذل تھے لہذا انکو ترک کر دیا اور اسکے بجائے اس مضمون کو اس طرح
 ادا کیا یا ہا مان او قدی علی الطین۔

الفاظ کی شیرینی، لطافت، رقت، سلاست، روانی، نزوجت اور ترکیب کی سہولت
 و سبکی سے کہی ایسا ہوتا ہے کہ گو کسی قسم کا تکلف نہ کیا جائے اور صنائع و بدائع و نظمنون تمام
 فقرات موزون اور ڈہلے ہوئے نکلتے ہیں اور شریقا قصد نظم نیاجاتی ہے اس خوبی کو انجام دیتے
 ہیں کلام مجید میں یہ خوبی نہایت کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور ایک نہیں بلکہ قریب قریب
 تمام متعارف بگردن میں مصرعے اور اشعار آگئے ہیں۔

بهر مای که - فمن شاء فليؤمن + ومن شاء فليكفر -

بهر مای که مردم - منها خلقناكم وفيها نعيدكم -

بهر بید - ليقضى الله امرا كان مفعولا -

بهر مدید - واصنع الفلك باعيننا -

بهر دانه - ويخترهم وينصركم عليهم + وليشف صدور قوم مؤمنين -

بهر کمال خردم - سيعلمون غدا من الكذاب -

بهر نرج - تالله لقد اترك الله علينا -

بهر جزیر - دانية عليهم ظلالها + وذللت قطوفها تذليلًا -

بهر ریل - ووضعنا عنك وزرك + الذي انقض ظهرك -

بهر سرع - الا الى الله تصير الامور -

بهر منسرح - انا خلقنا الانسان من نطفة -

بهر خفیف - ربنا اننا اليك امننا -

بهر منسلع مخروم - يوم النناد ويوم تولون مدبرين -

بهر مقتضب - في قلوبهم مرض -

بهر مجتنب - نبي عبادي انا الغفور الرحيم -

بهر متقارب - لا تبخسوا الناس اشياءهم -

بهر متدارك - ام تأمرهم احلامهم - باق آينه -

ضياء الحسن علوی

مختار دارالعلوم

اشتہار

پیشہ کے شہید بکت خانہ میں مرزا کامران (اکبر شاہ کے چچا) کا دیوان، شاہی کتب خانہ کا نسخہ ہے، اسکی لوح پر بنیاد پر مرزا جہان کے ہاتھ کی تحریریں ہیں ہم نے ان کا فوٹو لیا اور دفتر ندوہ سے پیسہ پر پل سکتا ہے، یادگار چیز ہے اور دیکھنے کے قابل ہے۔

موازنہ اس و دیر

مصنفہ

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

تقطیع ڈبری، کاغذ عمدہ، ضمیمہ مدت تقریباً ۳۰۰ صفحے، قیمت عیار در خواستیں حسب ذیل پتہ سے بھیجی جائیں۔

ندوہ لکھنؤ

کتب خانہ المعین

ندوہ میں قسم کی اردو فارسی، عربی، کی کتابیں مطبوعہ ہند، مصر، بیروت، قسطنطنیہ، کفایت مل سکتی ہیں۔ فرمائش آنے پر بہت جلد حسن معاملہ کے ساتھ تعمیل کی جائیگی۔

مینجر فضل الرحمن

درس والعلوم

۱۰۰ ۵۵

شریعت و احکام مطابق آیت ۱۹۰ جلد

مجلس تدوین علماء کا ماہوار علمی رسالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء و تطبیق معقول و منقول العلوم و قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ

ترتیب

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن شروانی

قیمت رمضان

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	عربی زبان کی وسعت	سید سلیمان کسنتاؤی	۱
۲	اجازت القرآن -	مولوی ضیاء الحسن علوی	۲۹
۳	علمی خبریں	سید سلیمان	۲۹

کترین محمد قادیان بخش کے اہتمام سے اصح المطابعین نہایت آفتاب سے طبع ہوا

مکتبہ اسلامیہ قادیان

دفتر تدوین علماء کثرت سے شائع ہوا

المستودع

عربی زبان کی وسعت

اور

اوسکی خصوصیات

عربی زبان کی وسعت کے معنی ہیں ایک اسکی ملکی وسعت کہ کس سرعت سے یہ دنیا پر پھیلی ہوئی ہے اور دوسری اسکی عمومی وسعت اس سے پہلے کے مضمون میں تم پہلی کے منظر کا احساں دیکھ چکے ہو اب آؤ مزید وسعت کے وسیع میدان کی سیر کریں۔
اس کی وسعت قدرت نے اسے کس کس کی چیزوں سے آراستہ کیا ہے، اسلام کے بعد یہ تمام اس وقت معلوم و متون کا ایک سرسبز باغ دیکھ رہے ہو اور پاکستانی زبان کے وسعت سے جتنے سائبرین گہر پرورش ہوئی تھیں ان کے اگر ساتھ دیکھ کر آتش اسلام کی ادنیٰ کو فخر سے بخند نہ لگاؤں گی۔

اس زبان میں ہر مضمون سرور کا ایک سرا ہے اب تک کبھی علم کے موجد نے اس کی وسعت کی ایک مثال میں صرف انیس الفاظ کے کچھ معنوب ہوتے ہیں۔

جسکی ضرورت اہل زبان روزمرہ محسوس کرتے ہیں، اسلئے عربی زبان اور الفاظ، ترکیب،
 طرز بیان سے بالکل خالی تھی جسکی ایک علمی زبان محتاج ہوتی ہے۔ مگر اس کم مانگی پر بھی
 ایک غیر علمی زبان کی وسعت بہت کم ہوئی کہ اس نے کل زبانوں کے علوم و فنون
 کو اپنے نام میں چناہ دی گراوئے کہ ایسا کا بھی بار احسان یہ نہ اٹھا سکی، تمدن اور شاہکی
 کے لیے الفاظ کا ذخیرہ نرس نہیں کے سوا اس غیر تمدن زبان نے سب اپنے ہاں سے لئے
 صرف، نحو، معانی، بیان، عروض، فقہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، فہرست، علوم، بیہوش پیدا ہو گئے
 اور زیادہ تر عقلی علوم اور زبانوں سے عاریتاً مانگ کر آئے۔ مگر بی نے سب کے لئے
 الفاظ، اصطلاحات، ترکیبیں، اپنے گھر سے دیں، طبی اصطلاحات کے لئے اس نے اپنا وسیع
 مخزن کو ملہ یا مگر دوا اور بیماریوں کے نام کا اثنا بڑا سامان عربی زبان اچھی طرح مہیا نہ کر سکی کیونکہ چنہ
 جڑی بوٹیوں کے سوا غیب و ارواؤں سے واقف نہ تھے اس تنگ دستی پر بھی اس نے پہلے سوداؤں
 کے نام خود، اپنے ہاں سے لئے فلسفہ، اسطو کے اتنے بڑے لشکر کو جمع ساز و سامان کے
 جگہ دیری، اقلیدس، ہندسہ، ہیئت موسیقی، اور بہت سے علوم و فنون دوسری زبانوں سے
 ترجمہ ہو کر عربی زبان میں آئے اور ان پر وقتاً فوقتاً اضافہ ہو رہا مگر اصطلاحات کیلئے کسی عربی دوسری
 زبان کی دستگیری کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ عرب کی غیر طبیعت نے یہ کبھی پسند نہ کیا، کہ کسی
 دوسرے کی ملکیت سے فائدہ اٹھایا جائے، دوسری طرف ان یورپین زبانوں کی تنگ ظرفی
 دیکھو جو اس وقت علوم و فنون کے مخزن ہیں مگر انکی علمی اصطلاحات کی جو کچھ ضرورت ہے وہ
 گریک، لاطن، وغیرہ کی بدولت ہے اور ہرکے مطردن میں اجمال کے قلم سے عربی وسعت
 کی تصویر کینچی گئی ہے اب ہم تفصیل سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عربی زبان کا دامن کتنا وسیع
 ہے ؟ اور اسکی کیا خصوصیات ہیں ؟

۱۔ تراووف عربی زبان کی ایک بڑی صنعت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہر ایک نسخے کے
 ہا کوئے لئے اس میں کم سے کم دس بیس الفاظ موجود ہیں، فصیح عرب ایک مطلب کو عبارت کے
 بیسیوں قالب میں ڈال سکتا ہے، پہلی صدی میں صحبان بن دائل کوئی اس بنگل کا مشہور
 پہلوان گنہگار ہے، جو اپنے دوران خطبہ میں کہی ایک لفظ کو دوبارہ نہیں بولا، عبدالرحمان پہلوان
 المتوفی ۲۲۰ھ نے الافاظ الکتابیۃ کے نام سے خاص اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے
 جس میں ایک ایک معنی کو بیس بیس الفاظ اور جملے میں دکھلایا ہے یہ کتاب مصر میں آٹھ مرتبہ چھپکر
 شائع ہو چکی ہے۔ علامہ مجد الدین فیروز آبادی مصنف قاموس نے المادض المسلوٰف فیما
 لہ اسمان الی الاوٹ نام ایک کتاب لکھی ہے جس میں اہن معانی کو جمع کیا ہے جنکے لئے
 دو سے لیکر ہزار تک الفاظ ہیں، ابن خالویہ بھدانی نے ایک رسالہ صرف شیر اور سانپ کے
 الفاظ کے لئے لکھا ہے، ابن حسن صغنی کا قول ہے کہ عربی میں صرف "مصیبت" کے لئے
 چار سو سے زیادہ الفاظ ہیں، سانپ کے لئے سو لفظ ہیں، شیر کے لئے پانچ سو الفاظ ہیں، شہد
 کے لئے عربی میں پچاس لفظ ہیں جنکو مصنف قاموس نے توفیق الاسل لتصفیق العسل
 نام ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے،

(۲) اشتراک، عربی زبان کی ایک دوسری صنعت یہ ہے کہ ایک لفظ کے بیسیوں معنی
 ہوتے ہیں عربی کا ہر لفظ تقریباً پانچ، چھ معنی رکھتا ہے، عبارت کے اسباب آرائش میں
 تجویس ایک بڑی صنعت ہے، اگر اسی زبان میں یہ آسانی سے پیدا ہو سکتی ہے جس میں ایک

۱۔ علم الادب ج ۲ ص ۲۳۶
 ۲۔ بھی حال میں ابراہیم یارچی مصری نے اسی موضوع پر بحث الماد و شرعہ الوار ذنام ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی ہے جو

الفاظ الکتابیۃ سے زیادہ کامل ہے۔

۳۔ الزہرہ بیروتی ص ۱۵۲ و ۱۹۷۔

لفظ کے کثرت سے معنی ہوں، عربی زبان میں ایسے الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں
 اسی لئے عربی علم الوبین تجنیس کی بہتات ہے، قاسم حریری المتوفی ۱۰۸۵ھ کتاب حریری میں
 ہر جگہ تجنیس لاتا ہے، امثال کے طور پر ہم ایک دو لفظ کے معنی کی تشریح کرتے ہیں،
 عین، نقد، سونا، بازشس، انگہ، کوآن کا، بانہ، نیزہ، فوارہ، قبلہ کا دامن پہلو، ترازو کے
 بلون کا برابر ہونا، نفس شے، گنگنا، جاسوس، ابر، نظر گنگنا، چشم آفتاب، چشم آب، سود،
 مشکیزہ کا دامنہ، داد (خارشت)، منتخب چیز، صاحب خانہ، مال پیش نظر، ایک پرندہ کا نام،
 کوہن، ماسون (رشتہ)، ویرانہ، تل، غرور، ایک قسم کی مینی چادر، شک، سخی، جھاڑی
 شہنا، زانو کا ایک حصہ، شخص، کوڑے کی شکن،

(۳) اخصدار، یعنی ایک لفظ کے دو معنی ہونا، عربی میں بہت سے ایسے لفظ
 جنکے معنی میں رات دن کا اختلاف ہے، غالباً اس قسم کے تعجب انگیز الفاظ صرف عربی
 ہی نگشتی میں پائے جاتے ہیں، یہ الفاظ بھی صنائعِ بلاغ میں بہت کام آتے ہیں،

جل	چھوٹا بڑا	دستی	اصلاح، فساد
صاخ	فریاد رس، فریاد خواہ	غابر	گذشتہ، موجودہ
احمد	چلتا، ٹھرتا	جون	سیاہ، سپید
صریم	صبح، شب	قرء	نپاکی، طہر
ظن	شک، یقین	دھوۃ	بلندی، پستی

ابن تین مذکورہ بالا اقسام کے الفاظ فقہ اللغۃ، لابن فارس المرزہر السیوطی ہمیں
 کثرت سے یونگے، کتاب الخصائص لابن جینی میں بھی کہیں کہیں ایسے الفاظ ہیں۔

(۴) اسم آلہ، عربی میں اسم فاعل اور اسم مفعول کی طرح ایک اسم آلہ بھی ہے، جکاؤت

اسم، مفعول، مضارع، یعنی، مفعول اس فعل پر جایا جائیگا وہ آلہ کے معنی پیدا کر گیا مثلاً۔

معنی	اسم آلہ	معنی	مصدر
کھولنے کا آلہ یعنی کنجی	مفتاح	کھولنا	فتح
روشنی کا آلہ یعنی چراغ	مصباح	روشنی	صبح
کترنے کا آلہ یعنی قلعی	مقراض	کترنا	قرص
نشر لگانے کا آلہ یعنی نشتر	منزع	نشر لگانا	بنع

یورپ اگر اپنی تمام کوشش آہن کی ایجاد میں صرف کر دے تو بھی عربی پر اسکا کچھ اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسم آلہ کا قالب ہمیشہ انکے لئے نئے نئے الفاظ ڈالتا جائیگا تاں جب یہ ممکن نہ ہوئے نئے آلات پیدا کرو گے ہیں دیکھو عربی نے انکے لئے اسم آلہ کی مدد سے

کیسے خوبصورت الفاظ پیدا کئے ہیں،

منبع	نکٹائی	مطبعت	پریس
مکواة	استری	مدفعة	چنی
مدفع	توپ	معرصة	دوبل پریس (شراب بنانے کا آلہ)
مجهر	میکر سکوپ	مقیاس	تھرمیٹر
مقول	فونو گراف	مخراج	پمپ

(د) اسم ظرف، عربی کی ایک اور عجیب خصوصیت اسم ظرف ہے جیسا کہ وزن مفعول، مفعول، مفعول ہے۔ ابواب مزید کے مفعول ہی کسی اس کام آتے ہیں ان اوزان پر جو الفاظ آئیگے وہ جگہ کے معنی بتائیگے فارسی اور اردو میں اسم ظرف لفظ "خانہ" یا "گاہ" کی ترکیب سے بناتے ہیں جیسے کتب خانہ، بیمار خانہ، غلخانہ، عربی میں حرکات سے اسم ظرف پیدا کرتی ہے،

مصدر	معنی	اسم ظرف	معنی
ممرور	گزرنا	ممر	گزرگاہ
غرب	ڑوبنا	مغرب	جائے غروب
کحل	سر ملکانا	مکحل	سرمدانی
ملح	نمک	ملحہ	نمکدان
افسال	غسل کرنا	مغتسل	غسلخانہ

جدید ترقی و تہذیب نے جو نئے مقامات پیدا کر دیئے ہیں عربی نے اسم ظرف کی بدولت ان کے لئے کیے اچھے مفرد الفاظ بنائے ہیں۔

تہیتر	ملہی	اسٹیشن	محطہ
تہیتر کا اسٹیج	فرسٹ کلاس	ترغیثیہ خانہ	فجر
ہیڈ کوارٹر	مقر - مرکز	بنک	فخرن
لوہا ڈالنے کا کارخانہ	مسبک	پرائیویٹ دفتر	مکتبہ

اسم ظرف اور اسم آلہ دو ایسی چیزیں ہیں جو غالباً عربیت کے خزانہ کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتیں ان دونوں کی وساطت سے مقامات اور آلات کے نام کتنے چھوٹے مفرد لفظیں ادا ہو جاتے ہیں

۱۰) البواب، عربی کے صرف اصلی معادراتی ہزار ہیں، لیکن انکی تعداد میں ایک بہت بڑا اضافہ البواب سے ہو جاتا ہے، اصلی ماد میں ایک دو حروف کی بیشی سے نیا باب بنتا ہے ایک ہی لفظ البواب کے مختلف بروجوں سے طلوع ہو کر نئی نئی صورت میں ظاہر ہوتا ہے

۱۱) عربی مصدر کے ہر ایک وزن میں جیسے، افعال، تفعیل، تفاعل، مقاعلت، افعال و غیرہ جو صرف حرکات کے اختلاف اور چند مخصوص حروف کے کٹ پیر سے پیدا ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک وزن کو باب کہتے ہیں،

شکل کے ایک لفظ ہے جو مختلف بابوں سے حسب ذیل شکلوں میں نمودار ہوگا،

بر- لکھار- استکھار- تکبر- تکبر- مکابر قبل ایک لفظ ہے جو نئی نئی ہیئت میں بیسیوں
 صیغے سے سر نکالے گا۔ قبل- اقبال- اقبال- استقبال- تعقل- تقبل- مقابلہ- تعادل

اس وقت سے دنیا کی اہل زبانیں بالکل محروم ہیں، اور عربی زبان کا ہر مصدر ان ابواب میں چکر لگاتا ہے،
 (۱) خاصیت ابواب عربی مصادر کے ہر باب کی چند خاصیتیں ہیں مثلاً افعال کی
 خاصیت یہ ہے کہ فعل لازم کو متعدی کر دینگا، استفعال کا اثر یہ ہے کہ جب کوئی مصدر اس باب سے
 استعمال کیا جائیگا تو اس میں طلب اور خواہش کے معنی پیدا ہو جائیں گے، ایک ہی مصدر
 ابواب کی خاصیتوں سے متاثر ہو کر ہر جگہ نئے معنی پیدا کرے گا عربی کی یہ خصوصیت بھی

کسی دوسری زبان میں نہ ملیگی،

قطع	کاٹنا	مباکاة	ایک دوسرے سے ٹکرائنا تحفظ	تھوڑا تھوڑا کر کے یاد کرنا
اقطاع	علیحدہ کر دینا قبل	ساتھ	معاقتلت	مکھپائی کرنا۔
تقطع	پاش پاش ہو جانا اقبال	سامنے آنا۔		
تقطيع	پارہ پارہ کر دینا، اقبال	متوجہ ہونا۔		
هدای	ہدایت کرنا۔ استقبال	آیندہ آنا قبل رخ ہونا		
استعلاء	ہدایت چاہنا	مقابلہ	سامنا کرنا۔	
استدلاء	ہدایت پانا۔	تقابل	آئے سامنے آنا۔	
بکاء	رونا۔	شکوہی	شکایت کرنا۔	
ایکاء	رولانا۔	اشکاء	شکایت رفع کرنا۔	
تبکی	جھوٹ رونا	حفظ	یاد کرنا۔	

(۸) **مصلات**، عربی زبان میں ایک بڑا کیل مصلات کا ہے، مصلات سے مراد ہیں وہ حروف، جو افعال کو اسرار سے ربط دیتے ہیں۔ عربی میں اکثر فعل کا استعمال کسی خاص حرف مصلیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کے خلاف بولایا لکھنا آئین عربیت کے خلاف ہے۔ ہر مصلات سے ہی عربی زبان ہیت و وسیع ہو گئی ہے۔ اکثر فعل کے چند مصلے آتے ہیں لیکن وہی ایک فعل ہر مصلیٰ کے ساتھ الگ سے پیدا کرتا ہے، اس خصوصیت میں عربی کیساتھ دیگر زبانیں پیچھے رہ گئیں۔

صنعتہ	اسکو میں نے بنایا	ضربتہ	میں نے اسکو مارا،
صنعت	ایسا بوسا تمہرا لی کی	ضربت لہ مثلاً	میں نے اسکو ہلایا کی
صنعت	میں نے اوپر احسان کیا	ضربت عنہ	میں نے اسکو سے پیڑ لیا
رکتہ فیہ	میں نے اسکی خواہش کی،	ضربت فی الارض	میں نے سفر کیا،
رکتہ عنہ	میں نے اس سے نفرت کی		

(۹) **ضرب الامثال**، ضرب المثلین ہر زبان میں پائی جاتی ہیں، لیکن کسی میں کم کسی میں زیادہ، عربی زبان میں ضرب المثلین بے انتہا ہیں جنکی کثرت کا اس سے اندازہ کرو کہ ابو الفضل احمد بن محمد میدانی (میدان، نیشاپور کے ایک محلہ کا نام ہے جہاں الکاوطن تھا) المتوفی ۷۸۵ھ نے صرف امثال عرب کو دو ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے، یہ کتاب حروف ہجاء کے اعتبار سے الف سے لیکر یامک کے امثال کی جامع ہے، کتاب الامثال نام ہے مصر میں چھپ گئی ہے اور اب علم ادب کے اکثر کتب خانے اس سے مزین ہیں،

ان ضرب الامثال کی کثرت ہی عربی کے لئے باعث امتیاز نہیں ہیں بلکہ ان عربی ضرب المثلون میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں جو اور زبانوں کی ضرب المثلون میں بہت کم پائی جاتی ہیں، ان خصوصیات کی تفصیل کے لئے چند صفحے الگ درکار ہونگے،

۱۱۰ تصدیق، عربی زبان کی ایک بڑی دست اس سے معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص کو
اون سے اعلیٰ تک پہنچنے کے لئے جتنے درج طے کرنے ہوتے ہیں۔ اون کے لئے
عربی میں الگ الگ نام ہیں، مثلاً صبح سے شام اور شام سے صبح تک پہنچنے کے لئے
زمانہ کو وقت کے بیسیوں مراحل طے کرنے پڑتے ہیں، دنیا کی کل زبانوں میں ان کے
لئے صرف صبح، شام، دن رات، دوپہر یا ایک اور الفاظ ہونگے مگر عربی زبان شب و روز
کے ہر گھنٹے کے لئے نیا لفظ رکھتی ہے، جنکو ہم علی الترتیب ذکر کرتے ہیں، یہ الفاظ
علی الترتیب صبح سے شام اور شام سے صبح تک کی اوقات کے لئے ہیں۔

صبح، صلیب، بکور، غداۃ، نعتی، اشراق، ضحیٰ، شروق، زوال، ہجرۃ، ظہیرۃ، نوا، اصيل،
شمار، عصر، فط، غشیۃ، (شام) شفق، عشاء، عتہ، مسحرة، غلس، بکوبہ، تنویر، (صبح)

اسی طرح بچپن سے لیکر پیری تک کے ہر مرحلہ کے لئے نیا لفظ ہے، شاید اس قسم کی تفصیل
کسی اور زبان میں موجود نہ ہوگی، اور اسپر مزید یہ ہے کہ مرد و ن کے منازل زندگی کے لئے الگ
الفاظ اور صورتوں کے لئے الگ، رونا، ہنسا، چلنا، بارش ہر ایک کی تدریج کے لئے علیحدہ الفاظ
(۱۱) تفصیل، عربی میں ایک بڑی دست یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی تفصیل ہے اور اسکے
لئے جدا جدا الفاظ ہیں مثلاً ہم ہر چیز کی کثرت کو بہت، وافر سے ادا کرتے ہیں یعنی ایک ہی لفظ
ہر چیز کی کثرت کو بتاتا ہے مگر فصیح عرب ہر قسم کی بہتات کے لئے کثرت سے الفاظ رکھتا ہے۔

نال کی کثرت	الدائر	جیونٹی کی کثرت	دیکم
پانی	الغمر	بالہ کی کثرت	جھال
نوع	فجر	درخت	غطل
اوت	عراج	گھاس	کیسود

اولاد کی کثرت حشیلہ جماعت کی کثرت قبص

ماہرِ قسم کی کشادگی کے لئے صرف ایک دو لفظ کہتی ہیں، مگر عربی ڈکشنری، ہر چیز کی وسعت مختلف لفظ سے بیان کرتی ہے، زمین کی وسعت کے لئے اور لفظ ہے گہر کی وسعت کے لئے دوسرا لفظ ہے۔ آنکھ، طنز، راستہ، ضرب، چال، دامن، سینہ، عیش، غرض ہر چیز کی وسعت کے لئے خاص الفاظ ہیں، صبح سے شام اور شام سے صبح تک کے چلنے اور سفر کو ہم صرف ایک ہی دو لفظ سے بیان کرتے ہیں، مگر عربی زبان شب و روز کے ہر گنتھ کی مسافت کے لئے الگ الگ الفاظ رکھتی ہے؛

جسکو تیسج اور تفصیل سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق ہو وہ ثعالی المتونی ص ۴۴۴ کی فقہ اللغۃ کی طرف رجوع کرے۔

(۱۲) قالون معنی ۶۰ بی زبان کی ایک عجیب و غریب خصوصیت یہ ہے کہ اوس میں اکثر الفاظ کے معنی علم الاشتقاق کے ماہر محض حروف کی صورت دیکھ کر بتا سکتے ہیں مثلاً اگر کوئی لفظ اس کے سامنے ایسا پیش کیا جائیگا جس میں "ج" اور "ن" جمع ہیں تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ اس لفظ کے معنی بین، چھپنے، کالحاظ ضروری ہے، جس لفظ میں "الف" اور "ز" ہونگے اس کے معنی بین، تنگی، کا اثر ضرور پایا جائیگا، جو لفظ "الف" اور "اس" کا جامع ہو گا وہ شدت کے معنی ظاہر کرے گا،

کسی لفظ میں "الف" اور "ب" کا اجتماع "انقطاع" کے معنی پیدا کرے گا، "ب" اور "ج" کا ایک جگہ جمع ہونا "روکنا، بتائیگا، ب" اور "ر" کا باہمی اجتماع "ظہور" کے معنی ظاہر کرے گا، وغیرہ اس قسم کی تفصیل علم الاشتقاق کے عام رسالوں میں ملجائیگی، گو یہ قوانین معنی کلی ہیں مگر اکثری ضروری ہیں غالباً دنیا کی اور زبانیں اس مفہم سے محروم ہوں گی۔

(۱۱) مختصر گوئی، مشرقی زبان عموماً مغرب کی زبان سے مختصر ہوتی ہے مگر عربی خصوصیت کے ساتھ تمام زبانوں میں سب سے زیادہ مختصر ہے، کسی زبان سے جب عربی میں ترجمہ کرو گے تو عربی کالم ہمیشہ اس سے چوڑا ہوگا، عربی مختصر گوئی کی تین حسب ذیل صورتیں ہیں (۱) عربی جملے دوسری زبانوں کے جملے سے ہمیشہ چوڑے ہونگے، جس مفہوم کو کوئی دوسری زبان پانچ الفاظ میں ادا کرے گی عربی اس سے کم الفاظ میں ادا کرے گی،

(۲) اسم جامد سے فعل نہیں بنتا، اسلئے جب کوئی جملہ اسم جامد کی ترکیب سے بنایا جائیگا تو وہ دو تین لفظ سے کم میں نہیں تمام ہوگا عربی کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ وہ اسم جامد کے ساتھ ہی اسم جامد سے فعل بنا کر ایک لفظ میں جملہ کامل کر دیتی ہے،

اَعْرَقَ	وہ عراق ہو چکا	اَشَامَ	وہ شام ہو چکا۔
اَيَمَّنَ	وہ یمن ہو چکا	اَتَجَدَّ	وہ جد ہو چکا
تَفَرَّعَ	وہ فرعون بن گیا	تَشَيَّطَ	وہ شیطان بن گیا۔

(۳) پورا جملہ صرف ایک لفظ میں ادا ہو جاتا ہے۔

اِسْتَرْجَعَ
اوس نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔

تَهَلَّلَ
اوس نے لا اِلهَ اِلَّا اللہ کہا،

حَيَّعَلَ
اوس نے لا حول ولا قوۃ بڑھا،

مَدَبَا
وہ شلخ جو شام کی وقت درخت سے لٹک رہی شکل کی طرح ہو گئی ہو

صَبَحَ
اوس نے صبح کے وقت کی کوٹ لیا۔

صَفَنَ
گھوڑا تین پاؤں سے زمین پر کھڑا ہوا اور چوتھا پاؤں آہستہ سے اُڑسنے

زمین پر رکھا۔

سید سلیمان

اعجاز القرآن

نمبر ۲

گفتہ: مفسرین کلام مجید کی فصاحت پر تفصیل بحث کی جا چکی ہے، اس نمبر میں پہلے بلاغت کے معنی اور اس کی حقیقت سے بحث کی جائیگی اور اسکے بعد کلام مجید کی بلاغت پر نظر دلای جائیگی۔

علمای بیان کے نزدیک جو کلام فصیح مقضیٰ حال کے مطابق ہو وہ بیخ کلام ہے مقضیٰ حال ایک وسیع لفظ ہے اور جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ کون کون امور اس کے تحت میں داخل ہیں اس کا مفہوم صحیح ذہن نشین نہیں ہو سکتا۔

علماء اسلام نے جن امور سے ان عنوان کی بحث میں بحث کی ہے وہ یہ سبب ہر واصل و فصل کماں ہونا چاہیے۔ ایجاز و اطناب سے کیا غرض ہے، تقدیم و تاخیر کماں ہونا ہے۔ تشبیہ و استعارہ کی کیا حقیقت ہے چنانچہ ابن خلدون نے مطابق مقضیٰ حال کی تفصیل میں انہیں امور کو شمار کیا ہے ابن خلدون کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

کلام کا پورا پورا ادا کرنا مقضیٰ حال کی مطابقت سے ہوتا ہے، اس لئے کہ سوانح مختلفہ میں اور ہر موقع کے لئے ایک طرز ادا خاص ہوتی ہے، کہیں مختصراً مناسب کہیں تطویل، کہیں بعض مفاد کا حذف کرنا۔ کہیں اذکار بیان کرنا، کہیں صراحت کرنا، اچھا ہے کہیں کنایت، کہیں اشلہ و زین، کہیں استعارہ

تطاعاء الکلام حقہ فی مطابقتہ
لمقصد الحال فان المقامات
مختلفة ولكل مقام اسلوب
تمتھ من ایجاز و اطناب و حذف
و اثبات و تصریح و کنایت و
و استعارة و استعارہ

لیکن بلاغت کے جزئیات میں صرف یہی اسرار داخل نہیں ہیں بلکہ بلاغت کے جو اسرار اصل
 منصوصہ و مقدّمات میں جو بلحاظ موقع و مناسبت حال استعمال کئے جاتے ہیں اور اصلیت
 تو یہ ہے کہ مقتضی حال کا مصداق صحیح اگر کوئی شے بن سکتی ہے تو وہی مقتضات
 و مقتضایا میں مثلاً بلاغت کا سب سے بڑا جوہر یہ ہے کہ جس مضمون کو لکھنا یا کہنا ہو اس کے
 موافق جذبات پڑھنے والوں یا سننے والوں کے دلوں میں پیدا کر ائے جائیں = یہ
 دیکھا یا جائے کہ رغبت کے پیدا ہونے کے واسطے کون سے مقتضات ضروری
 ہیں۔ نفرت کے پیدا کرنے کے واسطے کس نوعیت کے تقضایا کی حاجت ہے رقتہ قلب
 یا رحم کے داعی و اسباب کیا ہیں۔ مگر عربی بلاغت کی کسی کتاب میں ہی اس قسم کے مقتضات
 سے نہ بحث کی گئی ہے اور نہ یہ اصول و ارکان بلاغت کے قرار دئے گئے ہیں
 اس بحث کو قلم انداز کر نیک سبب وہ وہو کہنا ہے جو عام طور پر علماء بلاغت کو ہوا۔ اس دہو
 کا سبب یہ ہے کہ شیخ نے دلائل الاحجاز و اسرار البلاغتہ و دلوں میں اس مسئلہ پر زور دیا ہے
 کہ حسن و خوبی در اصل الفاظ میں ہوتی ہے معانی سے اسکو تعلق نہیں۔ اس نے اپنے
 اس دعویٰ کو اس تشیل سے ثابت کیا ہے کہ الفاظ و معانی کی مثال سونے اور زیور کی ہے
 جس طرح زیور میں نقش و نگار کی وجہ سے حسن ہوتا ہے اسی طرح الفاظ میں خوبی ہوتی ہے اور
 جس طرح خود سونے میں کمال حسن نہیں ہوتا اسی طرح معنی میں جو سونے کے قایم مقام ہیں کمال
 خوبی نہیں ہوتی۔ کیونکہ معنی تو ایک عام چیز ہیں جو ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں۔ اصلی کمال
 تو اہل کا خوشنما الفاظ میں آراستہ کرنا ہے۔

شیخ کے اس خیال کی تائید عموماً علماء بلاغتہ نے کی اور اسکی اس غلط بیانی نے لوگوں کے
 دلوں میں ایسا سکہ جما یا کہ پھر کسی کو شیخ کی مخالفت کی جرأت بھی نہ ہوئی سکا کی نے مفتاح

میں مسائل بلاغت کا خلاصہ کر کے لکھ دیا تو لوگوں نے اسکی کورانہ تقلید شروع کر دی اور آج ہمارے فن بلاغت کی سرمایہ ناز جو کتابیں ہیں وہ تمخیص اور اسکی شروع منقحر المعانی و مطول ہیں۔ یہ خیال لوگوں کے دہشمن اس قدر راسخ ہو گیا تھا کہ ابن خلدون جیسے محقق نے شیخ کی تائید کی چنانچہ ساتویں صدی میں جبکہ اُس نے اس فن پر یوں کیا صاف صاف یہ لکھ دیا۔

وهو (علم البيان) من العلوم الثمينة علم بلاغت علوم سانیہ میں سے ہے اسلئے
لانہ متعلق بالالفاظ

لیکن شیخ کا یہ خیال بالکل غلط ہے اور اسکی تمثیل بالکل مغالطہ پر مبنی ہے۔ شیخ کی غلطی اور اسکی بنا تو ہم آگے چل کر دکھائیں گے لیکن تمثیل کے مغالطہ کو ہم صاف کئے دیتے ہیں۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اصل حسن و خوبی اور قدر و قیمت جو کچھ ہوتی ہے وہ سونے کی ہوتی ہے کیونکہ ایکے کو ٹٹے کرے ہونے پر زیور کی قدر موقوف ہے کیا یہی نقش و نگار کسی پتیل کے زیور میں ہوں تو وہ ہی خوبی و لطافت جو سونے میں تھی باقی رہیگی؟

لہذا اصل حسن و خوبی معانی میں ہونا چاہئے الفاظ تو دوسرے درجہ کی چیز ہیں بلیغ کے معنی ہیں لغت میں ہو پختہ والے کے کلام کو بلیغ اسبوح سے کہتے ہیں کہ وہ دل میں اتر جاتا ہے۔ شیخ نے کلام بلیغ کی یہ تعریف کی بدخل فی الاذن بلا اذن اب دیکھو ولین کوں چیز اترتی ہے معنی یا الفاظ؟ کسی یہودہ مضمون کو نو اور ہزار طرح سے اسکو شستہ الفاظ میں ادا کر دو مگر دل میں کہی جگہ نہ کرے گا کیونکہ اس مضمون یا معنی میں کوئی خوبی ہی نہیں ہے۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مضمون فی نفسہ اچھا ہوتا ہے مگر الفاظ کی پیچیدگیوں میں پھنس جاتا ہے لیکن اس مضمون کی خوبی پر اسکا مطلق اثر نہیں پڑتا اور دلیں جگہ کر لیتا ہے اس بنا پر دراصل

معنی میں بلاغتہ خوبی ہونا چاہیے نہ کہ الفاظ میں

شیخ البلاغتہ نے حسن خوبی کو الفاظ ہی میں منحصر کر دیا اسکے وجوہ کیا ہیں اور اسکو یہ دہم کیوں پہلے

ہوا۔ اسکے اسباب یہ ہیں ؟

فقہون لطیفہ کی تدریس کا یہ عام قاعدہ ہے کہ پہلے ہر فن کے عمدہ نمونے جنکو مذاق سلیم عمدہ سمجھتا ہے جمع کر لئے جاتے ہیں۔ اسکے بعد انہیں مثالوں کا ہتھکڑا کر کے اس فن کے اصول و ضوابط مرتب کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ فن بلاغتہ کی ابتدائی کتابیں مثل کتاب الکمال للعماد البسیان والبتین للجا حظ اسی طرز کی کتابیں ہیں۔ جنہیں محض بلیغ اشعار و اقوال جمع کئے گئے ہیں۔

چونکہ مسلمانوں نے فن بلاغتہ خود ایجاد کیا اور اس فن میں انہوں نے ارسطو سے نہیں مدد لی لہذا بلاغتہ کے جو اصول انہوں نے مرتب کئے وہ اسی کلام عرب کا ہتھکڑا کر کے مرتب کئے۔ کلام عرب عبارت ہے اشتعار عرب سے کیونکہ عربوں کے لٹریچر کا بڑا حصہ نظم تھا اور اشعار عرب کے ہزار ہا دفتر و زمین بھی مسلسل واقعہ نگاری پر مبنی نہیں چلتا بخلاف یونانی شعراء کے کہ انکا تمام تر کلام قصہ نویسی اور واقعہ نگاری پر مبنی تھا ہیومر کی اڈیسی والیڈ ہونکلیس کی ٹینگنی سلسل واقعہ نگاری کا نمونہ ہیں ایسوجہ سے ان شعراء کو مختلف مواقع پر مختلف قسم کے مضامین لانا پڑے اور ان کے لئے طرح طرح کے مقدمات تراشنا پڑے لہذا جب ارسطو نے فن بلاغتہ پر قلم اٹھایا تو یہی نمونے اسکے رہبر ہوئے اور اس نے ان میں انواع مضامین کے لحاظ سے ترتیب مقدمات کو بلاغتہ کا بڑا مہم بالشان جز قرار دیا۔ مگر عرب مصنفین کی پہلی نظر جو پڑی وہ الفاظ و استعارہ و تشبیہ پر پڑی۔ کیونکہ مسلسل واقعہ نگاری کے نہ موجود ہونے کی وجہ سے مختلف نوعیت کے مضامین انکے پیش نظر نہ ہو سکے انہوں نے یہ دیکھا کہ ایک ہی

مضمون کو اختلاف ترکیب کے ساتھ ادا کیا گیا ہے مثلاً زید کی آمد کے مضمون کو عربی زبان میں دو طرح سے ادا کر سکتے ہیں جا زید وزیرِ جبر اور غور کیا کہ اختلاف ترکیب کی کیا وجہ ہے؟ اس غور و فکر کے بعد جو انہوں نے نتیجہ نکالا وہ یہ تھا کہ ایک میں زید کی آمد پر زید یا غور زور دیا گیا ہے اور دوسرے میں محض زید پر اس لئے یہ تقدیم و تاخیر مقتضیِ حال کے بالکل مطابق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقدیم و تاخیر ہی رونقِ کلام کے ارکان میں سے ہے اور بلاغت کا یہ بھی ایک جزئیہ ہے جبکہ تعلق الفاظ سے ہے اور صرف الفاظ ہی کے آٹ پیر سے کلام میں یہ خوبی پیدا ہوتی ہے،

اسی طرح دوسری شہادت اپنے اس دھوئی کی تائید میں انکو یہ ملی کہ انہوں نے دیکھا استعارہ تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے مثلاً یہ جملہ زید شیر ہے اس جملہ سے زید شل شیر کے ہے یا بلیغ نہیں اس میں انہوں نے دیکھا کہ غریب استعارہ میں کون پیدا ہوئی ظاہر ہے کہ پہلے یہ بات تشبیہ جنت کر دی گئی مگر انہوں نے اس کو بھی نتیجہ نکالا کہ چونکہ یہاں بھی کلام باعتبارِ لفظ کے ہے لہذا کلام کی غریب لہجہ لفظ کے معنی سے بہرہ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کی غلطی ہے کیونکہ اگر استعارہ کی تحلیل کرو تو تشبیہ پیدا ہوتی ہے اور تشبیہ کیا ہے کوئی الفاظ کا علم نہیں ہے بلکہ ایک معنی کو بین ظاہر ثابت کر نیکو اسکی وضاحت کے لئے دوسرے معنی کو لے آتے ہیں جبکہ پہلے معنی سے مشابہت ہوتی ہے۔ یہی مناسبت تھا جس میں شیخ البلاغۃ بچنس گیا اور آج تک ایٹیا می شخص بہستی کی بدولت تمام علمایِ بلاغت اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

گو سلسلِ واقعہ نگاری کے ہونے سے کلام عرب میں ایک جگہ مختلف نوعیت کے مضامین نہ ملین لیکن جبکہ تمام خطبات عرب اور اشعار عرب سے ایسی نظیریں نکالی جاسکتی ہیں۔ اس بناء پر اگر کلام عرب کا پورا استقصاء کیا جائے تو بلاغت کے اصلی ارکان یعنی مختلف نوعیت کے

خطبات و خطباء جو سب موقع دے جاتے ہیں مل سکتے ہیں،

عرب کے خطبات مشہور خطبات ہیں قس بن ساعدہ و سبحان و امی عرب کے مشہور خطیب ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے قس بن ساعدہ کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے حین خطب فاطلب و رغب و ترہب و حذر و اندر، جب تقریر کرتا ہے طبل زمین قیامت ترغیب و لاتا ہے نہ تلمس ہے، بچا تا ہے خوف و لاتا ہے۔

خطباء عرب کے متعلق یہ عبارت حافظ کی یاد کینے کو قابل ہے۔

عرب کی کل باتیں فی البدیہ ہوتی ہیں، گویا ہی السام
ہو ہے نہ ذکو غور و فکر کی زحمت گوارا کرنی پڑتی ہے
اور نہ کسی سے مدد لینے کی، خطیب عرب، اپنا خیال
کلام کرم و شفقت کرتا ہے، جب وہ مباحثہ کرتا ہے
یا کنون سے پانی بہہ تلمسے یا اپنے دوست کی حدی
خوانی کرتا ہے، یا دشمن سے مقابلہ کرتا ہے یا جب
کوئی جنگ ہوتی ہے، وہ کسی ستون کو ٹیک کر کھڑا ہو جاتا ہے
معانی خود بخود آتے جاتے ہیں الفاظ بلا تکلف چلے آتے
ہیں، نہ یہ خطبہ وہ اپنے لئے پہلے ہی سے یاد کر رہے
تھے اور نہ وہ اپنے اسلاف سے اسکی تعلیم حاصل کرتے
تھے کیونکہ وہ اُمی لکھ پڑہ نہیں سکتے تھے فطرتی خطیب
تھے انہیں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ عمرہ ۱۵۱
اونکے ان بہت نمایاں اور یاد رہے اور انکو عمرہ کلام پر

کل شیء العرب فاعجاب اہلۃ و انجبال و کنا
العام ولیست هناك معاناة ولا مکابدة
ولا لبالہ فکر ولا استعانة انما هو تفر
اخذ و هم الی الکلام والی زجر و يوم نحشا
او حین یمتخ علی راس بکر او یحاج و جبر
او عند المقارعة او المناقلة او عند
صرع و هرب فما هو الا ان یصر و هم
الی جملہ اللہ حب الی العم و اللہ الیہ یتقصا
فتاویہ المعانی ارسلنا رتھال علیہ الا لفاظ
امشاکلام لا یقید علی نفسہ ولا یدرسہ احد
منہ ولا کانوا میں لا یکتبن و ملحوعین لا
یتکفون و کان الکلام البجید عندهم اظھر
واکثر و هم علیہ اقدر و لہ اقصی و کل واحد

فی نفسہ وانطق ومکانہ من
البيان ارفع وخطاھم لانکلام
اجود والکلا علیہم اسهل
ویسوی علیہم الیس من ان یفقروا
الی تحفظ ویحتاجوا الی
تدارس ولیس ہم کمین حفظ
علم غیرہ واحتدای علی کلام
من قبلہ نما یحفظون الا ما
علق بقلوبہم والحمد للہ
واتصل بعقولہم من غیر تکلف
ولا قصد ولا تحفظ ولا طلب ان هذا
الذی فی الید ینا جزء منه

قدرت کمال حاصل ہے اور میں سے ہر شخص کے پاس
خود ایک بہترین خطیب ہے جس کا یہ بلاغت بہت بلند ہے
ایمان بلاغت میں اور نکات قدم بہت تیز ہے، انگریز کرتا
اور نکتے نزدیک بالکل سہل و آسان ہے۔

اور کوہ کا حاجت نہیں کہ وہ پہلے سے یاد کرین یا کسی سے
اس کو اخذ کرین، اور نہ عرب کے مقابلہ میں وہ لوگ پیش کیے
جاسکتے ہیں جو دوسروں سے علم حاصل کرتے ہیں
اور جو اپنے پہلوں کے کلام کی تقلید کرتے ہیں عرب
کسی بات کو یاد نہیں کرتے، لیکن جو ان کو پسند ہو جائے
اور جو خود بخود بلا تکلف اور قصد کے ان کو دل میں آجائے
اور یہ جو کچھ اب ہمارے ہاتھ میں ہے، عربی بلاغت
و فصاحت کا ایک نمونہ ہے،

یہ تو مال خطبات عرب کا تھا اگر اشعار عرب پر نظر ڈالو تو تو کو تعجب ہو گا کہ اس قسم کے مقدمات جو
مستثنیٰ حال کے بالکل مطابق ہوں اور جن کا بنی علم النفس کے کلیات پر ہو گیا ہو مگر ان عرب کے
جلیل وحشی، بدون کے دماغوں میں آجاتے تھے۔

ذیل میں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو ایک عورت کے ہیں۔ ان اشعار کا قصہ یہ ہے
کہ عبد اللہ بن عبد کرب جو قبیلہ بنی زید کے سردار عمر کا بیٹا تھا ایک روز قبیلہ بنی مازن کے چند لوگوں
کے ہمراہ بیٹھامی نوشی میں مصروف تھا۔ مخزوم مازنی کے حبشی غلام نے اس وقت قبیلہ بنی زید کی
کسی عورت کی تشبیہ میں چند اشعار گائے عبد اللہ کو، پھر غصہ آیا اور اس نے غلام کے ایک

شہزادہ عباس حرکت سے برا فروخت ہو کر مازنی محمد اسد پر چسپاں پڑے اور انکو مار ڈالا۔ عبداللہ
کے قتل کے بعد اپنی اس حرکت پر نارام ہوئے اور عمرو کے پاس آکر معافی کے خواستگار ہوئے
کیا تو معاف کر دیتے یا اس کے خون کی دیت سے لیجئے عمرو نے انکی درخواست منظور کر لی
اس منظوری کی خبر جب معذکرب کی بہن کبشہ کو ہوئی تو اس نے اپنے بہائی کے خون کو
بہن بالا بالا جانا بجا کر سمجھ کر جس سے بڑا کر کوئی عار عرب میں نہ تھا یہ چند اشعار کہے جس میں اس نے
اپنی قوم کی غیرت اور حیمت کو تحریک دی ہے آگے چل کر ترجمہ ہو گے کہ حیمت کے پیدا کر نیکا سب سے
محمد ذریعہ اس عار اور توہین کا ذکر ہے جو اس واقعہ سے لاحق ہو گا دیکھو کبشہ نے سب مقتلات
اسی قسم کے لئے بہن اور کس خوبی سے انکو نبھایا ہے۔

ارسل عبد اللہ اذ حان یومہ | الی قومہ لا تغفلوا لہم دمی

محمد اسد نے مرتدقت اپنی قوم کے پاس یہ کھلا بھیجا کہ دیت یسکر میرا قصاص نہ چھوڑنا۔

ولا تاخل وامہم ائالا وابکرا | وائرک فی بیت بصعدۃ مظلوم

اور میرے قاتلوں سے اونٹ کے بچے اور جوان اونٹ نہ دینا کیونکہ میری قبر مقام سعد میں تاریک رہیگی۔

ودع عنک عمر و ان عمر و اسالم | وھل بطن عمر و غیر شابر لمطعم

اور عمرو کا ذکر وہی نکر وہ تو صلح ہو ہے اور عمرو کا پیش کمانے کے لئے ایک بالٹا سے زائد نہیں رہتا

ان انتم لعننا و انا و ائاد یشم | فمشوا باء ان النعام المصلم

اگر تمھیں برا مل نہ لیا اور دیت لے لی تو جب لو شتر مرغ کے لئے کانٹے ساتھ (میسٹی ذلیل ہو کر)

لا تردوا الا فضول نساءکم | اذا ارتملت اعقابہن من الدم

اگر تمھیں دیت لے لی تو گویا تم اتنے ہوائی عورتوں کے پاس حیض کی حالت میں جھکنا کی یا پھر ان خون سے شہتہری ہونی بہن

تھکے ان اشعار نے عمرو پر یہ اثر کیا کہ باوجود معاہدہ ہو جانے کے جبکہ پورا کرنا عار کا دین دایما

تھا اس نے فوراً محمدؐ کی ب کا قصاص نبیؐ باتن سے لے لیا۔

ایک دوسرے رقع پر غصہ کی آگ بھڑکانا منقاد ہے اسکے ٹھوکر جو مقدمات ہو سکتے ہیں
وہ امانت کا ذکر اور شرمناک باتوں کو پر عظمت الفاظ میں بیان کرتا۔

چنانچہ ذیل میں عقیدہ نبوت و فخر کے اشعار کی مثال میں ۵

اَجْمَلُ اَنْ يُّوَقَّ اِلَى قَتِيَا تَكْمُ وَاَنْتُمْ رَجَالٌ فَبِكُمْ عَدَدُ الرَّمْلِ

کہا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری جوان لڑکیاں بے عورت کی جائیں اور تم میں ذرات کی گنے برابر مرد موجود ہوں +

اَجْمَلُ غَشِيٍّ فِي الدِّمَا قَتِيَا تَكْمُ صَبِيحَةُ زَفْتٍ فِي الْعِشَاءِ اِلَى بَعْلِ

کیا یہ جلد معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری جوان لڑکیاں خونیں ہتھیاری ہولی چلیں اس بات کی وجہ کو ہمیں وہ شہر کر یا شب باش ہوئیں

فَاَنْتُمْ لَمْ تَنْفُصُوا اَبَدًا هَذِهِ فَكُنُوْا اِنْسَاءً لَا تَقْبَلْنَ مِنَ الْكُفْلِ

اور اگر نکواب بھی غصہ نہیں آتا تو عورت تو ہم تو کبھی یہ ذلت نہ گوارا کرتے +

وَدَدُكُمْ قُوبُ الْعَرُوسِ فَاَنْتُمْ خَلَقْتُمْ لَا تُوَابِلُ الْعَرُوسَ وَالْفُغْلَ

اور زنا نے کچھ بے پنہاں سنے کہ تم اس لباس کے لئے اور نہ ماننے دھونے کیلئے پیدا کئے گئے ہو۔

فَلَوْ اَنَّكُمْ اَنْتُمْ رَجَالًا وَكُنْتُمْ نِسَاءً لَّكُنَّا لَا نَقْرُ عَلَى الدَّلَالِ

بس اگر ہم مرد ہوتے اور تم عورت تو ہم تو کبھی یہ ذلت نہ گوارا کرتے +

فَمُوتُوا اَكْرَامًا اَوْ امِيتُوا عَدُوَّكُمْ وَكُونُوا كُنَا رَشِبَ لِحْطَابِ الْجَزَلِ

تو یا عورت سے تم مر جاؤ یا اپنے دشمنوں کو مار ڈالو اور ہو جاؤ مثل سنگ کی گچہ پڑے انبار میں لگائی گئی ہو۔

بہر حال یہ کوا اسکے اظہار کے بغیر جاریہ نہیں ہے کہ عبدالقادر بلا فخر عرب کے اس نقص کا

دوسرے وار ہے اور اس نے اپنی اس غلط فہمی کا سہرا بلند آہنگی کے ساتھ پون کا تھا کہ ایک صلیب

ہاگشت آج چودھویں صدی تک آ رہی ہے اور اسکے مقابلہ میں عبدالقادر سے بیشتر

جہاں انہیں بلند ہوتی تھیں وہاں بڑھ گئیں ابن قدامہ نے شیخ سے بیشتر خیال کا اظہار کیا تھا کہ مقدمات شعری کس طرح بنانا چاہیئے اور اوصاف سخن میں سے ہر ایک کے لئے کس قسم کے مقدمات جمع کرنا چاہیں مثلاً اس نے لوح کے بارے میں لکھا ہے کہ مرد کے وہی اوصاف بیان کرنا چاہا ہیں جو اسے لئے بحیثیت مرد ہونے کے زیرِ پامین ابن قدامہ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ہر قتل کے نزدیک فضائل انسانی بحیثیت انسان ہونے کے نہ بحیثیت اون اوصاف کے جن میں وہ حیوان سے مشترک ہیں صرف چار ہیں، عقل، شجاعت، صلہ و عفت، رجاء اور اپنے مجمع مردوں کے ان چار صفات سے بچ کر کہے وہ صحیح راستہ ہے اور جو ان اوصاف کے علاوہ کسی اور صفت سے مرد کی تعریف کرے وہ غلطی کرتا ہے۔

لما كانت فضائل الناس من حيث هم
ناس لا من طريقي ما هم مشتركون
فيه مع سائر الحيوان على ما عليه اهل
الادب من الاتفاق في ذلك انما هي
العقل والشجاعة والعدل والعفة كل
الخاص بالرجال لهذا لا ريب ان
مصيبا والمادح لغيره محظوظا۔

لیکن قدامہ نے جو کچھ لکھا وہ لوح، ہجو، غزل، مرثیہ گوئی تک محدود تھا اس لئے کہ قدم نہیں بڑھایا اور نہ وہ ایسا کر سکتا تھا کیونکہ اس کا موضوع شاعری تھا اور اس کو جو کچھ لکھنا تھا وہ اس کے متعلق تھا اب اس شخص کا جو بلاغۃ قرآن پر قلم اٹھا دئے یہ فرض ہے کہ پہلے یہ دیکھے کہ انواع و مضامین کیا ہیں اور ہر ایک نوع کی خصوصیت کیا ہے۔ کس صفت مضمون کے ادا کرنے کے لئے کون کون مقدمات ضروری ہیں۔ پڑھنے والے یا سننے والے کے دل میں کسی مضمون کے جاننے کے واسطے کون سے امور مؤثر ہیں۔ جذبات انسانی کی تقسیم کیا، اور ایک جذبہ کی حرکت دیکھ کر اسے کس قسم کے مقدمات کے لانے کی ضرورت ہے۔ مثلاً اگر مخاطب سے دعا و غلا پہلے ہوئے

کچھ کہنا ہے تو اس کا سب سے عمدہ عنوان کیا ہے اور اگر مشیر کی حیثیت سے کچھ منہانا ہے تو اس کے لئے کس قسم کے مقدمات کی ضرورت ہے۔

اس موضوع پر پوعلی نے شفا و میں ابن رشد نے ترجمہ از سطو میں بحث کی ہے یہ سب سرمایہ ہمارے پیش نظر ہے۔ اور ہر کلاس سے اس وقت کام لینا ہے۔

کسی واعظ خطیب، مشیر، مضمون نویس، واقعہ نگار، قصہ گو کو اس وقت اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنی اسی قسم کے جذبات جو اس کا موضوع ہے سننے والے یا پڑھنے والے کے دل میں نہ پیدا کر دے۔

یہ بڑی اہم نکتہ بھی کام ہے کہ پہلے ایک خاص قسم کا جذبہ کسی شخص میں پیدا کر دیا جائے اور اسکی توجہ دوسری طرف پھیری جائے اور دوسرا جذبہ اپنے مقصد و کے مطابق پیدا کیا جائے یہ صفت کلام مجید میں نہایت خوبی سے بنائی گئی ہے۔

اسطو نے جذبات کی تعریف یہ کی ہے کہ جذبات نام ہے ان انفصالات نفسانی کا کہ جن سے جذبات نفس پر لذت و غم کی حالت طاری ہوتی ہے جسکی وجہ سے ایک ہی شئی کے بارے میں نفس کا حکم بدلتا رہتا ہے۔

چونکہ جذبات کا علل موجود ہیں اسی لئے جذبات ہی دو طرح کے ہیں ایک کا تعلق قوت شہوانی سے ہے اور دوسرے کا قوت غضبی سے وہ جذبات جو قوت شہوانی سے صادر ہوتے ہیں یہ ہیں محبت، بغض، رعبتہ و نفرت، فرحت و غم۔

اور وہ جذبات جن کا مصدر قوت غضبی ہے یہ ہیں امید و ناامیدی، شجاعت و ہزولی غصہ

ویر بادی غیبتہ و رحم

۱۵ مسلم الادب جز ثانی۔

محبت و بعض محبت نام ہے اس حرکت نفسانی کا جو نفس کو شے مطلوب کی پہلانی کی طرف
 براگیختہ کرتی ہے۔ محبت دلوں میں تین طرح سے پیدا کی جاتی ہے۔ پہلے تو یہ کہ شے مطلوب
 کے اخلاق حمیدہ کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ نفس کو خود بخود نیک خلقی کی طرف توجہ ہوتی ہے
 دوسری شے محبوب کے احسانات اور اسکے منافع کا ذکر کیا جائے تیسرے محبوب کی بے غرضی اور عظمت کا تذکرہ کرنا
 نبض اس حالت نفسانی کا نام ہے جس میں نقصان پہنچانے والے سے بدلہ
 نہ لے سکنے کی وجہ سے اسکی برائیوں کو دل میں جگہ دی جائے۔
 اس جذبہ کے براگیختہ کرنے کے واسطے ہی تین باتیں ہیں۔ اول جس شخص سے نبض
 پیدا کرنا ہے اسکی بدکاریوں اور بد اخلاقیوں کو بیان کیا جائے۔
 دوسرے اسکے جور و تکبر کو کہا یا جائے۔

تیسرے اسکی گور باطنی اور کینہ پروری کو بتایا جائے۔
 رغبۃ نفرت از رغبۃ نام ہے اس نفسانی حرکت کا جو کسی متوقف لذت کے ارادہ کے لئے نفس
 کو مستعد کرے رغبۃ کے محرک چن ہیں۔

جس شے کی طرف رغبۃ دلانا ہے اسکی عظمت و لوہمیں جمانا۔ اور اسکی ایسی عمدہ تصویر کشی
 گویا چہرے والا ہر اے العین اسکا مشاہدہ کر رہا ہے اور اسکے ساتھ اسکے سہل الحصول
 اور مفید ہونے کو بھی ثابت کرنا۔ یاد و چیز و زمین مقابلہ کر کے ایک کوچہ دینا نفرت نام ہے
 اس قسم و رنج کا جو انسانی توجہ اسکی مطلوب چیز سے پیر دیتا ہے اور اسکی طرف سے امید
 منقطع ہو جاتی ہے۔

کسی شے سے نفرت پیدا کرنے کے ذرائع چن کہ پہلے جس شے سے نفرت پیدا کرانی
 منظور ہے اسکے جوہر و صفات اچھی طرح بیان کئے جائیں۔ اور اسکی خفتاک اور نفرت انگیز

تصور کر لینی جائے اور سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ مرغوب اور نفرت انگیز چیزیں باہم مقابلہ کر کے ایک کے اوصاف اور دوسرے کی برائیاں دیکھائی جائیں۔

نہت و غم کسی مطلوبہ شے کو پا کر جو کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اسکا نام فرحت ہے۔

فرحت دل میں ان اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ پہلے خود فرحت کے اوصاف اور بیان ذہن نشین کرائی جائیں۔ دوسرے ان تکلیفوں اور مشقتوں کا ذکر جو اس شے مطلوبہ کے حاصل کرنے میں اٹھانا پڑی تھیں کیا جائے۔ یا باوجود ناامیدی اور شدید انتظار کے جو عمدہ نتائج اس شے کے حصول سے مرتب ہونگے انکا تذکرہ کیا جائے۔

کسی امر کروہ کے واقع ہونے یا کسی محبوب شے کے ہاتھ سے جاتے رہنے کے بعد جو کیفیت قلبی ہوتی ہے وہ غم کہلاتی ہے۔ سب سے عمدہ ذریعہ اس جذبہ کی تحریک دینے کا یہ ہے کہ اس محبت و مشقت کا ذکر جو اس شے کے حاصل کرنے میں کرنا پڑا ہے نہایت پر اثر الفاظ میں کیا جائے یا اس ہونے والے واقعہ کی ہونٹاکی کو بیان کیا جائے۔

جذبات قوت غصہ امید و ناامیدی

پیدا ہوتا ہے امید کہلاتا ہے۔ امید میں طریقوں سے پیدا ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو شے

مطلوبہ کی خوبی و عظمت دل میں جمائی جائے۔ دوسرے یہ دکھایا جائے کہ شے مطلوبہ

کا حاصل کرنا کوئی دشوار امر نہیں ہے اس کے سہل الحصول ذرائع بتائے جائیں ناامیدی اس حال

کا نام ہے جو کسی مرغوب شے کے ملنے سے قطع امید ہو جانے پر پیدا ہوتا ہے۔ ناامیدی

پیدا کرنے کے لئے صرف شے مطلوبہ کے حصول میں جو وقتیں مشقتیں آئیں ہوں انہیں کا بیان

کرنا کافی ہوتا ہے۔

شجاعت و بزدلی شجاعت نام ہے قوت غصہ کے اس مظہر کہ جسکی وجہ سے باوجود کمزوریات و عوائق کے

محمد کے انسان کوئی کام گزرتا ہے۔ شجاعت پیدا کرانیکے دو ذرائع ہیں۔ ایک تو شے
 غلوہ کی عظمت خوبی و لون میں جانی جائے اور دوسرے کسی امداد غلوہ کی ہی امید
 دلائی جائے۔

بزدلی نام ہے نفس کی اس حالت کا جب کسی امر کے کرنے سے جسمین ذرا
 بھی شائبہ خوف کا ہو انسان پہلوتھی کرتا ہے۔

جروہی کے پیدا کرانیکا ذریعہ یہ ہے کہ کسی عظیم الشان اور ہولناک واقعہ سے ڈرایا جائے
 مثلاً کسی جنگ عظیم کا تذکرہ، فاقہ کشی کی مصیبت کا بیان۔ کسی عزیز چیز کے ہاتھ سے جاتے
 رہنے کا خیال دلانا۔

غصہ دہاوی انفس انسانی کی اس حرکت کو جو نفس کو اذیت دینے والی چیزوں سے بچنے کے
 لئے ان کے وقوع سے قبل اور ان کے وقوع کے بعد انتقام و بدلہ لینے کے واسطے طیار کرے
 غصہ کہتے ہیں انتہائے مز اور شرمناک واقعات کا ذکر اور اسکو پر عظمت الفاظ میں بیان کرنا
 قوت غضبیہ کو برا نگینہ کرنا ہے۔

قوت غضبیہ ہی کے اقسام میں سے حمیت وغیرہ بھی ہے حمیت پیدا کرنے کے تین اسباب ہیں۔
 پہلے تو یہ کہ جس شخص کی حمیت کو برا نگینہ کرنا ہو اسکے سامنے اسکے رقیب کے علوم مرتبہ و اعزاز کا
 ذکر کیا جائے اور اسکے ساتھی رقیب کی اخلاقی کمزوریان اور عیوب بھی دکھائے جائیں
 دوسرے رقیب کی برائیوں اور اسکے اچھا ہونے کا مقابلہ کیا جائے۔

تیسرے۔ اس شرم و عار کا ذکر کیا جائے۔ جو اسکی اس غفلت کی وجہ سے لاحق ہوگا اس علمینان
 قلبی کو جو غصہ کے ہیجان وقت پیدا ہو جاتا ہے علم کہتے ہیں۔ علم کے ولون میں پیدا کرانے
 کے ذرائع یہ ہیں۔ گناہ کا اقرار کرنا کیونکہ عربی کا یہ مشہور قول ہے المعترف بالجور مستحق للفقیر

مجرم کے پوزیشن کو گہٹا کر دکھانا۔ حلم کے فضائل بیان کرنا۔ کسی عمدہ پیرایہ سے مجرم کی برکتی
کا مثبت مشلایہ بتانا کہ اس جرم کو وقت اسکی نیت خراب نہ تھی۔

حکم کی ایک قسم جرم الہی ہے رحم دونین دون پیدا کیا جاتا ہے کہ معیبتوں و بلاؤں کو خوب
نمک پہنچ لگا کر جان کیا جائے۔ دوسرے یہ دیکھا یا جائے کہ معیبت زدہ زمانہ کا ستایا
ہوا ہے وہ اس حالت کا مستحق نہ تھا۔ تیسرے معیبت زدہ کی بعض خصوصیات بتائیں
جائیں۔ مثلاً اگر کوئی فقیر ہے تو اسکی شکستہ حالی دکھائی جائی۔

اب ہم ذیل میں مثال قرآنی درج کرتے ہیں۔

مثال اول

و دخل معه السجن فتيان قال احدهما
الى اراني اعصر خمرًا و قال الاخر اراني
اراني اعمل فوق راسي خبزًا تا كل الطير
منه نميئنا بنا و يلما نا تر يا من المحنين
قال لا يا تيكما طعام ترزقنه الا نبا
بنا و يله قبل ان يا تيكما ذا لكما مما علمنا
ربي اني تركت ملة قوم لا يؤمنون
بالله وهم بالآخرة هم كافرون و
ملة اباي ابراهيم واسحق ويعقوب
ما كان لنا ان نشرك بالله من شيء
ذلك من فضل الله علينا وعلى الناس

اور انکے ساتھ قید خانہ میں دو اور جوان داخل ہوئے
انہیں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں اپنے تئیں
خربخوٹے دیکھا ہے دوسرے نے کہا کہ میں
اپنے سر پر دلی کا خوان لے ہوئے ہوں جس میں سے
ہر نہکاتے ہیں بکھو اسکی تعبیر بتاؤ تم کو چھا آدمی سخت
میں کہا دوسرے نے کہ تمہارے روزمرہ کے
کھانے آنے سے پہلے ہی میں تمکو تعبیر بتا دوں گا۔
یہ وہ ہے جو خدا نے تمکو بتلایا ہے۔ میں نے
ایسی قوم کے دین کو چھوڑ دیا جو خدا پر یقین نہیں رکھتے
اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

اپنے باب دوا ابراہیم و یعقوب کے دین کو میں نے

ولاكن اكثر الناس لا يشكرون
 يعضي السجناء ارباب متفرقون
 خيل ام الله الواحد القهار ما
 تقبل دن من دنه الا اسماء يسميها
 اسم و اباؤكم ما انزل الله بها
 من سلطان ان الحكم الا لله
 امر الا تقبلوا الا اياه ذلك
 الدين القيم ولاكن اكثر
 الناس لا يعلمون ۞

پیری کی ہکو یہ چارہ سنگ کی چیز کو خدا کا شریک
 بنا دین یہ خدا کا فضل ہے ہر پروردگار کو گنہگار لیکن بہت
 سے لگ شکر نہیں کرتے۔

اسیرے قید کے ساتھیوں بلا کئی معبود و جاہل
 اچھے میں یا ایک اکیلا غالب۔ اسکے علاوہ
 جبکہ تم پہنچتے ہو وہ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے
 آباؤ نے کہہ لئے ہیں اور جس پر خدا نے کوئی
 دلیل نہیں آئی۔ حکم خدا ہی کا حکم ہے اس نے
 حکم دیا ہے کہ اس کی پرستش کرو۔

یہی سید ہی رہا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

حسرت حال یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام زلیخا کے اصرار اور عزیز مصر کے جابرانہ حکم سے
 قید خانہ میں تشریف لائے ہیں۔ یہ واقعہ ایسا ہے جو عام طور پر زبان زد عوام و خواص
 ہوگا اس لئے تمام لوگوں کو ان سے ایک طرح کی ہمدردی ہے۔ اسی موقع پر دو غلام
 شاہی عتاب شاہی کی بدولت داخل قید خانہ ہوتے ہیں۔ کچھ پہلے واقعہ کے اثر اور کچھ
 قید خانہ کی رفاقت اور یکجائی کی بدولت ان کے دونوں حضرات یوسف علیہ السلام کی
 عظمت اور ان کے ساتھ ہمدردی بھری ہوئی ہے۔ اتفاق یہ ہے کہ دونوں نے ایک
 ایک خواب دیکھا ہے جسکی وجہ سے انکو انتشار ہے اور اس خواب کی تعبیر لینا مقصود ہے
 تبصرہ دینے کے واسطے کسی مرد صالح اور نیک کی ضرورت ہے انہوں نے حضرت
 یوسف علیہ السلام کو اسکے لئے انتخاب کیا ہے حضرت کو اس وقت انکی حالت کا اندازہ کر کے

اپنا فرض یعنی دعوت الی الحق کو ادا کرنا منظور ہے ایک کے لئے سب سے پہلے ان کے انتشار کو دور کرنا ضروری ہے جو انکو تعبیر دینے یا تعبیر دینے کی امید دلانے سے دور ہو سکتا ہے لیکن فوراً تعبیر بنیادینی اسوجہ سے مناسب نہیں ہے کہ وہ قبضہ سے نکل جائیں گے اور ان کے قلوب پر اختیار نہ باقی رہے گا۔ لہذا یہی مناسب خیال کیا گیا کہ انکو امید تعبیر قلوب کی دلا دی جائے۔ اور پھر پڑھ آئے ہو کہ امید پیدا کرانے کو دوزخ میں ایک توشے مطلوب کی عظمت و خوبی کا دلون میں جہانا۔ دوسرے مطلوب کا سہل الحصول کر دکانا پہلے طریقہ کو اسوجہ سے ترک کر دیا گیا کہ انتشار کی حالت میں کسی شے کی عظمت کا پیدا کرنا ایک بابر عظیم جو جائیگا لہذا دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے بلکہ تھوڑی دیر میں بتا دیا جائیگا۔

اب انکو اسی امید و انتظار کی حالت میں جھوٹ کر کس خوبی سے خدا کی طرف متوجہ کیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ کسی شے محبوب کی عظمت جب دلون میں جمی ہو تو لازمی طور پر اسکی علت اور محرک کی بھی عظمت جاگزین ہو جاتی ہے۔ اسوقت حضرت یوسف کا یہ کہدینا کہ بخدا کی محبت کو کہا یا پیر نے خدا کی عظمت و لوئین قائم کرنے کے لئے سحر کا کام کیا۔ اور اسکے بعد اپنی اس محبت اور عظمت سے جو انکے دلون میں جمی ہوئی تھی یہ فائدہ اٹھایا کہ خود اپنے تئیں اس فرقہ سے جو منکر و شرک تابع علیہ کرد کہا یا اہل گویا یہی وجہ اپنے عالم بالتعبیر ہونے کی قرار دی اسنے اور عظمت بلدی انکے دلون میں جہادی۔ اب صرف ایک پہلو اور رہتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے

آبا نئی اور قدیم ملت سے انکو پیر دینا۔ اور ان معبودوں کی طرف سے نفرت دلانی۔ ویکو نفرت کس خوبی سے پیدا کی گئی ہے۔ نفرت پیدا کر نیکیا یہ ذریعہ تم اور پڑھ آئے ہو کہ وہ اجمعی بڑی چیزوں میں مقابلہ کر کے ایک کی برائی اور دوسرے کی اچائی ثابت کی جائے۔ یہی طریقہ یہاں

تخلیہ کیا گیا ہے جسے ذاتِ باری کی طرف تو رغبت پیدا ہوئی اور دوسرے معبودوں سے
 نفرت ہو جاتی ہے۔ پہلے تو تعدد و وحدت کا فرق دکھایا گیا دوسرے ان معبودوں کے
 وجود کی قطع کی گئی۔ اس طرح اہل سبکی دلوں میں جمادی گئی یہی مقصد حضرت یوسف علیہ السلام
 کا تھا جو پورا ہو گیا اور اسکے بعد تعبیر بتادی جسے تمام طرف سے انکے دلوں پر قبضہ کر لیا اور وہ
 اس دائرہ سے باہر نہ نکل سکے۔

ضیاء الحسن علوی

تخریج دارالعلوم ندوہ

علمی خبریں

کتاب المعجب فی احوال المغرب تاریخ اندلس سے واقفیت حاصل کرنے کا سب سے
 عمدہ ذریعہ ہمارے پاس علامہ مقرئ کی نفع الطیب ہے لیکن ہم اس وقت ایک ایسی کتاب
 کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جسکی بنیاد مقرئ نے نفع الطیب جیسی بلند عمارت کھڑی کی ہے اور
 جسکا نام ہم نفع الطیب کے حوالوں میں دیکھتے تھے،

یورپ جی طرح ہر روز جدید معلومات کو ترقی دے رہا ہے، ہم اس کے ممنون ہیں کہ وہ ہمیشہ
 ہمارے قدیم معلومات میں بھی اضافہ کرتا رہتا ہے کتاب المعجب اندلس کی تاریخ ہے،

محی الدین ابو محمد عبدالواجد بن علی مراکش المولود سال ۱۰۰۰ء کی تالیف ہے، ۲۰۴ صفحوں میں
 یہ کتاب ختم ہوئی ہے اس کتاب کے دو فطرتی حصے ہیں، پہلا حصہ عبدالرحمان بانی سلطنت
 اندلس سے شروع ہو کر محمد بن توہرت بانی دولت موحدین تک ختم ہو گیا ہے دوسرا حصہ

اہم اے محدثین سے شروع ہو کر آج (عہد مصنف) تک ختم ہو گیا ہے، اندسی سلطنت کی تاریخ کے سوا مشابہہ اندیس کے ہمین تراجم بھی ہیں، علامہ ابن خزم ظاہری کے مفصل حالات لکھے ہیں، اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خزم نہ صرف فلسفی محدث تھا بلکہ وہ ایک نکتہ سنج شاعر بھی تھا،

ہولینڈ کے مشہور مستشرق علامہ ڈوزی کے اہتمام سے یہ کتاب چھپی ہے حسب عادت ڈوزی نے اس کتاب میں دو اڈہ کسوں کا اور اضافہ کیا ہے ایک میں ادن کتابوں کی تصریح ہے جنکا ذکر کتاب العجب میں آیا ہے دوسری فہرست ادن اسمائے گرامی کو بتاتی ہے جو کتاب العجب میں مذکور ہیں۔

کتاب الامالی والنوادر ابو علی قالی بغدادی، تہما کی تدریس و تعلیم کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مہتمم با نشان مساکین پر طلباء کے سامنے لکچر دیتے تھے جسکو عربی میں املاء کہتے ہیں۔ امالی اسی املاء کی جمع ہے اس طریقہ تعلیم کو سب سے آخری نمونہ علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ میں ان امالیون میں ابن الشجرى، ابو العباس ثعلب نخوی، ابو بکر محمد بن ناسم انباری، ابو القاسم زجاجی نخوی، ابو علی قالی کلیمان خاص شہرت رکھتی ہیں،

ابو علی قالی کی امالی کتاب الامالی والنوادر کے نام سے مشہور ہے کتاب الامالی جس پایہ کی کتاب ہے اسکے متعلق ہم خود ایک حرف نہیں کہنا چاہتے، ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں جہاں عربی علوم ادب پر بحث کی ہے، کتاب الامانی کے متعلق لکھا ہے۔

ہم نے اپنے اساتذہ کو علمی مجلسوں میں یہ کتے سنا ہے کہ عربی ادب کے چار ارکان ہیں، ادب الکاتب لابن قتیبہ کامل للمبرور البیان والتبيين للمجاہد کتاب النوادر لابن علی قالی، علم ادب کی اور قیسیہ کتابیں انکی شاخیں ہیں،

۳۱

کتاب التوحید پہلی کتاب میں مدت ہر ایک چکر شائع ہو چکی ہیں جو چھی کتاب کے بغیر علم ادب دراصل
 باکمل علم ادب شائع ہوئی، یہ کتاب دو جلدوں میں ختم ہوئی ہے کافذ، لکھائی، چھپائی، نہایت عمدہ ہے
 اور غایت اہتمام سے چھپی ہے سو اچھا روپے ایک قیمت ہے، انار مصر کے دفتر سے مل سکتی ہے،
 مالی الرجاجی، ابو القاسم زجاجی، غوی المتوفی ۳۲۵ھ کی مالی ہی چھپ گئی ہے، مصری عالم
 کے تحشی سے مرین ہے، ایک سو بیس صفحہ میں، کتاب، اہتمام سے طبع ہوئی ہے،
 تاریخ دول الاسلام، ایک مصری فاضل کی تالیف ہے، کل اسلامی سلطنتوں کی تاریخ کا مجموعہ ہے،
 موقع موقع سے اس میں تصویروں پر، چند جلدوں میں یہ کتاب تمام ہوئی، ابھی صرف پہلا حصہ
 چھپ کر شائع ہوا ہے، جبین ۲۲۸ باب اور ۵۴ صفحہ میں ہے، اس کی قیمت ۱۰۰ لہلال مصر کے پتہ
 سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

ٹیلی فونوگراف، ڈاکٹر کارن ایک مدت سے ایسی ایجاد میں مصروف تھے جس سے تار بقی کے
 ذریعہ سے دور دراز مقامات کے فوٹو لئے جاسکیں، ڈاکٹر موصوف اپنے مقصد میں بہت کچھ کامیاب ہو چکے
 ہیں، ۲۱۱ میل ۶۸ گز کی دوری سے ٹیلی گراف کے ذریعہ سے باسانی فوٹو لئے جاسکتے ہیں،
 فلسفہ جدید کی تاریخ [جرمن کے ایک فاضل نے فلسفہ جدید کی ایک تاریخ لکھی ہے جس میں اس کے عمدہ بعد
 کی ترقیان، کلاسیک میں فلسفہ جدید کے مشاہیر علماء کا تذکرہ لکھا ہے، ابھی اس کتاب کو عالم وجود میں
 آئے ہوئے کچھ زمانہ ہی نہیں گزرا کہ یورپ کی تمام شایرہ زبانوں نے اس کو ہاتھ لے لیا،
 عربی دنیا [نہایت خوشی سے اس کا اظہار کرتے ہیں، کہ عربی دنیا میں وجود کے بدلے حرکت محسوس ہو رہی
 ہے، جامع ازہر مصر، جامع ریون ٹیونس، مدرسہ دیوبند، عربی دنیا کے یہ تین بڑے مدرسے ہیں
 جن میں سے دو اہل الذکر قدیم شاہی مدارس ہیں، اور تیسرا مدرسہ بھی ہندوستان کے ایک بڑے
 عالم کی طرف منسوب ہے، یہ تین مدرسے عجمیت جمود کو کھنڈ اور مقصدیات زمانہ سے بے خبر تھے
 جہان سے ہر سال بیسیوں فراغت کے شعلے لہراتے ہوئے نکلتے تھے۔

مگر الحمد للہ کہ اب ادون میں بیداری کے آثار نمایاں ہیں، جامع ازہر کے علماء کے اہتمام سے ایک رسالہ
 شائع ہوا ہے جس کے چار نمبر اب تک نکل چکے ہیں، اسکے اڈیٹر محمود بک زکی نام ایک مصری عالم

ہیں، نوعیت معنائیں کے لحاظ سے الہند وہ کاہم مقصد ہے، اجاں مذہبوں کے طلباء
ایک علمی انجمن قائم کی ہے جس میں قومی اصلاح کی دفعہ بھی شامل ہے، مدد سید یوہند کے طلباء
نے بھی ایک علمی انجمن قائم کی ہے اور ایک رسالہ کی اشاعت کا بھی اشتہار دیا ہے جس کے
اکثر مقاصد الہندہ سے ملتے جاتے ہیں، یہ رسالہ جس شان سے بھی نکلے علم کچھ ہاتھ پاؤں ہی
تو بلا میں

ناظرین! کیا یہ ندوۃ العلماء کا فیصلہ نرنہیں ہے؟ ہم اوس دن کا نہایت اشتیاق سے
انتظار کر رہے ہیں جب زمانہ علماء پر ثابت کر دیگا کہ ندوہ کے مقاصد کس قدر ضروری ہیں،
وہ کیا کی کل زبانوں کی تعداد اس وقت تک جو دریافت ہوئی ہے وہ ۳۴ ہے صرف ایشیا کی
زبانیں ۳۴ ہیں اور یورپ میں پانچ سو ساٹھ زبانیں بولی جاتی ہیں،
جرمن کی متواتر کوششیں نئے نئے عجائبات پیش کر رہی ہیں، اب تک تو ریل گاڑیوں کے
انجن بخارات کے زور پر چلتے تھے مگر جرمن نے انجنوں میں چند سالوں سے برقی قوت کے
برنگے ہیں جن سے انجن فی گنٹھ ۵۰ میل طے کر لیتے ہیں۔

طبیعیات کا ایک ناقابل انکار مسد یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دو چیزیں ایک طرف میں
نہیں سما سکتیں (عدم تدخل) اور یہ بھی تسلیم کیا جاتا تھا کہ وقائع و احوال، اجسام کے سب سے
آخری اجزاء ہیں، مگر کارڈ کا لون جو علم البرق کے ایک مشہور عالم ہیں دعویٰ کرتے ہیں کہ وقائع
کی بھی تقسیم ہو سکتی ہے اور وہ چند برقی اجزاء سے مرکب ہیں اور متداخل ممکن ہے، ہم نہیں کہہ سکتے
کہ اس واسطے میں صحت کا کتنا حصہ شامل ہے،

سید سلیمان

کتاب درین اشتہارات

کتاب درین اشتہارات میں طبع ہر سال ایک بار طبع کیا جائے گا۔
 ہر سال کے لیے ایک سال کے لیے ایک سال کے لیے ایک سال کے لیے
 ہر سال کے لیے ایک سال کے لیے ایک سال کے لیے ایک سال کے لیے

ایک سال کے لیے

چھ مہینے

تین مہینے

ایک اشاعت

کتاب درین اشتہارات کا نصف لیا جائیگا اور اچھو کے لیے پم اجرت لجاوے گی۔

تفسیر نظام القرآن عربی

مولف

پروفیسر عبد الحمید صاحب بی۔ اے

پروفیسر عبد الحمید صاحب نے اپنی مشہور تصنیف "نظام القرآن" کا چھوٹا شروع کر دیا۔ یہ تفسیر متعدد
 زبانوں میں شائع ہو گئی، اس تفسیر کی خوبی اُن لوگوں سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ
 سے اس کی تائید کی ہے، اس تفسیر کی زبان فصیح و بلیغ عربی ہے اور اب تک اسکے حسب ذیل
 نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ "المعین مدوہ" سے یہ جزا مل سکتے ہیں، لکھائی چھاپائی کا قدرناست اعلیٰ

نظام القرآن قرآن کی متنوں پر مبنی بحث کی گئی ہے

۱۔

۲۔

۳۔

۴۔

(۱) یہ رسالہ ہی جیسے کہ پہلے ہفتے میں ذکر کیا گیا۔

(۲) اس رسالہ کی ضخامت سمولاً ۳۲ صفحے کی ہوگی۔

(۳) اس رسالہ کا مقصد علوم اسلامیہ کا حیات اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا سوانح نگاہ۔

اسکے ساتھ حسب ذیل مضامین ہوں گے۔

(الف) عربی زبان کی ناوار الوجود کتابوں پر تقریظ و تنقید

(ب) ممالک اسلامیہ میں آجکل جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں ان پر تقریظ۔

(ج) اکابر سلف کی سوانح عمریوں میں زیادہ تر اُن کے اجتہادات سے بحث ہوگی۔

(د) مضامین تعلیم و تہذیب پر بحث۔

(ه) غدۃ العلماء کے متعلق حالات۔

(و) علمی خبریں۔

(۴) چونکہ دقیق مضامین سے عام لوگوں کو دلچسپی نہیں ہو سکتی اس لئے ہر پرچہ میں ایک یا

دو دقیق مضامین اور باقی عام فہم و آسان ہوں گے۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت معہ محصول دور دورہ سالانہ ہوگی۔ چونکہ کارپریٹریٹ پر وصول ہر پرچہ ایک روپیہ

(۶) کل خط و کتابت منیجر رسالہ کے نام دفتر تذکرۃ العلماء، لکھنؤ کے پتے سے کی جائے گی۔

اسی پتے سے بھیجا جائے۔

(۷) جسکے پاس کسی مہینے میں رسالہ نہ پہنچے تو اُس مہینے میں اطلاع دینی چاہئے۔

(۸) جو صاحب خطا لکھیں وہ اپنا نام صاف اور واضح لکھیں اور تنقید کا اندیشہ نہ رکھیں۔

(۹) جواب طلب اسد کیلئے جوابی کارڈ آنا چاہئے۔

۵۹۰

نمبر	شعبان ۱۳۲۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۰۶ء	جلد
------	-----------------------------------	-----

مجلس ندوۃ العلماء کا ماہوار علمی سالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیا، تطبیق معقول و منقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ

مترجم

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن صاحب شوقانی

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	فلسفہ اور فارسی شاعری	مولانا شبلی صاحب نعمانی	۳
۲	علم نبات اور مسلمان	سید سلیمان صاحب	۱۱
۳	مسلمانوں کی بے تقصبی	ایضاً	۲۲
۴	مورخ کا دور چمن سیاح	ایضاً	۲۶
			۱۰
			۲۱
			۲۴
			۳۱

باہتمام قاری عبد الولی خلیف علامہ آئی مولوی عبد العلی صاحب راسی

آئی کھنڈ مین کمال حسن و خوبی طبع کر

دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا

اشعار

علم الکلام

طبع دوم درجہ اعلیٰ

مصنفہ

شبلی نعمانی

اس کتاب میں علم کلام کی ابتداء، اسکی مختلف شاخیں اور عمدہ بہ عمدہ کی ترقیوں کی نہایت تفصیلی تاریخ اور اسکے متعلق مباحث اور تحقیقات ہیں۔ طبع اول ختم ہو چکی تھی اسلئے نہایت اہتمام سے دوبارہ خوشخط اور صحیح چھاپی گئی ہے۔

قیمت ۱۷

زیادہ جلدوں کے خریدار کو فی صدی ۷۵ کمیشن ملیگا۔

دفتر ندوہ لکھنؤ سے مل سکتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

شذرات

ہم نہایت افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ خان بہادر منشی اطہر علی صاحب وکیل نے جو نہ وہ کے ایک پُرچوش انتظامی عہدہ تھے ماہ گذشتہ میں مدینہ طیبہ میں انتقال کیا، مرحوم اُن لوگوں میں تھے جنہوں نے مدوۃ العالَم کو موقع پر ہر قسم کی مدد دی، لکھنؤ میں نہ وہ کا اجلاس خاص منشی صاحب مرحوم کے اہتمام اور صرف سے انجام پایا تھا،

منشی صاحب ذی کعبہ ۱۳۲۵ ہجری ہی میں حج سے فارغ ہو چکے تھے مگر سرزمینِ حجاز نے کچھ دنوں کے لیے اور رکھا اور آخر وہیں کی خاک سے پیوند ہوئے،

۲۳ جولائی ۱۹۰۷ء کو مدینہ میں اور طلباء دارالعلوم نے قرآن پاک پڑھ کر مرحوم کی روح کو ہرِ ثواب پہنچا اور مدوۃ دارالعلوم تین دن کے لیے بند کر دیا گیا،

سکندر افسوس کے ساتھ یہ خبر سننے کے قابل ہو کر حافظ احمد رضا خان سکندر نواز جنگ سالار
امداد امام ریاست بھوپال و رکن عدالت عالیہ نظام نے اہم جادی اثنی عشریہ ۱۲۲۵ ہجری میں وفات پائی
مرحوم نے ابھی ابھی ندوہ کے کتب خانہ میں ۶۰۰ کتابیں وقف کی تھیں، ندوہ کی مالی امداد کا بھی ارادہ رکھتے
تھے افسوس بد قسمتی سے پورا نہ ہوا

اوزنگ زیب عالمگیر کے منموں کا سلسلہ اشاعت کئی مہینے سے بند ہو منتظر اجاب کی خدمت
میں یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ آئندہ مہینے سے پھر اسکا سلسلہ شروع ہوگا

نہایت افسوس ہے کہ ذاب عبد اشکوہ خان رئیس علیگڑھ نے حج سے واپس آئے ہوئے، راستہ میں
وفات پائی، مرحوم اول شخص تین جنہوں نے ندوہ کو مالی امدادی، مرحوم کو قومی کاموں سے ایک فطرتی
و یکسپی تھی طلباء دارالعلوم نے ۷۰ رجب کو ایک طلبہ تعزیت منعقد کیا جمین سید سلیمان نے ایک علی مرتضیٰ
پڑھا ہم نہایت خلوص کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ خدا مرحوم کے پس ماندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے

منشی مشیر حسین صاحب ڈائی ریٹرائٹ لائبریری کے امتحان میں کامیاب ہو کر وطن تشریف
لائے، ہم منشی مشیر حسین صاحب کو انکی اس کامیابی پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں دارالعلوم جو ہمیشہ
انکا زیر بار احسان رہا ہے، انکی نگاہ توجہ کا منتظر ہے

کتب خانہ ندوہ خوشی کی بات ہے کہ قوم میں کتب خانہ ندوہ کی توسیع کی تحریک ہو رہی ہے
اس سال کتب خانہ نے اتنی ترقی کی کہ کتب خانہ کا موجودہ مال کتب خانہ کی ضرورت کے لیے
کافی نہ ہوا، اور ہر کتب خانہ کا کردار وسیع کرنا پڑا

محسب الاعراب عزیز جناب ہمارے نے اپنی تالیفات مذکورہ میں بھی بن حکیم علی احمد صاحب
 دیہی نے مذکورہ دو سو کتابیں دی ہیں جن میں دینیات کا زیادہ حصہ ہر ابھی یہ کتابیں و خزانہ میں نہیں
 پہنچی ہیں اس لیے ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ سرایہ کتنا قیمتی ہو؟ ہم نہایت شوق سے اس دن کا انتظار کر رہے
 ہیں جب یہ قومی کتب خانہ ہندوستان میں علمی جواہرات کا سب سے بڑا خزانہ بن جائیگا،

فلسفہ اور فارسی شاعری

سحابی نجفی

شعر اعجم کے نام سے فارسی شاعری کی جو سبوتا تاریخ میں لکھ رہا ہوں اس کے
 طیار ہونے میں ابھی دیر ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اندوہ کے ذریعہ
 کبھی کبھی اس کے نمونے اہل نظر کے سامنے پیش کیے جائیں، یہ مضمون
 اُسی جن کا ایک جگہ سستہ ہے

دوسو برس سے مسلمانوں کی شاعرانہ ذائقہ کا جو انداز ہے، اور اس کی وجہ سے آج جس قسم کے اشعار
 و ہائون پر چڑھے ہوئے ہیں، یا دل و دماغ میں جاگزیں ہیں اس نے یہ عام خیال پیدا کر دیا کہ فارسی شاعری
 کے نمونے میں زلف و خال و خط، جھوٹے خوشامد احی، مبالغہ، اور فرضی خیال بندی کی سوا اور کچھ
 نہیں، فردوسی کا رزمیہ، مولانا روم کا قصوف، سعدی کی پند و معنیت، استثنائی چیزیں ہیں
 جس طرح لکڑتیر کے ڈھیروں میں کہیں کہیں ایک آدھ چمکتے ہوئے جو بھی نظر آجاتے ہیں،
 لیکن حقیقت یہ ہے کہ فارسی شاعری، ترقی کی اس حد تک پہنچ چکی تھی جسکی نظیر سے ایشیا کی تمام
 زبانیں خالی ہیں، عرب نے بے شبہ، شاعری کو معراج کمال تک پہنچا دیا تھا، لیکن شاعری کی ایک

اعلیٰ صنف یعنی فلسفہ کا مطلق پتہ نہیں، بھلاں اسکے فارسی میں اس کثرت سے فلسفیانہ خیالات
 ادا کیے گئے ہیں کہ اگر ان کو ترتیب سے یکٹھایا جائے تو فلسفہ کی ایک مستقل کتاب بن جائے، فلسفیانہ
 شاعری کے مشہور ارکان ختیاں، ناصر خسرو، ہن، لیکن یہ عجیب بات ہو کہ جو تاجدار اس اطمینان
 شاہنشاہ ہے، شہرت عام کے ممبر پر اسکے نام کا خطبہ نہیں پڑھا گیا، اگرچہ اہل فن اسکے نام سے اچھی طرح
 واقف ہیں، تمام تذکروں میں اس کا ذکر ہو مگر اصائب نے، اسکو باغی گوہر کا خاتم تسلیم کیا ہے،
 رباعی گرز موز و نان، سلم شد سحابی را،

لیکن بایں ہمہ وہ خود، اور اسکا کلام، شہرت کی حد تک پہنچ سکا، اسکے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں
 تاریخ ولادت کسی نے نہیں لکھی، زمانے کی تعیین کے لیے تذکرہ نویسوں نے اسی قدر کافی خیال کیا کہ
 اکبر اور عباس صفوی کا ہم عصر تھا، مولوی غلام علی آزاد نے سرواداد میں لکھا ہے کہ سنہ ۹۰۰ ہجری میں وفات
 پائی، زندگی کا کارنامہ یہ ہے کہ چالیس برس تک نجف میں گوشہ نشین رہا، اور کبھی روضہ مبارک کے
 حاطے سے قدم باہر نہیں نکالا، مولوی غلام علی آزاد نے صبح صادق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک
 دفعہ کہیں جائے تھے، راہ میں نہر تھی، چاہا کہ سطح آب سے گزر جائیں، پانوں تہیں جانے لگا، بولے
 کہ یہ دنیاوی تعلق کا اثر ہے، مجھ کو اور تو کسی چیز سے علاقت نہیں، البتہ دیوان سے وابستگی ہو یہ کمردیوان کو
 پانی میں ڈال دیا، ستر ہزار رباعیاں تھیں ان میں سے بیس ہزار کے قریب لوگوں نے بیاضوں میں
 لکھ لی تھیں، وہ رہ گئیں، باقی مفقود ہیں، تقی اوحی نے لکھا ہے کہ جرجان اہلی وطن ہے، لیکن ولادت شوشتر
 میں ہوئی، والد داعستانی کی تحقیق ہے کہ استرآباد میں پیدا ہوا اور نجف میں زندگی بسر کی،

تجداد و گوشہ نشینی کا یہ درجہ تھا کہ نام بھی گوشہ نشین رہا، عالم بقود کے تاجدار اور بھی گدے سے
 ہیں لیکن وہ جس قدر گناہ بنا چاہتے تھے اسی قدر اور زیادہ مشہور ہوتے تھے جس قدر چھپتے تھے اتنے
 زیادہ چھپتے تھے، اسی بنا پر شاعر نے کہا ہے

دیکر نام اند، اگر از نشان گذشت

در کیش با خبر و عنقا تمام نیست

یہ فرسحابی ہی کی قسمت میں تھا کہ اس نے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے نام کو بھی، لوگوں سے
مستثنیٰ ہونے دیا،

سحابی نے شاعری کی صرف ایک صنف یعنی رباعی اختیار کی، رباعیوں کی تعداد میں اختلاف
ہو، بعضوں نے ستر ہزار بیان کی ہو، والد داغستانی اور ہایت قلی کو صرف چھ ہزار رباعیان ہاتھ آئیں
لیکن دین نے خود دس ہزار رباعیان دیکھی ہیں، عالمگیری امرامین ایک شخص محمد سمیع نام تھا، اسکے
کتب خانہ کا ایک مجموعہ شاعری میری نظر سے گزرا اسکے پہلے حصے کی سرخی ”مختب رباعیات سحابی“ ہو
چھ ہزار سے زیادہ رباعیان ہیں، جب انتخاب ارتقد رہی تو پورا کلام اس سے کچھ زیادہ ہی ہوگا، اس مجموعہ
کی نقل میرے کتب خانہ میں موجود ہے،

رباعیوں کے علاوہ غزلین بھی ہیں، والد داغستانی نے ان کے اشعار نقل بھی کیے ہیں
لیکن وہ ایسے موتی نہیں کہ سحابی کے تاج کمال پر ٹانگے جائیں، البتہ ثنوی کا ایک شعر جو اس قابل ہو
کہ اس پر سے ہزار ثنویاں نثار کر دی جائیں،

این دُم شیرست بہ بازی گیر

عشق حسیقمے ست، مجازی گیر

رباعیوں میں ہر قسم کے صوفیانہ، فلسفیانہ اور اخلاقی مضامین ہیں، ہم چند رباعیان نقل کرتے ہیں اور
ان کے مضامین کی تشریح کرتے ہیں،

(۱) عوام بلکہ خواص تک کا اعتقاد ہو کہ سلسلہ کائنات کے اکثر واقعات، برگزیدگان خاص کی
مرضی اور خواہش کے موافق ظہور میں آتے ہیں، شاعر کا خیال ہو کہ یہ نہیں بلکہ نظام عالم جس طرح چل رہا ہے
اس کی خواہش اور استدعا سے کوئی علاقہ نہیں، جو کچھ ہونا چاہا جاتا ہے اس میں کسی کو فائدہ یا نقصان
ہو سچ جائے، تو اتفاقی بات ہو، نظام عالم کا وہ مخاطب نہیں، اس کی یہ مثال ہو کہ دیا اپنے زور میں

دو بین اترتا ہے، اس میں کمین کوئی تنہا آگیا، اور بہاؤ میں کمین سے کمین پہنچ گیا، اب اگر تنہا خیال کرے کہ دریا کا یہ زور و شور میری دشمنی کی وجہ سے تھا تو اس سے بڑھ کر کیا حاققت ہو سکتی ہے، یہی حال انسان کا ہے، دہانے کے حوادث خود بخود پیش آتے رہتے ہیں، کسی انسان کو فائدہ یا نقصان پہنچانا ان کو پیش نظر نہیں ہوتا، اس خیال کو سحابی نے اس طرح ادا کیا ہے۔

عالم بہ خیر و شل لا الہ الا ہوست	غافل بہ گمان کہ دشمن ست او را دوست
دریا بہ وجود خویش جو بے دارد	خس پندار دکر این کشاکش با دوست

(۲) عام لوگ کسی کسی وقت تسبیح وغیرہ کے ذریعہ سے خدا کا ذکر کرتے ہیں، لیکن خالی خدا کا نام اپنا حقیقی تسبیح نہیں، انسان اگر معرفت الہی حاصل کرے تو جو کچھ وہ زبان سے بولے گا، سب خدا کی تسبیح ہے۔

تسبیح چو سود مرد بے عرفان را	جز آنکہ شناسد مگر آن سلطان را
ہر چیز کہ گوید آدمی تسبیح است	اگر بشناسد بہ دل بے سبحان را

(۳) انسان میں خدا نے جو بڑی نعمتیں مثلاً غصہ، کینہ، حسد وغیرہ پیدا کی ہیں، دراصل بڑی نہیں، بلکہ چیزیں ایسے پیدا کی گئی ہیں کہ حفاظت خود اختیاری کے کام میں آئیں، انسان میں اگر غصہ اور غضب کا مادہ نہ ہوتا تو وہ دشمن کے حملے سے اپنے آپ کو بچاتا اور ہلاک ہو جاتا، یا مثلاً اس کا کوئی عضو یا دوست مارا جاتا تو وہ انتقام کا خواستگار نہ ہوتا، اور بڑائیوں کی بھی یہی کیفیت ہے کہ وہ درحقیقت کسی ضرر کے روکنے کے لیے پیدا کی گئی ہیں،

ہر نفس بے نیک شود عرفان را	اگر بشناسی حکیم صاحب شان را
سگ اہل محلہ را بود در باغ	ہر چند کہ دزد خویش ندارد آں را

(۴) تعدد الہ یعنی کئی خدا تانا باطل ہے۔

<p>ہرگز عالمی ست شہید اورا</p> <p>ایک خواجہ ہزار بندہ رامی شاید</p>	<p>جنگ ست بغیر بنی ما اورا</p> <p>ایک بندہ نکو عنیت دو مولا اورا</p>
<p>ایک ایک آقا کے ہزار غلام ہو سکتے ہیں، لیکن ایک غلام کے کسی آقا ٹھیک نہیں،</p> <p>(۵) چونکہ حضرات صوفیہ وحدت وجود کے قائل ہیں، ایسے وہ جبر و قد کے تسلیم میں جبر کا پہلو لیتے ہیں یعنی جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے، انسان کو مطلق کسی قسم کا اختیار نہیں، حکما کہتے ہیں، کہ ارادہ اور خواہش پہلے اختیار میں ہے، ایسے نفس کو ارادہ کہتے ہیں کہ وہ بڑائی کا حکم دیتی ہے سحابی کہتا ہے کہ ان نفس نے ہکو بڑائی کا حکم دیا لیکن نفس کو اس حکم دینے کا حکم کس نے دیا۔</p>	
<p>ہر سرور کو زو حکیم دربارہ ما</p> <p>ہی نگلش نیت ہر چہ سرور دازنا</p>	<p>اگر دیم دنہ بود غیب این چاہ ما</p> <p>ما مورہ دوست نفس اتارہ ما</p>
<p>(۶) صوفیہ نے وحدت وجود کی تعبیریں مختلف طوے کی ہیں جن میں سے ایک جانب دیر کی تشبیہ ہے،</p> <p>آجکل یورپ کے عام فلاسفر کہتے ہیں کہ دنیا میں دو چیزیں ہیں مادہ اور قوت، اور مادہ کبھی قوت سے خالی نہیں ہو سکتا اس کے ساتھ یہ بھی نظر آتا ہے کہ عالم کے تمام نظام میں خاص مناسب اور انتظام پایا جاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک اور چیز ہے جس نے عقل جسکو انگریزی میں وژڈم کہتے ہیں، تمام عالم ایک مادہ ہے، اس مادہ میں ایک عام قوت ہے، اس عام قوت میں ایک عقل کل ہے، اور یہی خدا ہے سحابی نے بھی وحدت وجود کی تعبیر ایک قریب قریب کی ہے،</p>	
<p>سے از تو حقیقت تو بس ناپیدا</p> <p>توحید طلب، عین ہمہ شیا شو</p>	<p>یا آن کہ توئی ز ہر چہ پیدا پس پیدا</p> <p>ہمچو یک جان در ہمہ عضا پیدا</p>
<p>(۷) قرآن مجید میں خدا نے کہا ہے کہ قرآن ہدایت بھی کرتا ہے اور گمراہ بھی ضلالت کا کنڈیرا ہے،</p>	

سحابی اسکا سطح ثابت کرتا ہے

قرآن ہادی ست گرچہ ہر علت را	اوسط خواہد از کثرت و قلت را
ہر چند عسل هست، شفاء لاس	انامہ ہمہ مرض نہ ہر علت را

(۸) تغیرات عالم سے، خدا کی ذات میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا،

ہر چند کہ هست آمد و شمار را	ہر حال خود هست ذات، آن یکتا را
از خلق ملالتے نہ دار و خالق	از موج تعب نمی شود دریا را

(۹) انسان، لوگوں کی نسبت بھلائی، یا بُرائی کی سلسلے قائم کرتا ہے، اور اس بنا پر لوگوں کو بھلا یا بُرا کہتا ہے، لیکن انسان کیسے اخلاق اور صفات کو اسی وقت اچھی طرح جان سکتا ہے جب خود ہی چلائے

جر عین تو نیست ہر کہ غوائی اورا	در از نظر قبول دانی اورا
تا کے گوی کہ این بدو آن نیکست	ہر کس کہ تو نیستی چہ دانی اورا

(۱۰) عالم میں جو کچھ نظر آتا ہے جو حقیقی نہیں، حقیقی وہ چیز ہے جو نظر نہیں آتی، مثلاً ہم کسی جسم کو دیکھتے ہیں تو جو چیز ہو کو نظر آتی ہے وہ صرف رنگ اور اس کا ظاہری طول و عرض ہے، لیکن چیز میں اصل جسم کی حقیقت نہیں ہیں، بالمشابہہ کا بولا کہ واجب اٹھتا ہے تو ہم صرف گرد و خاک کو دیکھتے ہیں جو چکر کھارہی ہے، لیکن اس کے اندر جو اصلی چیز ہے دیکھنے ہوا وہ ہو کو نظر نہیں آتی جس چیز کو ہم آسمان سمجھتے ہیں یہ بعد نظر ہے، آسمان نہیں، اسی بنا پر حضرات صوفیہ نے دو نام رکھے ہیں نمود و پند جو چیز نظر آتی ہے، بالاصلی نہیں ہے، پند و پند جو حقیقی ہے، اور نظر نہیں آتی

تو آئینہ وجود مائی عکس شد ما	یغنی ما را اگر توان دید بہ ما
ہر چیز کہ پیداست نمود است نہ بود	بعدت کو بویغنی کہ بینی نہ رسد

(۱۱) اچھے سے اچھے کام میں بھی اگر غرضی شامل ہو تو اس کی قدر نہیں ہو سکتی، ہر چیز کا

کہ لکھتے ہیں، اسے خیر کریں، لیکن خیر اور سائل لوگوں کو جو دعائیں دیتے ہیں، اس کی

تشریح کی جاتی ہے

تاثر تحیت و تحیت خوان را	از بے غرضی شناس باکی جان را
چیز سے نہ بودہ ازدعا انسان را	اما ز لب گداز خواہند آں را

(۱۲) دنیا کی قدر و عزت اسوجہ سے ہے کہ لوگوں کا مذاق اور حوصلہ بلند نہیں، اسلئے کم رتبہ

جہیزوں کو بڑی چیز سمجھتے ہیں، اور اسکی قدر کرتے ہیں

صاحب نظر عشق کہ مالی گہرست	آرام گمشدہ پروہ عالم بہرست
عزت دنیا ز اہل دنیاست ہمہ	قدر کہ وجہ ز کثرت گاد و خرست

یعنی دنیا کی عزت، دنیا داروں کی وجہ سے ہے، اگر موشی اور گائے بیل نہ ہوتے تو چارے اور

گھاس کی کیا قدر ہوتی،

(۱۳) خدائے بچانے میں عقل بالکل بیکار ہے

جز وجہ الدلیل وجہ الدنیت	این دیدہ دوری بہ نور مہر و نہایت
دور و رطہ لعشق، عقل جزا بلہ نیست	غواصان را شمع دلیل رہ نیست

یعنی خواص جو دریا میں غوطہ لگاتے ہیں، وہ مشعل لیکر نہیں چلتے، اسی طرح عقل، معرفت الہی

کی راہ میں بیکار ہے

(۱۴) انبیاء کی ضرورت کیون ہے

حق کہ ہر چیز جل رب نمان شدہ است	از غایت پیدائی پنهان شدہ است
اور پیغمبر و زبانِ او شناسند	حاجت بہ نبوت از پی آن شدہ است

(۱۵) دعا کی عدم ضرورت ہے

دائم دل و جان اندوڑا فروختن ست	اگر ساختن ست از دود و گرسختن ست
از حق کرم و لطف، تمتا کرتدن	مرومہ رار و شنی آموختن ست

(۱۶) نیکی اس غرض سے کرتا کہ بہشت ہاتھ آئیگی، یا بُرائی سے ایسے بچا کہ دوزخ سے نجات لے گی۔ کم رتبہ لوگوں کا کام ہے صاحب معرفت، خوف و طمع کی بنا پر کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ایسے کرتا ہے کہ یہی کرنا چاہیے تھا، اسی لیے ایک بڑے اہل اند فربا کرتے تھے کہ کاش دوزخ اور جنت، مناد بجاتی کہ جو شخص خدا کی عبادت کرتا محض خلوص سے کرتا، خوف اور طمع کا لگاؤ نہ ہوتا۔

این خلق کہ عقل را بہ خود ناخلف ست	بے خوف ہر جائے نار جنت تلوت ست
چون خرد کہ براہ راست آرند اورا	خوف چوب ست یا امید علف ست

ایسے اگر دوزخ اور جنت کا ڈر اور طمع نہ ہوتی، تو عوام، باخلاق ہو کر تباہ ہو جاتے جس طرح گدھا، سیدھے چلتے پر جب ہی چلتا ہی بڑے کھانے کا ڈر یا چارہ اور گھاس کی امید ہو،

شبلی نعمانی
از دارالعلوم
ندوة العلماء لکھنؤ

نمبر دوم
علم ہیات
اور
مسلمان

اس سے پہلے اس عنوان پر جو بحث تھی وہ محض تاریخی پہلو سے تھی اس نمبر میں ہم عنوان پر

س میں یہ قلم آج تک ہمیں کہ مسلمانوں نے بطیموس ہیأت پر کیا اضافہ کیا؟ اور اس میں کیا کیا غلطیاں
 کاہلین؟ مضمون میں ہاتھ لگانے سے پہلے ہم حضرت الاستاذ علامہ شبلی نعمانی کے اس قول کی طرف
 توجہ دلاتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ فلسفہ یونان اور فلسفہ حلال میں بعد المشرقین کی نسبت بہ اصول ارتقاء کے فرق
 عمومی و فلسفہ ترقی نہیں کر سکتی، ایسے فلسفہ یونان کو فلسفہ حال تک پہنچنے کے لیے ایک میانی زمین کا ہونا
 ضروری ہے، یہ زمین حقیقت اسلام ہی کا فلسفہ ہے، ہم اکثر مسلمانین دکھائیں گے کہ اسلامی ہیأت کو حال کی ہیأت
 سے کس قدر مبالغہ ہے،

(۱) اسلام سے پہلے دو مختلف الاصول ہیأتیں دنیا میں موجود تھیں، ایک فیتھا غوثی کی ہیأت حسین قبل
 کو ساکن اور دین کو متحرک قرار دیا گیا تھا، دوسری بطیموس کی ہیأت حسین کا ثبات کامرکز دین مانی گئی تھی
 اور ساکن ثابت کی گئی تھی اور آفتاب متحرک تسلیم کیا گیا تھا، لیکن اسلام سے پہلے ہی فیتھا غوثی ہیأت منہ پر مچی
 تھی، یونان کی ہر علمی مجلس میں بطیموس ہی کا چرچا تھا، مسلمانوں نے جب مجاہد اٹھائی تو ہر مطلع پر انھیں
 بطیموس ہی کی ہیأت نظر آئی، ایسے مسلمانوں میں اسی ہیأت کا رواج ہوا، مسلمانوں کی علم ہیأت کی شفقت
 تھا اس کا قیاس امام غزالی کے اس قول سے کرو،

من لم يعرف الحیاء والشرع فهو حدین في معرفۃ اللہ || جو علم ہیأت اور شرع سے واقف نہیں، وہ خدا کی معرفت میں نادر ہے،
 اس شفقت اور دلچسپی کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ مسلمان ہمیشہ ہیأت کی ترقی میں مصروف ہوں، گذشتہ نمبر میں
 ہم تاریخی طور سے مسلمانوں کی ان کوششوں سے واقف ہو چکے ہو جو انھوں نے علم ہیأت کی ترقی میں
 کیں، اب ہم مسلمانوں کی ایک سری قسم کی کوششوں کا ذکر کرتے ہیں، سب سے پہلے مسلمانوں نے ان
 دو مادہ کا رسائل کا انکار کر دیا جو فلسفہ یونانی کے دین و ایمان ہیں،

(۱) آسان ذی روح، ذی عقل، ذی ارادہ ہے،

لہ نصیر الافلاک ص ۳۶

(۲) آسمان کے دو نفس ہیں: پہلا نفس مجرد، غیر مادی ہے دوسرا نفس جسم فکری، مادی ہے،

(۳) آسمان واقعات عالم سے واقف ہے، اور اس کو ان پر اطلاع ہوتی ہے

(۴) ستاروں کا حادثہ پر خاص اثر ہے،

گزلیس و انڈیک جو میات جدیدہ کا ایک ماہر ہے جو علم اصول انبیاء میں لکھتا ہے کہ چوتھے خیال کا ابطال، جدید میات نے کیا، لیکن شاید اس کو خبر نہیں کہ اسلام ایک مدت سے منادی کر رہا ہے کہ کواکب کا حادثات عالم پر کوئی اثر نہیں ہے،

(۵) حکماء یونان تمام عالم کو ایک کرہ کی شکل میں مانتے تھے جو تیرہ کروڑوں سے لکھتا ہے، ڈوگمہ فہمان کے اور چار عناصر برعکس کے، وسط عالم میں زمین ہے، اس کے اوپر پانی ہے اور پانی کے چاروں طرف ہوا کا کرہ ہے، کرہ ہوا کو کرہ نار محیط ہے اور کرہ نار کے اوپر تیرہ تو آسمان ہیں، حکماء اسلام نے اس کو نہیں تسلیم کیا کہ کرہ نار ایک مستقل کرہ اور خاص عنصر ہے، ابو یحییٰ بیرونی، شیخ الاشراق، ابو اسحاق کندی، نے اس کے ابطال پر دلیل قائم کی ہے، یونانیوں کا استدلال یہ تھا کہ ہر چیز فطرۃً اپنے کرہ و چیز میں رہنا چاہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ڈھیلا جب اوپر پھسکے تو نیچے ہی آئے گا، کیونکہ ڈھیلا طبعی طور سے یہی چاہتا ہے کہ کرہ ارض میں رہے، اسی طرح آگ کی شعل جب دیکھو گے تو اوپر بڑھتا ہے ہوگی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آگ کا کرہ اوپر ہے، لیکن بات ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اوپر کرہ ہوا ہوا کیلئے کرہ نار ہوا ہے اور آسمان سے نیچے ہے،

(۱) شیخ الاشراق یہ جواب دیتے ہیں کہ ڈھیلا اور شعل کے اوپر نیچے ہونے کی یہ وجہ نہیں ہے جو دیر ہے کہ ثقیل چیز ہمیشہ نیچے رہے گی اور ہلکی ہلکی شے ہمیشہ اوپر رہے گی، اسی لیے ڈھیلا نیچے جاتا ہے اور شعل اوپر اٹھتا ہے، نیز کہ کرہ نار اوپر ہے، یہ جواب بالکل غلطہ سال کے موافق ہے، شیخ الاشراق نے ایک اور جواب دیا ہے کہ

لہ تناف الفلاسہ امام غزالی ص ۲۲۲

لہ فرج چمنی مونسہ

ہیں، مکانان کی ترکیب میں آگ بھی داخل ہوا یہ آگ، خالص آگ ہے، اور وہ یہ بھی کہے ہیں کہ خالص آگ
صرف کوہ نار میں پائی جاتی ہے، پھر حرکت ہو کہ یہ خالص آگ کوہ نار سے انسانوں کی زمین میں کس مرکب پر سوار ہو کر
آگنی، اور جگاہاں پر بھی نہیں ہوا، جو تصادم کی وجہ سے روشن ہو جاتی ہے،

(۲) حکماء یونان ہوا کے اوپر کوہ نار ہونیکل ایک اور دلیل دیتے تھے کہ آسمان کے نیچے کبھی کبھی
دھار تارے اور لہنے لہنے روشنی کے گتے نظر آتے ہیں اور یہ سب چیزیں آگ سے پیدا ہوتی ہیں پس اگر کوہ نار
اور زمین پر تو یہ چیزیں اوپر کیوں کر پیدا ہوتی ہیں؟ نیز اگر تصادم اور رگڑ کی وجہ سے ہوا روشن ہو جاتی تو ظاہر
کہ قطبین کے پاس آگ نہ ہوتی کیونکہ وہاں حرکت ہی نہیں ہوتی جو تصادم ہو تو چاہے تھا کہ وہاں دھار تارے
اور روشنی کے گتے نظر آتے حالانکہ قطبین کے پاس بھی یہ ظاہر ہوتے ہیں،

علامہ قوشچی نے یہ جواب دیا کہ یہ اعتراضات تو جب تسلیم ہو سکتے ہیں جب یہ مان لیا جائے
کہ دھار تارے اور یہ گتے آگ سے پیدا ہوتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ مستقل وجود رکھتے ہوں اور قطبین کے پاس
ہو کا ظاہر ہونا بھی ان کے مستقل وجود کی دلیل ہو میں نے خود ان کو بار بار ادھر ادھر حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے
یہ بالکل صحیح ہے جب یہ حیات کی تحقیق میں یہ مستقل تارے ہیں جو ایک خاص قانون کے موافق
اس وسیع فضا میں سیر کرتے ہیں، ان ستاروں کی حرکت اور نظر آنے کی اسٹراٹومی (حیات) نے
حمید بھی کر دی ہے، کہ وہ کب نظر آئیں گے اور کب نہ نظر آئیں گے،

(۳) مشائیک تقلید سے حکماء اسلام بھی اسکے قائل تھے کہ زمین ساکن ہے امام غزالی
نے اس پر عجیب عجیب دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو شرح مواقف میں منقول ہیں، مسلمانوں میں سے کسی نے
سکون ارض کی تردید تو نہیں کی، مگر علامہ عالمی سکون ارض کے ٹھیس ٹھیس دلائل دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور
ہو گئے، کہ "انصاف یہ ہے کہ حرکت ارض کے ابطال پر کوئی دلیل قائم ہو سکی ہے"

(۶) سبع سیارات کی ترتیب میں حکماء یونان تحت مختلف تھے، خدا کی سب سے بڑی عطار و اولاد

زہرہ و آفتاب سے اوپر ہیں، مسلمانوں میں کو یہ الدین راصد را خدا و ملائکہ اللہ بن اسپر تنق ہیں کہ آفتاب زہرہ اور عطار د کے بیچ میں ہے، بطلمیوس تخمینہ طور سے اسکا قائل تھا کہ زہرہ اور عطار و آفتاب کے بیچ ہیں، مگر سپر کوئی دلیل قائم کر سکا، سب سے پہلے مسلمانوں نے اپنے مشاہدات سے اسکو ثابت کیا ابو عمران نے بغداد میں، محمد بن عبد اللہ کریم نے فرسین میں زہرہ کو ایک تل کی طرح آفتاب کے بیچے و درمیان دیکھا، اور ان دونوں مشاہدہ میں میں برس کا فاصلہ تھا، ابن سینا نے بھی زہرہ کا اسی طرح مطالعہ کیا ابن ماجہ اندلسی نے طلوع آفتاب کے وقت زہرہ اور عطار و دونوں کا آفتاب کے بیچے اسی طرح مشاہدہ کیا، جیسے رخ آفتاب پر دول ہوں، اس سے ثابت ہوا کہ زہرہ اور عطار و آفتاب کے بیچے ہیں، بعض لوگوں نے جن میں عاملی مصنف تصریح بھی شامل ہیں ان محققین کی خوب ہی پسندی اور ان کی کسی نے جھوٹا کہا، کسی نے عقلی امکانات کے اعتراضات سے اس جد یا کشف پر پردہ ڈالنا چاہا یہ تحقیق تا مگر تحقیقات حال کے مطابق ہے، آفتاب سے سب سے قریب ستارہ عطار و ہے پھر زہرہ، یہ دونوں ستارے صرف طلوع اور غروب آفتاب کے وقت تل کی طرح نمودار ہوتے ہیں،

(۷) ہیات قدیمہ کے عام حکماء اس بات کے قائل تھے کہ چاند کے سوا اور کل سیارات اتنی روشنی رکھتے ہیں اس خیال کی ایک ٹیسی وجہ یہ تھی کہ چونکہ اُن کے پاس قوی آلات رصد نہ تھے اس لیے کچھ انھیں نظر نہ آیا عقلی طور سے یہ دلیل قائم کر لی کہ اگر اور سیارات بھی اپنی روشنی آفتاب سے حاصل کرتے تو چاند کی طرح وہ بھی کبھی کبھی آفتاب اور زمین کے درمیان حائل ہو کر گمن پیدا کرتے، حالانکہ اُن سے آفتاب کو کبھی گمن نہیں لگا، دوسرے ماہتاب کی طرح زہرہ اور عطار و بھی بدامق ہوتے، حالانکہ کبھی نہیں ہوتے مسلمانوں نے جب قوی آلات رصد ایجاد کیے تو انھیں صاف نظر آیا کہ زہرہ اور عطار و جو کہ

سبح سيارہ کی مجلس کے دو جلیل القدر رکن ہيں۔ وہ آفتاب کو گمن لگاتے ہيں گردہ زمين سے ہر گز نہ
بہت دور ہيں اسلئے انکا کچھ اثر زمين پر نہيں پڑتا۔ ہر اس کے کہ چہرہ خورشيد پر ودل بکر نظر آئيں اس سے
نابت ہوا کہ وہ ذاتی روشنی نہيں رکھتے کیونکہ اگر وہ مستقل روشنی رکھتے تو ہيں وہ سیاہ نظر نہيں آتے، حالانکہ
انکا جو حصہ آفتاب کی طرف نہيں ہوتا بلکہ زمين کی طرف ہوتا ہے وہ سیاہ نظر آتا ہے، جیسا کہ، ابن سینا، ابوعلی
محمد بن عبد الکريم، ابن ماجہ کا مشاہدہ ثابت کر رہا ہے،

ہیات جدیدہ بھی زہرہ اور عطارد ميں کیا بلکہ ان تمام ستاروں ميں جو آفتاب کے گرد حرکت کرتے ہيں
ذاتی روشنی نہيں تسليم کرتی، دور بينوں کی ایجاد نے اُس مسئلہ کو بھی ثابت کیا جسکو قدما اعتراضا پیش کرتے
تھے، زہرہ اور عطارد فی الحقیقت ہلال، بدر، محاق کے تمام منازل طو کرتے ہيں، مگر ہيں کیوں نظر نہيں آتے
اسلئے کہ زمين سے بہت دور ہيں اور چھوٹے ہيں نیز بہت تیز حرکت کرتے ہيں مثلاً عطارد زمين سے اٹھارہ
مرتبہ چھوٹا ہے، تمام ستاروں ميں سے آفتاب سے سب زیادہ قریب ہے، اسکی حرکت اتنی تیز ہے کہ زمين کے
تین مہینے ميں یہ آفتاب کے گرد ایک طوائف پورا کر لیتا ہے، اور زمين بارہ مہینے ميں اسکو پورا کرتی ہے، اور
سب بڑی وجہ زہرہ کے نظر نہ آئی کی یہ ہے کہ یہ آفتاب کے ساتھ ہی ساتھ طلوع ہوتا ہے اور پھر اُسکے ساتھ غروب جاتا ہے،
(۸) بطليموس نے شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۵۵ منٹ ۱۲ سکنڈ کا قرار دیا تھا، ہیات جدیدہ
کی مختلف تحقیقات ميں ہيں، مگر ذیل کے نقشے ميں دکھو کہ مسلمانوں نے بطليموس سے کس قدر صحیح مدت
متعين کی اور جدید تحقیق سے اُسکو کس قدر قریب ہے،

حکا	دن	گھنٹہ	منٹ	سکنڈ
قدیم مصری	۳۶۵			
اکتیمون	۳۶۵	۶	۱۸	۵۷

۱۱۶۱ھ رسالہ ہیات جدیدہ صفحہ ۱۱۶۱ھ منصفہ کامل نظریات،

کتاب	دن	گھنٹہ	منٹ	سکنڈ
پہلے	۳۶۵	۶	۰	۰
دوسرے	۳۶۵	۵	۵۵	۱۲
چند داستان	۳۶۵	۵	۵۰	۳۰
محمد بن جابر ثانی	۳۶۵	۵	۴۶	۲۴
عبد الحکیم محی الدین بٹری	۳۶۵	۵	۴۸	۰
ارشد نصیر الدین بلوچی	۳۶۵	۵	۴۹	
گورکھ پریکاش ۳۳۵	۳۶۵	۵	۴۹	۶
پہلے	۳۶۵	۵	۴۸	۵۷۶
لاکھنؤ	۳۶۵	۵	۴۸	۴۹
آبجیل جہان آباد	۳۶۵	۵	۴۸	۴۹۰۷

علی گڑھ میں اور حال کی تحقیقات میں چھ سات منٹ کا اختلاف ہوا اور یہ بات جدیدہ اور مسلمانوں کی تحقیقات میں صرف چند سکند کا ادھر ادھر ہو،

(۹) حکماء عالم اور نیز مسلمان بھی تیسری صدی ہجری تک یہ سمجھتے تھے کہ چاند کی حرکت برابر اور یکساں ہے۔ اب ابوالوفا و زجانی دنیا میں پہلا شخص ہو جس نے چاند میں مدارۃ السرعتہ دریافت کی و مدارۃ السرعتہ بتا دیا کہ کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہو،

۱۰۔ جہد ہی صفحہ ۱۸

۱۱۔ اسلامی تحقیقات کے سوا باقی نقشہ اصول علم البیاض مولفہ کریلیس داؤد ایک صفحہ ۱۸ سے منقول ہے،

۱۲۔ اصول علم البیاض صفحہ ۱۸

چاند کی حرکت اپنے دورہ میں ایک طرح کی نہیں رہتی بلکہ کبھی تیز ہوتی ہے اور کبھی سست اس حرکت کا نام اضطرابات قمریہ ہے جسکی وجہ سرائیک نیوٹن نے جاذبیت شمس بتائی ہے، انھیں اضطرابات کبیرہ سے چاند کی ٹھیک جگہ نہیں متعین کی جاسکتی تھی اور نہ صحیح اصول پر یہ بتایا جاسکتا تھا کہ اس وقت چاند کمان کی جانب سے کب تک چاند کی تیز اور سست چال کو غما کر ایک معتدل اور متوسط نکال لیجائے، اس معتدل اور متوسط چال کا نام سعادہ ہے معادلہ کی چند ترین میں جنہیں سے ایک معادلہ سرعتہ ہے جسکے دریافت کرنے کا فخر مسلمانوں کو حاصل ہے،

ابوالوفا شمسہ ہجری میں بوزجان (خراسان) میں پیدا ہوا اور شمسہ ہجری میں وفات پائی، تفسیر شمسہ ہجری میں بغداد آیا صرف چھیا لیس برس کی عمر پائی اس قلیل دنیاوی مدت میں نہ صرف اپنے علم و ادب پر ہی کا اکتفا کیا بلکہ علم ہند سے میں اسنے اپنے نادر تالیفات اخذ کیے جنکی متعدد میں کو خبر بھی نہ تھی علم شمسہ ہجری کے مضامین کے مشابہ اور زائید کے اپنے کے لیے جسکی ریاضی کو سخت ضرورت تھی سب سے پہلے اسی علم و ادب کو مطالعہ کا استعمال کیا، انھیں کارناموں کی بنا پر مؤرخین ابوالوفا کے متعلق لکھتے ہیں،

عظم العلماء العیالۃ فی زمنہ و العلوم عند العرب
عربون میں علوم کی ترقی کے عہد میں سب سے بڑا ہیأت ان،

(۱۰) امریکا کو بے شبہ کولمبس نے دریافت کیا، مگر مسلمان اس سے بے خبر تھے، سیکڑوں برس پہلے مسلمان ہند میں کسی نئے ملک کی تلاش میں ادھر ادھر جازرائی کر رہے تھے، لوگ ان جدید ملک کے شیدائیوں کو مغرب دین (دھوکھا کھائے ہوئے) کہتے تھے، یہ مغرب دین کی جاعت تھک کر پرتگال میں اسٹریٹری اس ظاہر کا میابی کے بعد بھی مسلمان اس خیال سے باز نہ آئے، کہ دنیا کے کسی گوشے میں کوئی نیا ملک ضرور چھپا ہو چنانچہ ہیأت میں جان انھوں نے ربع مسکون اور اقالیم سب سے سفر کر کیا یہ مشق تجارت اور بڑھادی۔

وسائل الارباع خراب ظاہر و محمل
ان یکون بیننا و بینہم
ربع مسکون کے سوا زمین کے باقی حصے ظاہر اور ان و غیر ان
علوم ہوتے ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی آبادی ہو جائے یا نہ ہو

لے اکتفاء القنیع صفحہ ۲۳

در بیان میں تفریق پیدا کر دینے والے دریا، بحر، پناؤں، دور دور والے	مجموعہ جہاں مقامات و براریں جسدہ
بیان حال ہوں،	(مجموعہ جہاں مقامات و براریں جسدہ)

(۱۱) زمین کا نقطۃ الراس اور نقطۃ الذنب کسی خاص نقطہ پر ہمیشہ نہیں رہتا، بلکہ منتقل ہوتا رہتا ہے، اس مسئلہ کو دنیا میں سب سے پہلے اسلامی رصد گاہوں نے دریافت کیا، رقد اور الظاکیہ کی رصد گاہوں کا جو بانی محمد بن جابر بیتانی افسر تھا اسی نے سب سے پہلے معلوم کیا کہ زمین کا نقطۃ الراس اور نقطۃ الذنب ہمیشہ نہیں رہتا ہے، اس کا زمانہ صرف اتنا ہی نہیں ہوا جسے صیقلی اور شتوی قیمتہ مبادرۃ الاعتدالین کے اصلاح کی، اور خط استوا پر دائرۃ البروج کی قیمت میلان کی تصحیح کی، مثلث اور زاویہ کے ناپنے میں سب سے پہلے اسی نے جوہر اور ادراس استعمال کیے بطليموس سے زیادہ صحیح اس نے ایک نیچ لکھی، اسکی زندگی کے تمام کشفات پر علمی مملو ایک کتاب میں جمع ہیں خود مصنف کے ہاتھ کا نسخہ اب تک کتب خانہ رومین موجود ہے، اسکا لاطینی ترجمہ شائع ہو چکا ہے مگر خاص عربی دنیا اس فیض سے ابھی محروم ہے،

محمد بن جابر بن ۲۲۰ ہجری میں پیدا اور ۳۱۰ ہجری میں اسنے وفات پائی ۲۲۰ ہجری تک مسلمہ ہجری تک اسنے رقد اور الظاکیہ میں ترصد کی، محمد بن جابر کے متعلق یورپ کا کیا خیال ہے؟ اسکو ذیل کی عبارت میں دیکھو، مشہور امریکن سنسٹرک اور ڈکٹنری،

بطليموس کے بعد تمام علماء ہیئت پر اسے نویت حاصل کی فرانس کا مشہور	کتاب من سبقت من علماء الہیاء بعد بطليموس
ریاضی ان لالینڈ اسکے بامہین کتاب ہے کہ محمد بن جابر ان میں سے ہے	من سبقت من علماء الہیاء بعد بطليموس
جنہوں نے علم ہیئت میں شہرت پائی ہے، پرفیسر ہالی کتاب ہے محمد بن جابر بتانی اپنے زمانے کا علامہ اور تعجب انگیز محقق اور رصد گاہاں تھا،	من سبقت من علماء الہیاء بعد بطليموس

کسی مانکا جو نقطہ آفتاب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ اس مار کا نقطۃ الراس کہلاتا ہے، اور جو نقطہ سب سے

۱۱ اصول علم الہیات صفحہ ۱۱۱

۱۲ کتاب الفتنہ صفحہ ۲۲۳

قاضی ابن خلکان کو محمد بن جابر ثانی کے اسلام میں شیعہ ہرگز نام پکار پکار کر رہا ہو کہ میں مسلمان ہوں، ممکن ہو کہ یہ مسلمان ہو کر یہ مسلمانوں ہی کے میخانہ کد کا سرشار ہو اور اُس کے مطلوبہ مسلمان ہی رسد گاہ ہوں میں نشو و نما پائی ہو، ایسے اسکی تحقیقات اسلامی ہی علوم و فنون میں جگہ پائیں گے،

(۱۲) حکما اس بات کے قائل تھے کہ کم سے کم نو آسمان ہونا چاہیے، اُس کے پاس اُنکے اس دعویٰ کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، صرف اُنکا خیال اس امر پر مبنی ہو کہ انھوں نے اجرام سماویہ میں آٹھ مختلف قسم کی کائنات پائیں، سات سیارے کی اور ایک ثابت کی، ایسے ہر ایک کے لیے ایک آسمان تسلیم کیا، اور ایک فوان آسمان جسے بڑا مانا جسکی حرکت روز و شب کا انقلاب پیدا کیا، نو آسمان کی تحدید اقل درجہ پر موقوف رہی و فیصلہ دہی نے تصدیق کی کہ آسمان کی جانب کثرت غیر محدود ہو،

مسلمانوں میں قطب الدین شیرازی نے تحفہ میں اور امام رازی نے تفسیر کبیرہ میں ثابت کیا کہ فقط سات آسمان کافی ہیں، محمد بن علی حمادی نے اسپر زور دیا کہ دو آسمان سے زیادہ کی اجرام سماویہ کو ضرورت نہیں ہے، محقق دوانی نے ایک ہی آسمان پر کفایت کی اور یورپ نے اُس ایک آسمان کو بھی مٹا دیا، (۱۳) قدامت آفتاب مانتا اب کو بے داغ روشن کرے تسلیم کرتے تھے، جنہیں ایک تل کی سیابی نہیں، سب سے پہلے ابو نید ابن رشد نے کہا کہ آفتاب مانتا اب کے چہرے پر سیاہ سیاہ داغ ہیں، چاند میں تو لوگوں نے مان لیا، مگر آفتاب میں تسلیم نہیں کیا اور اُسکو محض وہم سمجھے اور اپنی تصنیفات میں اس طرح اسکا ذکر کیا،

فقط بعض الناس ان الشمس نقطۃ ضوء و قد یقلد قولہ ابو جعفر ثمانی کہ آفتاب میں مرکز سے کچھ داغ ہیں جسے کچھ بزرگ

۱۵ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۸۰

۱۶ شرح تشریح الافلاک مولانا عصمت صفحہ ۲۵

۱۷ شرح جنینی صفحہ ۲۲

چاندین لوگوں نے داغ تومان لیا مگر بڑی مشکل بیان پڑی کہ یہ داغ کیسے بن اور کیوں کر پیدا ہوئے؟
اسکی پوری تفصیل علامہ علی برجندی نے شرح لخص کے حاشیہ پر کی ہے (صفحہ ۱۴۲) جدید میاں غلام بن شہر
کی تائید کی، لیکن داغون کے پیدا ہونے کے وجوہ بتائے، انکی پوری حالت لکھی انکی تصویر کھینچی،

(۱۴۲) بعد حرکت، مقدار حرکت، تدویر میں عموماً قدامت غلطی کی اور حکماء اسلام نے انکی تصحیح کی

مثلاً ذیل کا نقشہ دیکھو،

نام	بُعد	درجہ	دقیقہ	ثانیہ	ثالثہ
بطلموس	مرکز عالم اور مرکز آفتاب کے درمیان	۲	۲۹	۳۰	۰
رصد ماسونی	"	۲	۵	۰	۰
رصد الجانی	"	۲	۶	۵	۹
رصد سرفند	"	۲	۱	۲۰	۰

(۱۵) مسلمانوں نے علم القبلہ والیقاعات ایک نیا علم حیات سے مستنبط کیا، جس میں سمت قبلہ اور اوقات نماز

کی مہندسی قاعدہ سے تعین کی، یہ مختصر علم حیات کی ہر عربی کتاب کا آخری حصہ ہوتا ہے، مستقل سائے بھی پر لکھے گئے
ہیں، جن میں سے بعض چھپ بھی گئے ہیں،

جدید مہیات نے چاندین جو پہاڑ دریافت کیے ہیں، باہمی انباز کے لیے انکا خاص خاص نام رکھا ہے

ان میں سے چند پہاڑوں کے یہ نام ہیں نصیر الدین، ابوالفضل حموی ابن عذرا، بتانی، ثابت،
ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہ نام ایسے رکھے گئے ہیں کہ ان لوگوں نے ان پہاڑوں کو دریافت کیا تھا یا ان ناموں کی یادگار
تھام کر کے مسلمانوں کے علمی احاسات کا یورپ علی شکر یہ ادا کرتا ہے،

۱۳۰ و ۱۳۸

سید سلیمان

مسلمانوں کی بے تعصبی یہود اور دولت عثمانیہ

مسلمانوں کی بے تعصبی کے متعلق بہت سے تاریخی واقعات اُس طرز حکومت کے پیش
کیے جا چکے ہیں جو مدت ہوئی سٹجکی ہو کر اس وقت ہم ایک موجودہ مہم سلطنت کی
بے تعصبی دکھانا چاہتے ہیں۔ دولت عثمانیہ کا اپنی یہودی رعایا کے ساتھ کیا برتاؤ
راہ اس مضمون کا موضوع ہے۔

موجودہ زمانے میں دولت عثمانیہ ایشیائے کوچک، شام، عراق، طرابلس الغرب اور چند جزیرہ تک
مکرب ہو، دولت عثمانیہ کے پہلے طرابلس کے سوا یہ تمام ملک روم کے ہاتھ میں تھے، اس وقت اس سلطنت قسطنطنیہ
تھا، سلطنت کا مذہب عیسائیت تھا، اور زبان یونانی تھی،

نہ عیسوی کی ابتدا میں ان ملکوں میں سلاویک، آرمینا، کورٹ، قبرص، دمشق، انطاکیہ، قونیہ وغیرہ
میں یہودیوں کے بہت سے فرقے آباد تھے، یہ مقامات گلاب ویران میں یا چھوٹے دیہات میں گلاس سے
پہلے وہ بڑے بڑے آباد شہر تھے، یہودیوں کی اصل زبان تو عبرانی ہو کر بیان جو یہودی آباد ہو گئے تھے
انکی دوسری زبان یونانی تھی، یونانی زبان کا ان میں اتنا رواج ہو گیا تھا کہ وہ مذہبی عبادات
بھی اسی زبان میں ادا کرتے تھے علوم اسی زبان میں سیکھتے تھے، لیکن عبرانی کی تعلیم بھی جاری تھی،
یہودیوں کے قسطنطنیہ میں مدارس تھے جہاں علمائے یہود، تورات، تلمود، حساب، ہندسہ، جبر، سیاح
موسیقی کی تعلیم دیتے تھے،

برحمی بنیامین، ملبیلہ ڈائیڈو کا ایک مشہور قدیم سیاح ہوا اُس نے لائنہ میں مشرق کا سفر
کیا تھا، اُس نے اس ملک کے متعلق بیان کیا کہ یہاں ۵۰۰۰۰ یہود آباد ہیں جن میں سے ۲۰۰۰ صرف

سلطنت میں بستے ہیں

ترکوں کی سلطنت جب تیرھویں صدی عیسوی میں وسیع ہونے لگی، تو جہاں یہ پہنچے، یودیون کو انھوں نے زیرِ حاکمیت لے لیا، ترکی سلطنت کی ابتدا میں ترکوں کا پایہ تخت بروستہ تھا، وہاں بہت سے یودیون گھرانے کے زیرِ سایہ رہتے تھے، ہر ایک سے سلطنت سالانہ جزیہ (ٹیکس) لینی تھی، خاٹام باشی وہاں ایک عہدہ تھا جب کا فرض یہ تھا کہ وہ ان جزیوں کو جمع کر کے بیت المال میں داخل کرنے، اس تھوڑی سی مقدار پر جزیہ کے عوض میں انکو ہر قسم کی راحت اور آزادی حاصل تھی، تجارت، زراعت، زمینداری اور ہر قسم کے پیشوں کی مانگوں عام اجازت تھی، ملک کے ہر حصہ میں بغیر کسی ممانعت کے وہ سفر کر سکتے تھے،

۱۲۰۳ء میں دولت عثمانیہ نے آدرنہ اور قسطنطنیہ قبضہ کر لیا، ان دونوں شہروں میں کثرتِ یودی بھرے ہوئے تھے، سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ نے قسطنطنیہ کے بطریق کو ہمارے کر کے اسی کو تمام یودیون کا نمائندہ مقرر کر دیا، اور خاٹام باشی کا اسکا خطاب دیا، بطریق روم کی طرح اسکو بھی مجلس وزراء میں آنے کی عام اجازت عطا کی، اور یہاں تک اسکی رعایت ملحوظ رکھی کہ اگر وہ مجلسوں میں اسکی کرسی تخت کے داہنی جانب ہوتی تھی،

پندرہ صدی عیسوی میں اسپینوں نے یودی کو جب اسپین سے جلا وطن کر دیا تو اسکا ایک بڑا حصہ ملک عثمانیہ ہی میں آکر آباد ہوا، یودیون میں اب تک یہ جلا وطنی، ہجرت گبری کے نام سے مشہور ہے جو یہ گروہ قسطنطنیہ، سلاویک، اور یفان کے جزیرہ نما میں آکر آباد ہوا، کچھ لوگ ایشیائے کوچک کے غلام اور فلسطین، مصر وغیرہ میں آکر رہے، ہمسرا اور فلسطین اس وقت تک ترکی دائرہ حکومت میں شامل تھا، اس وقت سلطان حکومت بائیزم کے ہاتھ میں تھی، جو سلطان محمد فاتح کا بیٹا تھا، سلطان بائیزم بڑا دہشت گرد و جبروت کا بادشاہ تھا، لہذا بائیزم سے بلا عثمانیہ میں یودیون کی ہجرت دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا اسکی خوشی اس قدر تھی کہ اس سے انمازہ ہو گا کہ ایک دن اُس نے اپنے خاص وزراء سے کہا کہ وہ رقم کما کرتے تھے کہ اسپین کا بادشاہ فوئید بڑا عاقل ہو گیا یہ عاقل بادشاہ وہی ہے جو اپنا ملک تباہ کر کے میرا ملک آباد کر رہا ہے، ان عاجزین کی کثرت اتنی جلدی کہ خود بیان کے خاص یودی بھی ان لوگوں سے متاثر ہو گئے، اسی لیے

آج ممالک عثمانیہ میں کئی لیا یہودی ہوگا جسکی زبان پراکٹ و اسپنی زبان کا لفظ نہ ہو،

عثمانی حکومت کے زیر سایہ یہودی اسی عیش و آرام سے رہے، جیسے وہ اندلس کی عربی سلطنت میں رہے تھے، یہودیوں کی بدولت ممالک عثمانیہ میں صنعت و حرفت کو بڑی ترقی ہوئی، قوپ، بارود کی صنعت یہی لوگ بلاد عثمانیہ میں لائے، جہاں یہ آباد ہوئے تجارت کو خوب وسعت دی، سلطنت کو بڑا بڑا اعتماد تھا، ترجائی جیسا سخت ذمہ داری کا عمدہ انھیں لوگوں کے لیے مخصوص تھا، کیونکہ یہ لوگ عموماً چند زبانوں میں ماہر ہوتے تھے، ان مہاجرین یہود میں ایسے افراد بھی کثرت سے تھے جنھوں نے اندلس میں طب حاصل کی تھی جب ممالک عثمانیہ میں انھوں نے سکونت اختیار کی تو یہاں انھوں نے طبابت شروع کر دی، جس سے انکو بڑا فوہ حاصل ہوا،

سلاطین عثمانیہ نے ان لوگوں پر جو شہانہ عنایتیں کیں انکا ایک نمونہ یہ کہ سلطان مراد خان دوم کا خاص طبیب اسحاق نام ایک یہودی تھا، سلطان اسکی بڑی عزت کرتا تھا بادشاہ کے خطاب سے بھی سرفراز تھا، سلطان محمد فاتح کا بھی خاص طبیب موسیٰ ہامون اندلسی یہودی تھا، اسکی اولاد اب تک ممالک عثمانیہ میں باقی ہے، اسوقت تک انکا یہ احترام ہو کہ وہ جزیہ سے سبک دہن ہیں، سترھویں صدی عیسوی یہود کے لیے ایک متنازعہ صدی ہے، جس میں بہت سے یہودیوں نے ملک میں بڑے بڑے درجے حاصل کیے، حکماء مال کے معتمد مقرر ہوئے،

سلطنت عثمانیہ کے یہودی رعایا کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوگا کہ سلطان ایک یہودیوں کے ساتھ کتنا عنایت آمیز و ناز و ہوا ہے، سترھویں صدی ہجری میں یہودیوں میں ایک مسیحی حیت کے پردہ میں مدعی سلطنت پیدا ہوا، یہ ایک بہت ہی معمولی سا آدمی تھا، اسکا باپ کسی انگریز کی بیٹی میں دلال تھا، چھ سال پہلے مقتدایان یہود نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ آغاز عالم سے ۱۶۶۶ء سال ۱۱۰۰ھ میں مسیح موعود، ظاہر ہوگا، اس جیلہ سے لے کر اوعائے مسیحیت کیا اور اپنے کو مسیح موعود ظاہر کیا

گھبراہٹ و ہرج و مرج و قحط و فتنہ زبانی زیادہ پسند کرتا تھا روزہ بہت رکھتا تھا، ہمیشہ دیر
 سے غسل کیا کرتا تھا۔

ایک مدت تک یہ اسی طرح عزلت نشین رہا پھر اسے ایک دن آرمیر کے کنیہ بن اپنی سمیت
 اٹھان کیا، لوگ دشمن ہو گئے، یہاں سے سلاطین چلا گیا اور وہاں اسنے لوگوں کو اپنے جدید مذہب
 اور عوامی، ہر ایک عوام اسکے حلقہ میں داخل ہو گئے، سلاطین سے یہ قہر ہو گیا، اور وہاں اسنے
 ایک یہودی عورت سے جسکا نام سارہ تھا، بیاہ کر لیا، قاہرہ سے کامیابی کے ساتھ بیت المقدس آیا، اور
 یہاں ایک نامنے تک اقامت کی، بیت المقدس سے پھر آرمیر چلا آیا، یہود اس سے بڑی تعظیم
 کے ساتھ پیش آئے اور اب عام لوگ اسکو مسیح ماننے لگے، جب کبھی یہ گھر سے باہر نکلتا لوگ دوڑ دوڑ کر
 اسکے آگے حلقہ باندھ لیتے اور توراہ کی آیتیں تلاوت کرنے لگتے۔

سلطنت نے پہلے اسکو ایک خفیف معاملہ سمجھا کہ اس سے کچھ تعرض نہیں کیا مگر آرمیر کے
 گورنر نے جب یہ دیکھا کہ روز بروز اسکا اقتدار بڑھتا جاتا ہے جو سیاسی پہلو کا بالکل غیر مناسب ہے
 اسنے مسیح موعود کو گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھیجا قسطنطنیہ میں مدتوں قید ہوا لیکن کسی وجہ سے قسطنطنیہ سے نکلا
 نہ دیا بلکہ کسی قلعہ میں قید کر دیا گیا، مسیح کی اس بیچارگی پر بھی معتقدین ہمیشہ قید خانہ
 میں اسکی دیارت کو آتے تھے، اس قلعہ سے صلوات اوردے کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا، اتفاق سے اسوقت
 سلطان محمد چارم بین بنیم تھا، سلطان نے مناسب سمجھا کہ اسکی سمیت کا استعان کیا جائے،

سلطان نے حکم دیا کہ مسیح موعود کو میرے سامنے سون میں باندھ دو اور اسکو تیر مارو، اور مسیح
 موعود سے سلطان نے کہا کہ اگر تم واقعہ میں مسیح موعود ہو تو اس سے پہلے کہ ایک عالم کے لیے عشاء
 نہ اپنے آپ کو اس جذاب سے بچالو، جب اسنے رہائی کی کوئی تدبیر نہیں دیکھی اور ہر طرف سے
 مارا جوسی ہو گئی تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور اپنا نام محمد آفندی رکھا سلطان نے اسکے لیے

ایک خلیفہ مقرر کر دیا، سارے بھی مسلمان ہو گئی، اس کا نام قاطر رکھا گیا،

محمد آفندی چونکہ صرف اپنی جان کی حفاظت کے لیے مسلمان ہوا تھا، اول سے مسلمان نہیں ہوا تھا، اس لیے کبھی یہ مسجد میں آتا تھا اور کبھی کنیسہ میں ایک قدم مسجد میں تھا تو دوسرا کنیسہ میں، یہ مسلمانوں کو اس کی طرز و روش پسند نہ آئی، انھوں نے کچھ کرنا چاہا مگر سلطان نے اسی پر کفایت کی کہ اس کو اناؤ کو دیکھ جلا وطن کر دیا، بقید زندگی اُسے سین گزاری اور میں مرا اسکے مرنے کے بعد اسکے کل معتقدین بھی مسلمان ہو گئے، اور سب سے سلائیٹک میں توطن اختیار کر لیا، مان لوگوں کی اولاد اب تک باقی ہے اور قریباً دس ہزار ہا، اس وقت تعداد ہے مگر اپنے مسیح موعود کی طرح نہ یہ مسلمان ہیں اور نہ یہ یہودی ہیں، بل بلذ بین ذلک لا الی ہٹوا ولا الی ہٹوا، ترک ان کو مسلمان نہیں سمجھتے ان کو وہ متدین کہتے ہیں خود یہ متدین بھی اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں نہ یہودی نہ مسجد کی طرف ان کا قدم بڑھتا ہے اور نہ کنیسہ طرف مگر اہم کو یہ مسلمان ضرور ہیں اپنا نام مسلمانوں ہی کے طریقہ کا محمد، علی، وغیرہ کہتے ہیں،

لیکن جو لوگ خاص یہودی ہیں وہ ممالک عثمانیہ میں اب تک یعنی اُنیسویں صدی تک بہت آرام اور آزادی سے رہتے ہیں اور اب تو اس ملک کا نظام قانون ہی بدل گیا، سلطانی فرامین اکثر صادر ہوتے رہتے ہیں کہ مغربی تمدن اختیار کیا جائے اور تمام رعایا میں بلا تفریق ملک و ملت مساوات ملحوظ رکھی جائے اس حکم کے رو سے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو اور قوموں کے ہیں، مگر ہر قسم کے عہدوں پر یہود ممتاز ہیں بعض بعض یہودیوں نے نئے نئے عہدے حاصل کر لیے ہیں ممالک عثمانیہ میں یہودیوں کی تعداد ۲۰۰۰۰ ہے،

۳۰۰۰۰ ————— از میرین	۷۵۰۰۰ ————— سلائیٹک میں
۳۰۰۰۰ ————— صنعائین	۶۵۰۰۰ ————— قسطنطنیہ میں
۱۷۰۰۰ ————— ادرنہ میں	۲۰۰۰۰ ————— بیت المقدس میں

مختلف ممالک میں ۱۸۵۰۰۰

۳۰۰۰۰

تمام دنیا کے یہودیوں نے ملکر جو انجمن بنام الاخواند الاصولی العام قائم کی ہو اسکی وجہ سے ممالک
مختلفہ کے یہودی علوم و فنون میں طرز معاشرت میں بہت کچھ ترقی کر رہے ہیں اس انجمن نے ایک سو تیس
سے باجا کھولے ہیں مگر فریاد ۶۵ (نصف) مدرسے اس میں سے ممالک عثمانیہ میں واقع ہیں جن میں
سرورہ دار طلباء تعلیم پاتے ہیں،

سید سلیمان

دارالعلوم
ندوة العلماء لکھنؤ

عرب کے یورپ میں سیاح

”سرزمین عرب اسلام کا وطن ہے اور مسلمانوں کا اصلی گھر ہو مگر افسوس ہے کہ آج ہم اپنے وطن سے
اتنے ناموس ہو گئے ہیں کہ ہم اسکا نقشہ بھی بتانا چاہیں تو اپنے حافظہ سے نہیں بتا سکتے، ہر سال
لاکھوں مسلمان عرب کی زیارت کو جاتے ہیں، مگر کسی کو اتنا خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ عرب کی جغرافیائی
حالت پر نظر ڈالے۔“

دنیا میں ایک قوم ہے جسکو عرب میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے، عرب اور اُس قوم کے یہاں
حادث، طرز معاشرت، خصائل میں متناہی بعد ہے جتنا مشرق کو مغرب سے عرب کا پھر پورے اُسکے خن کا
پیا سا پھر مگر کشش کماثر سے اُس نے تمام تکلیفات برداشت کیں اور گیتان عرب کی خاک چھانکر

۱۷ جولائی ۱۹۱۴ء

معلومات کے چند نئے دنیا کے سامنے پیش کیے ایک لداؤ عرب سالین ایسی قوم کی باغی نشانہ بن گئے
تو کرنا احسان فراموشی ہو۔

عرب کے یورپ میں سیاح یورپ کو گزشتہ صدی میں ملک عرب کے حالات جاننے کا ایک جنون تھا
لیکن شکل یہ تھی کہ کوئی یورپ میں بآسانی عرب کی سیر نہیں کر سکتا، کیونکہ عرب پسند نہیں کرتے کہ ان کے ملک میں
یورپ کا قدم پڑے اسی لیے جو یورپ میں عرب کی ہمت کرتے ہیں وہ اپنی زندگی سے پہلے صبر کر لیتے ہیں
پھر تہیہ سفر کرتے ہیں،

سب سے پہلے اس اہم سفر کے لیے جس نے فکر ہمت باندھی وہ اشریہ لیا کا مشہور عالم نیو بھوت تھا ان کا
دور ۱۷۷۳ء میں انیسویں کا سفر فرمایا، اسکی نصف صدی کے بعد ۱۸۷۳ء میں یاویا جاپسین کا سفر ہوا
عربستان کے سفر کے لیے روانہ ہوا پہلے مصر آیا اور یہاں اسے اپنے کو مسلمان ظاہر کیا اور علی بابا
سہاسی اپنا نام رکھا، طلب پہونچا، وہاں اسے اپنے ایک شریف لہب مسلمان ہونے کی سرکاری سند
موصول کی، اور اس مصنوعی ساریفٹ کی اعانت سے اسے مکہ معظمہ تک فرمایا،

۱۸۷۳ء میں رولش فریسیسی کو جو ٹیونس میں امیر عبدالقادر کے پاس عہدہ ترجمانی پر مقرر
تھا عرب کا شوق پیدا ہوا، عربی لباس میں مکہ معظمہ پہونچا محمد بن عون شریف مکہ سے ملا، اور اُن سے یہ
ظاہر کیا کہ امیر ٹیونس کی طرف سے میں یہاں ایک فتویٰ پر دستخط کرانے آیا ہوں، مکہ سے یہ طائفہ
اور طائف سے لوٹ کر قیمتی سے پھر مکہ معظمہ پہونچا، یہ حج کا زمانہ تھا، بہت سے ٹیونس کے مسلمان یہاں
آئے ہوئے تھے انھوں نے روش کو پہچان لیا، افتاء سراز کے بعد لوگوں نے اسکو گرفتار کر لیا،
تصد تھا کہ اسکو قید خانہ بھیجا جائے، بعض جو زیادہ جوش طبع رکھتے تھے اُن کا ارادہ تھا کہ اسکو قید خانہ
ہی سے آزاد کر دیا جائے لیکن شریف مکہ جو ایک شریف طبع عالم تھا اُسے امان دیدی اور کچھ دیر کے

۱۷۷۳ء میں یورپ میں عربی اسلام طلعت حرب باب،

۱۲۸۷ء میں مراکش سے مصر و عرب سے باہر کر دیا،

۱۲۸۸ء میں آسٹریا سے سیرین نامی کو عرب کی بادیہ پائی کا سودا سلیا، لیکن یمن سے آگے
نہ چڑھ سکا یمن بمقتول ہوا ۱۲۸۹ء اور ۱۲۹۰ء میں ایک مشہور سیاح بورک ہارڈ نے سلمان بنکر
کے خطبہ اور مدینہ طیبہ کا سفر کیا، اور عرب کے بعض جغرافیائی معلومات کی سوغات بھی اہل وطن کے لیے
لایا، اور آخر عمر تک یہ اپنے کو سلمان کہتا رہا، مصر میں اسنے انتقال کیا اسکے لوح مزار پر اسکا نام یون کنٹ
ہو عبد اللہ، پورٹ ہارڈ بمصر کے عوام اسکو شیخ برکات کے نام سے یاد کرتے ہیں،

اسی زمانے میں جب مصر اور نجد کے وہابیوں میں جنگ چھڑی اور میدان جنگ مصر کے
تھوڑے، تو یورپین سیاحوں کو کچھ آدائی ملی، انھوں نے عرب کے اکثر مقامات کی سیر کی کہ معظمہ
مدینہ طیبہ اور اسکے اطراف کے جغرافیہ پر رسالے لکھے، سب سے پہلے جو خلیج فارس اور بحر احمر کے
ماتے سے عرب میں داخل ہوا وہ انگریزی سپہ سالار ساؤلیئر جو انڈیا گورنمنٹ کے اشارہ سے
عرب کے سفر کو نکلا تھا،

۱۲۹۶ء میں رائیل آسٹریا سے عرب کے ارانے سے نکلا، اسنے صرف صوبہ حجاز
اور خلیج عقبہ کی سیر کی، گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے بعض بحری سپہ سالار اسی زمانے میں بحر احمر کے
سواحل کے نقشے طیار کر رہے تھے، اس جاعت کا ایک کن ویسٹید نامی تھا اسنے کام سے
مراختہ پا کر ۱۲۹۷ء میں برعان کے شہروں کی سیاحت کی،

۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۴ء میں مشہور نیچر لیٹ بوٹا اور میسا نامی عرب کی جغرافیائی حالت کی
مستشرقین اپنے وطن سے نکلے، اسکا قصد تھا کہ وہ بھرتے جس کام کو وہو یا چھوڑا ہو اسکی تکمیل
کر دیا جائے، سیاحت واپس آکر انھوں نے عرب کی جغرافیائی معلومات میں کچھ اضافہ کیا،

۱۸۳۵ء میں آرٹلڈ اور فلگنسیس فریسل دو یورپین حاملوں نے بلاد عربی کے غزنی

ساحل کا سفر کیا، اگر نولہ شہر ساکن ہو چکا اور شہر کرب سے بہت سے قدیم کتابے کے فوٹو جو میری خط میں تھے اپنے ساتھ لایا،

اسی سنہ میں اسٹریا سے برون دریل نے خاص حدود عرب میں قدم رکھنے کی جرأت کی، اور حسب موت تک پہنچا جہاں اب تک کسی غیر قوم کا قدم نہیں پڑا تھا، ۱۸۵۵ء میں ایک یورپین عالم اوسٹینی والٹن ایک مسلمان کے بھیس میں عرب میں داخل ہوا، اسنے جو کچھ شمر کی سیاحت کی اور عرب کے تمام شہروں کی سیر کی ۱۸۵۲ء میں سیورا چرڈ بورٹن مسلمان بن کر حایون کے قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے،

۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء میں ولیم پیگلر یونام ایک انگریز نے سواحل عمان کے راستہ سے عرب کے اکثر حصے کی زیارت کی، ولیم کی یہ سیاحت علمی تحقیقات کی غرض سے نہ تھی بلکہ مذہبی اور سیاسی پہلو لیے ہوئے تھی، ولیم ۱۸۶۲ء میں انگلستان میں پیدا ہوا تھا اسکا باپ ایک مشہور دیندار انگریزی مورخ تھا، ولیم اوسفورڈ کا تعلیم یافتہ تھا اور ہندوستان میں ایک فوجی عہدے پر مامور تھا، اسکے بعد وہ مدتوں شام میں عربی سیکھتا رہا وہاں اسنے پادریوں سے تعارف حاصل کیا، اور اسنے سیاحت عرب کا ارادہ ظاہر کیا، انھوں نے نہ صرف ولیم کی رائے کی تائید کی بلکہ اس ارادہ کو اور زیادہ پختہ کرنے کی کوشش کی، نیپولین سوم سے امداد حاصل کی اور یہ پوشیدہ مذہبی سیاسی سفاس امید سے کیا گیا تھا کہ عربی خون میں جوش پیدا کیا جائے یورپین تمدن کی طرف انکو مائل کیا جائے، اگر موقع ملے تو ہیستنگس کی انکو دعوت دی جائے،

ولیم ایک ذہنی و جاہل عرب کی شکل میں عرب میں داخل ہوا، اور اپنے کو حکیم ظاہر کیا، چند بدوی عرب اپنی حفاظت کے لیے نوکر رکھے اور ایک شامی عیسائی کو شاگرد بنا کر اپنے ساتھ لایا، دو اوٹن کا ایک سامان الگ تھا، نجد کے دار السلطنت ریاض میں بہت دن تک یہ مقیم رہا، ان

۱۸۶۵ء میں اسرائیل سر ریاضے امارت تھا، وہاں ولیم کار از پشت اذہام ہو گیا۔ قریب تھا کہ سلطنت اسکو
خارج کرے، لیکن بہت جلد نجد سے بھاگ کر اسنے اپنی جان بچالی، اور عرب کے شرقی جانب احسا
تحت، جزائر بحرین، عمان، ہرمز، مسقط، بصرہ، موصل، مارون، دیار کبر، متا ہوا شام واپس آگیا،
۱۸۶۵ء میں کار لو، جرمنی نے بلاد عرب کے ایک ٹکڑے کا نقشہ طیار کیا، اسٹریٹ کے
ایک مشہور شخص وینٹھڈ نامی پروشیا کی طرف سے دمشق میں کونسل تھا اسنے ہاجرون اور ہاجرون
جو کچھ سنا تھا اسکو جغرافیہ عرب کی صورت میں ترتیب دیا،

۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۰ء میں یورپ کے تین اور عالموں نے عرب کی سیاحت کی، جنکے
میں میلٹرن، منترینگر، اور ہالوسے فرانسیسی تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ ان لوگوں کا سفر بھی
نا کامیاب سفر نہیں تھا، لیکن انکا قدم جزیرہ عرب کے غربی حصے سے لگے نہیں بڑھا،
۱۸۷۰ء میں بلونٹ نامی ایک انگریز نے مع اپنی بیوی عرب کی سیر کی، اردن، نفرت،
حائل (نجد) تک ان کے سفر کی حد ہو،

۱۸۷۱ء میں ہمیسپر نے بلاد عرب کے غربی صحرا کی سیاحت کی، مگر تمام سیاحوں میں سے
دیا وہ دراز سفر اٹلی کے ایک ہیات دان گلیرز نامی کا تھا، جسنے ۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۴ء تک بلاد میں
میں اقامت کی

۱۸۷۵ء تا ۱۸۷۶ء دول العرب،

سید سلیمان

اشعار تغزیت گزندی پے مولانا شبلی

مولانا شبلی کے گزندی پے کے واقعہ پر بعض شعرا نے جو موزون تغزیتیں کہیں ہیں وہ اسوجہ سے کہ دل سے نکل ہیں اکثر بہت بلند ہیں اور بعض رباعیاں حسن تعلیل کا اعلیٰ نمونہ ہیں، ذیل میں ہم ان تمام رباعیات اور اشعار کو درج کرتے ہیں جنکو اس واقعہ کے متعلق لوگوں نے لکھا ہے۔

خواجہ عزیز الدین صاحب لکھنوی

لے پایہ تو بلند تر از افلاک !	پاؤں چو بریدہ شد، چہ ہستی غناک ؟
زیر قدم بلند ہی بستی ہست	پاؤں بنگار داری ہو پے بنگار

نواب علی حسن خان بہادر

شبلی ! تھے قوم پرہیزگار	باتیں تری، درد قوم کی دوان ہیں
اک پاؤں اگر گیا تو کچھ رنج نہ کر	اس ایک قدم پہ لاکھ قربان ہیں

مولوی اقبال احمد صاحب

اے ذاتِ تو در علم و عمل گشتہ علم	وے مغفراز وجود پاکت عالم
یک پایہ تو چون شد بعد مہم	داری دو جہان، سرور با از یقینم

عربی مطبوعات مصر بیروت

ردیف	نام کتاب	ردیف	نام کتاب
۱۸	مختار الصحاح حسیبی للرازی	۱۸	تفسیر کبیر
۱۲	مختار الصحاح کلان للرازی	۱۲	تفسیر خازن
۱۴	دیوان خضاء	۱۴	تفسیر بیضاوی
۱۵	علم الادب کامل	۱۲	تفسیر جلالین
۱۶	المحاسن والاعیاد والفاظ	۱۶	کشف الظنون
۱۷	منهاج السنه لابن تیمیہ	۱۴	علم ادب
۱۸	طحاوی شرح مرقی الفلاح	۱۸	دیوان حماسی مع خلاصہ شرح تبریزی
۱۹	مرآتی الفلاح	۱۹	دیوان ابوتمام
۲۰	اصول فقه	۱۲	دیوان بحر تری
۲۱	توضیح و تلویح مجلد	۱۶	دیوان جریر
۲۲	مقامات حریری مطبوعه مصر شرح	۱۲	نفع الاذکار فی منتخبات شعر العرب
۲۳	مقامات بدیع ہمدانی	۱۵	تاریخ سلاطین مصر فی تاریخ علماء مصر
۲۴	غایت الارباب فی معانیات شعر العرب	۱۶	اجمع ما نظم فی الاخلاق و الحکم
۲۵	نیل المراد فی سطر المعجزات و البرق و بان سعاد	۱۶	دلائل الاعجاز جرجانی
۲۶	شرح بان سعاد	۱۲	اسرار البلاغۃ جرجانی
۲۷	مختارات شعراء العرب	۱۲	دروس البلاغۃ
۲۸	شرح حلقۃ اللزق	۱۵	نقد الشعر لابن قدامہ
۲۹	تمایذ الفلاسفہ للفرالی و ابن رشد	۱۵	نقد اللغۃ مصری للشعالی
۳۰	البصائر النصیریہ	۱۵	نقد اللغۃ بیروت للشعالی
۳۱	تاریخ ابن خلکان	۱۲	الافکار الکتابیہ لہمدانی

نام کتاب	نمبر	نام کتاب	نمبر
ادب اکامل طبع	۱	قرآن مجید شامل شریف مطبوعہ استانبول	۱
کتاب البیان والتبيين	۲	نہایت عمدہ و خوشخط مجلد مطلقا	۲
سلام صراط المستقیم	۳	شامل شریف کلاں	۳
کلام الاقتصاد فی الاعتقاد للہام القرطبی	۴	عربی طبع الطریقتہ المنکرہ	۴

ہندوستان

تفسیر نظام القرآن مولوی عبد الحمید صاحب	۱	سیدی	۱
سورۃ قیامت	۲	شرح جامی عمدہ	۲
سورۃ البی لب	۳	قرآن شریف نقل نظامی	۳
اقسام القرآن	۴	ہدیہ سعیدہ عمدہ	۴
فتح وقایکامل عمدہ حاشیہ مولوی عبدالحی صاحب	۵	مختصر المعانی کلاں عمدہ مطبوعہ رزاقی کانپور	۵
ہدایہ کامل عمدہ	۶	سراجی	۶
نفیسی	۷	اخوان الصفا	۷

فیہ فضل الرحمن

مصنفات مولانا شبلی نعمانی

سلاح مولانا دوم درجہ اول	۱	الکلام طبع اول	۱
درجہ دوم	۲	سفرنامہ	۲
موازنہ دبیر و انیس	۳	سیرۃ النعمان	۳
	۴	الماسون	۴
	۵	دیوان شبلی	۵
	۶	الکلام طبع ثانی	۶

دفتر تندوہ
لکھنؤ

فضل الرحمن فیہ المبین کہنہ

اسرار

نمبر ۹ | رمضان ۱۳۲۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۰۷ء | جلد

مجلس ندوۃ العلماء کا ماہوار علمی سالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول و معقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ

مترتبہ

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن صاحب شریعتی

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	شہزاد	شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی	۱
۲	اورنگ زیب عالمگیر	مولوی سید زمان صاحب سہت	۱۶
۳	طبقات الارض		۲۳
۴	برنابائی انجیل		۳۰

باہتمام محمد قادر بخش کے اصح المطابع محلہ تھوی ٹولہ من چھپا

اصح المطابع لکھنؤ میں طبع ہو کر

دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا

اشہاد

علم الکلام

طبع اول و دوم

۱۳۰۵

مستحق فی افغانی

اس کتاب میں درج کردہ اشعار و کلام شاعرانہ و علمی و ادبی کی تحریر
کی نسبت مستحق کی ہے اور اس کے تصنیف و تالیف میں اس نے بڑی کوشش کی ہے۔
اس کی تصنیف و تالیف میں اس نے بڑی کوشش کی ہے۔

قیمت

نہایت کم

فہرست و ہر لکھ سہ ہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

الندوہ میں فلسفیانہ مضامین

الندوہ میں کبھی کبھی جو فلسفیانہ مضامین شائع ہوتے ہیں انکا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ ہمارے عقائد میں شامل ہیں فلسفہ یونان کا تمام دفتر بنی نصائے میں شامل ہے اور وہ اکثر مقاصد اسلام کے خلاف بنے علماء اسکے مسائل کی صحت پر پُر زور دلائل قائم کرتے ہیں مگر انکا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ انکا عقیدہ بھی جو یادہ اسلامی عقائد کے مقابلہ میں فلسفہ کی تائید کرتے ہیں بلکہ انکا مقصد صرف علمی تحقیق ہی گذشتہ پرچہ میں جو مضمون "مسئلہ ارتقا" پر نکلا تھا اسکا مقصد یہ تھا کہ ہمارا یہ عقیدہ بھی ہو بلکہ صرف یہ دکھانا تھا کہ مسئلہ ارتقا کا خیال ڈارون کا پیدا کیا ہو کوئی نیا خیال نہیں ہے بلکہ اس سے مدتوں پہلے بعض حکماء اسلام کی بھی یہی تحقیق تھی

الندوہ کو اور زیادہ دلچسپ اور عام بنانے کے لیے یہ تجویز کیا گیا ہو کہ سین مشہور خطاط علماء املا سلاطین کے ہاتھوں کے مسودے ہوں یا کوئی شاہی فرمان جو کوئی خصوصیت رکھتا ہو

ایک کتابت کی صناعت کا اس علم نمونہ ہوا نکاح فوٹو شائع کیا جائے جس سے ایک طرف تو المندوہ کی عام بچھپی میں اضافہ ہوگا، دوسری طرف اس ترکیب سے یہ نادرہ روزگار چیزیں منبرہ سے محفوظ رہیں گی لیکن اس کے لیے ضرور ہو کہ ناظرین اس کے زائد مصارف کو خود برداشت کریں

تبروت و معسر کے عربی رسالوں میں ایک عنوان "ہتسار و جواب" کا ہوتا ہے لوگ علمی تاریخی، ادبی، مہ اہل پوچھتے ہیں اور اڈیٹ یا مضمون نگار ان کا جواب دیتا ہے اور وہ ہتسار و جوابات اس عنوان کے تحت میں شائع ہوتے ہیں، آئندہ سے ہم بھی المندوہ میں "ہتسار و جواب" کا ایک عنوان قائم کرینگے جس میں ناظرین المندوہ اگر کوئی تاریخی یا علمی مسئلہ دریافت کرینگے تو اس کا تحقیق سے جواب دیا جائیگا۔

ان دنوں مولوی غلام محمد صاحب شلوی وکیل مندوہ مدراس میں مندوہ کے لیے کوشش کر رہے تھے اس سے پہلے بھی وہ ان سے مدد مل چکی تھی اب پانچ سو روپیہ مندوہ کے لیے اور وصول ہوگا میں مولوی غلام محمد صاحب اپنے خط میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ مدراس سے اسی روپیہ ہمارا کا چندہ دار الموم کے لیے مقرر ہو گیا ہے کاش مسلمانوں میں یہ استقلال ہو کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کر سکیں۔

مولوی غلام محمد صاحب مدراس سے اعیان میسور کی طلب پر میسور روانہ ہو گئے امید ہے میسور کے ہمدردان اسلام انکو ہر طرح کی مدد دینگے

اورنگ زیب عالمگیر

ہندوؤں کی ناراضی

عالمگیر کی فروراداد جرم کا یہ چوتھا نمبر ہے، لیکن یہ جرم بجائے خود متعدد جرائم کا

مجموعہ ہے، یعنی

عالمگیر نے اپنے طرز عمل سے راجپوت رئیسوں کو جو اب تک حکومت تیموری کے دست

یا نہ تھے ناراض کر دیا،

۲۔ عالمگیر نے عام ہندوؤں کو ناراض کر دیا،

پہلے جرم کو لین پول صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،

”وہی قوم راجپوت جو اورنگ زیب کی آغاز حکومت میں سلطنت مغلیہ کا داہنا بازو

تھی اب اس طرح علحدہ ہوئی کہ پھر ملنے کی توقع نہ رہی۔ جب تک اکبر کے تخت پر یہ

پڑا ویندار شکن رہا اسکی حمایت و حفاظت میں ایک راجپوت نے بھی اپنی اونٹنی

ہلاتا نہ چاہا ہی“

اس جرم کی تشریح لین پول صاحب نے اس طرح کی ہے،

”مسلحہ عین اورنگ زیب کی سب سے زیادہ دہشت لیکن سب سے زیادہ زبردست راجپوت

راجہ جے سنگھ نے انتقال کیا۔ دوسرا مشہور راجپوت جنرل جسونت سنگھ کابل میں گوردی

پر تھا ادا کے مرنے کے دن قریب آ رہے تھے آخر کار اورنگ زیب آزاد ہو گیا کہ

ہندوؤں کی پامالی کی حکمت عملی کو جو ہر سچے مسلمان کا مقصد ہونا چاہیے اختیار کر کے اس وقت

تک ہندو کسی طرح ستائے نہیں گئے تھے اور نہ کوئی مذہبی لوگ لوگ اس میں آئی تھی لیکن

اسمین شک نہیں کہ اورنگ زیب اپنے جوش اسلام کو دل ہی دل میں پرورش کر رہا تھا کہ
 بلا خوف نقصان کافروں کے مقابلے میں اس کے اطہار کا وقت آئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
 ۱۶۶۹ء میں یہ لکھا اٹھی۔

اورنگ زیب نے ایک اور کوتاہ اندیش کارروائی حیونت سنگھ کے معاملے میں کی،،،،،
 اس نے خواہش کی کہ حیونت سنگھ کے دونوں بیٹے تعلیم کے لیے وہی میں بھیج دیئے جائیں اور
 بیٹک و اسکی نگرانی میں مسلمان کر لیے جاتے

راجپوتوں نے اسکی تعمیل نہ کی۔ اور جب راجپوتوں نے سنا کہ اورنگ زیب نے وہی تعلیم دلائی
 فلکس یعنی جزیہ۔ از سر نو ہر ایک ہندو پر قائم کر دیا ہے تو ان کے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی۔

یورپین مورخوں کے اعتراضات (جیسا کہ آگے ثابت ہو گا) اگرچہ نہایت پادروہا ہوتے
 ہیں اور اس لیے ان کا جواب دینا نہایت آسان بات ہے لیکن با این ہمہ جواب دینے والا
 سخت مشکل میں پڑ جاتا ہے۔ یورپین مورخین ایک اعتراض کے بیان کرنے میں جو خد
 غلط ہوتا ہے وہ پے در پے اور بہت سے جھوٹ ملاتے جاتے ہیں جواب دینے والا ایک
 جھوٹ کا جواب دینا چاہتا ہے تو سامنے ایک اور جھوٹ نظر آتا ہے وہ اُدھر متوجہ
 ہوتا ہے تو ایک اور جھوٹ نمایاں ہوتا ہے مسلسل دروغ بیانی اور افتراءوں کے
 ہجوم پر بے اختیار اسکو طیش آ جاتا ہے اور بجائے اسکے کہ وہ سکون اور اطمینان کے
 ساتھ اصل واقعہ کے انکشاف پر متوجہ ہو غصے سے بے قابو ہو جاتا ہے۔

خوب بھر پوری اثر پڑا ہے لیکن میں ان حریفوں کو یہ موقع نہ دوں گا کہ وہ میرے طیش و غضب
 سے فائدہ اٹھائیں۔ یورپین مورخوں نے ہندوؤں کے ناراضی کے جو اسباب بتائے
 ہیں ان میں خلط ممحٹ ہو گیا ہے یعنی مذہبی اور پولیٹیکل باتیں مل جل گئی ہیں اس لیے

مسئلہ زیر بحث کی تحلیل اور تحقیق کے لیے ضرور ہے کہ دونوں سے الگ الگ بحث کی جائے
پہلے ہم پوئیکل اسباب سے شروع کرتے ہیں

ہندوؤں کے زور و قوت کے تین مرکز تھے، جو پورہ جو دھپورہ اور اودے پور انہیں سے
جے پور اور جو دھ پور بالکل مطیع ہو گئے تھے لیکن اودے پور کی یہ حالت تھی کہ باہر
سے لیکر شاہجہان کے زمانے تک حملہ کے وقت اسکی گردن جھک جاتی تھی لیکن
جب حملہ آور چلے آتے تھے تو پھر وہی سرکش کا سرکش بن جاتا تھا شاہجہان نے جب
بیماری کی حالت میں داراشکوہ کو ولیعہد بنا کر اسکو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا تو اس
زمانے میں جے پور اور جو دھ پور کے جانشین راجہ جے سنگھ اور حبونت سنگھ تھے،
عالمگیر جب دکن سے اکبر آباد کو چلا تو داراشکوہ کی طرف سے حبونت سنگھ ایک فوج
گراں لیئے ہوئے اوجین میں پڑا تھا عالمگیر نے نہایت الحاح سے کہا ابھیجا کہ میں
صرف اعلیٰ حضرت کی عیادت کو جاتا ہوں تم سداہ نہو لیکن حبونت سنگھ نے
نمانا اور سخت معرکہ ہوا حبونت نے شکست کھائی اور بھاگ نکلا عالمگیر پر جب چڑھ
حکومت سایہ افکن ہوا تو پہلے ہی سال حبونت سنگھ نے عفو قصور کی سلسلہ جنابانی کی
اور عالمگیر نے فیاض دلی سے معاف کر دیا۔ شجاع سے (عالمگیر کا بھائی) جب معرکہ
پیش آیا تو عالمگیر نے حبونت سنگھ کو فوج برانغار کا افسر مقرر کیا لیکن حبونت سنگھ
نے پہلے سے مرزا شجاع سے سازش کر لی تھی چنانچہ جب دونوں فوجیں آسنے
سامنے مقابل پڑی ہوئی تھیں تو حبونت سنگھ رات کے پچھلے پہر دفعۃً اپنی تمام
فوج کے ساتھ عالمگیر کی فوج سے ٹکڑے شجاع کی طرف چلا اسکی فوج نے شاہی
اسباب و خزانہ پر دست درازی کی اور اسقدر برہمی ہوئی کہ عالمگیر کی کل فوج میں سے

نصف کے قریب جسوت سنگہ کے ساتھ ہو کر شجاع سے جا ملی یہ ایسا نازک موقع تھا کہ
 اسکے سنبھالنے کے لیے صرف عالمگیر کا دل و دماغ درکار تھا عالمگیر کے عین انتقال
 پر شکن تک نہیں پڑی اور اس بے سرو سامانی پر بھی میدان اسکے ہاتھ ہا چند روز کے
 بعد جسوت سنگہ کا جب کہیں ٹھکانا نہ رہا تو پھر عفو کا خواستگار ہوا عالمگیر نے پھر فیاض دلی سے
 کام لیا اور چونکہ وہ شرم سے منہ دکھانا نہیں چاہتا تھا عالمگیر نے غایبانہ اسکا منصب
 اور خطاب و جاگیر بحال کر کے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور وقتاً فوقتاً اسکو ٹہری
 بڑی ہمت پر مامور کیا یہاں تک کہ دکن میں سیواجی کے مقابلے پر بھیجا لیکن یہ فدا
 یہاں بھی اپنی فطری عادت سے باز نہ رہا ^{الغرض} سنا جب کہتے ہیں راجہ جسوت سنگہ
 شاہزادہ مظلم کی طبیعت پر حاوی اور بادشاہ کی نسبت ہندون کا زیادہ خیر خواہ تھا
 علاوہ اسکے لوگوں کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ وہ لو بھی لالچی ہے اور روپیہ کی بات
 تھوڑی بہت مانتا ہے۔ غرض کہ ان وسیلوں سے سیواجی نے اسکو اپنا رفیق بنایا
 جسوت سنگہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ راؤ بھاؤ سنگہ باڈا کو جو ریاست بوندھی کا
 راجہ اور سہ ہزاری منصب رکھتا تھا اور اس مہم میں اسکا شریک تھا اپنے ساتھ شریک
 کرنا چاہا اور جب اسنے نمک حرامی سے انکار کیا تو اسکی بہن کو جو جسوت سنگہ کے
 حقد نخل میں تھی وطن سے بلوا کر بیچ میں ڈالا لیکن اس وفادار نے اب بھی حق نمک
 کو قربت پر مقدم رکھا تاثر الامار میں راؤ بھاؤ سنگہ کے تذکرے میں لکھا ہے:

پہلے آشیر و ساؤ بھاؤ سنگہ بہت ہمارا راجہ جسوت سنگہ، بعد ہمارا راجہ زن خود را از وطن طلب داشت

۱۔ تمام حالات اگر چہ خانی خان وغیرہ تمام تاریخین میں ہیں لیکن مسلسل اور مفصل تذکرہ اثر الامار طبع میں ہے
 ۲۔ ترجمہ تاریخ ^{الغرض} علی گڑھ صفحہ ۵۰ تاثر الامار سے بھی اس بیان کی تائید ملتی ہے

ماسلو کجاوے ساز موافقت کوک نمایا ماراؤ بجاؤ سنگھ حق ملک مقدمہ ماشہ حق برا فضت

درداد

بالآخر جسونت سنگھ کابل کی مہم پر پامور ہوا اور سنا جلوس عالمگیری میں قضا کر گیا، جسونت سنگھ جب مراٹو اسکی کوئی اولاد نہ تھی لیکن اسکے کارپردازون نے دربار میں اطلاع دی کہ اسکی دو بیویوں کو حمل ہے لاہور میں پونچکر ان لوگوں نے دربار شاہی میں رپورٹ کی کہ دونوں بیویوں سے دولہے کے پیدا ہوئے اسکے ساتھ درخواست کی کہ ان لڑکوں کو منصب اور ریاست اور خطاب عطا کیا جائے عالمگیر نے فرمان بھیجا کہ دونوں کو دربار میں بھیج دو جب وہ سن تمیز کو پہنچیں گے تو خطاب و منصب عطا کیا جائیگا ماسٹر عالمگیری میں ہے۔

حکم اقدس اعلیٰ صادر شد کہ ہر دہسہ راہ درگاہ سپہ سالار گاہ بیارند و ہر گاہ پسران بہن سیز

خواہند رسید بغایت منصب و راج نوازش خواہند یافت بمعہ ۱۷۷۱

جیموریوں کے دربار کا یہ ایک عام آئین تھا کہ جب کوئی بڑا عمدہ دار چھوٹے بچے چھوڑ کر مرجاتا تھا تو بادشاہ خود انکو طلب کر کے اپنے دامن تربیت میں پالتا تھا اور شہزادوں کی طرح اسے سلوک کیا جاتا تھا اسی اصول کے موافق عالمگیر نے جسونت سنگھ کے بچپن کو طلب کیا تھا لیکن جسونت سنگھ کا جو طرز عمل ہمیشہ سے رہا اسکے افسروں پر بھی وہی رنگ چھا گیا تھا چنانچہ انھوں نے شاہی حکم کے وصول ہونے کا انتظار بھی نہ کیا اور وہی کی طرف روانہ ہو گئے دریا سے آہنگ پر میر جگر نے اس بنا پر روکا کہ پروانہ رابری دکھاؤ، اسپر کا وہ جنگ ہوئے اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے بزور دریا کے پار آئے دار السلطنت کے قریب آئے تو انکی گستاخانہ اور باغیانہ حرکات کی بنا پر عالمگیر

نے حکم دیا کہ شہر سے باہر مقام کریں اور کو تو ال کو حکم دیا کہ ایک جمعیت کے ساتھ
 انکو نظر بند رکھے چند روز کے بعد چند راجپوتوں نے وطن جانے کی اجازت طلب کی
 عالمگیر نے منظوری دی یہ فریادیں سن کر دیکر جسونت سنگھ کے بچوں کو چپکے چپکے
 اڑا لیکے اور انکی جگہ دو جعلی بچے چھوڑ گئے چونکہ یہ ایک اہم بحث طلب و افتخار
 جیسے آئندہ واقعات کی بنیاد قائم ہوتی ہے اسلئے ہم مزید اعتبار کے لئے خانی خان
 کی پہلی عبارت نقل کرتے ہیں

بعدہ ظاہر گردید کہ بعد فوت راجہ معتمد ان جہالت کیش ہمراہ اوہر دو اسپر خور دو سال راجہ را
 کہ در آخر عمر ہمان دو فرزند با اسم اجیت سنگھ و ولستمن داشت مع رانی با ہمراہ گرفتہ آئے
 انتظار حکم معنوی شد یا دست در مناسے صوبہ دار حاصل نمایند روانہ حضور شد بعد کہ
 بہ معیار ملک رسیدند و میر بہ نسبت عدم دستک مانع آمد باو بہ پر خاش پیش آمدہ کار
 بہ نساد و کشتن و زخمی ساختن میر بچہ و جمعے رساندہ بمسرتنگی عبور نمودند بعد ان کہ
 نزدیک دار الخلافہ رسیدند ان کہ از ادا ہائے خانی سابقہ جسونت غبار مطال در خاطر
 مبارک جا گرفتہ بردو این شوخی راجہ تہ علاوہ آن گردید فرمودند کہ نزدیک شہر طرف بارہ پل
 فرود آئند و کو تو ال را مامور ساختند کہ مردم خود را با جمعی از منصبداران و متعینہ توپ خانہ
 اطراف نینداسے و ابستگان راجہ چو کی نشانہ بطریق نظر بند نگاہ دارند

جسونت سنگھ کے افسر جسونت کے بچوں کو لیکر جو وہ پورہ پونچے اور مہارانا اودیپ
 نے انکو اپنی حمایت میں لیا عالمگیر نے مہارانا کو فرمان بھیجا کہ باغیوں کی حمایت سے
 دست بردار ہو جائے اور جسونت کے بچوں کو حوالے کر دے مہارانا نے نہ مانا پھر
 لہ لکے بھاگا و قہر چمک چندان اہم اور مختلف فیہ نہ تھا اسلئے ہم نے عبارت نقل نہیں کی۔

عالمگیر نے جو دھپور پر فوجیں بھیجیں اور بالآخر مہارائے اطاعت قبول کی اور اقرار کیا
جسینت کے بچوں کی اعانت نہ کرے گا لیکن مہارانا بہت جلد اس اقرار سے بھگیا
ب مانگیر نے اسکے انتقام کے لیے ہر طرف سے فوجیں طلب کیں اور اپنے چھوٹے
بیٹے اکبر کو اسکا سپہ سالار مقرر کر کے اودھ پر کی طرف روانہ کیا لیکن مہارانا نے
اکبر کو یہ ترغیب دلا کر کہ ہم آپ کو بادشاہ تسلیم کرینگے آپ خود تاج و تخت کا دعویٰ
نہیں کیجئے اکبر کو تو رلیا ناخلف شہزادہ ہزار فوج لیکر خود عالمگیر کے مقابلے کو
بڑھا عالمگیر کی رکاب میں اسوقت صرف ہزار سوار تھے لیکن اسکے اتقلال میں
فرق نہ آیا اور بالآخر اکبر شکست کھا کر بھاگ گیا۔

سلسلہ بیان کی ترتیب اور تمام واقعات کی یکجائی پیش نظر ہونے کے لیے جتنے واقعات
کو سادہ طور سے لکھ دیا اب امور ذیل متفیع طلب ہیں۔

۱۔ کیا عالمگیر نے راجپوت ریاستوں کے ساتھ کوئی ناجائز سلوک کیا تھا جسکی وجہ سے
وہ بغاوت پر مجبور ہوئے

۲۔ کیا عالمگیر ان راجپوتوں کو زیر نہ کر سکا۔

۳۔ کیا راجپوت اس واقعہ کے بعد ہمیشہ کے لیے عالمگیر سے الگ ہو گئے
یورپین مورخوں کی رائے کے موافق ان سوالوں کا اجمالی جواب یہ ہو کہ عالمگیر
نے خود راجپوتوں کو چھیڑا اور انکو بغاوت پر مجبور کیا اور پھر اُسے اچھی طرح عمدہ برا
خوش کیا اور راجپوت ہمیشہ کے لیے تیسری حکومت کے حلقہ اطاعت سے نکل گئے
اور یہ تفصیل گزر چکی کہ راجپوتوں کے تین مرکز تھے اتین سے دھپور تو ہمیشہ
سلطنت رہا فنشن صاحب بھی اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

جبکہ راجپوت راجاؤں نے منجملہ اپنے گروہوں کے ایک راجہ کے گھرنے پر ایسا زور دیا
 ظلم دیکھا اور جزیہ کی ناگوار سی اس پر نیا دیا ہوئی تو سارے راجپوت آپس میں متفق ہو گئے
 مگر راجہ رام سنگھ نے پور دالا جسکے گھرنے کو بادشاہی خانمان سے رشتے ناتوں اور کئی
 پشتوں سے مغز عہد و ن کی بدولت مضبوط اور مستحکم علاقہ تھا اسے مستثنیٰ رہا۔

اب صرف جو دہ پور اور ادی پور رہ گئے جو دہ پور کا رئیس جسوت سنگھ تھا اسنے عالمگیر کے
 ساتھ جوہر بنا دیا کیسے یہ تھو کہ سب سے پہلے عالمگیر کے ساتھ برسرِ مقابلہ آیا عالمگیر نے
 فتح پا کر اسکو معاف کر دیا اور فوج کا افسر مقرر کیا لیکن شجاع کی لڑائی میں نہایت
 تھکا ارا نہ طریقہ سے رات کو چھپکر دشمن سے جا ملا جس سے عالمگیر کی تمام فوج دہیم
 و برہم ہو گئی عالمگیر نے پھر عفو سے کام لیا اور جاگیر و خطاب و منصب عطا کرے
 و کن پر بھیجا و بان سیوا جی سے سازش کی، اب اس کے مرنے پر راجپوت
 عالمگیر سے درخواست کرتے ہیں کہ اسکا کیا حکم ہو جائے والی ریاست بنا دیا جائے عالمگیر
 جواب دیتا ہے کہ انکو دربار میں بھیج دو سن شعور کے بعد انکو سب کچھ ملے گا راجپوت
 جواب کا بھی انتظار نہیں کرتے اور دریاے انک پر شاہی عہدہ داروں کو مارتے
 دھارتے دلی پہنچتے ہیں عالمگیر انکو نظر بند کرتا ہے
 ان تمام واقعات میں کون سی بات انصاف کے خلاف ہے۔

افسوسناک ہے کہ جب راجپوت راجاؤں نے منجملہ اپنے گروہوں کے
 ایک راجہ کے گھرانے پر ایسا ظلم دیکھا آخر یہ کیا ظلم تھا کیا جسوت سنگھ کے ساتھ
 راجپوتوں کا طرزِ عمل ایسا تھا کہ عالمگیر انپر بالکل اعتماد کر لیتا کیا صغیر سن بچوں کا
 لے تفصیل ان واقعات کی یاد پر گزر چکی ہے۔

دربار میں بلانا کوئی ظلم کی بات تھی؟ کیا راجپوتوں کا بغیر شاہی اجازت کے واسطے
 کا قصد کرنا عدول حکمی نہ تھی؟ کیا میر بجرا کا انکو روکنا میر بجرا کے فرائض منصبی میں داخل
 نہ تھا؟ کیا میر بجرا اور شاہی ملازمنوں سے مقابلہ کرنا اور انکو قتل کرنا باغیانہ حرکت
 نہ تھی؟ کیا ان سب حرکات کے بعد انکا نظر بند کیا جانا عدل و انصاف کے
 خلاف تھا؟

لین پول صاحب راجپوتوں کی عدول حکمی اور برہمنی کی مہربانی سے کہ جسوقت سنگھ
 کے بچوں کو عالمگیر مسلمان کر لیتا لیکن عالمگیر نے سیواجی کے پوتے ساہوجی کو
 جب گرفتار کیا تو اسکی عمر سات برس کی تھی عالمگیر نے خاص اپنی نگرانی میں رکھا
 شاہی خیمہ کے برابر اسکا خیمہ کھڑا کرایا، اسکو ہفت ہزاری کا منصب اور
 خطاب نوبت و علم عطا کیا اور یہ بڑا ذخیرہ عمر تک قائم رکھا باوجود اسکے اسکو کیوں
 مسلمان نہیں کیا؟ سیواجی کا پوتا تو جسوقت سنگھ کے بیٹوں سے زیادہ جبر و ظلم کا
 مستحق تھا۔

ایک اور وجہ لین پول صاحب یہ بیان کرتے ہیں کہ راجپوتوں کو جزیہ لگانے کی
 خبر پہنچ چکی تھی نہ اسلیے انکے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی، جزیہ کی بحث مذہبی امور
 کی بحث میں آگے آئیگی اسلیے ہم اسکو نہیں چھیڑتے۔

دوسرا امر تنقید طلب یہ ہے کہ عالمگیر راجپوتوں کو زیر کر سکا یا نہیں لین پول صاحب
 کہتے ہیں۔

ناجوت سانپ کو ہلکا سا خراش تو لگ گیا لیکن وہ مرانہ تھا۔ جنگ کا سلسلہ جاری رہا

آخر کار دوسے پور کے راجا نے جسکو راجپوتوں کی طرف سے زیادہ نقصان پہنچایا

اورنگ زیب سے ایک مسخر صلیح کر لی کیونکہ اس جنگ سے اب اورنگ زیب عاری ہو گیا
 تھا۔ اس صلح نامے میں نفرت خیز جزیہ کا نام تک بھی نہ آیا لیکن رانا کو اپنے ملک کا ابک
 قبیلہ جبرائیل کے پادشاه میں کہ وہ شاہزادہ اکبر کا شریک ہو گیا تھا دینا پڑا۔
 اور ایور کے راجائے مہاراشیہ نے دکن میں ستر لاکھ سو تیس ہزار روپے پر پانی پیہر دیا۔

اللہ اکبر! ان چند سطرون میں کس قدر عجوبے کا انبار ہے
 ہفت سن صاحب زمانے میں

خود اورنگ زیب کو ایسی مرضی کے احمد میں خواہش ہوئی چنانچہ اپنی بیرونی طاقت سے
 اودے پور کے راجہ کو انٹشی کی درخواست پر آمادہ کیا اور جبکہ درخواست اسکی طرف سے
 تیار ہی تھی انھوں نے اسکی طرف توجہ کی چنانچہ جزیہ سے اعمانش برتا گیا اور ملک کے جس نگر سے
 کو جزیہ کے معاوضہ لین لیا تھا اکبر کی امانت کے جرم نامہ میں رکھ گیا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو دہپور اور اودے پور دونوں ریاستوں کو عالمگیر کی
 فوجوں نے پامال کر دیا اور مہارانا اودے پور اپنے سفر سے بھاگ کر انتہا کے
 سرحد تک پہنچ گیا آخر حیدر علی سے مجبور ہوا تو شاہزادہ محمد عظیم کے ذریعہ
 سے سفارش کرائی اور پرگنہ مانمل پور اور بھنور جزیہ کے عوض میں دینے
 منظور کیے عالمگیر نے پھر اپنی معمولی فیاض دلی سے کام لیا اور سلسلہ جلوس
 میں جبرائیل اور بارہا میں حاضر ہوا تو خلعت و خطاب اور پنجزار می منصب عطا کیا
 مائثر عالمگیری میں ہے۔

چون مہارانا ملک و سکن راندہ شد۔ و مائثر حدش گریخت۔ مفرے جز دینہار جوی و امان

اھم نامذہب داماں ہشتنغ بادشا ہزادہ کریم علیا پیشہ محمد اعظم دست عجز و مضاعت در آویخت
و گدرا نیدن پر گنہ مانڈل پورد ہ ہنور را عوض جز یہ وسیلہ عفو جرمیہ آورد و ملازمت
بادشاہ زادہ را قریہ بختیاری خود اندیشید اللہ

ماثر الامرا میں ہے۔

چون ناما دوسے پور را خالی گذاشتہ راہ فرار نمود فوجی بہ سرکردگی حسین علیخان بہ تعاقب
او متبعین شد و پسر محمد اعظم شاہ و سلطان بیدار بخت نامزد شدند و پس ازان کہ کھانا لکھ کوپ
عسکر فیروزی گردیدہ اواز وطن مالوفہ برآمدہ بے لمبا دوا گشت۔ سال بست و چہارم دست
ضراعت بہ داماں شفاعت شاہ ہزادہ زدہ پر گنہ مانڈل و بدہنور در عوض جز یہ بہ سرکار
بادشاہی گذاشت

(ماثر الامرا جلد دوم صفحہ ۲۰۸ در ضمن تذکرہ رانا کرن)

خو کر و ان معتبر تاریخون میں تصریح ہے کہ رانا عاجز آکر خود معافی کا خواستہ نہ سکا رہوا
افشن صاحب وغیرہ فرماتے ہیں کہ عالمگیر نے خود مجبور ہو کر سلسلہ جنابانی کی ان تاریخون
میں ہے کہ رانا نے دو پر گنہ جز یہ کے عوض میں پیش کیے پور میں موخ کتے ہیں کہ جز یہ
کا نام تک نہ آیا اور وہ پر گنہ کی اعانت کا معا وعدہ تھے افشن صاحب حسب اور لیت قول
کی عام عادت ہے کہ ہر موقع پر تاریخون کا حوالہ دیتے ہیں لیکن ان واقعات کے بیان
میں حوالہ کا نام نہیں۔

لیکن ان سب دروغ بیانیوں سے بالاتر لین پول کا یہ بیان ہے کہ رانا نے کچھ
عرصہ کے بعد اس صلح پر بھی پانی پھیر دیا چونکہ اس دروغ بیانی میں لین پول کا اور
سوا اسکے بعد کے واقعات بحث طلب نہ تھے اسلئے بنے قلم انداز کیا۔

کوئی شریک نہیں ایسے بکواس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں اخیر بحث یہ ہے کہ ان واقعات کے بعد کیا راجپوت ہمیشہ کے لئے تیوریوں سے الگ ہو گئے اور کیا انہوں نے کبھی بقول لین پول عالمگیر کی حمایت میں اپنی انگلی بھی ہلانی نہ چاہی۔

گزشتہ تمام واقعات عالمگیر کے سلسلہ جلوس تک ختم ہو گئے ہیں، جگت سنگھ ہمارا نااودے پور اسی سن میں مرا ہے اور عالمگیر نے اسکے بیٹے جے سنگھ کو خلعت تعزیت، اور خطاب غیرہ عطا کیا ہے۔ سلسلہ جلوس میں عالمگیر دکن کو روانہ ہوا، اور اخیر عمر تک انہی اطراف میں مرہٹوں سے لڑتا بھڑتا رہا۔ ابن لڑائیوں میں اسکی فوج میں راجپوت اسید طح نظر آتے ہیں جسطرح اور سلطان تو میں، چنانچہ تاریخن میں جہان فوجوں کا ذکر آتا ہے راجپوتوں کا نام بھی خاص طور پر آتا ہے۔ مثلاً خانی خان سلسلہ کے واقعات میں مرہٹوں کے ایک محاصرہ میں لکھتا ہے :-

ازہر یک بندہ ہے کار طلب شرط جانفشانی بہ عرصہ بطور رسید، خصوص
حمید الدین خان، اور راجپوت ہمارے جلالت پیشہ دو دیگر بہادران زرم جو تردد آ
نمایان ردے کار آورند۔ تا آنکہ جمشید خان با جیہ از راجپوتان روشن
بہ ہمراہ راو دلپیت دچندے دیگر۔ بکار آمدند۔

یہی مورخ سلسلہ جلوس کے واقعات میں لکھتا ہے :-

اولیٰ ذیجہ سنہ چہل و شش سلسلہ جلوس را بہ جے سنگھ کہ عمراد بہ حد بلوغ ز سیدہ بود
ب اتفاق مردم بادشاہ زادہ یورش نمود بہ حملہ پایے کہ از بالا گولہ و سنگ قسام آتشباری
چون گرگ بلا بنا فاصلہ می یخت راجپوت بسیار و اکثر مردم شاہ زادہ بکار آمدند۔

یورپین مورخ کہتے ہیں کہ ایک راجپوت نے بھی عالمگیر کی حمایت میں اٹھ لی نہ ملانی۔
 لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف فوجی راجپوت، بلکہ راجپوتوں کے بڑے بڑے راجہ و مہاراجہ
 آخر وقت تک عالمگیر کے ساتھ فوجی مہمات میں شریک رہے اور مرہٹوں کے پامال کرنے
 میں وہ مسلمان افسروں کے واسطے لڑتے تھے، راجپوتوں کی اصلی طاقت جو دھپور،
 جے پور، اودھ پور، تھی۔ اودھ پور کے دو شاہزادے خود عالمگیر کی فوج میں معزز
 عہدوں پر ممتاز تھے اور آخر وقت تک ساتھ رہے۔ چنانچہ شہنشاہ جلوس میں انہیں
 اندر سنگھ کو دو ہزاری اور بہادر سنگھ کو ایک ہزاری و پانصدی کا منصب عطا ہوا۔
 یہ دونوں مہارانا راج سنگھ کے بیٹے تھے جنہیں شہنشاہ جلوس میں وفات پائی تھی۔
 اور اسکے مرنے پر اسکے بیٹے رانا جے سنگھ کو عالمگیر نے خلعت ماتم عطا کیا تھا۔
 اندر سنگھ جو جسونت سنگھ رئیس جو دھپور کا عزیز تھا جسونت کے انتقال کے بعد
 عالمگیر نے اسکو راجہ کا خطاب دیا اور دکن کے مہمات پر مامور کیا۔ اسنے نہایت
 وفاداری سے اپنی خدمت انجام دی چنانچہ شہنشاہ جلوس میں اسکو سہ ہزاری کا
 منصب ملا۔
 مان سنگھ راٹھور جبکو سہ ہزاری کا منصب حاصل تھا۔ شہنشاہ جلوس عالمگیری میں
 ذوالفقار خان کے ساتھ دکن کی سب سے مشہور چنگی کی مہم پر مامور ہوا۔ جے پور
 کے رئیسوں کی وفاداری، یورپین مورخوں نے بھی تسلیم کی ہو۔
 مآثر الامراء میں اور بہت سے راجپوت راجاؤں اور رئیسوں کے تفصیلی حالات
 ۱۷۰۰ مآثر عالمگیری صفحہ ۵۰۴ مطبوعہ کلکتہ۔ ۱۷۰۱ مآثر الامراء ذکر امر سنگھ۔ ۱۷۰۲ مآثر الامراء
 ذکر روپ سنگھ۔

صبح پین جو عالمگیر کے ساتھ دکن کی مہمات میں شریک تھے اور نہایت جانبازی اور وفاداری کے ساتھ خود اپنے ہم مذہب مرہٹوں سے لڑتے تھے شکیبانی شاعر نے اکبر کے زمانہ میں کہا تھا۔

چنان در عہد او x x کہ ہندو میزند شمشیر اسلام
یہ شعر نہ صرف اکبر بلکہ عالمگیر کے زمانہ میں بھی سچ تھا، اور اگر آج اسلامی سلطنت ہوتی تو آج بھی سچ ہوتا۔

غور کرو ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد کہ سچ پور جو دھپور۔ اودھ پور کے فرمانروا، عالمگیر کے ساتھ دکن میں مرہٹوں سے لڑائیاں لڑ رہے ہیں راجپوت فوجیں، مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، راجپوت افسردن کو سہ ہزاری و چار ہزاری، منصب عطا ہوتے ہیں، اودھ پور کا راجہ نابالغ ہونے کے ساتھ اس بے جگری سے مرہٹوں کا مقابلہ کرتا ہے، تو کیا یورپین مورخوں کے اس قول میں سچائی کا کچھ بھی شبہ ہے کہ عالمگیر نے راجپوتوں کو اس قدر ناراض کر دیا کہ وہ پھر کبھی تیموری علم کے نیچے نہ آئے۔

داستانِ عہدِ گل را بشنوا ز مرغِ چمن زارغ ہا آشفتمہ تر گفتند این افسانہ را

(باقی آئندہ)

شبلی ازمدوہ

طبقات الارض اور مسلمان

طبقات الارض (جیالوجی) وہ علم ہے جس میں زمین کی تاریخ، پیدائش، ترکیب، شکل، خاص، طبقات اور تکون جبال سے بحث کی جاتی ہے۔ ہم اس مضمون میں طبقات الارض کے ایک خاص مسئلہ سے بحث کریں گے، یعنی زمین اور پہاڑ کی پیدائش، نیز اس سے یہ معلوم کیا کہ مسلمان طبقات الارض کے مبادی سے واقف تھے، اور اس عام خیال کی تردید یہ ہو گی کہ مسلمان طبقات الارض سے واقف نہ تھے۔

تکون الارض کے مسئلہ میں سب سے پہلا اختلاف یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین قدیم ہو یا کوئی نوبت پیدا ہو کر ہو۔ قدامین جو قدامت عالم کے قائل تھے ان کی طرز گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ زمین کی قدیمیت کے بھی قائل تھے کیونکہ وہ انسان، گھوڑا، وغیرہ انواع کو قدیم بالنوع تسلیم کرتے تھے، اور ان انواع کا فطری حیز وہ زمین بتاتے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی نوع فطرتاً پہلے نہ ہو کہ جو اس کے بعد پیدا ہو سکتی۔ ان مقدمات سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ زمین بھی اس کے ان قدیم مانی جاتی تھی، اس لیے زمین کیونکر بنی؟ اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ اور نہیں ملے سکتے کہ قدیم ہے اور ہمیشہ سے اسی طرح ہو۔

اس قول اور حکم اسلام اور نیز فلاسفہ حلال زمین کو خلوت کر دیتے ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ زمین پیدا ہو کر ایک نئے بعد اس پر آبادی قائم ہوئی اس لیے وہ اس سوال کا بھی جواب دیتے ہیں کہ زمین کیونکر بنی؟ ایک طرح سے یہ بھی کہ عالم میں سب سے پہلے جو کچھ وجود ہوا، اور اسی سے ہر چیز کا وجود ہوا۔ اور ان کی حالت اور وجود سے زمین بنی اور اس سے کس قدر لطیف ہوا اسے پانی کا وجود ہوا اور اس کی لطافت سے آگ پیدا ہوئی جس سے دھواں اور بخارات کا وجود ہوا۔

پانی برسا، سبزہ اُگنا اور رفتہ رفتہ دنیا آباد ہوئی۔

تالیس ملٹی کی رائے اس سے مختلف ہے وہ کہتا ہے کہ عالم وجود کی سب سے پہلی مخلوق پانی تو پانی کے ہم جانے سے زمین بنی، اور اس میں تھکن پیدا ہونے سے ہوا کا وجود ہوا، اور ہوا کے سے لطیف ہرے آگ بنی، آگ سے دھواں اُٹھا، اور پانی سے بخارات، جن سے ترکیب پا کر اجرام سماویہ بنے۔

جیالوجی کے موجودہ علما کی تحقیق یہ ہے کہ کائنات کا موجودہ نقشہ سیکڑوں انقلابات کے بعد پیدا ہوا ہے۔ پہلے دنیا کی کائنات محض ذرات تھے جو ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور آگ کی طرح نہایت گرم تھے رفتہ رفتہ ذروں کی گرمی کم ہوتی گئی اور برودت کی وجہ سے وہ جامد اور کثیف ہوئے گئے، ان میں جامد اور کثیف ذروں کی کافی مقدار کا نام زمین ہے، اب بھی زمین کا گویا ہری حصہ سرد ہے مگر اندرونی حصہ اب تک نہایت گرم ہے، امریکہ کے بعض کانوں میں آگنی گرمی ہوتی ہے کہ مزدوروں چند منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے، آفتاب ابھی اپنی اُسی گرم حالت پر ہو مگر آہستہ آہستہ اُسکی حرارت بھی گھٹتی جاتی ہے۔

زمین کی ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ پہلے قریباً اُسکا کل حصہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا، لیکن جیسے جیسے پانی گہرا ہوتا گیا، کچھ تو پانی زمین میں سما گیا اور اُسکا زیادہ حصہ ہوائے سُکھا لیا اور خود پانی بھی بخارات بن کر زمین سے اُڑ گیا، پانی کے کم ہونے سے زمین کا کچھ حصہ خشک ہو کر قابل آبادی بنا۔

اس سلسلہ کا ثبوت کہ پہلے زمین پانی میں ڈوبی ہوئی تھی اُنکو اس سے ملتا ہے کہ اکثر پتھر اور زمین کھودنے سے اُنکو دریا کے جانوروں کی ہڈیاں ملیں جن سے ثابت ہوا کہ پہلے یہاں پانی تھا جس میں جانور تھے جب یہاں پانی خشک ہو گیا تو یہاں کے جانور یہیں رہ گئے اور مر گئے، یہاں کیونکر آئے ہوا ہے

۱۔ شوارع نوید علی کتب خانہ ندوۃ بحث کون۔ ۲۔ شوارع نوید علی کتب خانہ ندوۃ بحث کون۔

میں نے عربی اور انگریزی کے مابین فرق کی وضاحت کی ہے، مگر اس میں بھی وہی
 ایک ہی بات ہے کہ ایک علمی اصطلاح (مقاومت) کی تشریح کرنا مناسب ہے۔

مقاومت ایک لفظ ہے جسکے لغوی معنی مقابلہ کرنے کے ہیں، اصطلاح میں اسی کے قریب قریب
یہ لفظ ایکن قسم کے مقابلہ کیلئے بولا جاتا ہے، دنیا میں جو قوانین فطرت ہیں یا جسے جو اسباب
پیدا ہوتے ہیں وہ ضرور نہیں کہ ہر چیز کیلئے مفید ہوں بلکہ بعض وقت وہ بعض چیز کو سخت
صدمہ پہنچاتے ہیں، ان مخلوقات کا ان صدموں کے تلاطم کو برداشت کرنا اور ان غیر مناسب اسباب
کا مقابلہ کرنا مقاومت ہے، جو چیز اس مقاومت میں ان غیر مناسب اسباب پر فتح پاتی ہے
وہ زندہ رہ جاتی ہے اور کچھ دنوں کی عادت میں وہ غیر مناسب اسباب کی فطرت بجاتے ہیں اور اگر
شکست کھاتی ہے تو برباد ہو جاتی ہے، مثلاً ایک آدمی بیمار ہو مرض بڑھتا جاتا ہے اس وقت مریض کی
طبیعت ان غیر مناسب اسباب سے ٹکرا رہی ہے جو کسی فطرتی اصول سے پیدا ہو گئے ہیں، یہ اسباب
طبیعت کو مٹا دینا چاہتے ہیں اور طبیعت ان کے حملوں کو روک رہی ہے یہی مقاومت ہے اگر
طبیعت غالب نیگی تو زندہ رہیگی ورنہ فنا ہو جائیگی کسی مچھلی کو پانی سے اٹھا کر خشکی پر ڈال دو
ایسی کیا حالت ہوگی؟ مچھلی پانی کی عادی ہے اور پانی نہیں ملتا، ہوگی زیادہ مقدار میں اُسکو
سانس لینے کی عادت نہیں اس وقت لے رہی ہے گرمی اور آفتاب کی تمازت کا صدمہ نہیں
سہکتی اب سہنا پڑا، اسی حالت میں مچھلی اپنے فطری اسباب سے مقاومت کر رہی ہے اگر فرض
کر دو کہ کچھ دنوں میں اس گرمی ہو اور خشکی کی وہ عادی ہوگی تو زندہ رہ جائیگی ورنہ مرجائیگی۔
سب پہلے دیا میں زندگی خود دار ہوئی، اور میں زندہ جاوڑ پیدا ہوئے، جو بہت دنوں تک
میں آباد رہے، اور میں یہاں کر آئے ہیں کہ قریباً کل زمین ابتدائے آفرینش میں پانی سے ڈھکی
ہوئی تھی اور مخلوقات کی تعداد اور تنوع بڑھتا جاتا ہے اور اُدھر زمین کی حرارت کم ہوتی جاتی

نمی اور دیا کا پانی خشک ہوتا جاتا تھا۔

حیوانات تو دریا کے ہر گوشہ میں تھے اب جہاں پانی خشک ہو گیا وہاں کے حیوانات کہاں جاتے
وہاں پر سے ہے، اس وقت مقادست کا وقت آپہنچا، بالکل وہی مچھلی کی حالت پریش ہو
کے مستقل مزاج حیوانات نے ان غیر طبعی حالات کو برداشت کر لیا اور وہ زندہ رہے
موتی کرتے گئے اپنا تنوع برحائے گئے، دریا چھوڑ کر زمین کو آباد کیا اور بعض دوسرے حیوانات
اب مقادست نہ لاسکے اور فنا ہو گئے انکی نوع اور نسلیں مٹ گئیں، انکی ہڈیاں ادھر ادھر
پہاڑوں اور فارون میں ملتی ہیں، اوپر کی تمام جدید تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) پہلے کائنات میں صرف آبی تھے جو نہایت گرم تھے جبکی کثافت اور برودت سے زمین بنی،
(۲) زمین، سکے بعد پانی سے ڈھکی ہوئی تھی۔

(۳) پانی میں پہلے زندگی پیدا ہوئی اور جہاں کا پانی خشک ہو گیا وہاں کے جانور اگر اپنے غیر طبعی
اسباب پر غالب آگئے تو زندہ رہے ورنہ فنا ہو گئے، اور انکی ہڈیاں ادھر ادھر منتشر ہو گئیں۔

(۴) زمین پہلے پانی میں چھپی تھی، اسکی دلیل یہی ہے کہ پھر زمین کے کھودنے سے دریائے جاوروں
کی ہڈیاں ملتی ہیں جسے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے یہاں دریا تھا اور یہ زمین اُس میں چھپی ہوئی تھی،
حکماء اسلام کی اس بات سے من کیا تحقیق تھی و تعجب ہو گا کہ انکی بھی بھنسی یہی تحقیق
ہو اور یہی دلیل ہے شیخ الرئیس نے شفا میں ابواسحاق کندی کی اس رائے کو نقل کیا ہے
صرف اسلئے کہ اسکی غلطی ثابت کی جائے مگر ابواسحاق کندی کی تحقیق کی مادابے بجاتی ہے۔

قال البغوی فی الشفان قوم امن المنسین شیخ نے شفا میں بیان کیا ہے کہ بعض وہ لوگ جو
الی هذا العلم کابی اسحاق الکندی فلسفی کہلاتے ہیں جیسے ابواسحاق کندی نے بیان
میں کوون ان اللک لاستدارتہ یجب کیا ہے کہ فلک اپنی حرکت دوری کو نیکی وجہ سے

ان بعد یرومل شیء فی حشوہ فیلزم من مساومتہ لہ التسخین حتی یستخیل ما یقرب منه نارا وما یبعد عنه یعنی سالن فیصدیالی البرج والتکثیف حتی یصدیأرنا۔

مرد ہو کہ کسی ایسی چیز پر حرکت کرے جو اسکا اندر ہو حرکت کی مقاومت سے اس چیز میں گرمی پیدا ہوگی یہاں تک کہ جو چیز اسکے قریب ہوگی وہ آگ ہو جائیگی اور جو دور ہوگی وہ اپنی حالت پر ساکن رہیگی اب (وہ گرم چیز) آہستہ آہستہ کثیف اور سرد ہوتی گئی یہاں تک زمین بن گئی۔

شیخ ابن سینا نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ زمین سے پہلے بھی کوئی چیز ہو جو گرم ہو اور سرد ہو کہ زمین بنے ہم کہتے ہیں کہ یہ لازم بالکل صحیح ہے زمین سے پہلے وہی ذرات تھیں جو گرم تھیں پہر زمین بنی۔

اسکے بعد کی تحقیقات امام رازی نے کی ہے، شرح مواقف میں تھیں کون جبال (یعنی پہاڑ کیونکر بنے) کی بحث میں یہ موجود ہے۔

قال الرازی الاشبہ ان هذه العمورة كانت في سالف الزمان مغروسة في الجبل فحصل فيها طين لزج كثير فخرج بعد التكتاف، وحصل الشقوق بحفر السيل والرياح ولذا كثرت فيها الجبال، وما يوكدهم الظن انما نجد في كثير من الجبال اذا كسرناها اجزاء الحيوانات لما

رازی نے بیان کیا ہے کہ قریب تحقیق یہ امر ہے کہ یہ آباد زمین پہلے زمانہ میں دریا میں ڈوبی تھی سو کھنے کے بعد وہ تیز زمین خشک ہو کر پتھر ہو گئی، اور پہاڑ، سیلاب اور ہوائ کے کھودنے سے پیدا ہو گئے، اسی لیے زمین میں پہاڑ بہت ہیں اس گمان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ہم بہت سے پتھروں کو جب توڑتے ہیں تو اس میں دیباہی

حیوانات جیسے صدف، مچھلی کے اجزا جیسے ہیں
 امام رازی کا یہ قیاس بالکل صحیح تھا اور اس بھی بالکل وہی ہو آج کل طبقات الارض تو ہیں
 نمونہ جبال کے متعلق مسلمانوں کی جو تحقیق تھی اُسکو قریب صحت دیکھ کر یورپ کا مشہور فلاسفر
 ڈیویر اپنی کتاب یورپ کی ذہنی ترقی میں حیرت ظاہر کرتا ہوا کہ لکھتا ہے :-

اس زمانہ میں حکماء عرب میں صحت خیال اور وسعت نظر پیدا ہو چکی تھی، جو بالکل تعجب خیز ہے
 ذیل کی سطرین ہمارے ایک معاصر نے لکھی ہیں جو ابن سینا کی کتاب کے باب نمونہ الجبال سے
 ماخوذ ہیں " پہاڑوں کی پیدائش کے دو سبب ہو سکتے ہیں یا تو نتیجہ ہیں سطح زمین میں نشیب و فراز ہو جانے کا
 جیسا کہ اکثر زلزلوں کے وقت مشاہدہ ہوا ہو یا یہ پہاڑ پانی کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں پانی نے اپنی
 نئی رو پیدا کر نیکی غرض سے ایک نیا راستہ بنایا، جسکو وادی کہتے ہیں اور چونکہ زمین کی طبقات
 مختلف قسم کے ہیں بعض سخت ہیں بعض زیادہ سخت ہیں بعض نرم ہیں لہذا پانی اور ہوائے کینین کو
 بلند کر دیا اور کینین اپنی حالت پر چھوڑ دیا، تمام متوسط درجہ کے پہاڑ اسی طرح بنے ہیں :-
 اس قسم کے انقلابات کی تکمیل کو ایک مدت درکار ہوتی ہے اس مدت میں خود پہاڑوں کی قد و قامت
 میں فرق آتا جاتا ہے، پہاڑوں کے پانی سے پیدا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دریائی جانور و گی
 ہڈیاں پہاڑوں پر موجود ہیں "

سید سلیمان

برنابائی ۱۰

دعا سنی، مرض و حاکم انجیلوں کے سوا جیسا کہ ان ایک اور انجیل جو جسکا نام برنابائی انجیل ہے
عیسائی اسکواصل انجیل میں سمجھتے، انکے پاس انکے اس عرصے کی صحت کی دلیل کے سوا اور کچھ نہیں
مگر اس انجیل میں سلام کی ہر جگہ تائید ہے اور ہمارے نزدیک یہی امر اس انجیل کی صداقت کی دلیل ہے
اگر کفر و ریویورٹی نے حال میں اس انجیل کی اصل زبان لائٹن میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ
شائع کیا ہو اس ایڈیشن میں اس انجیل کے متعلق تاریخی تحقیق کی گئی ہو۔ اعلان مصر نے ان
تحقیقات کو عربی میں شائع کیا ہے ہم ذیل میں اسکا اقتباس کرتے ہیں۔

برنابا ایک آرامی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ابن البتوة کے ہیں۔ یہ اس یوسف کا لقب تھا
جسکا ذکر اعمال الرسل کے ص ۴۶ میں ان الفاظ میں آیا ہے کہ برنابا قبرس کا رہنے
والا ہے اسنے اپنی زراعت چھڑا سکی نقد قیمت رسول کے قدموں کے نیچے والدی۔ رسولوں
نے برنابا کا حال ابن الوعظ کے نام سے لکھا ہے۔ اسنے تبدیل سیئت کر کے سمیت کی
اشاعت میں زندگی بسر کی، رسولوں کے کاموں میں ہمیشہ شریک حال رہتا تھا۔

انجیل برنابا اسی کی طرف منسوب ہے، یہ انجیل پہلے عربی زبان میں ملی، لاطینی، اسپینی،
انگریزی میں اسکا ترجمہ ہوا، بعض علماء انجیل کا خیال ہے کہ یہ انجیل مصنوعی ہے جسکو
سید المی عیسوی صدیوں میں کسی نے تصنیف کیا ہے، یا یہ کوئی اصلی انجیل ہوگی جسکی یہ موجودہ انجیل
ترجمہ ہے، کیونکہ اور انجیلوں سے اسکی تعلیم بالکل مختلف ہے، اسی لیے عیسائی اس انجیل کو
ان غیر معتبر کتابوں میں سمجھتے ہیں جنکو کنیسہ نے صحیح نہیں تسلیم کیا، پانچویں صدی عیسوی میں
پاپ جو لیس اول نے بھی اسکی عدم صحت کا حکم دیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل
پانچویں صدی سے پہلے عربی میں موجود تھی، لیکن تعجب یہ ہے کہ علماء عرب نے اسکا کین
مکرم نہیں کیا ہے، جسے تورات کی بعض فرجی شرحوں میں دیکھا ہے کہ پانچویں صدی سے پہلے
اس میں موجود ہوتا، صدق روایت میں شہم پیدا کرتا ہے ان یہ ممکن ہے کہ پہلے کسی اور زبان میں

اور پھر اُس سے عربی میں اسکا ترجمہ ہوا ہو۔

پرنس او جین کے کتب خانہ میں اس انجیل کا ایک قدیم لاطینی نسخہ موجود تھا، پروفیسر سائل کو اسکا ایک اپنی ترجمہ ملا تھا جس میں ۲۲۲ فصول اور ۴۲۰ صفحے تھے، اس ترجمہ کی ابتدا میں ایک عبارت تھی جس سے یہ ماخوذ ہوتا تھا کہ یہ نسخہ لاطینی زبان کا ترجمہ ہے اسکا ترجمہ اہلس کا ایک مسلمان مصطفیٰ نام ہے۔

برنابا کی انجیل اور اسلام

یہ انجیل اور تمام اناجیل سے اپنے چند مسائل میں مختلف ہے، یہ تعلیمات عیسائیت کے بیخ کن اور اسلام کی مؤید ہیں، ہم ان مسائل کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

الوہیت مسیح۔ برنابا کی انجیل میں قریباً ایسے دس فقرے موجود ہیں جنہیں مسیح کی الوہیت کا انکار کیا گیا ہے، اور توحید خالص کی ہدایت کی گئی ہو، بعض فقرے حسب ذیل ہیں۔

فصل ۴۴ ”خدا کے لیے مجھے لے لے کیونکہ لوگ مجھ کو ہو گئے، اور عنقریب وہ لوگ مجھے خدا کہہ اٹھیں گے۔“

فصل ۲ ”اور لوگوں کی طرح میں بھی ایک انسان ہوں بیمار و کو تندرست کرنے کے لیے گنہگاروں کی توبہ کے لیے، میں بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں خدا کا ایک بندہ ہوں اور تم اس کے گواہ ہو۔“

فصل ۵۵ ”خدا کی اسپر لعنت ہو جو یہ کہتا ہو کہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔“
ان کے علاوہ ۹۶، ۹۷، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۲۲۰ فصولوں میں انھیں کے ہم معنی اور اہلس فقرے ہیں۔

صلب مسیح۔ اس انجیل میں ”صلب مسیح“ کا بھی ایک باب ہے، جو اور انجیلوں کے باطل

۲۵
 حالت ہو اور قرآن کے موافق ہو۔ فصل ۲۱۵ اور ۲۱۶ میں مسیح کو سولی دینے کے متعلق
 یہ واقعہ درج ہے کہ یہود اسے جب مسیح کو بچڑالا، تو یہود اُنوج کے ساتھ اُس مکان میں آیا
 جہاں مسیح قید تھا، مسیح نے جب یہ شور و ہنگامہ سنا، تو ڈرا، مسیح کے اور گیارہ شاگرد بے خطر
 سوچے تھے، خدا نے جب اپنے بندے کو اس مصیبت میں دیکھا تو اُس نے جبرائیل، میکائیل،
 (میکائیل)، رفاہیل (اسرافیل) اور بال (عزرائیل) اپنے وزیروں کو حکم دیا کہ مسیح کو دنیا سے
 لے آؤ۔ یہ وزیر قید خانہ کے جنوبی روفندمان سے مسیح کو دنیا سے تیسرے آسمان پر اٹھا لائے،
 تاکہ ابد تک مسیح فرشتوں کے ساتھ خدا کی تسبیح میں مشغول رہے یہود مسیح کے کرے میں داخل
 ہوا مسیح کے شاگرد اب تک پڑے سو رہے تھے، خدا نے ایک معجزہ دکھایا، یہود کی آواز صورت
 شکل اہل مسیح کی سی ہو گئی (شاگرد جب جاگے تو یہود کو مسیح سمجھے اور یوں بولے، کیا آپ
 میرے استاد نہیں ہیں، کیا آپ مجھے بھول گئے ہنئے مسیح نے ہنس کر کہا کہ تم بیوقوف
 ہو کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں یہود ہوں، وہ یہ کہتا ہوا اُنوج میں داخل ہوا اُنوج نے
 اسکو گرفتار کر لیا، اور اسکو زبردستی کھینچ کر لگئی اور اُنکو یہ شہد ہو گیا کہ یہ واقعی مسیح ہو جس پر
 مسیح نے اپنے کو یہود اثابت کرنے کی کوشش کی مگر بیفائدہ اور صلیب پر کھینچا گیا۔

مسلمانوں کے رسول (صلعم) کی پیشینگو۔ اس انجیل میں متعدد جگہ ایسے ہیں جن میں
 محمد (صلعم) کی نبوت کی پیشینگوئی کی گئی ہے بعض جگہ زمین تو صاف صاف ”محمد“ کا نام آیا ہے
 کہیں رسول اللہ کے قضا سے ذکر کیا، کہیں اسی قسم کے اور الفاظ ہیں۔

فصل ۳۹ جب (حضرت) آدم کھڑے ہوئے تو ہوا میں یہ عبارت چمکتی دیکھی
 اور جب (حضرت) آدم بہشت سے نکلے تو بہشت کے
 دروازے پر بھی یہ عبارت لکھی دیکھی۔

فصل ۴۴۔ ”میں جسے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول بہت بزرگ ہو گا وہ زمانہ جس زمانہ میں وہ دنیا میں آئے گا، سچ جاؤ! میں نے اسکی زیارت کی ہو اور کل نبیوں نے اسکی زیارت کی ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ روح نبوت اُسی کے واسطے سے آتی ہو جب میں نے اسکو دیکھا تو میری روح طمانیت سے بھر گئی، میں نے کہا کہ اے محمد (صلعم) خدا بجز ساتھ ہو، اور خدا تجکو اس قابل بنائے کہ میں تیرے جوتے کا مضبوط تسمہ بجاؤں۔ کیونکہ میں اسکی وجہ سے نبی اور خدا کے نزدیک مقدس بجاؤں گا۔“

فصل ۴۵۔ جب وہ عرش کے قریب جائیگا تو خدا اپنے رسول کا استقبال کریگا، جس طرح ایک مدت کی جدائی کے بعد دوست، دوست کا استقبال کرتا ہو، تو رسول اپنی گفتگو اس طرح شروع کریگا، اے خدا! میں تیری بندگی کرتا ہوں اور تجکو دوست رکھتا ہوں اور دل سے تیرا شکرا ادا کرتا ہوں کیونکہ تو نے مجکو اپنا خاص بندہ بنایا ہے اور کل چیزیں تو نے میرے سبب سے بنائی ہیں، خدا کے گا، ”مرحبا! اے میرے ایماندار بندے جو تیرا دل چاہے مانگ، تجکو دیا جائیگا، رسول کے گا، ”اے خدا مجھے یاد آتا ہے کہ جب تو نے مجکو پیدا کیا تھا تو تو نے کہا تھا کہ ”میں دُنيا اور بہشت اور فرشتے اور انسان سب تیری محبت کی وجہ سے پیدا کروں گا۔ پس وہ میری تسبیح تیری وجہ سے کریں گے، اے خدا میں تیرا بندہ ہوں،“

فصل ۴۶۔ بعض کا ہن و رود مسیح کی علامت اور اسکا نام پوچھتے ہیں، اور وہ اس کے جواب میں کہتا ہو ”مسیح کا نام عجیب ہو خدا نے جب اُسکی روح کو پیدا کیا تھا تو اُسکا یہی نام رکھا تھا اور اُسکو آسمان بزرگی میں جگہ دی، اور کہا، اے محمد! کچھ دیر صبر کر میں ”مسیح“ تیرے لیے جنت، دُنيا، مخلوقات پیدا کروں گا،... پس اُسکا نام محمد ہے۔“

اسی طرح محمد (صلعم) کا نام ۱۳۴، ۱۳۵، ۲۲۱ فضلوین آیا ہے اور رسول یا رسول اللہ کا

اور اکثر جملہ ہے۔

سری انجیلوں میں مذکورہ بالا جملے مطلق نہیں ہیں، لیکن محمد (صلعم) کی پیشینگوئی تھوڑی
بیت کے ساتھ اور بعض انجیلوں میں بھی آئی ہے، یعنی بار قلیط یا فار قلیط کا لفظ، یہ لفظ
جناکی انجیل میں بالفتح آیا ہے جس کے معنی مطمئن روح کے ہیں، فصل ۲۴ درس ۲۶ یوحنا
۱۱ انجیل اور مطمئن مقدس روح کو عنقریب باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہ تمکو ہر چیز
کی تعلیم دیگا اور وہ تمکو وہ سب باتیں یاد دلایگا جو میں نے تم سے کہی ہیں۔

وہ یہی فار قلیط کا لفظ برنا باکی انجیل میں بالکسر اور امارہ کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی ہیں مدوح،
مشہور، یا محمد اور احمد کے، برنا با کا یہ درس قرآن کی اس آیت کے بالکل مطابق ہے۔

۱۱۰	قال عیسیٰ ابن مریم صلی اللہ علیہ وسلم	یاد کرو جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی
۱۱۱	انی رسول الہکم مصداقا لما بین	اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا
۱۱۲	یدی من التوراة ومبشرا	ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اُس کتاب کا
۱۱۳	برسولہ من بعدی	جو میرے دونوں ہاتھوں کے سامنے ہی یعنی تورات
۱۱۴	اسمہ احمد	اور بشارت دینے والا ایک نبی کا جو میرے

بعد آئیگا جس کا نام احمد ہوگا۔

مسئلہ فار قلیط یا بر قلیط سے مفسرین اسلام ابتدا ہی سے واقف تھے، ابن ہشام نے

سیرت میں انجیل کا یہ فقرہ نقل کیا ہے

ان مسائل کے علاوہ برنا باکی انجیل میں اور بہت سی باتیں ہیں جو قرآن کی تعلیمات کے
بالکل مطابق ہیں، مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔

کیا یہ انجیل اصلی انجیل ہے؟

علمائے انجیل نے اٹھارہویں صدی عیسوی کے پہلے اس انجیل کا کچھ ذکر نہیں کیا، اٹھارہویں صدی میں اس انجیل کے دو نسخے لے، ایک لاطینی میں اور دوسرا اسپینی میں، لاطینی نسخہ کرام کو اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں ملا تھا، سلسلہء عین یہ نسخہ پرنس اور جی بی سانوا کو بیروہ دیا گیا، پرنس کی تمام کتابوں کے ساتھ وائینا کی رائل لائبریری میں یہ نسخہ بھی چلا آیا اور اب تک وہاں یہ محفوظ ہے۔

اسپینی نسخہ کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہو کہ لاطینی نسخہ اسی اسپینی کا ترجمہ ہو، اسپینی نسخہ گم ہو گیا، ان تمام متعدد نسخوں اور دوسرے قرائن سے یہ ماخوذ ہوتا ہو کہ اس انجیل کے اور تمام نسخے اسی لاطینی اور اسپینی نسخہ کی نقل ہیں، جو سکسٹن پیچم کے کتب خانہ میں سوٹھویں صدی میں موجود تھا بڑی کوشش پر بھی اس انجیل کا وجود پندرہویں صدی کے وسط سے متجاوز نہیں ہوتا اور یہ کل کے کل نسخے عربی زبان کے نسخہ سے ماخوذ ہیں جس کے متعلق گمان ہو کہ وہ اب تک مشرق میں موجود ہے،

یہ تحقیق سائل کی ہر جگہ سلسلہء عین ہوٹ نے نقل کیا ہو، ہم اس تحقیق کے متعلق نفاذاً اثباتاً کچھ کہنا نہیں چاہتے مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ عربی نسخہ کا وجود اب تو عربی دنیا میں نہیں ہے، حاصل بحث یہ ہو کہ لاطینی نسخہ اسلام میں پرنس کو رکھی کتابوں کے ساتھ وائینا کی رائل لائبریری میں داخل ہو گیا، اور اب تک وہاں یہ محفوظ ہو، بعض لوگوں کا خیال ہو کہ یہ لاطینی نسخہ اسپینی سے مترجم ہو، مگر اب یہ اسپینی ترجمہ گم ہو، انجیل کے ان تمام نسخوں اور قرائن سے ثابت ہوتا ہو کہ ان تمام تراجم کی اصل لاطینی ہو یا اسپینی ہو، جو سوٹھویں صدی کے اختتام پر سکسٹن کے کتب خانہ میں موجود تھی،

اس کتاب کا سب سے قدیم جو نسخہ معلوم ہوتا ہوا اس کا سلسلہ کدامت پانچویں صدی سے آگے
 نہیں بڑھتا اور یہ بھی اہل گمان ہو کہ ان سب انجیلوں کی اصل عربی نسخہ ہے جو اب تک
 مشرق میں کہیں موجود ہے، اس خیال کو ہوسٹ نے سلسلہ عین سائل سے نقل کیا ہوا
 عام اس سے کہ ان دونوں کی رائے صحیح ہو یا غلط، عربی میں اب اس نسخہ کا وجود نہیں ہے
 اس انجیل کی صحت کے بارہ میں لوگوں کی مختلف رائیں ہیں جو جماعت اس کو صحیح
 تسلیم کرتی ہے وہ یہ دلیل پیش کرتی ہے کہ اگر اس انجیل کی صحت میں شبہ ہو سکتا ہو تو
 یہ کہ ممکن ہو کہ مسلمانوں نے اصلی انجیل کو تحریف کر ڈالا ہو یا خود اپنی طرف سے یہ انجیل
 بنائی ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ یہ انجیل اسلام سے پہلے موجود تھی کیونکہ پوپ جو لیس
 المونی سلسلہ نے جن کتابوں کو غیر صحیح بتایا تھا ان میں یہ انجیل بھی شامل تھی۔

جو کہ وہ اس انجیل کو غیر صحیح کہتا ہے وہ اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ سرے سے پوپ جو لیس
 کے متعلق یہ واقعہ ہی غلط ہے، اور نیز اس انجیل کی صحت میں ایک بڑا شبہ یوں پیدا ہوتا
 ہو کہ نہ ابتدائی صدیوں میں اور نہ کنیسہ کی تاریخوں میں اور نہ عام تاریخ میں اس انجیل
 کا مطلق ذکر ہے،

حال کا ایک مشہور مشرق عالم پروفیسر گرگیلیوٹ نے اس انجیل پر ایک ملاحظہ جو حسین اُسے
 اس انجیل کی عدم صحت کی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کیے ہیں،
 ۱۔ مسلمانوں نے تمام انجیلوں کو چھان ڈالا، انکی تحریفیں ثابت کرنی چاہیں انجیل کے
 جو فقرے انکو اپنے مقصد کے موافق لے آئے انکو اسلام کی صحت کے دلائل میں پیش کیا،
 خصوصاً علم کلام کی تدوین کے بعد، ابن حزم ابن تیمیہ نے بڑی بڑی کوششیں انجیل کے
 حروف ہونے کے متعلق کیں اگر یہ نسخہ اس وقت موجود ہوتا تو وہ ضرور اپنی کتابوں میں
 اسے جب کنیسہ کو اٹھانے کا ذکر کرتے ہوئے،

اسکا ذکر کرتے، حالانکہ انھوں نے کہیں اسکا ذکر تک نہیں کیا۔

(۲) مسلمانوں نے کتابوں کی جو فہرستیں مرتب کی ہیں مثلاً کتاب الفہرست ابن ندیم اور کشف الظنون حاجی خلیفہ انھیں کہیں اس انجیل کا ذکر نہیں ہے حالانکہ انھیں بہت سی بیودہ کتابوں کا ذکر موجود ہے، ایسیلئے اگر یہ انجیل اُنکے زمانہ میں موجود ہوئی، تو ضرور وہ اسکا ذکر کرتے،

(۳) مسلمانوں نے سیرۃ النبی میں، محمد صلعم کی پیشینگوئی میں انجیل کے بعض درس نقل کیے جو بعید تاویلات سے محمد صلعم کی نبوت پر دلیل ہیں اگر اُنکے زمانے میں یہ کتاب ہوئی تو وہ ضرور اسکو دعویٰ کی سند میں پیش کرتے،

اس انجیل کی صحت اور عدم صحت کے متعلق جو بحثیں ہوئی ہیں اُنکا خلاصہ یہ ہو کہ یہ انجیل یورپ کے تارک عہد میں تالیف کی گئی ہے، اور اسکی تالیف کا سلسلہ ایک ایطالین راہب تک پہنچتا ہے جو سولہویں صدی میں تھا اور اُسکا نام فراماریو تھا یا تو اُسنے خود اُسکو تصنیف کیا، یا کسی اور نسخہ سے اُسنے اُسکو نقل کیا ہے، بہر حال اس انجیل کا مصنف کوئی ایطالی ہی ہے جسکو تورات انجیل زبور اور اٹلی کے مشہور شاعر دانٹی کے تالیفات پر عبور کامل تھا اور قرآن و حدیث سے بھی اُسکو واقفیت تھی، ان محققین کا یہ خیال ہے کہ اسکا غالباً عربی میں کوئی نسخہ نہیں مل سکتا، اور اگر کوئی نسخہ ملیگا بھی تو وہ قدیم نہ ہوگا۔ اس انجیل کے سبب تالیف کے متعلق وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اسکا مولف مسلمان ہو گیا ہوگا اور اُسکا مقصد اس سے یہ ہوگا کہ اسلام اور عیسائیت میں تقریب پیدا کی جائے

یا صرف عیسائیوں کو دھوکا دینا اسکا مقصد تھا،

لے یہ فہرستیں خود عربی کتابوں کی جامع تھیں چہ جائیکہ ان میں پوشیدہ بھیلوں کی تفصیل ہو، سیمان لے جب عیسائی خود اس انجیل سے بے خیر تھے تو مسلمان کیونکر جان سکتے تھے، سیمان

بغیت اشعار تعزیت پاتے مولانا شبلی نعمانی مولوی اقبال احمد صاحب

اے آنکہ تو اہل قوم را جانی حق داد ترا بلک فن دارائی
چون نیست کیسے جس سر تو در پایہ پس پاتے ترا ہی سر دیکتائی

صد حیف ہوا شکستہ پاتے شبلی اب سلسلہ سفر بھی مفقود ہوا
مشتاق زیارت جو ہو خود آئے بیان رہبر جو تھا اب کعبہ مقصود ہوا

اللہ نے آپکو جو ممتاز کیا ہر وصف میں بے نظیر و انباز کیا
باقی تھا فقط فخر شہادت ملنا اک پاؤں کو اس سے بھی سرفراز کیا

کہجے نہ غم شکست پا مولانا! اس میں بھی تھی حکمتِ خداے دانا
تھی اہل عدم کو آرزوے پا بوس اک پاؤں وہاں بھی چاہیے تھا جانا

ہم نے تو حق سر نوشت میں حضرت! نہ ہاتھ آئے گا کچھ اب لو ہاتھ ملنے سے
عدم کی دُور ہے منزل نہ جاسکیں گے جلو چلے گا قوم کا کام آپ کے نہ چلنے سے

یہ رباعی مولانا کے اس شعر کے جواب میں ہے

یعنی کہ ہر حق پچا ہوں جس منزل تک یانے سفر عدم میں اب آسان ہے

مولانا محمد فاروق صاحب سابق مدرس عالی العلوم

<p> نور چشم جهان و جان پدر از نسب نامہ اسے عز و جلال جو رہے سہم پسند مباد باد ہر بزم پر ز نور، از تو گشتی از دست روزگار نگار پاک آن رہرو جهان پیامے کہ نیارم شنید شش اصلا من در اینجا بہ حاجتے پابند کاسے از اخبار این دآن غافل شبلیات را با گزند رسید تاب شفقش ز من برید بسوے طیبہ گام نہ راسے جیف از ساق خود جدا گردید یاد چون آید از تو رہ سپری نہ پے او چہار بدر زہر صبر تو نہ سنہ پایہ داشت بلند لیک چہیت نگشتہ گرد چین لیک صبرت چو کوہ پابرجا دانش بر رہ سعادت وار </p>	<p> اے دل افروز شمع علم و ہنر یہ را انتخاب رسم و کمال یہ توانا آسمان گزند مباد چشم زخم زمانہ دور از تو من شنیدم کہ اندرین پرکار آفت ناگمان رسید بہ پایے بخداے کز دست جبر و بلا بودہ ام در تعب ز روزے چند کہ بمن گفت رہرو حاصل تیرے از چرخ خود پسند رسید این خبر چون بگوش من برید آو خ آن پایے راہ پیامے ہم رہ مصر و شام در دم برید دل بچوش آدم بہ نوہ گری رہ نوردی بر لے کسب ہنر اگر چہ پاسے تو دید بیش گزند اگر چہ شد خون از و روان بزین اگر چہ پائت ز ساق گشتہ جدا اے خداوند و اہب عمار </p>
---	--

کتابخانه معین بن جکنا من غرض فروخت جو میں ہم مفتی نور محمد انکی خدمت میں آئے کرتے رہے۔ ان کا بونکی جو نہیں ہے
 آج کی من و دہ اس قدر ازان ہیں کہ خود صورت منگوانے میں ہی اس سے زیادہ کمایات نہیں ہو سکتی۔

علم	نام کتاب	قیمت	علم	نام کتاب	قیمت
۱۰	تفسیر کبیر	۱۰	۸	مختار الصحاح صبی للرازی	۸
۱۰	تفسیر خازن	۱۰	۱۰	مختار الصحاح کلان للرازی	۱۰
۱۰	تفسیر خبیاوی	۱۰	۱۰	ادب	۱۰
۱۰	تفسیر ہلالین	۱۰	۱۰	مبطل الادب کاظم	۱۰
۱۰	کشف الظنون	۱۰	۱۰	الحی من الرضا والحق	۱۰
۱۰	تکبیری شمع دیوار تینی	۱۰	۱۰	کلام	۱۰
۱۰	دیوان بصری حیات خلاصہ شرح تبریز	۱۰	۱۰	فقه	۱۰
۱۰	دیوان ابو تمام	۱۰	۱۰	راوی الفلاح	۱۰
۱۰	دیوان بختری	۱۰	۱۰	پہلی کشف الاسرار طبع دوی	۱۰
۱۰	دیوان بصری	۱۰	۱۰	توشیح و تلوین بحال	۱۰
۱۰	فتح المآثر فی تنبیات شعر العرب	۱۰	۱۰	ادب مقامات بری بطوطہ مصر	۱۰
۱۰	سماج سمانہ مصر فی تاریخ علی اسرار	۱۰	۱۰	مقامات باقی ہدانی	۱۰
۱۰	ادب البیع بالفکر فی الاماکن و احکام	۱۰	۱۰	نایب الادب فی مقامات مصر	۱۰
۱۰	الامال لا یجوز سبانی	۱۰	۱۰	نایب الادب فی مقامات مصر	۱۰
۱۰	اسرار البلاغۃ بربانی	۱۰	۱۰	شرحیات حاد	۱۰
۱۰	دروس البلاغۃ	۱۰	۱۰	تاریخ شعراء العرب	۱۰
۱۰	نقد الشعر لابن قدامہ	۱۰	۱۰	شرح معانی لغوی	۱۰
۱۰	فقه اللغة مصری للشعاہی	۱۰	۱۰	فلسفہ	۱۰
۱۰	فقه اللغة بیروت للشعاہی	۱۰	۱۰	منطق	۱۰
۱۰	الفاظ الکتابیہ للہدانی	۱۰	۱۰	تاریخ ابن خالکان	۱۰

اشتہار

علم الکلام

طبع دوم درجہ اعلیٰ

مصنفہ

شبلی نعمانی

اس کتاب میں علم کلام کی ابتداء، اسکی مختلف شاخیں اور عہد بہ عہد کی ترقیوں کی نہایت تفصیلی تاریخ اور اسکے متعلق مباحث اور تحقیقات ہیں۔ طبع اول ختم ہو چکی ہے۔ اسلئے نہایت اہتمام سے دوبارہ خوشخط اور صحیح چھاپی گئی ہے۔

قیمت ۱۷۰

زیادہ جلدوں کے خریدار کو فی صدی عیسے کمیشن ملیگا۔

دفتر ندوہ لکھنؤ سے مل سکتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ندوہ

شذرات

ندوہ کے ارکان جدید، اب کی مجلس انتظامیہ میں خالی شدہ جگہوں پر جو جدید ارکان منتخب ہوئے ان سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا،

مولوی شیر حسین صاحب قدوائی، جو ابھی حال میں ولایت سے تعلیم پا کر آئے ہیں انکی قابلیت اور روشن خیالی، مذہبی ہمدردی، محتاج انہار نہیں، ندوہ کے ساتھ ان کو محبت تین بلکہ عشق ہے، اور اب موقع حاصل ہوا ہے کہ ان کے جوش ہمدردی کے آثار عملی صورت میں نظر آئیں

مولوی عبدالحمید صاحب بے اے مصنف نظام القرآن جن کے بعض مضامین ندوہ کے ذریعہ سے روشناس ہو چکے ہیں، جس پایہ کے شخص ہیں، ندوہ کو اسی قسم کے دیگر کارکن، انھوں نے حال میں پورے ایک مہینہ ندوہ رکھ کر دروس الاولیہ کا جو علوم پیرہ کی ایک بیضا تصنیف ہے درس دیا ہے اس خدمت کو ان کے سوا اور کوئی شخص انجام نہیں دے سکتا تھا

۳۔ شیخ عبدالقادر صاحب بریلٹ لاہور کے ساتھ جو غلوں سے ہمارے ملک کی
 بین نہادوں سے ہے کہ مذہب کا کوئی پچھلا اجلاس شیخ صاحب کی تشرف آوری اور کلمہ
 خالی نہیں ہے، اوں کی اسلامی ہمدردی اور قومی معاملات میں اوں کی دلچسپی ملک میں
 بار بار ظاہر ہو چکی ہے،

۴۔ شیخ عبدالحکیم صاحب، رئیس مشہور کانپور، ایسے شخص ہیں کہ ان کی توفیق سی توجہ
 مذہب کے دامن امید کو بڑھ کر سکتی ہے۔

۵۔ خان بہادر شیخ غلام صادق صاحب آئری مجسٹریٹ و رئیس امرتسر، اُن لوگوں میں ہیں
 جو قومی دشمنوں کے ساتھ اور خصوصاً مذہب العلماء کے ساتھ ایک خاص مہم کی دلچسپی رکھتے ہیں
 ہم کو امید ہے کہ خان بہادر کی مذہب کی طرف اونی توجہ مذہب کی سرسبزی کا باعث ہوگی،

۶۔ سید محمود عالم صاحب رئیس فیض آباد، جو ایک روشن خیال فیاض طبع رئیس ہیں،
 قوم چونکہ ارکان مذہب کے نام سے ناواقف ہے اس لیے وہ نہیں جانتی کہ ملک کا کتنا حصہ
 مذہب العلماء کے انتظامی امور میں دلچسپی لیتا ہے اس بنا پر ہم آئندہ چرچہ میں کل ارکان مذہب
 کی فہرست شائع کریں گے،

نوشی کی بات ہے کہ مذہب کی طرز تعلیم کو رفتہ رفتہ حسن قبول ہوتا جاتا ہے اور یہاں کے سنی
 اشخاص کی جا بجا سے مانگ آتی ہے حال میں ممالک متوسطہ کے ایک رئیس کی تعلیم کے لیے
 وپٹی کشر صاحب نے ایک مسلمان عہدہ دار کے ذریعہ سے ایک سند یافتہ عالم طلب کیا
 چنانچہ مولوی محمود علی خان اس خدمت کے لیے انتخاب ہو کر بھیجے گئے انھیں سنیہ تعلیم
 مذہب سے مولویت حاصل کی ہے

مدرسہ اسلامیہ کراچی میں پڑھنے والوں سے مستعد ہونی مجاہد اور مجتہدین کے ایک
 مدرسہ کی کئی ہے کہ عربی تعلیم کے نصاب میں اصلاح کی جائے اور عربی کے ساتھ
 عربی تعلیم بھی شامل کی جائے۔ ندوہ نے برسوں پہلے جو کاغذات، اب جا کر لوگ اسکو سمجھ
 اور سمجھتے ہوئے ہیں،

ندوہ میں علم قراءت کی تعلیم، قراءت ایک ایسا فن ہے جس کے سوجد خاص مسلمان ہیں
 اور کچھ بھی ہیں ان کے سوا دنیا میں اور کسی قوم میں نہیں پایا جاتا، ندوہ میں قراءت کی تعلیم کا
 نظام ابھرتا رہا، لیکن یہ ندوہ کی خوش قسمتی ہے کہ اتفاق سے اسکو ایک ایسا ماہر فن
 الہیہ جو درون مدینہ منورہ میں رہا ہے اور جامع ازہر مصر میں قراءت کی باقاعدہ تعلیم پائی ہے،
 کل فن کے ساتھ خدا نے حسن صوت کا جو ہر بھی عطا کیا ہے۔ ان کا نام حسن افندی ہے
 وہ ندوہ میں آئے ہیں طلبہ نے اس فن میں نہایت جلد ترقی کی ہے۔

دوسری غلام محمد صاحب ٹکڑی دہل ندوہ مدراس و میسور سے کامیاب واپس آگئے ہیں ان میں
 نے کل ندوہ اور ندوہ کے ساتھ جو حسن سلوک اور امداد کی ندوہ اس کا شکر یہ ادا کرتا ہے،
 علامہ عبدالحق صاحب تاج علم، جناب محمد ابراہیم صاحب قریشی بے اے ایل ٹی،
 جناب مشرید الحمید صاحب بے اے ایل۔ ایل بی، جناب ثواب غلام احمد صاحب بے ایل و پور،
 جناب بشیر حسن صاحب بکری محمد ان ایجوکیشنل سوسائٹی، والنبازی، جناب سید احمد صاحب
 ایل ٹی، جناب احمد اسد خان صاحب بی۔ اے بی۔ ایل کوئٹہ، جناب سید
 محمد رفیق صاحب بکری محمد ان ایجوکیشنل سوسائٹی، والنبازی، جناب سید احمد صاحب
 ایل ٹی، ندوہ کو ہر قسم کی مدد دیکر اسلامی ہمدردی کا ثبوت دیا،

دوسری خانہ خانی مولیٰ سید باعث علی شاہ صاحب محدث علی پوری (دیسالکٹ) تشبیبی

مجہدی کا ہم نہایت خلوص سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے مدراس و مسو رین ندوۃ العلماء
بہت کچھ امداد فرمائی، ہم جناب شاہ صاحب سے آئندہ اس سے زیادہ عنایت کے قیام پر
ہماری خواہش ہے کہ وہ حسب دستور العمل ندوہ، ندوہ کے سرپرست قرار دیے جائیں

کنزل عبد المجید خان فارن منشی ریاست پٹیالہ نے دارالعلوم کو سو روپے کی رقم عطا فرمائی، اور
دارالعلوم کی طرف ایک خاص مکتب کی توجہ ظاہر کی جس سے ہمارے دل میں کنزل صاحب
موصوف کے ساتھ بہت سی حوصلہ افزا امیدیں قائم ہو گئیں،

بغیر کسی مستقل سرمایہ کے دارالعلوم کا روای انتظام ہونین سکتا، متفرقات چند دن کی زحمت ہمیشہ
اور ایک حالت پر رہتی نہیں، اس بنا پر ہماری یہ تحریک تھی کہ قوم کے اکثر افراد اپنے ماہانہ یا سالانہ
اخراجات میں دارالعلوم کی امداد کی بھی ایک مدبر ہادین، ضرور نہیں ہے کہ سوچا جس کی کوئی معتد
رقم ہو، جس قدر بھی جس سے ہو سکے، ہماری اس تحریک کو سب سے پہلے مدراس میں اجابت
حاصل ہوئی، اور دس پندرہ اشخاص کی ہمت سے آٹھ سو روپے سالانہ مستقل سرمایہ کی امداد حاصل
ہوئی حال میں چودھری محمد طہ صاحب ٹرنسلیٹر دفتر تقنشی آکھ آباد نے بھی بارہ سو روپے سالانہ
دارالعلوم کے مقرر فرمائے

جناب آنریبل مولوی شریف الدین صاحب حج ہائیکوٹ کلکتہ

اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مسانینہ

جناب آنریبل مولوی سید شرف الدین صاحب بالقابہ کو ہمیشہ مذہبی امور سے شغف رہا ہے
چنانچہ اکثر مذہبی جلسوں میں وہ شریک ہوتے ہیں۔ کج کل و جناب حاجی شاہ وارث علی صاحب مرحوم

کے نزدیک درت کی قریب سے گھٹو میں آئے تھے سچ کو ان کو ندوۃ العلماء سے بھی ہمیشہ
 ملا ہی رہی ہے اس لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بھی معائنہ کیا، معائنہ کی ایک بڑی وجہ یہ تھی
 کہ انہما دونوں میں خیر شائع ہو چکی تھی، کہ اور خصوصیات کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ایک
 مختاری خصوصیت یہ ہے کہ بیان کے طلباء عربی زبان میں فی البدیہہ تقریر کر سکتے ہیں یہ پہلے
 جناب انزبیل موصوف، شاہدۃ اس معجب انگیز منظر کو دیکھنا چاہتے تھے، اس خیال سے وہ ۱۰۰
 اکوڑ بھٹک کر وقت دس بجے دن، جناب میر شہزاد حسین صاحب بیر شراث لاہور و مرزا سلطان
 صاحب بیر شراث لاہور کے ہمراہ دارالعلوم میں تشریف لائے

دارالعلوم کے ہال میں اگر سب سے پہلے انزبیل موصوف نے جناب قاری حسن آفندی سے
 و مضمون نے مصراور مدینہ منورہ میں قزاق و تجوید کی تعلیم پائی ہے قزاق کی فرمائش کی،
 انھوں نے نہایت دلکش اور پردہ و لہجہ میں ایک سورۃ کی تلاوت کی، اس کے بعد طلباء
 دارالعلوم کی عربی تقریر کے متعلق پانچ اشوق ظاہر فرمایا، اور میر شہزاد حسین صاحب سے کسی
 علمی عنوان کے تجویز کرنے کی فرمائش کی، انھوں نے مسئلہ تعلیم کو پیش کیا، لیکن چونکہ طلباء کے لیے
 یہ نہایت پامال اور پیش پا افتادہ مضمون تھا اس لیے ان دونوں صاحبوں کے اتفاق سے یہ
 خوار پاپا کہ طلباء کو "گورنمنٹ" اور رعایا کے تعلقات پر نظر خیال کا موقع دیا جائے، کیونکہ
 عربی طلباء کے لیے یہ ایک پیچیدہ، اور بیگانہ مضمون ہے، اس مضمون پر مولوی سید سلیمان نے
 اس جہت کی اور روانی کے ساتھ تقریر کی کہ تمام حاضرین کو معجب ہوا، چنانچہ خود جناب جج صاحب
 کے سامنے ہی وہ تقریر قلب بند کر لی گئی، جو بیعت اس موقع پر درج کی جاتی ہے :

سأد اتا الکرام

قبل ان بیعت عن موضوعنا الجلیل نری من واجباتنا ان نقدم الیکم

أعني تخيأتنا وأزكى تشكرتنا على ما أوليتنا من التفضيلات التي هي مستحقة
بجدة الدم وجملها يا دى الأيام

ما شرفتم دارنا الآن فقط بل مرات قبله أعاد الله أمثالها علينا، خلاصنا
وسقيتم غليلنا، وشفيتم غليلنا أنت يا سيدي من رجال الأمة كثر الله عدوك
وأجمل مدد هم الدين نهضوا بأعباء الأمة بعلوا الحق وسعوا وابتغوا
سعي لا نقاد الإسلام والمسلمين من ربة الجمل والهوان والخذلان أنتم
جئتم متفرجين بأزهار الأمة التي تفتحت، وفاحت، ومتزهرت
بشجرة القوم التي أصلها ثابت وفرعها في السماء وأكلها دائم،

وبعد سألتوا ناعن الأدياب التي نستعملها في شأن السلطنة التي هي متولية
علينا، قبل أن تنفقه بها نرى أن نفسر عن السلطنة، الإنسان مقطوع،
ومجبول على حب السلطنة، والسلطنة ما خلقت إلا لإصلاح نفوس رعاياها
وما ملكت عليه يداها، ترى أن قلبت صفحات التاريخ هي مفعمة وملوثة
من دماء السيوف والقواضب، فإن النفوس بأفراد ملحينة اليأس، و
تتقاتل دونها، تواريخ الإنسان دالة والتواريخ أكبر شاهد على حادثة
أن النفوس دونها قاتلت، ونازعت، وناضلت،

الديار وأهلها من بدء الخلقة انشئت عليهم دول، وأقيم سلاطين
واستفحل أمرهم، وحاشوا على رؤس رعاياهم برأفة ورحمة، نسمع على أديم
ونرى أعماهم يسمع التاريخ وأبصاره، فالتاريخ ناطق عن كل ما أضر وما
يجلنا عنه، الأمر نجيب ومثوق بالدولة، لا تحيى أمة إلا بها، ولا ينجى

والدولة لا ينفصل عن الامانة والامانة لا ينفصل عن

العدل والعدل لا ينفصل عن الامانة، فاذا صلحت الافراد صلحت الدولة

فاذا صلحت الدولة، صلحت الدولة وكل شعوبها، فالأحباب القوي

بالحكومة، لا بد ان تكون مصلحة الافرادها اذا يثبت رجل

من الامم الى استخدام مع السلطنة، يجب عليه ان يبحث عن اعمال

الدولة وهي بمعنى اخر اعمال تصلح انفس الافراد والامة كما هي ملحوظة

في الدول الجمهورية او دولة تحكم على الناس بسنن معروفة وقوانين جميلة

فلان نعمامها بصنعة تصلحها، ولها ان تعاملنا بصنعة تصلحنا

فانزلت الدولة والامة اذا الدنا الاصلاح ما استطاعنا،

عربي سے فارغ ہو کر، انھوں نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ کی جو ندوۃ العلماء کی تعلیمی سطح کا دوسرا

درجہ ہے، چنانچہ ایک طالب العلم سے جو نڈل ریڈر پڑھتا تھا، مختلف سوالات کیے اور اس نے

حاجت بقیدگی کے ساتھ ہر ایک کا جواب دیا، اسکے بعد ایک طالب العلم نے جناب جج صاحب

کی مدح سے قرآن مجید کی ایک سورہ کی تلاوت کی، جناب جج صاحب نے اس سورہ کے

متعلق طلباء سے بعض تفسیری سئلے بھی دریافت فرمائے، جن کا تعلق خاص علم کلام سے تھا،

پھر اسکے متعلق بعض طلباء کے جواب کو پسند فرمایا، اور خود اپنی ذاتی تحقیق بھی بیان فرمائی،

پھر یہ تمام کام دلائل جناب جج صاحب موصوف کی خواہش کے مطابق ختم ہو چکے تھے

میں انھوں نے جناب مولوی سید عبدالحی صاحب نانم ندوۃ العلماء کے ذریعے سے، جناب جج صاحب

کو مطلع کیا، جس کی دعوت کی جناب جج صاحب نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ قبول

فرمایا، طلباء نے بعد مغرب اہتمام کے ساتھ جلوس دعوت کا انتظام کیا، جس میں شہر کے بعض

اور اراکین بھی دعویٰ کئے تھے، لیکن رمضان کی جسے مشرف شاہ حسین صاحب بریلوی کے ساتھ
دوسرے حضرات تشریف نہ لاسکے جناب ج صاحب بھون سات بجے شب کو تشریف لائے
دعوت ہو، دعوت کے بعد طلباء نے جلسہ کی کارروائی شروع کی، سب پہلے محمد عبدالسلام نے ہدایت
سنجیدگی کے ساتھ مختار مجلس کا شکریہ ادا کیا اور اسکے ضمن میں تقریباً اسیٹ تک ہمدردی اسلامی
حالت، اور اسکے ساتھ صاحب کے تعلقات کا ذکر کیا، اسکے بعد مولوی ضیاء الحسن صاحب مولوی فیاض
میں تقریر کی، اور چند طلباء نے عربی مضامین پڑھے،

ان تمام واقعات کا جائزہ جناب ج صاحب کے دل پر ہوا اسکا اظہار انھوں نے خود اسی جلسہ میں ایک سچے
کے ذریعے کیا جو اسی وقت ملبند کر لیگئی اور دارالعلوم کے طرز تعلیم کے متعلق انھوں نے جو رائے
قائم کی، اسکو کتاب معاینہ (وزن یک) میں بزبان انگریزی لکھ کر بارے پاس بھیجا ہے، ہر چہ ہم
تقریر کی نقل اور اس تحریر کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں

کیفیت معاینہ

دینیہ کل ۱۔ تاریخ کو دارالعلوم کا معائنہ کیا، میرے ہمراہ مشرف شاہ حسین، و مشرف شاہ محمد بریلوی
بھی تھے میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا، کہ چند طلباء اس دارالعلوم کے عربی میں آسانی سے سچے دیکھتے ہیں
میں اسکی تصدیق کا خواستگار تھا کہ بذات خود جا کر دریافت کروں کہ یہ رپورٹ کس حد تک صحیح ہے، صاحبان
مدوح بالا کو زغیب دیکھان کے ہمراہ لیا، میرے ہمراہیوں نے تقریر کے لیے عنوان منتخب کیا، طلباء
میں سے ایک طالب العلم سیدی سلیمان نے، مضمون مرقۃ بالاکو نہایت جہل کے ساتھ بیان کیا
تحقیق سے بہکوا معلوم ہوا کہ یہ لوجان اس دارالعلوم میں تقریباً ۱۰ برس تک طالب العلم رہ چکا ہے، مضمون جو رشید
زیادہ دقیق مضمون تھا، اور مجھے اس بات میں شک تھا کہ آیا یہ غیر معروف مضمون کبھی طالب العلم کے کان میں ہے
یا اسکا ایک نمونہ ہے جو کہ طلباء دیے ہوئے وقت میں بیان کر سکتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ وہ اس بہتر

کے لئے جن ایک دوسرا اسباب علم کو اپنی عربی خواندگی کے انتظام کے بعد انگریزی درجہ میں
 پہنچا ہے، ایک مختصر تقریر انگریزی میں کی،

میں مہربان، اور ملا کو جو کلاس میں بہادر العلوم کے بانی ہیں، اس کامیابی پر جو کلاسوں نے ایسے
 قبل وقت میں حاصل کی ہے، مبارکباد دیتا ہوں،

میں اس سے کہ عام مسلمان، کامل طور پر، اس منزلت سے، جو کلاس مار العلوم کی کرنا چاہیے واقف
 نہیں ہیں، مکان موزون نہیں بنا ہے، اور میں عام مسلمانوں کو اسکی جانب توجہ دلاتا ہوں، کہ طلبہ
 کی تباہی کے لیے، زیادہ کوشش، اور بہتر مکان کی ضرورت ہے۔

میں مکانات کے فروخت کرنے، اور جدید اسکول کی عمارت، اور کھیل کے لیے، زمین کے خرید کرنے کا مسئلہ
 پیش ہے، مجھے یقین ہے کہ میں اپنی دوسری آمد میں مدرسہ کی عمارت، حمد مجبور پاؤں گا،

ید شرف الدین حج ہائیکوٹ کلکتہ
 مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۳۱۸ء مقام گھنٹہ

تقریر مولوی شرف الدین صاحب حج ہائیکوٹ و مرن ندوۃ العلماء

میں نے ملائے العلوم کو دیکھا اور بیان کی تعلیم تربیت کا اندازہ کیا، ہماری سرت باطل اس مالی جیسی ہے جو کوئی
 مانگ لگاتا ہے، رقم چھوٹے، اس سے درخت لگے، پھول ہوئے، پھل ہوئے، اب مالی جب اپنے باغ پر
 نظر ڈالتا ہے تو خوشی سے بھولا نہیں سہا،

میں نے اندازہ زدہ کے مقاصد سے اس وقت آگاہی ہوئی جب ندوۃ العلماء کا وفد عظیم آباد پیشہ آیا، اس وفد
 کے سرگرم مولانا شہل تھے، اسی وفد کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ ندوہ کے اغراض کیا ہیں؟ اور وہ کیا
 ہے؟ ندوہ چاہتا ہے کہ تھوڑی مدت میں انگریزی کے ساتھ عربی کی اعلیٰ تعلیم دی جائے،
 اس سے لکھنؤ میں جو مسلمانوں کو عربی زبان کی ماز ضرورت ہے، ہذا قرآن مجید عربی زبان

مین ہے، ہمارے رسول کی زبان عربی تھی، ہماری تمام مذہبی کتابیں عربی میں ہیں،
 اس زمانہ میں انگریزی سلطنت کی وجہ سے انگریزی سے ہتھانہیں ہو سکتا، نیز ہمارے یہی فرض نہیں ہے
 کہ ہم اپنی زبان میں اسے مکمل اشاعت کریں بلکہ ضرورت سے غیر قوموں میں اشاعت اسلام کی،
 ہم نے پہلے پانچ سو دفعہ کے ذریعہ سے یہ معلوم کیا کہ عربی کی انگریزی زبان کے ساتھ ترکیب ممکن ہے
 ابتداء پر کوشش میں ناکامیابی کا شبہ ہوتا ہے، دارالعلوم کے متعلق بھی یہی ظہور تھا، ہم اتفاق سے
 جب کھٹوانے کا اتفاق ہوا ہم نے مذکور کی زیارت کی مگر الحمد للہ ہم نے ہر سال دارالعلوم کی تعلیمی ترقی کو
 سال گذشتہ سے زیادہ پایا،

حکومت میں ہم نے اخباروں میں دیکھا کہ دارالعلوم کے طلبہ عربی میں لکھ دیتے ہیں، چنانچہ اس سال کی دستاویز
 کے جلسہ میں ہمارے دوست خواجہ غلام الفقیہ نے ایک مادہ (موضوع) دیا جس کے متعلق ہم کو یہ یاد نہیں کہ وہ مادہ
 کیا تھا، طلبہ نے نہایت جستکی کے ساتھ اس پر تقریر کی اس کے بعد جلسہ کی رپورٹ دیکھی، اس میں بھی اس واقعہ کو
 دیکھ کر یہ شوق پیدا ہوا کہ ہم اپنی آنکھوں سے طلبہ کو عربی زبان میں تقریر کرتے ہوئے دیکھیں،
 ہم آج صبح کو دارالعلوم آئے اور ہمارے ساتھ چند احباب بھی تھے جس کا خیال تھا کہ طلبہ عربی زبان میں
 تقریر نہ کر سکیں گے، ہمارے دارالعلوم کی ذات سے اس کا انکار تو نہ تھا مگر شبہ ضرور تھا، ہماری عربی دانی کم ہے
 اگر طوائف صحبت سے کچھ نہ کچھ فیض حاصل ہے،

ہم لوگوں نے استقامت مناسب خیال کیا کہ کوئی مادہ دیا جائے، جو لوگوں کے مبلغ علم سے زیادہ ہو،
 ہمارے احباب نے یہ مادہ مقرر کیا کہ گورنمنٹ کے ساتھ ہمارا کیا برتاؤ ہونا چاہیے، یہ مادہ ایسا تھا جس کے
 لیے صرف عربی دانی کافی ہو، بلکہ اس کے لیے ضرورت ہے وسعت خیال کی جدید مغربی خیالات کی،
 سید سلیمان نے اس مادہ پر جو تقریر کی اس نے صرف یہی نہیں ثابت کیا کہ یہ عربی زبان میں بلا تکلف لکھ
 دیکھتے ہیں بلکہ اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ عمدہ بندش کے ساتھ عمدہ خیالات کو اچھی وسعت معلومات کے

مختص وقت میں زیادہ غور کیا اور اس کے ہیں،

ہم ان کو پہچان کر چکے ہیں کہ اس وقت ہماری خوشی بالکل اٹھ جاتی تھی ہے جو اپنے لگائے ہوئے
میں کر رہا ہے باہر سے لگتا ہے، ہم کو صرف خوشی نہیں ہوتی بلکہ ہماری روحانی پرورش بھی ہوتی
یہاں پر خوشی کی بات ہے کہ بچے یہاں مغربی دت میں عربی کتابیں پڑھ لیتے ہیں ہم نے ایک مدت
تک عربی پڑھی ہے، میزان شعبہ پنج گنج، صرف میرزا زبدہ، فضول اکبری، بیرون کتابیں صرف میں
پڑھتی ہیں، عموماً دس سال میں عربی تعلیم ختم ہوتی ہے مگر خدا جانے آپ علماء کے پاس کچھ سحر کی گولیاں
ہیں اور جب نہیں جو ہوں کیونکہ حکیم صاحب (مولوی عبدالحی صاحب مستحق) یہیں رہتے ہیں، یہ گولیاں
آپ بچوں کو کھلا دیتے ہیں جو وہ پانچ برس میں عربی پڑھ لیتے ہیں،

موزیہ! تمہارے ہر دوسے ہر جو زمین سے اُگے ہیں جن کی شاخیں ہر طرف پھیلی جاتی ہیں اور
ان کا لکڑی کا دن تمام ملک کو بچا لو گے،

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انگریزی اور فلسفہ یورپ کی سخت ضرورت ہے، ان کے بغیر کچھ کوئی
کام نہیں چل سکتا، ہمدی فراموش اور ہماری دعا ہے کہ تم انگریزی زبان بھی حاصل کرو کیونکہ عربی دینی
کے ساتھ انگریزی کی سخت ضرورت ہے،

یہ سلیان کی تقریر کا خلاصہ ہم لیے جاتے ہیں، اور مولانا ہم کو اجازت دیجیے کہ یہ جو سب (ورثہ) ہم
ہے ساتھ لے جائیں اور اپنی رائے اس پر انگریزی میں لکھیں تاکہ اس کو آپ لوگ انگریزی
مقامات میں شائع کر سکیں،

نیشہ اوزنگ زیب عالمگیر

ہندوؤں کی عام ناراضی کے اسباب

عالمگیر کے جرائم میں یہ سب بڑا جوہر بلکہ مجموعہ جرائم ہے، عالمگیر نے ہندوؤں کو عازت سے قتل کر دیا، ان کے مذہبی میلے میلے موقوف کر دیے، ان کی درگاہیں بند کر دیں، ان پر جزیہ لگایا، ان کے بت خانے تڑوا دیے، غرض اس حد تک ان کو تباہ کیا کہ وہ زبان حال سے بول اٹھے

آن وقت رجو رکن گدگد جانے لگتا آید، کس اعتماد کو

ان جرائم کا یہ حال ہے کہ بعض جزئی اور مختص الحالہ واقعات ہیں، مخالفین نے ان کو عام کر دیا، بعض کی تعبیر غلط کی ہے، بعض کے ناگزیر اسباب میں چنانچہ ہم ایک ایک کو الگ الگ بیان کرتے ہیں، لیکن سب پہلے ایک ضروری امر کا تذکرہ کرنا ضرور ہے،

اکبر نے جہاں پرسی قائم کی اس نے ہندوؤں کو تخت سلطنت کا شریک بنا دیا لیکن باہن میں ہم چونکہ اکبر کی سلطنت اور جہوت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا ہندوؤں نے اپنی حد سے آگے قدم نہیں بڑھایا، جہانگیر کی نرمی اور سستی نے ان کو جہوت دلائی، اور اب ان کی خود سری کے جوہر چمکنے لگے، جہانگیر کے اشارے سے نرسنگ دیو بندید نے، جہانگیر کی وسعتی کے زمانہ میں ابو الفضل کے دھوکے سے قتل کر دیا تھا، اور اس کا مال و اسباب اور شاہی خزانہ جو ساتھ محالوت لیا تھا، جب جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس کا رگڑاری کے صلہ میں نرسنگ دیو نے سحر امین بتجانہ بنائے، ان کی اجازت طلب کی، جہانگیر نے اجازت دی، نرسنگ نے حاصل اس روپے جو ابو الفضل کی خانگاری سے

ان کا حکمیت خانہ کی تعمیر کی، شیر خان لودی جو ابو افضل کو قتل قرار دیتا ہے اور اس بات سے
 دشمن ہے کہ قتل کے مال سے بہت عائد بنا تو ع مال حرام ہو دیا جائے حرام رفت اس واقعہ کو
 ان القانین لکھتا ہے :

ان ضال افضل (ابو افضل) در راہ و کن بانشارہ نور الدین محمد جاگیر دہلک راجہ نرسنگھ دیو
 بقتل رسید و مال ہای کہ بدست آویز بے راہی گرد آورده بود، و اہتمام راجہ فکور بر معجزہ
 کہ در سواد شہر متحر اساختہ بود صرف گردید و حکم کریدہ الخیشات للنجیشین بنہو ریوست
 آخر ان بت خانہ نیز بتیہ حکم حضرت عالمگیر شاہ با خاک برابر شد

اکبر کے زمانہ میں بالین ہمہ آزادی مذہبی غالباً کوئی نیابت خانہ تعمیر نہیں ہوا جاگیر اگرچہ اکبر کی نسبت
 متعصب تھا چنانچہ کوٹ کا گڑھ کی فتح میں گاؤں کی رسم قائم کرنے پر غشی کا اظہار کیا ہے تاہم چونکہ
 حکومت میں وہ دور نہیں رہا قاصر بنارس میں ۶۷۰ء میں تھانے تعمیر ہوئے چنانچہ تفصیل اس کی آگے آئیگی،
 اس واقعہ کے اظہار سے پتہ چلتا ہے کہ ہم مذہبی آزادی کے خلاف ہیں، بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ
 یہ واقعہ، آمیزہ واقعات کا پیش خیمہ تھا

جن میں اب ہندوؤں نے علانیہ مسلمانوں پر قندی اور ظلم شروع کیا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہندو
 مسلمان عورتوں سے یہ جبر شادی کرتے تھے اور ان کو گھروں میں ال لیتے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ
 ہندوؤں کو قتل کرانی جگہ قتل میں داخل کرتے تھے، شاہ جہان نامہ عبدالحمید لاہوری جو شاہ جہان کی
 شہسوار بی بی ہے اور خود شاہ جہان کے حکم سے لکھی گئی ہے اس میں یہ واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ
 اس کی عبارت یہ ہے :

و چون رايات جلال بہ حوالی گورات پنجاب رسید، جمعہ از سادات و شایع آن قصبہ

استحاجت نمودند کہ بر خیز از کف در بنا کار بر آید و اما می موندند و از تصرف دارند و چند سے
 از میان مساجد به تعدی و رعایات خود آورده، بنا بر آن شیخ محمد گویند کہ از مسجدی پیش
 بہرہ و راست و دار و علی مردم جدید الا سلام برومقر رخصت یافت تا بعد از فوت
 انسانہ مسلمہ را از تصرف کنار بر آورد، و مساجد و عمارات آن لایعن جدا سازد، و مطابق
 حکم یہ نقل آورده ہوتا دھرد و جاریہ موند را از تصرف کفر و فہرہ بر آورد، و ہر جا کہ مسجد سے
 وزیر عمارت ہندو در آمدہ بود بعد از تحقیق آن را افزائ نمود و در سے ازان جا بہترین
 جہان گرفتہ بہ طور سابق مسجد ساخت، پس ازان کہ این ماجرا بہ سامع جلال رسید
 یہ مبلغ قضائے افاضہ در شد کہ بہ طور قدیم کہ مسلمان شود مسلمہ را بہ عقد مجدد و باز گذارند
 پس از ورود فرمان مجبہ سعادت یادری بہ پایہ اسلام رسیدہ زنان مسلمہ را بہ نخل جدید
 مصرف گشتند و حکم شد کہ در کل ممالک محروسہ ہر جا چنین واقع شدہ باشند بدین دستور
 عمل نمایند، چنانچہ ناٹ بسیار از دست کفار بر آمدہ در نخل مسلمانان درآمدند و گروہ کفار
 بقول ابن عربین از نقش و فرخ ربانی یافتند و متوجہ ہما نہند مگر دید و بجای آن مساجد بنا یافت

ان واقعات کو دیکھو اور غور سے دیکھو، شاہ جہان نہایت پر جوش مسلمان تھا، اور ہر موقع پر اس کا
 اظہار ہو چکا تھا، سترہ جلوس میں اُس نے بنارس کے جدید تعمیر شدہ بت خانے کو واپس لے لیا،
 باوجود اسکے، ہندوؤں کا یہ دور قائم ہو چکا تھا کہ جبر اور دہرستی سے مسلمان عورتوں کو ہندو گھر میں
 وال لے لیتے تھے، اور ان سے نخل کرتے تھے، بعد دن کو تو ذکر بت خانے اور عام حاکمین بنوائے تھے،

۱۱ حرا یعنی آزاد عورتیں اور آزاد یعنی لڑکیاں،

۱۲ شاہ جہان نامہ مطبعہ کلکتہ جلد دوم واقعات سترہ جلوس سنہ ۵۰۵ھ - اس عبارت میں
 بت خانوں کے گرانے کا ذکر ہے وہی بن جو مسجد تھے اور ہندوؤں نے اگر بت خانہ بنالیا تھا،

کمال پادشاهین مسجد وں کو اگر کربت خانہ بنایا تھا، دستور پیر مسجد بن گئیں،

جان پہ تک زور اور قوت کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا، ہندوؤں کی قدیمان رُکی رہیں، لیکن
 میرٹھ اور جہان کے بجائے تمام اختیارات داراشکوہ کے ہاتھ میں آگئے اور انکو وہ
 محل خاکہ طانیہ ہندوؤں کا اظہار کرتا تھا، آپنشد کا جو ترجمہ کیا ہے اس میں صاف لکھا ہے
 کہ ان پریدہ مل میں آپنشد میں ہے چنانچہ اسکی عبارت سب ذیل ہے :

این کتاب قدیم که بے شک نبی و امین کعب سلوئی و سر شیه بنجر توحید است و قدیم است که آنده لقمان کرام
کتاب مکنون لایمت الا المطهرون تنزیل من رب العالمین یعنی قرآن کریم و کتاب است که
این کتاب پنهان است اولاد در کبی کند گرد که که مطهر باشد و نازل شده از پروردگار عالم، مشخص و معلوم می شود که
این است در حق زبور و تورا و انجیل نیست... چون اینک است که سر شیه بنی است اصل این کتاب است و ایست
چون می بیند در آن یافته می شود پس چنین که کتاب مکنون این کتاب قدیم باشد،

بنجور کو دو ہندو جن کو اکبر شریک سلطنت کر چکا تھا جو جہانگیر کے زمانہ میں مسلمانوں کے مال
 بہت خزانے تعمیر کرتے تھے، جو شاہ جہان کے عہد میں مسجدوں کو توڑ کر بت خانے بنوائے اور
 سلطان عورتوں سے پرہیز کرنا کرتے تھے، جو اپنے پاٹ شالوں میں مسلمان بچوں کو اپنے مذہب
 پر لایا کرتے تھے، چنانچہ خود عالمگیر کے عہد حکومت میں اس کی سخت نشیمنی کے بارہویں سال تک
 جاری رہا (تفصیل آگے آئیگی) اب دارا شکوہ کے سایہ حمایت میں ان کی زور و قوت
 کا اندازہ، جبر و تعدی، جبر و تمکات کا مقياس احراز کس درجہ تک پہنچا ہوگا، یاد رکھو یہی ہندو تھے
 جو عالمگیر کے ساتھ بڑھتا، (اب ہم اہل مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں)

یورپین مورخوں نے اپنی معمولی حادث کے موافق اس قصہ کی

اسلحہ کی بات ہی ہے۔ یعنی عالمگیر نے تمام ہندوؤں کو سرکاری ملازمتوں سے موقوف کر دیا تھا اور ایسا کر سکا، الفنس صاحب لکھتے ہیں، "مگر گشتی حکم بھی سارے حاکموں اور اختیار داروں کے پاس بھیجا کہ آئندہ سے ہندو بھرتی نہ کیے جائیں اور ان تمام عہدوں پر مسلمان بھرتی کیے جائیں جو غارت سے سخت حکمت میں ہو وین، لیکن واقعہ صرف اس قدر ہے کہ سنہ ۱۶۸۷ء ہجری میں اس نے یہ حکم باغیاں کے صوبہ داروں اور تعلقہ داروں کے پیشکار اور دیوان، نیز محلات خالصہ کے مال گزاری وصول کرنے والے ہندو نہ مقرر کیے جائیں، چنانچہ خانی خان لکھتا ہے،

"وہ داران و تعلقہ داران، پیشکاران و دیوانیان ہندو را بر طرف نمودہ مسلمانان مقرر نمایند و اگر دی محلات خالصہ مسلمانان می نمودہ باشند، یہ ظاہر ہے کہ ان عہدوں پر اکثر کاچھ مقرر ہوتے تھے جو رشوت لینے میں مشہور ہیں، اس حکم کو مذہبی تفریق سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن یہ حکم بھی قائم نہ رہا بلکہ اس کی اصلاح اس طرح کر دی گئی کہ ایک پیشکار ہندو، اور ایک مسلمان مقرر کیا جائے خانی خان لکھتا ہے "بعد چنان قرار یافت کہ از جملہ پیشکاران دفتر دیوانی و بخشیان سرکار ایک پیشکار مسلمان و یک ہندو مقرر می نمودہ باشند، اس انتظام سے اسکے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا تھا کہ ہندوؤں کی رشوت خواری اور غبن کی نگرانی رہے، ورنہ اگر مذہبی تعصب کا باعث ہوتا تو مسلمان کے شریک کرنے سے اس کو کیا تعلق تھا،

یہ بحث اگرچہ بین تک ختم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ یورپین مورخوں نے نہایت بلند آہنگی سے اس غلط واقعہ کو مشہور کیا ہے اس لیے ہم عالمگیر کے ہندو عہدہ داروں کی ایک فہرست اس موقع پر درج کرتے ہیں اس فہرست کے متعلق، امور ذیل ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

۱۔ بہرست سرسری طور سے مآثر عالمگیری سے دیا کی گئی ہے جو عالمگیر کے حالات میں سب مقدم تاریخ ہے۔

حضرت ابن محمد دارون کو کیا ہو جس سے بڑے سے بڑے ملک پر مامور تھے عام عہدہ داروں کا
 دارون کا ذکر نہیں۔

حضرت ابن محمد دارون کو کیا ہے جو اس زمانہ کے بعد مقرر ہوئے ہیں یا اس کے بعد تک
 ہیں، جب سے عالمگیر کے نصب کے طور کا وقت بیان کیا جاتا ہے۔

ابن محمد دارون میں اکثر مرہون کی مہم میں شریک رہے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
 ہیں اس کے اکر کے زمانہ میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر خود اپنے ہم مذہبوں سے لڑتے تھے،
 عالمگیر کے عہد تک یہ طریقہ قائم رہا

ابن میں سے بعض آئری عہدہ دار تھے، اور فقر کے لحاظ سے عہدہ قبول کرتے تھے

نام عہدہ دار	دلہیت وغیرہ	سنتقر، یا اضافہ عہدہ، یا عطای منصب
راجہ سیم سنگھ	راج سنگھ ہمارا نا اودے پور کا بیٹا اور ہمارا نا بے سنگھ کا بھائی تھا	(سنہ جلوس عالمگیری مراد ہے) سنہ جلوس عالمگیری میں کن میں آیا اور بران میں کی مہم میں شریک ہوا، سنہ میں پنجبڑی کے منصب تک پہنچ کر مر گیا،
اندر سنگھ	بے سنگھ ہمارا نا اودے پور کا بھائی تھا	سنہ میں دو ہزاری ہوا اور سنہ میں سہ ہزاری پر اضافہ ہوا
بہادر سنگھ		سنہ میں ایک ہزار و پانصدی ہوا
ایمان سنگھ	پسر راجہ روپ سنگھ	سنہ میں مانڈل پور و بدھنور کا فوجدار مقرر سنہ میں سہ ہزاری تک پہنچا

یہ عہدہ رکھنے والے ہیں جو ہمارا نا اودے پور نے جزیہ کے عوض میں دیے تھے۔

نام عمدہ دار	ولدیت وغیرہ	سنہ تقریر یا اضافہ عمدہ یا اعطای منصب
اجپانی	سیوا جی کا داماد تھا	۱۰۰۰ء میں پنجہزاری منصب علم و تقارہ وغیرہ
ارجو جی	سنبھا (پسر سوا جی) کا عزیز بھائی تھا	۱۰۰۰ء منصب دو ہزاری
انگوجی	سنبھا کے نوکر وان میں تھا	۱۰۰۰ء منصب دو ہزاری
مراہ انوپ سنگھ	پسر راو کرن	۱۰۰۰ء میں خلعت ملازمت ملا
مراہ انوپ سنگھ		۱۰۰۰ء میں سکر کا قلعہ دار مقرر ہوا
راجا اودیت سنگھ		۱۰۰۰ء میں بیج کا فوجدار اور دو ونیم ہزاری ہوا
اودیت سنگھ	قلعہ کھینا کا قلعہ دار تھا	۱۰۰۰ء میں سہ ہزار روپا نقدی ہوا
باسدپو سنگھ	جندن کرا کا زمیندار تھا	۱۰۰۰ء میں سہ ہزاری ہوا
کاٹھوجی سرکپہ		۱۰۰۰ء میں پنجہزاری تھا ۱۰۰۰ء میں ایک ہزار کا اضافہ ہوا
سترال بونید		۱۰۰۰ء میں قلعہ تارا کا قلعہ دار ہوا
بشن سنگھ	پسر کنو کشن سنگھ پسر راجہ رام سنگھ	۱۰۰۰ء میں ہزاری و ۴۰۰ صد سوار ہوا
رام چند	کھانلون کا خانہ دار تھا	۱۰۰۰ء میں دو ونیم ہزاری ہوا
لوک چند	نائب و ملازم شاہزادہ اعظم شاہ	۱۰۰۰ء میں بہار سنگھ کے شکست دینے کے
		صلہ میں رای رایان کا خطاب ملا
بھاگو بھارہ		۱۰۰۰ء میں پنجہزاری منصب ملا
جکیا	حضرت آباد کا دیسکھ تھا	۱۰۰۰ء میں سہ ہزاری ہوا
گورگداس رائٹو		۱۰۰۰ء میں سہ ہزاری کا منصب پھر کمال ہوا
سروپ سنگھ	ولد راجہ اودت سنگھ	۱۰۰۰ء میں یک ہزاری منصب پرتقی ہوئی

ستارہ کا قلعہ دار تھا	ستارہ میں پنجہزاری منصب غفلت و تقاؤ وغیرہ
لاہیری کا قلعہ دار تھا	۱۷۰۰ میں ایک ونیم ہزاری ہوا
پیراؤ کا قلعہ متینہ فوج نصرت جنگ	۱۷۰۰ میں قلعہ مہنت کی تخییر پر مامور ہوا
ولد منوہر داس گور	۱۷۰۰ میں شولا پور کا قلعہ دار ہوا
بھداور کا دیندار تھا	۱۷۰۰ میں حاضر دربار ہو کر ہفت صدی
	دو صدی کا اضافہ ہوا

نصرت میں بعض اور باتیں لحاظ کے قابل ہیں، سب مقدم یہ کہ اس میں ہمارا نا اودے پور کے بیٹے اور بجائی بھی موجود ہیں، اول اس سے عجیب تریکہ سیوا جی کے متعدد عزیز اور رشتہ داروں کے نام نظر آتے ہیں، حالات پڑھو تو معلوم ہو گا کہ یہ صرف نام کے عہدہ دار نہ تھے، بلکہ معرکوں میں اسیرت آگیز جانفشانیان دکھاتے تھے، ان عہدہ داروں میں ہر قسم کے عہدہ دار ہیں، یعنی فوجی بھی ملکی بھی، غور کرو، فوجوں کی افسری، قلعوں کی قلعہ داری، اضلاع کی نظامت و فوجداری، ان کے حکمرانہ داری اور اعتماد کے کیا عہدے ہو سکتے ہیں، یہ سب عہدے ہندوؤں کو حاصل تھے، ان واقعات کے بعد لین پول صاحب کے اس قول پر ایک دفعہ اور نظر ڈالو کہ :

» راجپوتوں نے مالگیری کی حمایت میں ایک اٹھلی بھی بلانی نہ چاہی، «

یہ لگاتار ۱۵۰۰ سال اس لیے قائم کیا جاتا ہے کہ لوگ جزیہ کی حقیقت اور ماہیت سے واقف نہیں

یہ برہمن نے ایک مفصل عمدہ رسالہ لکھا ہے جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے، اس کے دیکھنے سے

ہمیں آسکتا ہے کہ جزیہ کوئی ناگوار چیز نہ تھی، بلکہ غیر قوموں کے حق میں رحمت تھی، اس میں شک

میں ہندوؤں نے اس سے ناراضی ظاہر کی، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو محصول ایک مدت سے موقوف

ہے، خاص کانٹے سر سے قائم کیا جانا کیونکر گوارا ہو سکتا تھا،

میلون کا موقوف کرنا اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عالمگیر نہایت روکھا پسکا آدمی تھا

اُسکو میلون میلون، ناسخ رنگ، کالے بجانے، شراب کباب، اور تمام ظاہری نالیں و نمکناہی سے نفرت تھی، اور وہ سمجھتا تھا کہ ان چیزوں سے اخلاق پر بڑا اثر پڑتا ہے، اُس نے خاکی مجبوریت سے فارغ ہونے کے بعد ہی، اس طرف توجہ شروع کی۔ سلطانین پوریہ کے آئین میں داخل ہونے کے بڑے بڑے مشہور گوہرے دربار میں ملازم رہتے تھے اور بادشاہ ہر روز ایک وقت خاص اس آئین میں بسر کرتا تھا، اسی طرح دربار میں شراب اور بھینجے کو کرتے عالمگیر نے مشنہ جبری میں حکم دیا کہ گوہرے دربار میں آئین لیکن کانے نہ پائیں، پھر سرے سے موقوف کر دیے، ملک الشعرائی کا حکم توڑ دیا، منہجین کمال دیے گئے، دربار میں آداب کو فرش کا جو طریقہ تھا موقوف کر دیا۔ بادشاہ سمجھو کہ میں مجبور اپنے درشن کرنا تھا اور اس سے ایک خاص دشمنی فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو بغیر بادشاہ کی دیارت کیے جو سے کچھ کھاتا پیتا تھا، یہ رسم بھی حالانکہ سلطنت کے لیے مفید تھی موقوف کر دی۔ محرم میں تابوت نکالاجانا تھا مشنہ میں لاپرواہی تباہ کئے گشت کے متعلق دو گروہوں میں منٹ ہو گئی اور لمبہ عظیم ہوا اور بڑی خوزری ہوئی، یہ سن کر حکم دیدیا کہ تابوت نہ نکالے جائیں، یہی بد میں ہندوؤں کے پیلے شیلے بھی بند کر دیے اس سے بدگمان موزخون نے بیٹی نکالا کہ اُس نے تعصب کے لحاظ سے ایسا کیا

عمر اس کا بند کرنا ایرانی مؤرخین جو عالمگیر کی ہر بات کو عیب کے پیراہ میں بیان کرتے ہیں

اس بات کے حادی ہیں کہ مختص الحالہ واقعات کو عام کر کے دکھائیں، اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ شاہ جهان کے زمانہ میں ہندو مسلمانوں پر مذہبی جبر کرنے لگے تھے، دارالعلوم کے مصلوہ علی ان کو اور جبری کر دیا تھا، وہ اپنے پاٹ شالون میں مسلمان بچوں کو اپنے مذہب ہی علوم سکھاتے تھے اور ایسی فرغیب دیتے تھے کہ دور دور سے مسلمان اُن کے مدرسوں اور پاٹ شالون میں آتے تھے

پھر شاہی مدرسہ کو بند کر دیا تھا، ہنگامہ سونے لے لیکھ دیا کہ ہندوؤں کے تمام مدرسے
تین ڈھائی ہزار ان کی تخریب میں بھی اصلیت کا سراغ لگ جاتا ہے، مگر ظالم گیری میں
میں کون ان الفاظ میں لکھا ہے :

مدرسہ ہندوؤں میں پھر رسید کہ درصوبہ ہندوستان خصوص بنارس، برہمنان بطالت نشان
در مدارس مقررہ مدرس کتب باطلہ اشتغال دار بند و راغبان و طالبان از ہندو و مسلمان
مستقلی بیدہ لے نودہ جہت تحصیل علوم شوم نزد آن حامی گراہمی آئند، احکام اسلام نظام
ہنگامہ کل صوبہ جات صادر شد کہ مدارس و معابد بے دینان و خوش اندام سازند و بتہ تاکید
مدرس و مدرسین و رسم شیوع مذاہب کفر ایٹان براندازند

مجاہدات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کن وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا اور اس کی کیا غرض تھی، لیکن
بموجہ اس حکم کو عوام کے پیروں میں کھدایا اور یس کی عام عادت ہے، عالمگیر نے
اس خاص ملازمتوں سے ہندوؤں کو موقوف کیا تھا، جسکا ذکر اوپر گذر چکا، لیکن یہ موجہ کتنا ہے کہ
ہندو اہل فہم سے موقوف کر دیے گئے چنانچہ خانہ کتاب میں لکھا ہے در ہندو اہل فہم
بہ قول اہل سوال گشتہ ہو دند، ص ۵۸

پھر در عین نے بھی اس کا اعتبار نہیں کیا، خانی خان عالمگیر کے ان احکام کو بھی کھول کر لکھتا ہے
لیکن نے ہندوؤں کے خلاف دیے تھے لیکن اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا،

تکلفی [الزامات عالمگیر کی فہرست میں یہ الزام سب سے زیادہ جلی حروف میں لکھا جاتا ہے
ہندوؤں کو عالمگیر نے اس و ایمان کی حالت میں اپنی رعایا کے بت خانے کر کے ہیں تو
اس کی حیثیت کو نہیں سمجھا تھا، غلامی برائش دین سے زیادہ کون اسلام کا حامی ہو سکتا ہے
اس نے سکھوں کو ہزاروں شرف فتح کیے، دنیا کے بڑے بڑے حصے ان کے زیر حکومت آئے،

ان کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف اسلامی تاریخوں میں موجود ہے، ایک واقعہ بھی منقول نہیں جس میں ان کے بابت سے کسی قوم کے عہد اور پرستش گاہ کو ٹھیس بھی لگی ہو، چنانچہ ہم اس بحث کو نہایت مفصل حقوق الذمیین میں لکھ چکے ہیں، عالمگیر نے ان سب کے خلاف کیا تو بے شبہ اس خاص معاملہ میں وہ اسلام کا جائز قائم مقام نہیں ہے، لیکن کچھ غور سے دیکھنا چاہیے کہ واقعہ کی اصلیت کیا ہے، ایک بڑی غلطی عوامیہ ہوتی ہے کہ لوگ آج کل کے تمدن اور معاشرت کی مینک سے پچھلے زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں، آج کل مذہب اور بالینکس بالکل الگ الگ ہیں، گورنٹ اگر نری اس بات کی بے تکلف اجازت دیتی ہے کہ جس کا جی چاہے شلح عام پر کھڑے ہو کر، عیسائی مذہب پر (جو گورنٹ کا مذہب ہے) اعتراض اور نکتہ چینیان کرے اور لوگوں کو اپنے مذہب میں لائے، لیکن یہی گورنٹ کبھی جائز نہ رکھیں گی کہ کوئی شخص مجمع عام میں گورنٹ کے طریقہ سلطنت پر اعتراض کرے اور لوگوں کو، مخالفت میں اپنا ہم آہنگ بنائے، آج مسلمانوں کی مسجدیں اور ہندوؤں کے شوالے کوئی ملکی اثر نہیں رکھتے، لیکن قدیم زمانہ میں یہی چیزیں بننا و تون اور ہنگاموں کا صدر مقام بن جاتی تھیں، یہی بات تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں جب قبا پواتے تھے تو ایک دوسرے کی پرستش گاہوں کو صدر پہنچاتے تھے تاریخین بھری بڑی ہیں کہ ہندو راجاؤں نے جب کبھی قوت اور اقتدار حاصل کیا ہے مسجدیں ڈھا کر برباد کر دی ہیں،

علی عادل شاہ دکنی نے شاعر میں رام راج کو جو بیجا نگر کا راجہ تھا نظام شاہ بھری کے مقابلہ میں اپنی مدد کو بلایا تھا۔ لیکن رام راج جب مدد کو آیا تو خود علی عادل شاہ کے ملک میں تمام مسجدیں جلوائیں تاریخ فرشتہ میں ہندو شاعر ہم درسنہ ست و سچین ^{ست} راج رام راجہ مدد و مددہ بالاقان اوہ صوب احمد نگر منتضیٰ نور، از ہندہ تاخیر و از احمد نگر تا دولت آباد اثر معموری نماند و کفار بیجا نگر کہ سالہائے دہاز طالب چنین منصوبہ بودند دست پیدا و دلاؤ نگر

مساجد و مصاحف سرائیہ

اسی واقعہ کو مورخ لکھوڑ نے دوسرے موقع پر زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ یعنی یہ کہ علی عادل شاہ نے نام راج کو اس شرط سے اپنی مدد کو بلایا تھا کہ کفار مساجد وغیرہ کی بے حرمی نہ کریں، با این ہمہ ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا، چنانچہ اسکے اصلی الفاظ یہ ہیں :

چون در دفعہ اول علی عادل شاہ از ستیزہ حسین نظام شاہ بھری بہ تنگ آمدہ ناجا
رام راج را بہ مد طلبید چنان عہد و شرط در میان آورد کہ کفار بجا اگر بواسطہ
عدالت دینی اہالی اسلام را مضرت جانی نہ رسانیدہ دستبرد و دستگیر نہ نمایند
و مساجد را خراب نہ گردانند + لیکن خلاف آن پلہور آمدہ۔ کفار نابکار در پلہور
احمد نگر در تحریک و تعدیب مسلمانان و ہتک حرمت ایشان دقیقہ نامرعی نگذاشتند
و چنانکہ شد در مساجد فرو و آذیت برستی می کردند و ساز و آلتہ ہر دمی گھنڈ

اس قسم کے اورد بہت سے واقعات ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں
تم اوپر پڑھا آئے ہو کہ ہندوؤں نے عالمگیر کی سلطنت سے پہلے کس قدر زور پکڑ لیا تھا عالمگیر نے
ہندوؤں کی تعدیوں کو روکنا چاہا تو ان میں ایک عام شورش پیدا ہوئی، ہندی قعدہ مسئلہ یعنی
تخت نشینی کے بارہویں برس عالمگیر کو جب اطلاع ملی کہ ہندو، مسلمانوں کو اپنے مذہبی علوم پڑھاتے
ہیں تو اس نے اس کے انداد کا حکم دیا، اس واقعہ کے مہینہ ہی بھر کے بعد ستمبر کے
مہینے میں ہندوؤں نے شورش کی جس کے فرو کرنے کے لیے عبدالنبی خان سحر کا فوجدار
مستعین کیا گیا اور مارا گیا، اسی زمانہ کے قریب یعنی سنہ ۱۰۷۵ھ میں بنارس کا بت خانہ کا شی ناٹھ
سحر کا وہ بت خانہ جو ابو الفضل کی لڑائی سے زبردستی دیو نے بنوایا تھا منہدم کر دیے گئے،

اس کے بعد او دے پور و غیرہ کے بت خانوں پر آفت آئی
 ایرانی غارت مورخوں کو کیا غرض تھی کہ وہ بت خانوں کے اندام کے اسباب اور وجہ
 کتنے لیکن واقعات ذیل آج بھی معلوم ہیں، ان کو فلسفیانہ اصول سے ترتیب دیا، اصل حقیقت
 صاف معلوم ہو جائیگی،

شاہ جہان کے ساتویں سال حکومت تک، ہندوؤں کا یہ زور تھا کہ مسجدوں کو توڑ کر
 اپنے قصروں میں لاتے تھے اور شریف مسلمان عورتوں کو بہ جبر گھر میں ڈال لیتے تھے
 داراشکوہ جو شاہ جہان کے اخیر زمانہ میں سلطنت کے کاروبار کا مالک ہو گیا تھا،
 ہمہ تن ہندو پرست تھا،

عالمگیر کے بارہویں سال حکومت تک، ہندوؤں کا یہ حال تھا کہ عظیم، مسلمانوں کو
 اپنے مذہبی علوم کی تعلیم دیتے تھے،

عالمگیر نے جب اس تعلیم کو بند کرنا چاہا تو ہندوؤں میں شورش شروع ہوئی
 سولہ ماہ مطابق سال ۲۲ جلوس عالمگیری میں کھنڈیلیہ کے راجپوتوں نے شورش کی اور
 ان پر فوج کشی کی گئی اور وہ ان کے بت خانے توڑے گئے، اسی سال عام شورش برپا ہوئی
 اور جودھ پور اور او دے پور کی ریاستیں بناوٹ کا مرکز بنیں،

عالمگیر نے اس بنا پر جودھ پور اور او دے پور پر فوج کشی کی اور وہ ان کے بت خانے
 غارت کرادیے

جس قدر بت خانے توڑے گئے، انہی مقامات کے توڑے گئے جہاں پُر زور بتاؤں
 برپا ہوئیں،

عالمگیر ۲۵ برس تک کنہ میں رہا، ان مالک میں ہزاروں بت خانے تھے، لیکن کسی کو فوج
 سے توڑا گیا

کے شہرہ مند ہیں سیکڑوں نقشبندیوں بہت ہیں عالمگیر اس فوج میں اور ہے
 میں وہیل کے قافلہ پر دھون ہے بڑے بڑے بزرگان دین کا بیان غور ہے جو عالمگیر سے
 بہت پہلے تھے، لیکن یہ بہت اور نقشبندی آج تک موجود ہیں، آخر عالمگیری کا مصنف
 خود عالمگیر کا ایک عہدہ دار تھا اور جس کو بہت خانوں کے توڑنے کے ذکر میں مراد آئے ہے اور مراد
 ہے کہ اس کا انکسار ہے اور وہ کلاکر غایت تعریف کے ساتھ کرتا ہے اور اخیر میں لکھتا ہے
 میں یہ گاہ سے مستغنی فرمایا ہے جو بدین فقر پر بہت راست نمایاں، خلاصہ کتابی صفحہ اخبار برآرا ہے،
 یہ ہیں اور ہندو مرغ کتنے ہیں کہ عالمگیر نے جو کو بہت خانے لگائے اس لیے بقاوت ہوئی
 میں نقشبندیہ کہ کر قیادت ہوئی اس لیے بہت خانے لگائے گئے۔ عالمگیر بہت خانوں کا
 عالمگیری صاحب اگر تاج ایسے روشن زمانے میں قہدی سو والی کے مقبرہ کو برباد کرادیا،
 جس میں جب ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گیا اور عالمگیر دکن کو روانہ ہو گیا
 بہت خانوں کے لگانے کا ایک واقعہ بھی کہیں تاریخوں میں نظر نہیں آتا، دکن میں اسلامی سلطانوں
 کے گورنر اور مہاجر سے مقابلہ تھا اس لیے کسی بہت خانہ سے تعزین نہیں کیا گیا، ورنہ اگر
 جب ہوتا تو خانوں کا سب سے اچھا موقع تھا،

عالمگیر ہخیر بقل مخالفوں کے، منصب تھا لیکن نہایت عادل اور غیر متعصب بادشاہ
شاہان کریم ایسے موقع پر عالمگیر بننا پڑا، شاہان نامہ عبد الحمید لاہوری میں جو خود
شاہان کی دیگر نگرانی لکھا گیا ہے، یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے،
”چون پیشتر بہ عرض اقدس رسیدہ بود کہ در ایام دولت

علی حسین

قدیم عربی تحریروں کا مجموعہ

یورپ کو اندر عرب کی علمی تحقیق میں جو شرف
وہ اس سے ظاہر ہے کہ دو یورپین علماء نے اپنی ساری زندگی اسی امر کے لیے وقف کر دی
یہ دونوں علماء و سائنس میں ڈاکٹر کے خطاب سے ممتاز ہیں اور ان میں ایک کا نام آگسٹن سٹو لوئس
اور دوسری مارگریٹ ڈیلاپ چین۔ اب تک «در شرعی تحقیقات» کے عنوان سے بارہ کتابیں شائع
کر چکی ہیں جن میں آخری کتاب قدیم عربی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں نہایت پرانی عربی
کتابوں، دستاویزوں، اور فرامین کے فوٹو لیے ہیں اور مروجہ عربی خط میں وہ عبارتیں بھی لکھ دی
ہیں اور پھر انگریزی میں ترجمہ بھی شائع کر دیا ہے۔ ان میں ایک دستاویز کی تاریخ تحریر ۱۵۷۵ء
ہے۔ ابو قرقہ اسقف حان کی ایک مذہبی کتاب کا نمونہ دیا ہے جو ۱۶۷۵ء کی لکھی ہوئی ہے۔

اسلامی عمارتیں

ایشیا و افریقہ کے ہر گوشہ میں اسلامی یادگارین بکثرت موجود ہیں لیکن
مسلمانوں کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان کے حالات شائع کریں۔ لیکن انگریزی مائٹ کی برکت سے
سلطنت مصر نے ادھر وجہ کی ہے اور حفظہ آثار عرب کے نام سے ایک کمیٹی قائم ہوئی ہے جس کے
پربسڈنٹ علم الاسلام کے مشہور ماہر علی محبت بک ہیں۔ اس کمیٹی کی طرف سے سالانہ رپورٹ جو
شائع ہوتی ہے وہ عالمی تحقیقات کا ایک چمپ مجموعہ ہوتی ہے حال میں جو رپورٹ چھپی ہے وہ
مصر کی اسلامی عمارتوں کے متعلق ہے۔ ملک الصالح ایوب کا مدرسہ اور گنبد خضو یا تانکی سبیل،
لاجہر کی مسجد، دارالکالت قائم بابی، امیرامای کا محل، حمام بشتاک وغیرہ کے متعلق تفصیلی بحث کی ہے
جب کی تصویریں دی ہیں، اور تاریخ کے علاوہ اس حیثیت کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے کہ از روی فن
ان عمارتوں میں کیا خصوصیت ہے اور مسلمانوں کو اس فن میں کمال تک دستگاہ حاصل تھی،
فلٹیشین طرز تحریر پر فیصلہ نے قدیم شہر اردیکا کے کھنڈروں میں کھنائیوں کے ایک

[illegible]

مگر زہرہ خجندیات نے افعال و اعمال کی حیثیت سے نباتات و حیوانات کے مذاہب سے
اسو طریقہ پر ایک قسم کا پردہ ہوتا ہے جس کو کچھ کا پردہ کہتے ہیں، و واقعہ میں کچھ کی طرح ڈنک
کھٹکے کی طرح کھٹکے سے تو یہی بات جو چاہے اگر کئی ماہ تک گھٹکتی رہی ہے۔

شبابی طروف سترڈوڈوہ، ایشیا ایک سماجی کے رمالین کہتے ہیں کہ ہندوستان میں
 مسلمانوں کے پہلے سکایا بیان ملو گھر سے بنائے جاتے ہیں اور معمولی برتنوں کی جگہ استعمال ہونے میں یہ ہندو
 پادیا رہتے ہیں اور زمین پر گرنے سے نہیں ڈرتے۔ ستر جس مارش نے آملہ کے برتن دیکھے ہیں جو خلیج واپس
 میں بنائے جاتے ہیں، وہ اس سے قہر کھاتے ہیں کہ ہندوستان کی صنعت کس قدر قدیم اور پاکیزہ ہے۔
 پیرانہ کاغذی غرض میں کاغذ کی صدیاں بنتی ہیں جو سردی سے بچنے کے لیے جاذب ہیں
 یعنی جاتی ہیں۔ یہ صدیاں اتنی ہلکی جاتی ہیں کہ ایک صدی ایک لافانہ بند کر کے ڈاک میں روٹ
 کی جاتی ہے، جن میں گریون کے کپڑے بھی کاغذ کے تیار ہوتے ہیں۔

طبقات الارض اہل عرب کی رائے میں کہ زمین کے کئی طبقے ہیں لیکن مذہب دنیا کے مذہب کی
 رائے کی وقت خفایات سے زیادہ قیمتی، مگر حال میں ستر پور سفورڈ اگر زمین کے اندر ولی طبقہ
 بارہ میں یہ رائے قائم کی ہے کہ زمین کے تین طبقے ہیں اور ایک کے اندر ایک پوہ ہے۔ ستر
 طبقہ بالکل محسوس ہے اور اس کا قطر ۳۰۰۰ ہزار میل ہے اور ستر اور والا طبقہ زمین کی سطح بالائی ہے
 جن میں قریب قریب دو ہزار میل کے ہے۔

یورپ اور قوم نشیہ علمی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایشیائی قوم نشیہ نے ستر
 اور بعض متوسط برکفرت کا لوہا ان آباد کی زمین اور ان کی نو آبادیاں بحرا ملائیک تک پہنچ گئی تھیں۔
 تحقیقات نے فرانسیسی اگستان میں بھی اس قوم کے آثار دریافت کیے ہیں۔ بیان ایک شہر کے قریب
 جن کو علمی زبان میں (ڈولین) کہتے ہیں، ایشیائی۔ یہ پتھر شائستہ سمیت کے قبل کا وہاں ڈولین کے
 کاموں میں آئے تھے۔ دراصل یہ پتھر ایشیا کے ہیں جو ستر کے زمین، مصری و فلسطین و شام
 بھی یہ پتھر موجود ہیں۔ اس سے علمائے قہر کھاتے ہیں کہ غالباً قہر نشین قوم کے قہر سے یہ پتھر یورپ
 پہنچے اور کیا عجب ہے کہ ان ملک میں ان کی نو آبادیاں بھی رہی ہوں۔ ستر کی شان دیکھیں، اور ان کی

بہار آفتاب کون جانتا تھا کہ آفتاب میں ہی طبقات ہوتے اور زمین کی طرح وہ بھی تہ بہ تہ
ہو کر طبقات کو بنی تھی لیکن اسرار قدرت نہ محدود ہوئے ہیں اور نہ ہو گئے، فرض کرو آفتاب
میں ایک باد نیزہ ہے، تو کیا فضائی مطلق میں یہ جو ایک تھی نظر ہم کو نظر آتا ہے وہی آفتاب کا جسم ہے؟
نہیں آفتاب ایک مجموعہ کا نام ہے جس کے کئی طبقہ ہیں۔ پہلا طبقہ اس کے مختلف ٹکڑوں سے مشابہ ہے جو حرارت
میں مشتمل ہوتے ہیں اور خرواں ٹکڑوں کے بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان میں جو فضائی ایک کئی نشاوری میں لے رہے ہیں
وہ ان میں ایک جگہ نظر نہ ملے گی بلکہ اس طبقہ کو ملی زبان میں نوٹو سفیر کہتے ہیں اور وہی نوٹو سفیر
ہے جو آفتاب کے ظہیر نشان مجروحہ سے ہم کو نظر آتا ہے۔ نوٹو سفیر کو ایک اور طبقہ محیط ہے جس کی ضخامت نہ ہزار
میل بلکہ اس طبقہ کو طبقہ منکھ کہتے ہیں اس کے اوپر گیس (غاز) کا ایک طبقہ ہے جس کا مجموعہ پانچ ہزار میل ہے
اس طبقہ کو بیڈر وین کی قرقری شامین گیس کہتے ہیں اور اس مطلق میں اس طبقہ کو نوٹو سفیر کہتے ہیں۔
اور نوٹو سفیر میں جن مشلون کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جس سے زبانے نکلے تہہ تہہ ہیں اور ہر زبانہ نہ ہزار میل دراز ہوتا ہے
اس کے بعد ایک اور مشتمل طبقہ ہے جس کا بخاری بخالی اور بھی مشلون ہیں اور ان میں جن مشلون ہیں اور جن
منفصل ایک اور طبقہ ان طبقات کو محیط ہے جس کو ایک ایسے تاج زرین سے مشابہت دی جاسکتی ہے
جس میں ہر ذرات بھی ہوں اور مختلف شکل کی شامیں ان سے نکلتی ہوں۔ چاہے یہ تھا کہ آفتاب کے جسم میں
سے ان طبقات کا کچھ چند میل سے زائد نہ ہو اس لیے کہ قانون کشش متعین اس امر کا تھا کہ آفتاب میں جن
مذراہ قوت مولا ہے، لیکن حقیقت ایسی منزلوں دور ہے اور آفتاب کا جسم اصل ان طبقات سے ہزاروں
میل کے فاصلہ پر ہے اس لیے مجموعہ کا نام قرص آفتاب، ہر اس قرص پر سیاہ جاثیان اور داغ پڑے ہوئے
ہیں جو آفتاب کا کھنکھتے ہیں، یہ کھنکھتے جگہ بدلتے رہتے ہیں اور کبھی بیان نظر آتے ہیں اور کبھی اور مرچے
ہوتے ہیں اس سے نتیجہ نکالو کہ آفتاب کی خود ایک فانی حرکت بھی ہے جو ہر دن اور چند گھنٹوں میں تمام ہوتی ہے

عربی مطبوعات مصر بیروت

ردیف	نام کتاب	ردیف	نام کتاب
۱۸	نختار الصواعح جیبی للرازی	۱۸	تفسیر کبیر
۱۳	نختار الصواعح کلان للرازی	۱۳	تفسیر غازی
۱۴	دیوان خضاء	۱۴	تفسیر بیضاوی
۱۵	علم الادب کامل	۱۵	تفسیر علامین
۱۶	المحاسن والاخذاد للحافظ	۱۶	کشف الظنون
۱۷	منهاج السند لابن تیمیہ	۱۷	کلمہ فی فروع دیوان متنبی
۱۸	لحاوی شرح مراقی الفلاح	۱۸	دیوان حاسہ مصری مع خلاصہ شرح تبریزی
۱۹	مراقی الفلاح	۱۹	دیوان ہوتام
۲۰	اصول فتح کشف الاسرار للبزدوی	۲۰	دیوان بختری
۲۱	توضیح وتلویح مجلد	۲۱	دیوان جریر
۲۲	مقامات حریری مطبوعہ مصر شرح	۲۲	فتح الازہار فی منتخبات شعر العرب
۲۳	مقامات بدلیجی ہمدانی	۲۳	سلاطین مصر فی تاریخ علماء مصر
۲۴	غایت الارباب فی صناعات شعر العرب	۲۴	ایضاع النظمی بالاطلاق والحکم
۲۵	نیل الماراد فی سطر العزیز والفرقہ بابت سعاد	۲۵	دلائل الاعمال جرجانی
۲۶	شرح بابت سعاد	۲۶	اسرار البلاغہ جرجانی
۲۷	مختارات شعراء العرب	۲۷	دروس البلاغہ
۲۸	فتح سلعۃ اللزنی	۲۸	فتح الشعر لابن قدامہ
۲۹	تہافت الفلاسف لقرطبی وابن رشد	۲۹	فتح الفتنہ مصری الشعالبی
۳۰	منطق البصائر النصیری	۳۰	فتح الفتنہ بیروت الشعالبی
۳۱	تاریخ ابن خلدون	۳۱	الاغنیاء الکتابیہ لحدادی

نام کتاب	نام کتاب
ادب اکمال الملبوس	ادب اکمال الملبوس
کتاب ابدیان و التبعین	کتاب ابدیان و التبعین
صراط المستقیم	صراط المستقیم
الاتصاف فی الاعتقاد للعلام الغزالی	الاتصاف فی الاعتقاد للعلام الغزالی
عربی تیز	عربی تیز
عربی تیز	عربی تیز

ہندوستان

تفسیر نظام القرآن مولوی عبد الحمید صاحب	تفسیر نظام القرآن مولوی عبد الحمید صاحب
سورۃ قیامت	سورۃ قیامت
سورۃ البی لب	سورۃ البی لب
اقسام القرآن	اقسام القرآن
شرح و فایکال عمدہ حاشیہ مولوی عبد الحمید صاحب	شرح و فایکال عمدہ حاشیہ مولوی عبد الحمید صاحب
جہانہ کامل عمدہ	جہانہ کامل عمدہ
نفسی	نفسی
سیدی	سیدی
شرح جامی عمدہ	شرح جامی عمدہ
قرآن شریف نقل نظامی	قرآن شریف نقل نظامی
ہدیہ سعید عمدہ	ہدیہ سعید عمدہ
مختصر المعانی کلان عمدہ مطبوعہ رزائی کراچہ	مختصر المعانی کلان عمدہ مطبوعہ رزائی کراچہ
سراجی	سراجی
اخوان اصفا	اخوان اصفا

فیہ فضل الرحمن

مصنفات مولانا شبلی نعمانی

سوانح مولانا دوم درجہ اول	سوانح مولانا دوم درجہ اول
دوم درجہ دوم	دوم درجہ دوم
سوانح دوم درجہ اول	سوانح دوم درجہ اول
کلام طبع اول	کلام طبع اول
سفرنامہ	سفرنامہ
سیرۃ النعمان	سیرۃ النعمان
الماہون	الماہون
دیوان شبلی	دیوان شبلی
کلام طبع ثانی	کلام طبع ثانی
فہمستردوہ	فہمستردوہ
لکھنؤ	لکھنؤ
فیہ فضل الرحمن	فیہ فضل الرحمن

راہِ مود

جلد	تقریباً ۱۲۵ مطابقی اکتوبر ۱۹۰۷ء	جلد
-----	---------------------------------	-----

مجلس نودۃ العلماء کا ماہوار علمی سالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول و متقول، اور علوم قدیمہ جدیدہ کا موازنہ

ترتیب

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن صاحب شہوانی

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون نگار	مختصر مضمون	نمبر
۱—۵		ادات	۱
۵—۳۳	شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی	اورنگ زیب عالمگیر	۲
۳۳—۴۰		غیرین	۳

باہتمام قاری عبد الولی حلف علامہ آسی مولوی عبد العلی صاحب اسی

بی بی لکھنوی ریکال حسن و خوبی طبع کر

غوشی کی بات ہو کلا عیان علما لکھنؤ سے شائع ہوا

کے ہیں، اسکے ادا کرنے میں نہایت

اشتہار

علم الکلام

طبع دوم درجہ اعلیٰ

مصنفہ
شبلی نعمانی

اس کتاب میں علم کلام کی ابتدا، اسکی مختلف شاخیں اور عمدہ عہد کی ترقیوں کی نہایت تفصیلی تاریخ اور اسکے متعلق مباحث اور تحقیقات ہیں۔ طبع اول اختتام کا ہے۔ اسلئے نہایت اہتمام سے دوبارہ خوشخط اور صحیح چھاپی گئی ہے۔

قیمت ۱۷

زیادہ جلدوں کے خریدار کو فی عددی حصے کمیشن ملیگا۔

دفتر ندوہ لکھنؤ سے ۲

الندوة

بسم الرحمن الرحيم

آج تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کی کوئی مفصل مستقل رپورٹ شائع نہیں ہوئی، بلکہ ندوۃ العلماء کی سالانہ رپورٹ میں اسکا بھی الحاق کر دیا جاتا تھا، لیکن اب جس قدر ملک کو ندوہ کے ساتھ دلچسپی پیدا ہوتی جاتی ہے، لوگ دارالعلوم کے طرز تعلیم، نصاب اور خصوصیات وغیرہ دریافت کرتے رہتے ہیں اس لئے پہلے دارالعلوم کی مفصل دو از دوہ سالہ رپورٹ مرتب کی ہے، یہ رپورٹ ارکان انتظامیہ اور ان حضرات کی خدمت میں جو ہر سال چندہ رکنیت ادا کرتے رہے ہیں، مفت بھیجی جائیگی، لیکن ان کے علاوہ جو لوگ رپورٹ کے دیکھنے کے شائق ہوں، انکو ہم رکٹاکٹ روانہ کرنا چاہیے، یاد رکھو وہ چندہ سالانہ ادا کر کے عام ارکان کی فہرست میں شامل ہونا چاہیے، رپورٹ میں جلسہ دستار بندی کے مفصل حالات، چند تقریریں، اور دارالعلوم کے محفل، ومصارف کی فہرستیں بھی درج ہیں،

خوشی کی بات ہے کہ اعیانہ اس نے دارالعلوم کے لیے جو ماہوار اور مستقل چندے مقرر کئے ہیں، اُسکے ادا کرنے میں نہایت مستعدی ظاہر کرتے ہیں، چنانچہ بعض حضرات ہمارے پاس

بڑا راست ہر لینے میں بھیجتے تھے ہیں، اور بعض حضرات نے خود جناب مولانا غلام محمد کو چند عینے کی رقمیں ادا کر دی تھیں، اور آئندہ مہینوں میں وصول کر لینی ذمہ داری جناب مولانا عبد الباقی صاحب نے لی ہو، چنانچہ انھوں نے دفتر سے اس کام کے انجام دینے کے لیے رسید ہی بھی منگوا لی ہے، اس موقع پر ہم ان بزرگان قوم کے نام درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں جنھوں نے اراکوں کے لیے مستقل وظیفے مقرر کیے ہیں تاکہ ان سے عام طور پر قوم کو واقفیت ہو جائے،

نمبر شمار	نام ذی	تعداد رقم	ماہوار رقم
(۱)	جناب ٹی این الدین صاحب مین امباری، تاجر عظم گڑنگ گلی مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۲)	جناب کنتم باؤسی عبدالقادر صاحب مین امباری تاجر چرم بڑی مٹ مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۳)	جناب حاجی عبداللہ صاحب مین امباری تاجر چرم بڑی مٹ مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۴)	جناب بھان عبد اللطیف صاحب ریس و امباری تاجر گڑنگ گلی مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۵)	جناب حاجی عبدالرحمان صاحب مین امباری گڑنگ گلی مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۶)	جناب محمد محمود الدباؤشاہ صاحب گڑنگ گلی مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۷)	جناب نواب غلام احمد خان صاحب مین یور کور منڈل کولہ فیلڈ کپ کے لار۔	۱۰۰	۱۰۰
(۸)	جناب خان بہادر الحاج محمد عبدالغریز باؤشاہ صاحب فیروم مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۹)	جناب سید عبدالرزاق صاحب جنرل کنٹرکٹر کولہ فیروم مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۱۰)	جناب مٹھا دار محمد عبدالقادر صاحب تاجر گڑنگ گلی مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۱۱)	جناب مولانا عبد الباقی صاحب تاجر گڑنگ گلی مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰
(۱۲)	جناب اہلیہ محترمہ مولانا عبد الباقی صاحب	۱۰۰	۱۰۰
(۱۳)	جناب الحاج عبدالملک باؤشاہ صاحب مدراس۔	۱۰۰	۱۰۰

نمبر شمار	نام نامی	تعداد جہم	نمبر شمار
(۱۲)	جناب خلیفہ بادشاہ صاحب کپنی تاجر سکندریہ بیچ مداس۔	۱۵۰	۱۱
(۱۳)	جناب یحییٰ سید عبدالرزاق صاحب حجین اول میٹ دسکرت کوکبٹور۔	۱۵۰	۱۰
(۱۴)	جناب حاجی محمد حنیف صاحب رئیس فیروز۔	۱۵۰	۱۱
(۱۵)	جناب سید محمد عبدالقادر صاحب ڈیڑھ فوگن ریل میٹ مدراس۔	۱۵۰	۱۱
(۱۶)	جناب منشی محمد عبدالکریم صاحب فاروقی انسپکٹر پولیس مدراس۔	۱۵۰	۱۱
(۱۷)	جناب نواب احمد محمدی الدین خان صاحب میلاپور مدراس۔	۱۵۰	۱۱
(۱۸)	جناب چودھری محمد طے صاحب ٹرانسپورٹ دفتر نقیٹہ آباد۔	۱۵۰	۱۱
(۱۹)	جناب مولوی حبیب الرحمن خان صاحب شروانی رئیس بھکین پور۔	۱۵۰	۱۱
(۲۰)	جناب نواب مزار خان صاحب بھکین پور۔	۱۵۰	۱۱
(۲۱)	جناب خان بہادری غلام صادق صاحب رئیس آنریری بمبئی میٹ مدراس۔	۱۵۰	۱۱

خدا کا شکر ہے کہ اب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانے کی طرف قوم کی توجہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے، چنانچہ سالانہ کتب خانے میں جو معتد بہ اضافہ ہوا ہے، اسکا ذکر گذشتہ اشاعتوں میں گذر چکا ہے۔ حال میں جناب نواب سید حسین صاحب بہادر بالقاء، رئیس عظم بھاگلپور نے اپنا قیمتی کتب خانہ ندوۃ العلماء کے لیے وقف کیا ہے، نواب صاحب موصوف اکثر کلکتہ میں رہتے ہیں، اور اسوقت میں قیام پذیر ہیں، ایسے محرم میں جب وہ مکان پر تشریف لائیں گے، خود کتابوں کے روانہ کرنے کا انتظام فرمائیں گے، کاش دوسرے حضرات بھی اس قسم کی مثالیں قائم کر کے، اپنی علمی فیاضی کا ثمرات دیتے۔

حال میں جناب حافظ محمد علیم صاحب میں دُنیریری مجسٹریٹ کا پور، خاص دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رہنے کے لیے تشریف لائے اور میرٹک خاکسار سے نہ وہ کے اغراض و مقاصد کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے معنہ نہایت تفصیل کے ساتھ اس کے اصلی مقاصد بیان کیے جنکو انھوں نے نہایت دیکھیں کیسا تعظیفا اور ان کی تائید کی، جناب حافظ صاحب موصوف نے صرفت زبانی تائید نہیں کی، بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیا، چنانچہ انھوں نے کانپور جاکر پہلے سے پاس تلوار و پو بھیج دیے ہیں، یہ ابھی اُن کی تحلیضیوں کی معمولی تمہید ہے، ورنہ وہ اس قابل ہیں کہ تنہا ان کی توجہ ندوہ کو گلہ برامان کر سکتی ہو،

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طرز تعلیم کو چونکہ وزیر و ملک میں حسن قبول حاصل ہوتا جاتا ہے، اس لیے ہمارے پاس اب سے طلباء کی نہایت کثرت سے درخواستیں آتی ہیں جن میں اکثر امرا، اور رؤسا کے لڑکے ہوتے ہیں، چنانچہ حال میں جناب نواب صدر الدین حسین خاں صاحب میں عظم برودہ نے اپنے صاحبزادے کو دارالعلوم میں بھیجا ہے، اور مظہر پور اور مونگیر کے دور میسون کے لڑکے داخل ہوئے ہیں، لیکن انہوں نے عمارت کے ناکافی ہونے کی وجہ سے ہم ان کی آسائش کا کافی انتظام نہیں کر سکتے، کاش خدا قوم کو ندوہ کی عمارت کی تعمیر کی توفیق دیتا، جس سے امرا کے گروہ میں بھی مذہبی، اور عربی تعلیم پھیلتی،

مولانا حالی کی ذرہ نوازی

خاکسار کے پاتوں کے زخمی ہونے پر بعض بزرگوار اور دوستوں نے ربا حیان لکھ کر بھیجیں، سید سلیمان اسٹنٹ الیٹر اندوہ نے ان میں بعض پچھلے پرچہ میں چھاپ دین، ان کو کھینک کر ہمارے مخدوم مولانا حالی نے منیجر اندوہ کو ایک خط لکھا جو بعینہ درج ہے،

” سالانہ وہ بین مولا شہلی کے اجاب کی رباعیات دیکھ کر مجھے بھی یہ خیال ہوا کہ اُن کے
 زمرہ اجاب میں ہونے کا فخر حاصل کروں، لہذا ذیل کے چار مصرعے موزون کر کے آپ کی خدمت
 میں پیش کرتا ہوں، مآلندہ کے کسی آئندہ نمبر میں انکو بھی درج فرما دیجیگا،

شہلی اگر زینپاش پر دل شکن ست باختگیش نجنگی مقصدن ست
 چند اکو بکا ہند و سنز آئند اینجا کار استن چمن دیر استن ست
 خاکسار الطاف حسین حالی

از پانی پت ۱۶- اکو پختہ ۱۹م

مولا شہلی نسبت ایسی خیالات ظاہر کرتا محض اُن کی ذرہ نوادی ہو وہ میرے اجاب میں شامل
 ہونے کا ٹانگ لگا رہا فرماتے ہیں، لیکن میری عزت یہ ہو کہ وہ مجھکو اپنے نیاز مندوں کے زمرہ میں
 شامل ہونے کی اجازت دیں، اب چند ہی ایسی صورتیں باقی رہ گئی ہیں، جنکو دیکھ کر قدام کی یاد
 تازہ ہو جاتی ہے، خدا ان بزرگوں کا سایہ قائم کھے، آمین،

شہلی نعمانی

نمبر (۶)

اورنگ زیب عالمگیر

باپ اور بھائیوں کے معاملات

عالمگیر کے فرد مجرم کا یہ سبب اخیر نمبر ہو، لیکن اسکے دامن اوصاف کا سب سے زیادہ
 یہ ظاہر ہے، اور جرائم کی نسبت عالمگیر کا یہی کہ سکتا ہو کہ اگر غیر سلطنتوں کا تخیل کرنا جرم ہے تو مجرموں کی

سنت میں سکندر اور یونین کو سب سے آگے کھڑا کرنا چاہیے، اگر مڑھون کی بغاوت کا وہ بانگ لگا دے گا
 تو پلہ مجرم شاہجہان صاحبقران ثانی ہو گا اگر راجپوت ریاستوں پر شک کرکشی کرنا الزام ہے، تو فرد مجرم
 میں سب سے اوپر اکبر عظیم نام ہونا چاہیے جسے سب سے پہلے جیو پر چڑھائی کی اور اس وقت تک
 اس راوہ سے باز نہ آیا جب تک راجہ زادیان، تیموری حرم میں نہ آئیں، اگر ہندوؤں کو ٹٹے معزز ہندو
 نہ دینا عطا الفصاف ہے تو یورپ کی نسبت کیا کہا جائے گا، جسے آج تک اپنی قوم کے سوا کسی کو
 وزارت یا سپہ سالاری کے عہدہ پر ممتاز نہیں کیا،

لیکن عالمگیر کا حامی اسکا کیا جواب دے سکتا ہے کہ عالمگیر کے دامن پر بھائیوں کے
 عنوان کی چھٹیں ہیں، اور اس کے مظلوموں میں خود اسکا نامور باپ شاہ جہان بھی قید خانہ کی کرپلین
 جھیل رہا ہے،

بے شبہ حکمرانیت ٹھنڈے دل سے بے رورعایت ان جرائم کی تحقیقات کرنی چاہیے
 اور نہایت احتیاط رکھنی چاہیے کہ میزان عدل کا پٹر فدا رہی کے رخ نہ جھک جائے،
 عالمگیر کے حالات کے متعلق، آج بہت سی کتابیں موجود ہیں، لیکن اصول تاریخ کی رو سے
 ان کو صرف ان کتابوں پر اعتماد کرنا ہو گا جو میں عالمگیر کے عہد میں لکھی گئیں، اس قسم کی
 کتابیں حسب ذیل ہیں،

عالمگیر نامہ کاظم شیرازی، اس میں ابتداء سے دس برس تک کے حالات ہیں، یہ کام
 خود عالمگیر کو دکھایا جاتا تھا،

ماثر عالمگیری، مستوفان ساتی کی تصنیف ہے، جو عالمگیر کا عہدہ دار تھا، لیکن دس برس اول
 کے حالات اُسے صرف عالمگیر نامہ کے حوالے سے لکھے ہیں، اور اسی کو مختصر کر دیا ہے،

منتخب اللباب خانی خان، اسکا باپ عالمگیر کی فوج میں شریک تھا، خود خانی خان بھی اپنے

خانہ میں عالمگیری عمدہ دارون میں داخل ہو گیا تھا، یہ کتاب عالمگیری کی وفات کے دس برس بعد
 لکھی گئی ہو، (یہ تینوں کتابیں کلکتہ میں چھپ گئی ہیں)

واقعات عالمگیری، حافل خان کی تصنیف ہے جو عالمگیری امرامین ہے، یہ کتاب گوا عالمگیر
 کے زمانے میں لکھی گئی لیکن اس سے چھپا کر لکھی گئی چنانچہ خانی خان نے خود تصحیح کی ہے، اور اس
 پر نہایت آزادی سے پوست کندہ حالات لکھے ہیں،
 سفرنامہ ڈاکٹر برنیر، اسنے اپنی چشم دید حالات لکھے ہیں،

قیاض القوائین، اسمین سلاطین ہندوستان و ایران اور مرزا مراد، شجاع، عالمگیر، اور
 امراے تیموریہ کے خطوط ہیں، مرزا مراد کے خطوط عین اس حالت کے ہیں جب وہ عالمگیر
 کے ساتھ مل کر دوارا شکوہ کے مقابلہ پر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، ان خطوط اور فرامین کو
 قیاض نے سلسلہ البحر میں جمع کیا تھا، اسکا قلمی نسخہ ہمارے دوست نواب علی حسن خان
 کے کتب خانے میں موجود ہے، اور ہمارے پیش نظر ہے،

ان میں سے پہلی اور دوسری کتاب میں اگرچہ تفصیلی حالات ہیں، اور وہ عالمگیری کی حیات
 کے لیے زیادہ مفید ہیں لیکن ہم ایسے اُن سے استناد نہیں کر سکتے کہ عالمگیر نامہ کو یا خود عالمگیر
 کی تصنیف ہے، اور ماکھر کا وہ حصہ، جس میں واقعات متنازعہ ہیں، عالمگیر نامہ ہی سے ماخوذ ہے، ان
 کتابوں سے ہم صرف اُن موقعوں پر استناد کریں گے جہاں اور مورخین بھی ان کے ہم زبان ہیں،
 شیعہ و سنی کا فرقہ کرنا، اگرچہ یکونہایت ناگوار ہے، اور ہم اُن دشمنانِ قوم کو نہایت کینہِ خلعت
 سمجھتے ہیں جو اسلامی فرقوں میں باہم ناگواری پیدا کرتے ہیں یہاں تک کہ بعضوں نے اسکو
 عاش کا ذریعہ بنالیا ہے، لیکن واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ عالمگیر
 لکھتی تھا اور اسکے تمام مورخین، یعنی نعمت خان، کاظم شیرازی، حافل خان، خانی خان شیعہ تھے

اس سے بغرض نہیں کمان مورخین کا بیان اختلاف مذہب کی بنا پر ناقابل اعتبار ہو چکا غرض یہ کہ
 کہ ایشیائی مورخین کی طبیعتوں پر اختلاف مذہب کا خواہ مخواہ اثر پڑا ہو اور سچ پوچھو تو یورپ
 کے مورخین بھی اس اثر سے خالی نہیں، صرف یہ فرق ہو کہ یورپین مورخین جس حسن سے مذهب کا
 استعمال کرتے ہیں، ایشیائی مورخ نہیں کر سکتے،

شاہ جہان کی قید شاہ جہان کی قید کا الزام اگرچہ ایسا اہم بالشان واقعہ ہو جس کے لیے مستقل اور
 جداگانہ عنوان قائم کرنا چاہیے تھا لیکن اس کا سلسلہ دار اشکوہ کے واقعہ سے استقدر ملا ہو چکا وہ وطن
 ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے،

داراشکوہ شاہ جہان کا بے بڑا اور بے پھینٹا بیٹا تھا، وہ بچہ سنہ ہجری
 میں شاہ جہان جس بول کے عارضہ میں گرفتار ہو کر کاروبار سلطنت سے معذور ہو گیا، داراشکوہ نے
 موقع پا کر عتلا سلطنت اپنے ہاتھ میں لی، اور بے پہلا کام یہ کیا کہ مرزا شجاع، مراد عالمگیر کے
 بوسطن اور بارین رہتے تھے ان کو بلوا کر چلکا لیا کہ دربار کی کوئی خبر بھیجنے نہ پائیں، اس کے ساتھ بنگال
 گجرات اور دکن کے راستے بند کر دیے کہ مسافر آنے جانے نہ پائیں جس سے مقصد یہ تھا کہ مراد، شجاع
 اور عالمگیر کو جو ان ہولند میں حکومت پر امور تھے خبر نہ ہونے پائے، لیکن یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ چھپا
 چھپ سکتا چنانچہ تمام صوبوں میں خبر پہنچ گئی اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہوئے لگین سب سے
 پہلے شجاع نے جو داراشکوہ سے چھوٹا اور عالمگیر بڑا تھا بنگال میں اپنی پادشاہی کا اعلان دیا
 اسی طرح مراد نے احمد آباد گجرات میں سکھ و خلیفہ جاری کیا، لیکن عالمگیر نے کسی قسم کی خود سری
 اختیار نہیں کی عالمگیر اس زمانے میں شاہ جہان کے حکم سے گلبرگ کے محاصرہ میں مصروف تھا
 یہ مسلسل واقعات تمام تر خانی خان سے لیے گئے ہیں جہاں کوئی بات اس سے الگ ہو و ان

مشرقی تھا کہ وہ فتح ہو جائے تو فوج ان تمام افسروں کے نام جو عالمگیر کی فوج میں شامل تھے داراشکوہ
نے شاہ جہان کی طرف سے حکم بھرا دیا کہ فوراً عالمگیر کا ساتھ چھوڑ کر دربار میں چلے آئیں، مجبوراً عالمگیر
نے دلی بیجا پور سے ایک کروڑ روپیہ نذرانہ پیش کر لی، اور یہ ہم نام تمام رہ گئی، داراشکوہ نے
اسی پر قناعت نہ کی بلکہ عیسیٰ بیگ کو جو عالمگیر کی طرف سے پائے تخت میں بغیر تھا، قید کر کے
اسکا گھر ضبط کر لیا اسی کے ساتھ ہمارا جہنوت سنگہ والی جو دھپور کو فوج اور توپ خانہ دیکھ
حرکت کی طرف روانہ کیا کہ عالمگیر اپنی جگہ سے اگر حرکت کرے تو اس سے معرکہ آرا ہو،

عالمگیر جلدی الاوی ۱۶۷۸ء ہجری کی بارہویں تاریخ یعنی شاہ جہان کی بیماری
کے پانچویں مہینے بیجا پور سے روانہ ہو کر ۲۵- کو برہان پور میں آیا، یہاں ایک مہینہ تک ٹھہرا
اور پائے تخت کی خبریں ہم پہنچا لیا، اس سے پہلے مرزا مراد سے قرار داد ہو چکی تھی کہ طلائع
مقام پر دو ٹون کا اجتماع ہوگا، چنانچہ ۲۰- رجب ۱۰۷۸ء ہجری کو دونوں بھائی دیال پور میں جدا
اتر کر ملے، یہ خبر سنکر ہمارا جہنوت سنگہ فوجیں لیے ہوئے بڑھا اور عالمگیر کے پڑاؤ سے فیر میل
کے فاصلہ پر خیمہ زن ہوا، عالمگیر نے کب کس برہمن کو جو بھاگ کا مشہور شاعر تھا، راجہ کے پاس
بھیجا کہ ہم لوگ صرف والد قبلہ کی عیادت کی غرض سے جا رہے ہیں، آپ سدا رہ نہ ہو جیسے لیکن
راجہ نے نہ مانا اور سخت معرکہ ہوا، راجہ نے شکست کھائی اور وطن کی طرف بھاگا، تاریخ میں
یہ واقعہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ راجہ جب بھاگ کر وطن میں پہنچا تو اسکی بیوی نے
اسکو اپنے پاس آنے نہ دیا اور تمام عمر کبھی اس سے ہم بستر نہیں ہوئی کہ پیٹھ دکھانے والا
بیوی ہم جتنی کے قابل نہیں،

شاہ جہان اگر وہ دلی جا رہا تھا کہ جہنوت سنگہ کے شکست کی خبر پہنچی، چرن

شاہ جہان کو اگر وہ کی آب ہو ملا موافق تھی اور اس وجہ سے اگر وہ کو واپس آنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس وقت وہ مرہ بہ مرہ دست زدہ تھا، داراشکوہ اس کو لایا اگر وہ میں لایا اور خود ساٹھ ہزار سوار کے ساتھ عالمگیر کے مقابلہ کو نکلا شاہ جہان نے بار بار نہایت اصرار کے ساتھ سمجھایا کہ تمہارا جانا خلاف مصلحت ہے میں خود اس فتنہ کو جاکر فرو کرتا ہوں، چنانچہ حکم دیا کہ پیش خیمہ باہر نصب کیا جائے، لیکن داراشکوہ نے جواب دیا، اور ۱۶ شعبان ۶۷۰ ہجری کو اگر وہ سے روانہ ہو کر سو گڑھ میں خیمہ زن ہوا جہان عالمگیر اور مرزا مراد فوجیں لیے ہوئے تھے، بڑے زور شور کا معرکہ ہوا نتیجہ عالمگیر کی فتح تھی، اس معرکہ میں مرزا مراد نے اس ثابت قدمی سے جنگ کی کہ اگرچہ اس کے ہاتھ کا ہودہ تیروں سے چھین گیا تھا، اور خود دلو لٹا ہوا تھا، مہم پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا تیر برس اٹا رہا، یہ ہودہ فرخ سیر کے زمانے تک یادگار کے طور پر قلعہ میں محفوظ رہا اور حسب سادات ہائے سرکشی کی توبادشاہ حکیم نے عالمگیر کی بیٹی، اسی ہودہ کو دکھلا کر کہا کہ تیوری نسل کی یہ یادگار ہیں،

داراشکوہ نے اگر وہ میں جا کر دم لیا، اور شرم کے ماتے شاہ جہان کے پاس بیگیا، شاہ جہان نے مشورہ اور صلاح کے لیے بار بار بلا بھیجا لیکن داراشکوہ اسی رات اہل و عیال کے ساتھ نکل کر لاہور کے ارادہ سے دلی روانہ ہوا،

۱۷- رمضان ۶۷۰ ہجری کو عالمگیر نے شہزادہ محمد سلطان کو بھیجا کہ قلعہ شاہی پر جا کر قبضہ کر لے اور شاہ جہان کی خدمت میں عرض کرے، کہ ”حضور آب قلعہ سے باہر تشریف لائیں یہی اخیر واقعہ ہے جو عالمگیر کے اخلاقی مرقع کی سب سے زیادہ بدنام تصویر ہے،

نام واقعات کا یہ سرسری خاکہ ہے جو سرتاپا خانی خان کے بیان سے ماخوذ ہے، اصل بحث کے طے کرنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے یہ کو شاہ جہان سے رخصت ہو کر داراشکوہ کی طرف

موجود ہونا چاہیے،

واقعہ گذشتہ میں وارا کے کارنامے حسب ذیل ہیں،

(۱) شاہ جہان کے بیمار ہونے کے ساتھ مرزا مراد عالمگیر و شجاع کے جو وکلاء شاہ جہان کے دربار میں پہنچے تھے ان سے پچا لایا کہ شاہ جہان، اور دربار کے حالات دیکھنے پائیں،

(۲) بنگال، گجرات اور دکن کے راستے بند کر دیے کہ مسافروں کے ذریعے سے

کسی کو خبر نہ ہونے پائے،

(۳) عالمگیر کے وکیل کا گھر ضبط کر کے اسکو قید کر دیا،

(۴) عالمگیر جب بیجا پور کے محاصرہ میں مشغول تھا تو تمام افسروں کو جو اس کے

ساتھ تھے بلوایا،

(۵) بغیر اسکے کہ کسی شاہزادہ کی طرف سے کوئی پیشقدمی ہوئی ہو، مراد عالمگیر اور

شجاع کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں،

یہ وہ واقعات ہیں جن سے کسی مؤرخ کو انکار نہیں، لیکن مزید اطمینان کے لیے بعض

ضروری واقعات کے متعلق، نہایت مستند شہادتیں بھی نقل کرتے ہیں،

درین اثنا دو قطعہ فرمان کہ حسب الاتاس دارا شکوہ بنام ہمایوں خان،

دراوڑستان اور درگاہ عالم پناہ شرف احمد از پدیرفتہ بود پر تو صد و زانیہ +

حسن ملوکہ عالمگیر کی موت
عالمگیر کے افسران
فرج کر بلوایا گئے

در مناشیر مطاع حسن انداج یافتہ بود کہ ہمایوں جنگ + ورا و ستر سال

با گل را چو تیر + اصلاً بر خصم شاہزادہ والا گریخت عالمگیر بقید نشدہ روانہ +

گردند + + ازین راہ و سخن و سستی تمام بجالا اردو سے علی شاہی دینے عالمگیر

راہ یافتہ استقلال و بناے ثبات و قرار جنود نصرت موعود متزلزل و متزلزل

گردیدہ واقعات مالگیری، از مستل خان)

ان سب باتوں پر بھی عالمگیر نے کسی قسم کی پیشہ سستی نہ کی، بلکہ جب مراد اور شجاع نے اپنے اپنے صندوقوں میں اپنی ادوا شہادت کا اعلان کیا تب بھی عالمگیر نے کوئی کارروائی نہ کی، بلکہ مراد کو خط لکھا کہ ابھی حضور اقدس زندہ ہیں، ہم لوگوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا مناسب ہے اور سورت پر تم نے جو فوج بھیجی، یہ نامناسب تھا، چنانچہ مراد نے عالمگیر کو جو خط لکھا ہے اس میں لکھتا ہے:

اپنی اندراج یافتہ کہ ”چون بحال خبر وقوع قضیہ ناگزیر (یعنی شاہ جہان کی وفات) ہمارے یہ بلکہ آثارِ صحت ظاہری شود از جاسے خود حرکت کردن و بہ اظهار بعض مراتب پر احتیاج مناسب نمی نماید، اگر آن برادر نیز بعد از تحقیق اخبار، افواج بہ سورت می فرستادند و درین کار تعجیل نمی رفت، بہتر بودالی آخره (فیاض قوانین) یعنی مکاتیب تیموریہ وغیرہ)

دکلائی برادران یعنی نظر خداوند کہ محمد (یعنی داراشکوہ) جمعے را گماشتہ کہ در حضر و سفر برود و رعایا انہامی باشند و مقرر نمودہ کاخبار و سوانح آن جبار اسطابق گفتہ میر صالح

عالمگیر کے
دکلائی برادران
کا خبر گیری و سوانح

برادر روشن قلم، مانبولید، (فیاض القوانين)

علی سی بیگ وکیل سرکار (یعنی عالمگیری) دانی صدور جری مجبوس ساختہ ضبط

عالمگیر کے وکیل

اموال و متاع و فرمان دادند، (آخر عالمگیری مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۳)

کا ضبط کرنا

واقعات مذکورہ بالا کے ثابت ہونے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ آغاز کار روایتی سے اختیرک داراشکوہ اور عالمگیر دونوں میں سے کون تقصیر وار ہے، خبروں کا روکنا، عالمگیر کے دکلا کا نظر بند کرنا، عالمگیر کی جاگیر کا ضبط کرنا، صین جنگ کی حالت میں عالمگیر کے اُمر اور فوج کا آٹسک

اس سے بلوالینا، ہمارا جب سوزن سنگ کو عالمگیر کے مقابلہ پر مامور کرنا کیسے افعال میں ۹ اور کیا
 ان میں سے کسی فعل کے جائز یعنی کی کوئی وجہ بتائی جاسکتی ہو، تم کہہ سکتے ہو کہ یہ سب داراشکوہ
 کے افعال میں، ان کو شاہ جہان کے واقعہ کی بحث میں پیش کرنا کس قدر غلط طریق استدلال ہے
 لیکن عالمگیر کی تمام کارروائیاں جواب تک اُسے کیں، یعنی دکن سے روانہ ہوا، راہ میں جسوزن سنگ
 نے داراشکوہ کی طرف سے روکا تو اسکو لے کر شکست دی، اگر وہ میں آیا، یہ سب داراشکوہ ہی کے
 مقابل میں تھیں، شاہ جہان کی بحث میں ان واقعات کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہو کہ سادہ دل مورخین
 ان واقعات کو بھی اس بنا پر عالمگیر کی ناسزا حرکات میں شمار کرتے ہیں کہ یہ سب باتیں گویا شاہ جہان
 کے مقابلہ میں تھیں،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں شاہ جہان، ہمہ تن مجبور ہو کر داراشکوہ کے
 قبضہ میں آگیا تھا، اور وہ جو کچھ چاہتا تھا شاہ جہان کے نام سے کرتا تھا،
 خانی خان کے بیان میں اور تو یہ پڑھ آئے ہو کہ شاہ جہان اگر وہ میں نہیں آنا چاہتا تھا،
 داراشکوہ نے مجبور کیا، داراشکوہ جب فوج لیکر چلا تو شاہ جہان نے بہت روکا لیکن داراشکوہ
 نے نانا، شاہ جہان نے عالمگیر کے معاملہ طر کرنے کے لیے غور جانا چاہا اور داراشکوہ نے
 نہ جانے دیا،

ڈاکٹر بریر اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے،

ان دنوں شاہ جہان کافی الواقع بہت پتلا حال تھا اور علاوہ شائد کچھ اور

مرض کے وہ حقیقتہً داراشکوہ کے بیچہ سرکشی میں بھٹنا ہوا تھا، (ترجمہ سفر نامہ بریر)

(جلد اول صفحہ ۶۵)

۱۔ صوبہ ابراہیم عالمگیر کی جاگیر میں تھا اور داراشکوہ نے اسکو ضبط کر لیا اور انہیں کے خطوط میں ابراہیم اسکا ذکر آیا ہے،

ہر ایک خط میں عالمگیر کو لکھتا ہے،

ابا جال ظاہر شد کہ ان طرف (یعنی داراشکوہ) استقلال و تسلط تمامی کہ از اشعبانہ

صلی و قعد امور حضور اقدس (شاہ جہان) بقبضہ افتاد خود آورد،

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ داراشکوہ نے یہ شوق بہم پہنچائی تھی کہ شاہ جہان کے خط میں

بالکل خط ملا دیتا تھا، اور فرامین پر شاہ جہان کے دستخط اپنے ہاتھ سے بناتا تھا، ہر ایک خط میں عالمگیر کو لکھتا ہے،

دولتہ (داراشکوہ) خود تقلید خط اقدس (شاہ جہان) را بر مرتبہ کمال رسانیدہ فرامین دستخطی کند،

ان موقعوں پر مراد کا بیان ایسے نہایت وثوق کے قابل ہے کہ وہ یہ واقعات عالمگیر کو

لکھ رہا ہے ایسے یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ عوام کے دھوکا دینے کو لکھتا ہو، مراد اور عالمگیر ہر ایک کے ہر روز اور ہر چند روز ہیں،

واقعات مذکورہ کی بنا پر عالمگیر کو صرف انھیں احکام کی پابندی ضرور تھی جو شاہ جہان کے

اصلی احکام تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ جب و نٹ سنگھ کا عالمگیر کے مقابلہ پر بھیجا، داراشکوہ کی شرارت تھی، شاہ جہان اس پر راضی نہ تھا،

داراشکوہ کے مقابلہ میں عالمگیر کا آادہ جنگ مہنا، حفاظت خود اختیار کی ضروری فرض تھا،

اکثر برسر عالمگیر کا سب سے بڑا دشمن ہے، تاہم ان بھائیوں کے ارادہ جنگ کے متعلق لکھتا ہے،

واقعی ان کو اپنے اس ارادہ سے دست بردار ہونا مشکل بھی تھا کیونکہ فوجیابی کی حالت

میں تو تخت کی امید تھی اور شکست کی صورت میں جان جانے کا یقین کلی تھا اور اب

صرف وہی باتیں تھیں، یا موت یا سلطنت اور صلح شاہ جہان خاص اپنے

لہ مراد کے خطوط کی جارتیں کا تیب تیموریہ سے نقل کی گئی ہیں جس کا نام فیاض القوائین ہے،

بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھر کر تخت نشین ہوا تھا اس طرح ان کو یقین واثق تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکامیاب رہیں گے تو غالب اور فتحیاب حسد کے مارے ہم کو ضرور قتل کر دیجگا، (ترجمہ سفرنامہ بربر صفحہ ۲۶ و ۲۷)

لین پول صاحب لکھتے ہیں۔

اورنگ زیب یہ ضرور جانتا ہوگا کہ بھائیوں میں کسی ایک کی تخت نشینی سے یا تو وہ قید کر لیا جائے گا یا مارا جائے گا اور اس نے اپنے دل میں ایک مصمم ارادہ کر لیا ہوگا حفاظت خود اختیاری میں اسکا فرض تھا کہ حصول بادشاہت کے لیے وہ بھی ایک نیلای بولی بولے، (ترجمہ اورنگ زیب مصنفہ لین پول، صفحہ ۳۱)

بہر حال عالمگیر جسوقت سنگہ اور داراشکوہ سے لڑا اور انکو شکست دی، لیکن ایک عرصہ کے ذریعہ سے شاہ جہان کو ان تمام واقعات کی خبر ہوئی، شاہ جہان نے دست خاص سے تسلی نامہ لکھ کر بھیجا، پھر انعام کے طور پر ایک تلوار بھیجی جس پر عالمگیر کا لفظ منقوش تھا، چنانچہ خانی خان نے ان واقعات کو تفصیلاً لکھا ہے،

عالمگیر کا نکتہ چین اس موقع پر یہ کہہ سکتا ہو کہ عالمگیر نے اور جو کچھ کیا حفاظت خود اختیاری کی وجہ سے کیا، لیکن جب وہ جسوقت سنگہ کو شکست دیکر اگرہ کے قریب پہنچ گیا، اور شاہ جہان نے اسکو بار بار بلایا، اور نہایت شفقت آمیز خط لکھے، تحفے اور انعام بھیجے اور سب سے بڑھ کر سلطنت کی تقسیم اس طرح کرنی چاہی جس سے بڑھ کر عالمگیر کے حق میں کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی، یہی ہے کہ داراشکوہ کو پنجاب و کابل، اور مراد کو گجرات، اور شجاع کو بنگال دیا جائے، اور عالمگیر کو ولیمہ دی کا منصب اور پائے تخت کی سلطنت دی جائے، تو اس حالت میں باپ کی نافرمانی کرنا کتنا شی سے پیش آتا، اور بالآخر قلعہ میں نظر بند کر دیتا، اخلاق کے مذہب میں کفر سے بدتر ہے،

لیکن تحقیق طلب یہ کہ کیا شاہ جہان فی الواقع وہی کرنا چاہتا تھا جو کہتا تھا؟ اسلامی تعلق سے
 شاہ جہان اور عالمگیر دونوں کیساں واجب لتظیم ہیں گو وہ خلیفہ نہیں لیکن لغوی معنوں میں
 (شرعی) امیر المومنین ہیں۔ میرادل دکتہ ہو کہ ان میں سے کسی کو مردم ٹھہرائوں، لیکن سچائی اور مائیخی
 نویسی کا کیا فرض ہے؟ شاہ جہان اور عالمگیر دونوں قابل ادب ہیں، لیکن دونوں سے بڑھکر
 بھی ایک چیز ہے۔ "حق اور راستی" اور جھکو اسی اعلیٰ ترجمہ کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے،
 تمام مورخین میں عاقل خان نے اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے عالمگیر کے نام
 شاہ جہان کے دروگیر خط و حاجن سے پتھر کا دل پانی ہو جاتا ہے بعینہ نقل کیے ہیں، نواب
 جہان آرا بیگم نے شاہ جہان کے اشارہ سے جو خط عالمگیر کو لکھا ہے وہ بھی نقل کیا ہے، عالمگیر جو لوگ
 شاہ جہان کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتے تھے، ان کو فتنہ پرداز اور مفسد سے تعبیر کیا ہے، اہل
 یہ تمام داستان، اس تفصیل، اس دور، اس درد کے ساتھ لکھی ہے، کہ پڑھنے والے کے منہ سے
 بے اختیار عالمگیر کے حق میں نفرین نکل جاتی ہے لیکن بالآخر جب یہ موقع آتا ہے کہ عالمگیر باپ کی سخت
 میں حاضر ہونے کے لیے قیامگاہ سے نکلتا ہے اور اسکے مقربین اسکو روکتے ہیں، تو اسی مؤرخ
 (عاقل خان) کو لکھنا یہ پڑتا ہے،

درین اثنا کہ آن حضرت (عالمگیر) سمع مبارک بختان دولت	عین اسوقت کہ عالمگیر خیر خواہان دولت کی
سنگالان داشتہ مترو بود نہ ناگاہ ناہر دل خان چیلہ سپہ	باتین مشکبویج رہا تھا کہ کیا کیا جائے، وہ فتنہ
فراسے کہ بندگان اعلیٰ حضرت (شاہ جہان) بخط مبارک	ناہر دل خان چیلہ سامنے سے نکلا شاہ جہان
بہ دار لشکر نوشتہ از راہ اعتماد و بکمال اہتمام و احتیاط بہر حوالہ	نے خود اپنے ہاتھ سے دارالشکر کے نام خط لکھ کر
فرمود نہ کہ اصلاً احد سے راہ برین را لاہ قوت نہ دادہ خود را بھجوا	بھی احتیاط سے اسکو حوالہ کیا تھا کہ کسی اسکی خبر
شکیر و انصار بہ دار الخلافہ شاہ جہان آباد و دارالشکر و رنسا	انہوں نے پائے، اور لیا کرتے ہوئے دارالشکر کے پاس جاتے

خط کا مطلب یہ تھا کہ تم (داراشکوہ)
مطمن ہو کر دلی سے آگے نہ بڑھو، اور
دہلین قیام کرو
ہم بیان قصہ فیصل کیے دیتے ہیں

فرمانِ راجا جیاب سانیہ جواب بیارو، ورنہ نظر
انحضرت جہان پناہی در آورد و مضمون آن منشور ملحق
ہواں بود کہ داراشکوہ خاطر خود را جمع کرده در شاہ جہان آباد
ثبات قدم و در دوازان جا بیشتر نگزد، کہ مادر این جا
مہم را فیصل می فرمائیم

اس خط سے عالمگیر کے پوٹا بھائی کی رائے کی بالکل تصدیق ہو گئی

این فرمان مصدق و مصداق قول خیر خواہان آمده

ماثر الامرا میں بھی یہ واقعہ نہایت تفصیل سے لکھا ہے آخر کے فقرے یہ ہیں

«درین اثنا کہ خلد مکان عالمگیر گوش برنخان دولت مگالان داشتہ متردد بود
ماہر دل جلیہ رسید و فرمانے کہ اعلیٰ حضرت بہ خط خود بہ داراشکوہ نوشتہ از روی اعتماد
بدحوالہ نمودہ بود کہ خود بہ عنوان بکروی بہ شاہ جہان آباد نزد داراشکوہ رسانیدہ جواب بیارو
آمدہ گذرانید، مضمون آنچہ اولشکہ را فرمایم آوردہ در دہلی ثبات قدم و در دوازان جا ہم را
فیصل می فرمائیم» (ماثر الامرا جلد دوم صفحہ ۶۹۷)

ایک غیر قوم کا شخص جو عالمگیر کا پورا دشمن تھا اور ان تمام جھگڑوں میں موجود تھا اس کے بیان سے اس
اجمال کی گرہ کھل جاتی ہے، وہ لکھتا ہے،

شاہ جہان نے ایک معتبر خراجہ سرا کو اورنگزیب کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ
«بیشک داراشکوہ نے جو کچھ کیا سب اسنا سب تھا اور اسکی بے سمجھی اور نالائقی کی
باتیں یاد دلا کر کہا کہ تم پر تو ہم ابتدا ہی سے دلی شفقت رکھتے ہیں پس تمکو ہمارے پاس جلد
آنا چاہیے تاکہ تمہارے دشوہ سے اُن امور کا انتظام کیا جاسے جو اس افرا تفری کے
باعث خراب و ابرا تر پڑے ہوئے ہیں، مگر اس محتاط شہزادہ (یعنی عالمگیر) نے بدگانی سے

بادشاہ پراعتماد کر کے قلعہ میں چلے جانے کی دلیوری نہ کی، یہ کچھ اس سے معلوم تھا کہ یکم صاب
(یعنی جہان آرا یکم) کسی وقت بادشاہ سے جدا نہیں ہوتی اور اس کے مزاج پر اس قدر
ماوی ہے کہ جو کچھ وہ چاہتی ہے وہی ہوتا ہے اور یہ پیغام اس کا ایک چکر ہے اور
اس نے قلعہ میں رہنا جاری عورتیں اس سے جو عمل سراہیں جو کی بہرہ کے کام متعین
رہتی ہیں کچھ فوجی ہیکل اور مضبوط اور علی عورتیں اس قصد سے لگا رکھی ہیں کہ جب قلعہ
میں داخل ہو تو فوراً اس پر آن پڑیں،

(سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ترجمہ اردو جلد اول صفحہ ۱۱۴)

لین پول نے سچ لکھا کہ "اسنال میں؟ شاہ جہان نے اپنے بیٹے کے چھانسنے کو بچایا تھا شاہ جہان نے
عالمگیر نے بارہا شاہ جہان کی خدمت میں حاضر ہو کر عفو قصور کرنا چاہا لیکن شاہ جہان اب بھی
داراشکوہ کا خواب دیکھتا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ جہان آرا یکم جو شاہ جہان کی دنیا میں سب سے بڑھکر
عزیز تھی داراشکوہ کی نہایت طرفدار تھی، شاہ جہان نے ہندی زبان میں خفیہ ایک خط شجاع کو
عالمگیر کے برخلاف لکھا، اور اس قسم کی اس کی کوششیں برابر جاری رہیں۔ عالمگیر اب مایوس ہو کر
بیٹھ رہا، خافی خان لکھتا ہے

خدا مکان (عالمگیر) کو ارادہ دیدن بدرواقہ قدر یہ قصد معذرت والتماس عفو تقصیرات
کہ از تقریرات الہی و شومی برادر ناہنجار بلا اختیار بطور آمدہ، نمودند، آخر چون دانستند
کہ مرضی اعلیٰ حضرت (شاہ جہان) طرف رعایت و احسان دارا شکوہ غالب
راغب ست و سرشتہ اختیار بر حکم قلم تقدیر از دست رفتہ، مصلحت در فتح ہویت
طلاقات پر نامدار دانستہ

(جلد اول صفحہ ۳۴)

۱۱۴ ترجمہ لین پول صفحہ ۱۱۴

اسی زمانہ میں عالمگیر نے ایک خط مہابت خان سپہ سالار کو جو اس وقت کابل میں تھا لکھا،
یہ خط خانی خان نے پورا نقل کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہیں،

و چون فرزند مظلوم دارا شکوہ بعد از شکست روانہ لاہور شدہ بہ بد و دور فاق
دارا شکوہ بابا پر داختم بہ مقابلہ و جزای اعمال ہر دو ناب و خوردار یعنی عالمگیر و مراد پر دازدہ،
شاہ جہان کی ان تمام سازشی اور مخالفانہ کارروائیوں کے ساتھ بھی عالمگیر نے یہ سلوک کیا
اگر اپنے بیٹے شاہزادہ اعظم کو شاہ جہان کی خدمت میں عفو و نصیحت کے لیے بھیجا اور پانسوا شرفیاء
اور چار ہزار روپے نذر بھیجے، اور چند روز کے بعد جب قلعہ کی حفاظت کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا
تو شاہ جہان کے ہر قسم کے آرام و راحت کے سامان مہیا کر دیے، ڈاکٹر برنیر کو بھی مجبوراً یہ شہادت
دینی پڑی،

غرض کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہان کے ساتھ مہربانی اور دے خالی نہ تھا
اور حتی الامکان وہ اپنے بڑے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا اور نہایت کثرت
سے تحفے و تحالفت بھیجتا رہتا اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اس کی رائے
اور مشورہ کو مثل ایک پیرومند کی ہدایت کے طلب کرتا تھا اور اس کے عرضیوں سے
جو اکثر لکھا کرتا تھا ادب اور فرمانبرداری ظاہر ہوتی تھی پس اس طرح سے شاہ جہان کی
گردن کشی اور اس کا غصہ آخر کار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملات سلطنت میں بیٹے کو
لکھنے پڑھنے لگ گیا x بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف کر کے
اس کے حق میں دعاے خیر بھی کر دی، (ترجمہ سفر نامہ ڈاکٹر برنیر جلد اول صفحہ ۳۸۹)

اس کے بعد برنیر نے لکھا ہے کہ "عالمگیر شاہ جہان کی ہدایتوں کے برخلاف بھی کرتا تھا لیکن وہ عام سلطنت کے
مستقل ہدایتوں کی مخالفت تھی جس کو اس موقع سے کوئی تعلق نہیں

انصاف کرو، شاہ جہان اتنی بات پر برسوں جاگیر سے لڑتا رہا کہ اس نے شاہ جہان
کی جاگیر توڑ جہان کو لیکر دیدی تھی حالانکہ اور ہر طرح کی عنایتیں بحال تھیں تاہم شاہ جہان نیک نام
عالمگیر کے اس حالت میں کلاس کی جاگیر چھین لی گئی تنخواہ بند کر دی گئی۔ عین دشمنوں کے مقابلہ کے
وقت اس کی فوج اُس کے پاس سے ہلائی گئی۔ ۵۰ ہزار فوج خود اس کے مقابلہ و مقابلہ کے
لیے روانہ ہوئی قلعہ میں اُس کے قتل کا بندوبست کیا گیا، ان سب باتوں کے ساتھ وہ شاہ جہان کا
انہایت ادب و احترام کرتا رہا، تاہم وہ بدنام ہے

رند و صوفی ہر سرست گدہ مستند و گدشت فقہ و است کہ در کوچہ و بازار بماند
مورخین کو اپنے فکر عدالت میں اس بات کا بہت کم موقع حاصل ہو سکتا ہے کہ خود مجرم کا بیان بھی
بھی صاف کر سکیں لیکن عالمگیر کی نسبت سوچ کر اسکا افہام نہیں ہو سکتا۔ عالمگیر نے شاہ جہان کو خطوط
لکھے ہیں ان میں ان الزامات کی خود جواب دی کی ہے۔ عالمگیر کو اس کے مخالفوں نے ہمیشہ سخن ساز
اور تضحیی بیان کیا ہے لیکن اب تمام واقعات ایک ایک کر کے سامنے آگئے ہیں اور ادا ہے سربشہ
چیز سے نقاب اٹھائی جا سکتی ہے کہ عالمگیر کو اپنے عذرات کے پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ ہم اس کا اصلی خط خان خان کی
تحریر کے مطابق نقل کرتے ہیں، دیکھیں سخن ساز اور تضحیی شخص کا ایک حرف بھی بچائی کے مرکز سے تباہ ہوا ہے؟

بعد ادا ای مرا ام عقیدت و عہودیت بہ عرض اشرف می رساند صحیفہ کہ بہ خط خاص
پس از تادی ایام صادر شدہ بود پر تو و رود انداخت نہ مطالعہ ارقام سرمایہ سعاد
حاصل کرد کیفیت کہ نگارش یافتہ بود نہ ضحیح انجا امید، از سبب گت و گیر خطوط متعسنا
شدہ بود، بر خاطر دریا مقاطر پوشیدہ نماند کہ ازین مرید در ابتدا احوال و آغاز وقوع
مراتبہ کہ بہ تقدیر یازد متعال رودادہ بہ اعتقاد آن کہ چون آنحضرت عقل کل اند

و اکثر اوقات گرامی در تجارب پست و بلند روزگار گذشته، شاید ظهور این امور از
 قضا و قدر دانسته، و شکست کار این مرید و رونق بازار دیگران که ارادت الله بدین
 تعلق نداشت، کوشش نه فرمایند، سلوک را بنحیض مستحسن قرار داده بود و می خواست که
 بعد رفع شورش و استرضای خاطر و الا که اتمام به بیان جان بسته بدان وسیله
 سعادت داین حاصل کند، و هر چند می شنید که موجب تفاع غبار فساد و برهم خوردگی
 مهمات عباد به تحریک آن حضرت است، و برادران بفرموده اقدس است پامی زنند و
 جانی می کنند، گوش بنحمان مردم نمیداخته، اندیشه انحراف از شاه راه حقیقت نمی نمود،
 لیکن از آن جا که اخبار بی توجهی حضرت به توأتر رسید چنانچه از نوشته که به خط هندوی به شیخ
 قلمی گردیده بود دو خان و مان او بر سر آن خراب گشته، هویدا است، یقین حاصل شد که
 آن حضرت این مرید را نمی خواهند و آن که از دست رفته هنوز تلاش دارند که دیگر استقلال
 پذیرد و سعی و تردید این فدی که مصروف بر اجرای احکام دین متین و انتظام مهمات
 مملکت است ضائع شود و به هیچ طریق ازین فکر باز نیامده درین کار مضرت اند، ناگزیر
 به مراعات لوازم حرم و احتیاط پرداخته و از حدوث مفسده های متوقع التدارک
 اندیشه مند گشته آنچه به خاطر داشت نتوانست از قوه به فعل آورد و بر صدق
 این دعوی خدای توانا شایسته است ... انتشار الله تعالی بعد از آن که کار معاندان
 به یکی ازین دو وجه ساخته شود چرا این همه عیب احتیاط خواهد نمود. در باب آبدارخانه
 قلمی بود، آنجا صندل غسل خانه درین وقت که آن حضرت پیوسته در محل می نشستند
 چه در کار است، و هر بر کار خانه ملبوس نمون از رنگد رنگد شدن خواجه معمور
 می شد، الحال که دیگر بدین عهد ما مگر دید پوشاک مبارک است و سابق بی تعلل خواهد رسید.

داراشکوہ کا قتل موافق اور مخالفت دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ داراشکوہ اپنی بد تدبیری خود راہی کلبھی

اکی وجہ سے اس قابل نہ تھا کہ تیسرے تخت کا مالک ہوتا، اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ بھائیوں کی
جنگ میں ابتدا اس کی طرف سے ہوئی اور عالمگیر و مراد و شجاع کو مجبوراً اس کے حملوں کو روکنا پڑا بھی
کچھ لاہور کی بات نہیں کہ داراشکوہ گرفتار کر کے دربار میں لایا گیا، لیکن اعتراض یہ ہے کہ یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ
کسی محفوظ مقام میں نظر بند رکھا جاتا، وہ کتنا ہی براسی لیکن بھائی تھا اور بڑا بھائی تھا اگر عالمگیر اس کے
شہوت سے ہمت نہ کھینچتا تو اخلاص مرقع میں اس کی تصویر اس قدر نفرت انگیز نہ ہوتی

بے شبہ یہ اعتراض بہ نظام نہایت قوی ہے لیکن تیموری خاندان بلکہ تمام شیشائی سلطنتوں میں
معیان سلطنت قید اور نظر بند ہر کبھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے اس کے ساتھ
ان کے ترقداروں کا ایک اہم عہدہ موجود رہتا ہے اور اس وقت تک نچلا نہیں بیٹھا جب تک نخل انڈر کے

سے ڈاکٹر بریر سے زیادہ کو نہ شخص داراشکوہ کا دوت ہو سکتا ہے اس نے سخت مصیبت کی حالت
میں داراشکوہ کا ساتھ دیا تھا، تاہم وہ داراشکوہ کی ذاتی خوبیاں گنا کر لکھتا ہے،

دگر بایں بہ بڑا ہی خود پسند اور خود راے تھا اور اس کو یہ گھنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی
اور خوش تدبیری سے ہر امر کا بندوبست اور انتظام کر سکتا ہوں اور کوئی فرد بشر یا نہیں
جو مجھے صلاح مشورہ دے سکے، وہ ان لوگوں سے جو اس سے ٹڈنڈے ڈرتے کوئی صلاح دینے
کی جرات کر بیٹھتے تھے، حقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا چنانچہ اس ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب
اس کے دلی خیر خواہ بھی اس کے بجائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بدشگون سے اسے آگاہ نہ کر سکے
وہ ڈرنے اور دھمکانے میں جراتیز تھا یہاں تک کہ بڑے بڑے امر کو برا بھلا کہہ بیٹھتا اور
ان کی ہتک کر ڈالتا لیکن اس کا غصہ اور بد مزاجی ایک آن کی آن میں جاتی رہتی تھی «
(ترجمہ سفر نامہ برہنہ ص ۱۱۱، جلد اول) کیا ایسا بکے ہر سلطنت کے باہرگران کے اٹھانے کے قابل تھا۔

امہک وریشکٹ نہ جائیں، تم نے تمام تاریخوں میں پڑھا ہو گا کہ داراشکوہ جب دلی میں گرفتار ہو کر آیا چہ
بر بازار میں ہی حالت سے نکلے تو تمام شہر میں ہنگامہ برپا تھا، زن و مرد و عاقل و نابالغ ہر مار مار کر روتے
تھے، بالا خالون سے سرکاری آدمیوں پر پتھر اور ڈھیلے پھینکے جاتے تھے ملک جیون چہس نے
راکو گرفتار کیا تھا گالیوں کا منہ برس رہا تھا، ظاہرین خیال کرتے ہیں کہ یہ داراشکوہ کی ہر دلعزیزی کا اثر
نہا اور اس لیے اس کا مالک تاج و تخت ہونا زیادہ موزون تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ایک فتنہ گر کا
خبرہ خا خانی خان لکھتا ہے

روہ دیگر کہ کو تو ال بوجہ حکم در پے تحقیق بانی آن فساد پر دخت ظاہر شد کہ ہمیت
نام احد سے پیش قدم این جہت گشتہ ماڈہ فساد و آشوب تمام شہر گردیدہ بود

بے شبہ لوگوں کو خود بھی رقت ہوئی ہوگی، لیکن یہ ملکی ہر دلعزیزی کا ثبوت نہیں ہے، داراشکوہ
بہ شان و شوکت کا شہزادہ تھا جس کو فرسے اس کی سواری شہر میں لوگوں نے نکلنے دیکھی تھی جس طرح
ہٹپے برساتا ہوا بازار سے گذر کر آتا تھا، اس کے مقابلہ میں جب لوگوں نے اس کو شکستہ حال، پابز بنیر
ہاکن بے یار، بازار سے گذرتے دیکھا ہو گا تو کون سنگدل ہو گا جس کے دل سے آہ نہ نکل گئی ہوگی، اقسوت
س فیصلہ کرنے کا کیا وقت تھا کہ وہ تخت شاہی کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ ایسی حالتوں میں تو دشمن
کے لیے بھی آئینہ نکل آتے ہیں اور داراشکوہ تو میر میری صاحبقران شامی کا شہزادہ اعظم تھا

یقینی ہے کہ داراشکوہ جب تک زندہ رہتا سا رشین بر پارہتین اور ملک کو امن و امان نصیب ہوتا
لیے عالمگیر کو وہی کرنا پڑا جو خود اسکے باپ شاہ جہان سے اسکو ترکہ میں ملا تھا شاہ جہان نے اپنے
جائیون (دراؤ بخش و شہر یار) اور حقیقی بھتیجیوں (دہوشنگ وغیرہ) کو قتل کر دیا تھا عالمگیر کو بھی اس قسم کی
جینٹ چیز ملنے کا حق تھا ع این گناہیت کہ در شہر تمانیز کفندہ

مراد کا واقعہ | یہ مسئلہ شاہ جہان کی قید اور دراز کے قتل سے بھی زیادہ مشکل ہے شاہ جہان اور دراز کے
دونوں عالمگیر کے صریح مخالف تھے، لیکن مراد عالمگیر کا دست و بازو تھا جو نرسنگہ کے سرکارین
اس کی پامردی اور اندھا دھند جانیازی نے داراشکوہ کی فتح کا باتہ اٹھ دیا تھا وہ ابتدا سے عالمگیر
کا راجا تھا اور رعایت گزار تھا اور جو کچھ کرتا تھا عالمگیر کے تور و کھیر کرتا تھا ایسے جانا باز اور طمع دوست
عالمگیر کے مات سے یہ جملہ ملاک قید ہوا اور پھر قید زندگی سے آزاد ہو گیا،

لیکن اس مسئلے نے اس وجہ سے یہ صورت اختیار کی ہے کہ مورخوں نے پورا واقعہ بیان نہیں کیا،
عالمگیر نامہ اور تارخ عالمگیری کے مصنف تو اس قسم کے واقعات کے اسباب و صل سے مطلقاً بحث نہیں کرتے
اس لیے ان سے کوئی شکایت نہیں ہو سکتی لیکن خانی خان جو ان مصنفوں پر ترجیح حاصل کرنے کی
غرض سے دوسرے ماخذوں سے اور بالخصوص عاقل خان کی تصنیف سے حالات بہم پہنچاتا ہے
جب اس واقعہ کو لکھتا ہے تو صرف یہ لکھ کر رہ جاتا ہے

اول روز محمد مراد بخش راجس بقبر کہ تقدیر برابر، موافقت نمود و بد ذکر
تفصیل آن بنی پر دوزد سنگیر ساخته زنجیر بہ با انداختہ الہ در جلد دوم صفحہ ۳۳
خانی خان اس واقعہ کی تفصیل نہیں بیان کرتا، لیکن کیوں؟ کیا عالمگیر احسان ہے کہ وہ
زیادہ بدنام نہ ہونے پائے، لیکن شاہ جہان کی گرفتاری کا واقعہ تو اس سے بھی زیادہ بدنام کن تھا
اس کو خانی خان نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا پنا پنجہ خود لکھتا ہے

اگرچہ مولفان عمد نویس ہر عالمگیر نامہ منروی ساختن اعلیٰ حضرت را موافق
منبری مبارک محل بہ زبان قلم دادہ اند اما عاقل خان خانی در واقعات عالمگیری
تالیف خود بہ شرح و بسط ذکر کردہ خلاصہ کلام آنحضرت الخ (صفحہ ۳۲)
ای عاقل خان نے مراد کی گرفتاری کو بھی تفصیل سے لکھا تھا اس کو خانی خان کیسے قلم بند کر سکتا ہے

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہر اوگو نہایت دلیر بادشاہ اور بھانپاز تھا، لیکن اس کے ساتھ نہایت سادہ لوح
 رعایا سانی سے لوگوں کے درمیان آجاتا، تاہوارا شکوہ پر جب اس کو فتح حاصل ہو چکی تو اب اس کو
 دشمن کے بھگانے سے یہ خیال آیا کہ یہ عمر کے مین نے سر کیے ہیں مین ہی تہا، تخت سلطنت کا حق دار ہوں
 اس خیال سے اس نے مالگیر سے عہدگی اختیار کی، اور عالمگیر کے بڑے بڑے امرا کو جاری تختہ ہوں اور انصاف
 کی طرح دلا کر توڑنا شروع کیا، چنانچہ میں ہزار فوج اس کی رکاب میں جمع ہو گئی اور روز بروز عالمگیر کی فوج
 کٹھنی جاتی تھی، مہمور عالمگیر کو اس کا بندوبست کرنا پڑا عاقل خان لکھتا ہے

درین منزل بہ عرض باد بافقان محفل والا رسید کہ سلطان مراد بخش از کبر آباد
 کوچ نکرده از رفاقت پہلوتی ساخت و جمعے از ملازمان بادشاہ مثل
 ابراہیم خان و لدلی مردان خان امیرالامراء وغیرہ ملازمت آن جناب (مراد بخش)
 اختیار کردہ درسلک ملازمانش انتظام یافتہ، و چون مواجب و مناصب و ہیت
 و دہ پلزدہ مقرر کردہ جمعیت کہ بدان جناب رجوع می آرند رعایت کلی می فرمایند قریب
 بست ہزار سوار مدخل ریش فراہم آمدہ روز بروز مردم ظاہرین صورت چہت
 کما سر منزل معنی و حقیقت چندین مرحلہ درافادہ اند و اسطہ طبع منصب و چشم رعایت
 از اردو می منظمی (یعنی از فوج عالمگیر) جدا شدہ بہ آن جناب (مراد بخش)
 می پیوندند، و جمعیت سپاہش آٹا فائست از دیادی پذیرد،

یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے مراد بخش کو قابو میں لانا پڑا لیکن انصاف یہ ہے کہ عاقل خان کی تحریک
 مدافق جس طرح مراد گرفتار کیا گیا یعنی عالمگیر نے اس کو در شکم کے بانے سے بٹایا اور قتلہ کرنے کے
 لیے عیب و خرابی راہت میں لایا تو ایک لوندی بھیکر اس کے ہتھیار منگوا لیے پھر شیخ میر وغیرہ کو بھیج کر
 اس کو گرفتار کرالیا، ایک ایسا کام ہے جو پولیس قانون کے رو سے گوا جائز ہو اور گورنر سے طلب

جنگ کرنے میں ہزاروں کا خون ہوتا لیکن اگر عالمگیر اور خون ریزیوں کی طرح اس کو بھی گوارا کرتا اور مراد چھ
تیسیرے نہیں بلکہ تیسیرے سے قابو پاتا تو ہم اس کی مردانہ روش کی زیادہ داد دیتے، لیکن سچ یہ ہے کہ عالمگیر
نے کبھی بددعویٰ نہیں کیا کہ وہ خلیفہ منصوبہ عباسی ہے جس نے ابو مسلم اصفہانی بانی دولت عباسیہ
کو دھوکے سے مارا قتل کرادیا تھا، زیادہ مع کاستخی ہے

یورپین مورخان کی غلط بیانیان

یورپین مورخان نے ان تمام واقعات کے تعلق جو غلط بیانیان
اور فریب کاریاں کی ہیں ان سب کو اگر کوئی لکھنا چاہے تو ایک تھقل کتاب لکھنی ہوگی، میں نے ابتدائی بحث
سے اس وقت تک قصداً ان کو نظر انداز کر رکھا تھا کہ ان میں اُلجھ کر کہیں رہ نہ جاؤں، لیکن اب جب کہ میں
مختصاً انش کر کے بحث کے خاتمہ پر آگیا ہوں تو نہایت اجمال کے ساتھ اس مسئلہ پر اس غرض سے کچھ لکھنا
ضرور ہے کہ یورپین مورخان کی غلط کاری، ناواقفیت، فریب بازی اور دانستہ تحریف کا اندازہ ہو سکے،
شاہ جہان، دارا شکوہ، مراد بہر ایک کے واقعہ کے متعلق ان مورخان کا بیان طرز عمل ہے لیکن میں اختصار
کی غرض سے صرف مراد کے واقعہ پر اکتفا کرتا ہوں

نام یورپین مؤرخین لکھتے ہیں کہ شاہ جہان کے مقابلہ میں بغاوت اور دارا شکوہ سے لڑنے پر مراد کو
عالمگیر نے اُجڑا اور مختلف فریبوں سے اُس کو اس پر آمادہ کیا، لیکن علاوہ تاریخی کتابوں کے خود مراد کے
خطوط موجود ہیں جن سے صریحاً ہر جگہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر اپنی جگہ سے حرکت کرنا بھی نہیں چاہتا تھا اور
بار بار مراد کو روکتا تھا، ایک خط میں جو ۱۲ صفر یعنی شاہ جہان کی بیماری سے دو مہینہ بعد مراد نے عالمگیر
کو لکھا ہے، تمام واقعات کی اطلاع دیکھ اور عالمگیر سے شریک جنگ ہونے کی درخواست کر کے لکھا ہے
اگر آں صاحب نہر بان نیز اذان طرف متوجہ شونہ بہتر، والا مخلص بہ بیچ جب

درین باب توقف بہ خود قرار نمی تواند داد

جب عالمگیر نے ان خطوط کے جواب میں لکھا ہے، کلامی حضور اقدس زندہ ہیں اور ہم لوگوں کو جگہ سے حرکت

کہ کنی چاہیے اور آپ نے بندہ سورت پر چڑھائی نہ کی ہوئی تو بہتر ہوتا تو مراد نے متعدد خطوں میں حال لکیر کر

الو کی طرف بڑھنے پر اجلا ہے، ایک خط میں جو سبج الاول کا لکھا ہوا ہے لکھا ہے،

آپ انگریز و تقریر گرامی معذوم شدہ کہ در وقوع آن واقعہ (وفات شاہ جهان) تردد دارند

بہ خود معقول نمی تواند کرد، بہر حال چون ہر جسم بعد از یقین این معنی بایستے کرد فعل آمدہ کہ گشتن

از ان اسکان ندارد،

پھر ایک اور خط میں لکھا ہے

آپ اندراج یافتہ کہ چون تا سال خبر وقوع قضیہ ناگزیر یعنی وفات شاہ جهان) بہ ماریسہ

بلکہ آثار صحت ظاہری شود از جای خود حرکت کردن و بہ اجمار بعضی مراتب بہ دشمن سبک

نمی نماید، اگر آن برادر نیز بعد از تحقیق اخبار افواج بہ سورت می فرستادند و درین کار نجی

بہتری بود، (بیاں تک مالگیر کا قول نقل کیا ہے) در واقع نظر بہ نوشتہ جات و کیسل

چنین بایستے کہ کہ مرقوم فرمودہ اندامادین ایام بر این اہم اعتماد نیست کہ از تقاریر جاسوسان

معتمد یقین پیوستہ کہ در واسطہ شہر ذیحہ حضرت را ہنگام موجود رسید و وکلای باربران

بمعنی نظر بنیادہ x x بہر دو تقدیر انتظار خبر بردن، وقت وقابور از دست دادن و بہ

گفتگوی ارباب عناد بازی خوردن، و اطاعت او کہ اصلاً طبیعت برنی تا بہ کردن است،

اسی خط کا خیر میں لکھا ہے

فصل این ہمہ مقدمات آنحو قرار و مدار کار خود را بر محاربہ و جنگ گذاشتہ ہمہ جاستہ و ناماؤ

کار از است و سوا این فکر سے دیگر ندارد و یہ امن خاطر بنی گرد و اگر انتظار آن صاحب

والا قدر مانع نمی بود تا حال خود را بہ آن نواحی می رسانید (مرقوم سبج الاول)

سہمی مالگیر مراد کو بار بار روکنا ہے اور مراد بڑھنے کے لیے بے قراری ظاہر کرتا ہے چنانچہ ایک

خطین کہتا ہے

و مخلص واسوای اجازت آن صاحب مہربان، ماننے نیست،

اس کے بعد جب مراونے سورت کا تلعفیح کر لیا ہے تو ۱۸- بیچ انسانی کو عالمگیر کو ایک خط

میں لکھتا ہے

شکرے کہ مشغول آن جا یعنی سورت پود درین زودی بہ حضور می رسد، منتظر

اشارہ و اجازت آن صاحب مہربان ست،

اسی زمانہ میں یعنی ۱۲- بیچ انسانی کو ایک خط میں عالمگیر کو لکھتا ہے

ہون آن صاحب والا قدر درین وادی مسترد خاطر بودہ در کارہے ضروری آن

وقت را موقوف بہ تحقیق خبری دارند، ہر چند روزی گذر دہی، (یعنی دارا شکوہ)

قوت و استعجال دیگر می گیرد، ۲۲- این قدر یقین حاصل است کہ حضرت اعلیٰ را

(شاہ جان) مطلق اختیار سے نامذہب است، و آن حضرت (الحمد) دارا شکوہ)

البتہ بہ امید خویش در آوردہ است کہ افواج بر سر بہائی شجاع رفتہ و در پے

بر ہم زدن مامور است، بعض رفیق بہر نیجہ کہ رسیدہ، آن طہر از میان برداشته

حضرت اعلیٰ را از دست او بری اریم بہر حال عازم مقصد شدن اولی ست، اگر

این طرز پسند خاطر افتد۔ صاحب و قبلہ بھائی جیو (یعنی شجاع) را ہم درین باب

متفق ساختہ در یک ساعت و یک وقت از جا لمے خود روانہ مطلب می باید شدہ

اس قسم کے اور بہت سے خطوط میں جن سے علانیہ ثابت ہوتا ہے کہ عالمگیر بابر بدو کا

اور کہتا ہے کہ حضور اقدس کی زندگی تک ہم لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر رہنا چاہیے لیکن مراد کبھی تو

یہ کہتا ہے کہ در حقیقت حضرت اقدس رحلت کر گئے، کبھی کہتا ہے کہ حضور اگر دہرہ ہی نہیں تو ملامت

کا، مین مین، کبھی لکھا ہے کہ اب جو ہزارہ کر لیا، اب آپ بھی ساتھ دیکھیے تو دیکھیے ورنہ بندہ
تیار دلا ہوتا ہے

اضافہ کروان تصریحات کے بعد یورپین مورخوں یا خانی خان کا یہ بیان کس حد تک صحیح
ہو سکتا ہے کہ عالمگیر نے مراد کو دم دلا سے دیکر اپنی شرکت پر آمادہ کیا
۲ یورپین مورخ عموماً لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے مراد سے معاہدہ کیا تھا کہ سلطنت آپ کو ملیگی
مین داراشکوہ کے استیصال کے بعد جو کو چلا جاؤنگا، برنیر صاحب لکھتے ہیں کہ اسی بنا پر عالمگیر
ہمیشہ مراد کو حضرت کے لفظ سے خطاب کیا کرتا تھا خانی خان کے طرز تحریر سے بھی پایا جاتا ہے کہ
مراد کو سلطنت کی امید دلائی گئی تھی لیکن یہ ایک نہایت تاریخی غلطی ہے، بے شبہ تینوں بھائیوں
مین ایک معاہدہ ہوا تھا لیکن خانی خان اور یورپین مورخوں نے اس کی تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا
نہ کی کہ وہ معاہدہ کیا تھا مراد نے اپنے خطوط میں جو عالمگیر اور شاہجہاں کو لکھے ہیں جا بجا اس کا اشارہ
کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ داراشکوہ جب ہم میں کسی ایک پر چڑھائی کرے تو اور بھائی بھی امانت
مین شریک ہوں چنانچہ ایک خط میں لکھا ہے

و از ممودات فیما بین آنست کہ ہر گاہ ملکہ داراشکوہ، یکے نذر ہزاران پیچہ، دیگران امداد کفند،

اسکے سوا یہ بھی معاہدہ مین داخل تھا کہ فتح کے بعد ایک ٹلٹ مال غنیمت اور کابل و پنجاب
و کشمیر کے علاقے مراد کو دیے جائیں عاقل خان واقعات عالمگیری مین لکھا ہے
قرار یافت کہ ٹلٹ از غنائم نصیبہ سلطان (یعنی مراد) و عثمان بہ سرکار فیض آثار
(یعنی عالمگیر) مایہ گرد و بہد تنہ کل ظہر و حضرت صاحبقران و مسیح مالک مکر و
ہندوستان و ولایت پنجاب و ملتان و کشمیر و کابل یہ پنجاب سلطانی
ملکہ مراد اپنے خطوط میں مراد داراشکوہ کو ملکہ لکھا ہے

تعلق گیر و آن جناب بعضی مراد در ولایات مذکورہ علم سلطنت برافرازد و آن ہی سرور،

کوس فرمان روانی بخواند و غضب و سک نام خود باز د

چنانچہ از لشکر ملی شکست کے بعد جب مراد نے عالمگیر سے ناامنی اور علیحدگی کا ہر کی
اور عالمگیر نے اسی معاہدہ کی بنا پر میں لاکھ روپے نقد بھی دیے اور کھل بھی کہ دارا لشکر کے قصہ

نقص ہونے کے بعد کابل اور پنجاب کو تیرہ ہی حوالہ کیا جائیگا، عاقل خان لکنا ہے

لاہم آن حضرت (عالمگیر مبلغ بہت کدرو بی نقد و واسطہ اور سال دہشتہ پیغام کرد

کہ بالفعل این مبلغ اچھے رویت خاصہ خود و سپاہ صرف نمایند جو جسے کہ آن برادر و الاتبار

مقرر کردہ شد کہ ثانی از غنایم ہر سہ ہوا نشان حامد گرد و دہتمہ نیز خواہد رسید و ان شاء اللہ تعالیٰ

بعد از اتمام فیہ فیض ہمہ الاموال شکوہ ولایت پنجاب و کابل و کشمیر بہ آن سند آرای سلطنت و

جہان داری و زانی خواہد شد

ان واقعات کے مقابلہ میں ڈاکٹر برنیر صاحب اور دیگر یورپین مورخان کا یہ بیان کہ عالمگیر نے

مراد کو اس بھڑے پر چڑھایا کہ ہندوستان کی سلطنت کے صرف آپ سخی میں اور میں آپ کو سلطنت دلا کر

کو شہ نشین ہو جاؤں گا، کس قدر صریح افکار اور بتان ہے ڈاکٹر برنیر نے اس مضمون کو بار بار بڑے زور سے

بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں

اورنگ زیب اگرچہ بظاہر مراکھنیش کو برابر شاہ ہندوستان لکھ لکھ کر تارہا اور

ظلیل اللہ سے لکھا صرف حضرت ہی غنٹ نشینی کے لائق ہیں، (صفحہ ۱۳۲)

ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ عالمگیر نے مراد کو ایک خالکھا جیکے جتہ جتہ فقرے یہ ہیں،

جانی تم کو اس بات کے یوہ نیکے لیے کچھ حاجت نہیں کہ امور سلطنت کی محنت اضافی میرے

اصلی مزاج اور طبیعت کے کس قدر مخالف ہے x x اور اگرچہ سلطنت کے حق حقوق اور

دعوتِ تکمیل بالکل دست بردار ہوں ۲۲ ہی نہیں کہ دارالکتبہ فرمانِ روالی کے اوقات
خالی ہے بلکہ لائڈ سب اور کافر ہونے کی وجہ سے بالکل تاج و تخت کے لائق نہیں ۲۲ پس
اس صورت میں اس عظیم الشان سلطنت کی فرمان روالی کے لائق صرف آپ ہی ہیں ۲۲
اور میری بابت تو یہ تصور کر لیجیے کہ اگر آپ کی طرف سے موثق اور محکم طور پر مجھے یہ وعدہ
مل جائیگا کہ جب بفضلِ خدا آپ بادشاہ ہو جائیں گے تو مجھ کو اپنی قلمرو میں کوئی خلوت کا
گرفتہ عافیت بہ اطمینان خاطر عبادت الہی بجا لانے کو عنایت فرما دیجیے گا ۲۲ پس ایک
کو بھی ضائع نہ کیجیے اور موقع کو غنیمت سمجھیں اور جلدی سے سورت کے قلم پر قبضہ کر لیجیے

افصاف کرو ڈاکٹر صاحب کے یہ بیانات کس قدر صحیح ہیں اور خصوصاً یہ بیان کہ آپ فوراً سورت پر قبضہ
کر لیجیے اور ورنہ لگائیے کس قدر سچ ہے، مراد کے خطوط میں خود تصریح ہے کہ عالمگیر مہینوں مراد کو
فصلِ حرکت سے روکنا رہا بالخصوص قلمہ سورت پر اس کی پیش قدمی کی نسبت صاف لکھا کہ مناسب
تھی ڈاکٹر برنیر صاحب اہل عالمگیر کو مراد کی پیش دستی کا محرک بناتے ہیں ہم کو مراد اور ڈاکٹر برنیر صاحب میں
کس پر اعتبار کرنا چاہیے ؟

تمام یورپین مورخ لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے شراب پلو کر مراد کو گرفتار کیا لیکن ڈاکٹر برنیر صاحب کے
سوا کسی مورخ نے اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا، طرہ یہ ہے کہ انفسٹن صاحب گورنر بمبئی اپنی
تاریخ ہندوستان کے ایک نوٹ میں لکھتے ہیں

اگرچہ برنیر صاحب بھی اسی زمانہ کے قریب بنے اور وہ عمدہ لکھنے والے ہیں مگر تقریری
اور تحریری واقفیت اُن کی محدود ہو گی اور ہندوستانیوں پر اسے لگانے کے ذریعے
اُن کے پاس کچھ متورسے موجود ہوں گے، علاوہ اس کے اُن کے بیان میں ایسی ایسی
حکایتیں مذکور ہیں جو لوگوں کی بناوٹ میں معلوم ہوتی ہیں ۲ (صفحہ ۹۹ مطبوعہ علی گڑھ)

افغنن صاحب نے برنیر صاحب کے متعلق نہایت عقائد رائے دی۔ لیکن افسوس یہ کہ ان کے نزدیک برنیر کا بیان وہی تھا کہ قابل اعتبار ہے جان بک عالمگیر کے موافق ہے ورنہ عالمگیر کی مخالفت میں اس کا ایک ایک حرف ہی ہے اور نہ صرف افغنن صاحب بلکہ تمام یورپین مورخین اس کو صیغہ افسوس ہی سمجھتے ہیں

عالمگیر کے الزامات کی تمام دود و اداب بھارے سامنے ہے غور سے پڑھو اور بار بار پڑھو اور ایک ایک واقعہ کو جانچو اور مہر و کیمچ کہ مخالف مورخوں نے عالمگیر کے برائیت کرنے کے لیے کیا کیا غلط بیانیان کی ہیں کس کس طرح واقعات کو بگاڑا ہے کیا کیا غلط نتائج قائم کیے ہیں کن کن بڑے قریب طریقوں سے کام لیا ہے عالمگیر کیا، اگر یہ کوششیں نوشیروان کے متعلق صرف کی جائیں تو وہ بھی شہیدانِ مجسم نظر آتا

عبرت عالمگیر کے دوستوں میں ایک صاحب لین پول صاحب ہیں انھوں نے عالمگیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اور اپنی دانست میں عالمگیر کے تمام الزامات کا جواب دینا اور عالمگیر کو قابلِ مع ثبات کرنا چاہا ہے لیکن اس کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ عالمگیر کی ہر مضمک برائیاں یعنی دارالعلوم وغیرہ کا قتل، ہندو ریاستوں سے بگاڑ کر بنیاد سلطنت کا مرکز بنانا۔ بت خانوں کا توڑنا۔ ہندوؤں کو طاعت سے محروم کرنا۔ ان کی اسلامی سلطنتوں کا ہر باد کرنا، مرہٹوں کے پیچھے فوج ملک اور سلطنت کو غارت کرنا، وغیرہ وغیرہ ثابت کی ہیں، اور لکھا ہے کہ عالمگیر چونکہ ایک نہایت دیندار پکارا رخ مسلمان تھا اس لیے زانیوں فریبی کے لحاظ سے ایسا کرنا اس کا فرض مذہبی تھا، چنانچہ سبلا اور بہت سے مقامات کے ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں

مغلوں کی تاریخ میں سب سے پہلا بادشاہ ہے جو پچاس سالانہ تھا، جنہوں نے خود پریمیز کرنا تھا اور دوسروں کے جوار کے گرتے باز کرنا تھا اور مایا بادشاہ ہوا جس نے محض مہرب کی بدولت اپنے تخت کو مہرب غلامین

کال ہوا، وہ بھی طرح جانتا تھا کہ میل جول سے زیادہ معتاد طریقہ تھا جو مختلف توہن اور رقص
 بنی مذاہب کی بنی ہوئی سلطنت کے قائم رکھنے میں اختیار کیا جا سکتا تھا، وہ ضرور اس پھر راستے سے
 واقف ہو گا، میری وہ کام فرمائی کہ وہ قتل اور خوب ملتا ہو گا کہ ہندوؤں کی ہر ایک خیال سے غلطی کی کرنا
 اور برائی متوسل کر جو اس کی فوج اور اس کے دربار میں بڑے بڑے سردار تھے، مانہ مخالفت کر کے دشمن
 بنادے گا، یہاں تک کہ خود ہندوستان پر اس نے یہی راستہ اختیار کیا اور بڑے استقلال سے اپنی پچاس ہس
 کی عدم اضطرار فرما دی، میں اسی پر چا گیا، یہ بیکار کارروائیاں لوگ انٹینسٹی سے ہی حکمت عملی کی جو
 سے نہ کی تھیں بلکہ ان کو وہ قطعی حق سمجھتا تھا (ترجمہ پین پل صفحہ ۶۳ و ۶۴)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ناکامی تو ہوئی لیکن یہ ناکامی بڑی فیج انسان ناکامی دہی
 دیا کہ اس نے اپنی قوت ہماہ پر بند کر دیا تھا، اس نے اپنے اور اسے فرض کارائے منتب کر لیا تھا
 اور باوجود وہ قطعی غیر ممکن اہل تھا لیکن پھر بھی وہ بڑے استقلال سے اسی پر چا گیا، اگر اورنگ زیب
 ایک تیار شخص ہونے کے قابل ہو سکا ہوتا تو اس کا موت بے غرضی میں مل سے ڈھکا ہوا لیکن اس کی شان و
 کامرائی خاصی میں ہے کہ اس نے اپنی روح کو مجبور نہیں کیا اور علم تھا کہ کو بیٹے دکھانے کی جرات نہ کی کہ
 دینا اور غلط ہے بلکہ کا شخص تھا اس نے تاج شہادت لیا (صفحہ ۶۵)

میں صاحب کی یہ برائی چند ان قابل غیبین وہ یوہیں میں اور ان کو ہی کہ چاہا ہے تھا لیکن عبرت کا یہ تمام
 کہ جو کہ چاہا ہے کہ وہ میں لپ صاحب کی کتاب کو عالمگیر کی حایت خیال کرتا ہے چنانچہ ایک صاحب نے اس کا رد میں
 دیا اور فرمایا کہ ایک غور اور مغز و جرک کے نام منوں کیا کہ یہ ایک اسلامی خدمت ہے !!!

وہ دینی بجا کر وہ ہم کار میں منافع عجب حایین کہ بریں منت بسیار ہم دارو
 شبلی نعمانی

خبریں

مدینہ منورہ سلطان روم نے مدینہ منورہ میں حرم نبوی کے لیے برقی روشنی کے انتظام کا حکم دیا ہے تاہم ڈاک سے معلوم ہوا کہ بہت جلد اس کا نفاذ ہونے والا ہے

مکہ مبارکہ کہ منظر کے خطوط سے معلوم ہوا کہ اس سال طوفانِ بھاج کو سخت پریشان کر رہا ہے، ہر حاجی کا فرض ہے کہ طوفان کو تین پونڈ نذرانہ دے۔ بدظیموں کی زیادتی سے روز بروز حجاز ریلوے کی ضرورت واضح ہوتی جاتی ہے

بغداد اہل بغداد آج کل سابق کے طویل خواب غفلت سے بیدار ہو رہے ہیں۔ دولتِ عباسیہ کی عظیم الشان یونیورسٹی در مدرسہ مستنصریہ کے آثارِ بغداد میں اب بھی باقی ہیں لیکن تباہ و برباد ہیں۔ نئے آئینِ بغدادیوں کو ادھر توجہ ہوئی ہے اور حکومت سے اس کے واکرا کرانے اور پھر تعلیم کا دوبانے کی فکر میں ہیں۔ زمانے کے بے دروہا معنوں سے یادگار خراب ہو رہی ہے اور خرابا تو نہیں مگر جو کئی خانہ بنی ہوئی ہے

عراق عرب تاریخ بتا رہی ہے کہ سابق میں عراق عرب علم و تمدن کا چشمہ تھا۔ بصرہ کو فلسطین کے صدر مقام تھے۔ تمدن و تہذیب کے تذکرے میں حلب، نجف، بعلبک، سامراء، انبار کے نام آتے ہیں مگر اکثر کائنات میں علم و تہذیب کا مرکز و مدار ہے اور حکومت نے جو مدرسے قائم کیے ہیں ان میں عربی کی تعلیم پر حکی زبان کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اسلوبِ اخبار و قلم کے حوالے سے خاصہ کہ بغداد ریلوے کی وجہ سے عربی، عراق میں تجارتی مراکز کے لیے جرمِ عنصر بن چکا ہے۔ بہت قلوب کے لیے ایک بی مدرسہ بھی قائم کرنا چاہتی ہے۔ پیشکارِ سلطانِ مصر و خلافت پیش کرنے والی ہے

مصر ملک کریمت و عمان کے علاوہ قلم و زبان سے بھی ہو سکتی ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصر
 کا حکم و حاکم ہر پاسے عرب عربی ہیں کہ وہ جماعت کہتے ہیں مصر میں کئی بار نیل نین ملک
 کی کھجور ہے اور چون کہ اس کے مبرون میں اکثر غیر ملکی ہیں لہذا اہل مصر اس کو کہ حرب الدخا
 کہتے ہیں اس کو کہ صادر و کارکن فارس و اذربائیجان ہے۔ لیل پارٹون میں برسی پارٹی مسئلے کا بل پاشا
 اور غیر ان کی ہے جس کا نام لا العرب القوی ہے اب پدنی و ساویر کی قائم ہے جس سے تمام ملک
 مبرورہ ہیں۔ اس پارٹی کا نام لا حزب الامت ہے سائیل شیخ علی بیست اذربائیجان ملک اور پارٹی کاظم
 کہ کھل کر میں ہیں جس کے لئے کہشیں گزٹا بعد ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب تمام جماعت ہوگی۔ اس تمام
 پارٹیوں میں حق خصوصیت ہے اور گواہی الذاکر کے علاوہ باقی جماعتوں میں اصول کو کوئی اختلاف نہیں مگر
 قومی ملاقات ثابت بڑے ہو سے ہیں

تونس فرانسی نے تونس میں جو مجلس شوری قائم کی ہے اس میں فریخ مبرون کے علاوہ
 بہت سے عرب بھی داخل کیے گئے ہیں۔ تونس کی آزاد قومی جماعت کا سرگروہ سید عبد الجلیل شادش ہے
 اور اسی کی کوششوں سے اس مجلس کا ظہور ہوا ہے۔ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ باوجود اس کے کہ تونس میں اہل عرب
 کی آبادی ہے اور اسلامی حکومت کا نام اب بھی باقی ہے مگر ازروی معاہدہ قطر العید فرسید فی فضل ہیں اور
 ملک میں انھیں کا انتظام و مابہتمام ہے

قیروان افریقہ کا یہ قدیم شہر اسلام کی پہلی صدی کا یادگار ہے۔ مشہور قلعہ و محبہ ہے
 جو دولت امویہ کی طرف سے افریقہ کا گمان و رنجیت تھا اس شہر کو ابابو کیا تھا اور فتوحات کا شہر کو اشراف
 و بہا حاصل ہیں جہاں اسی قلعہ جنرل کے نام پر ایک انجنیئر قائم ہوا ہے جو مکمل نام لا محبۃ العتبہ ہے
 بزرگوں کی سفید یادگار ہیں قائم کرنا اور ان کے نام کو زندہ رکھنا یہ سب جہاد کی علامت ہیں

مصر و لا العرب و عمان و قلم و فارس میں مسلمانوں کی بہت سی جہاز دانی کی کشتیاں تھیں اور ساحل

مالک کی بھری تجارت لکھ لائن کے ہات میں تھی، عربی سلطنت کے دوال نے اسلامی تجارت کو
تاکید کر دیا لیکن واقعات کیوں بن اب بھی مذکور ہیں اور سعودی نے مروج الدہب میں ایک حد تک
تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ آقا قبال نے امید ظاہر کی ہے کہ عثمانی مجوز دہنی سے مسلمانوں میں بھری تجارت
بہا شوق بڑے کامیابانہان کہنی خاص ترکی ہوگی اور ترکی حکومت کا بھی اس میں حصہ ہوگا

قسطنطنیہ تعلیم کی جانب سلطان روم کا طبع میلان ہے وہ ہر ملک کے مستوفیوں میں
کو سلطانی مدارس میں داخل کراتے ہیں اور اکثر دن کو شاہی وظیفہ دے کر تعلیم دلاتے ہیں چین، روس
ترکستان، بخارا، سمرقند، ماوراء و غیر کے بہت سے طلبہ قسطنطنیہ میں سلطانی خرچ سے تعلیم پارسہ میں
اور علیٰ میں کیا کے ساتھ ان کے بغیر تعلیم مدرسے ایک اوغلی میں داخل کیے گئے ہیں ان کے مصارف
سلطان کی جیب خاص سے تعلق ہیں

کولمبو قرآن شریف مسلمانوں کی جان و ایمان ہے۔ سلطان روم کی عادت ہے کہ طلبہ
ترکمانیہ میں اپنے خرچ سے ہر سال قرآن شریف کی لاکھوں جلدیں چھپوا کر مستحقین کو بھیر دیتے ہیں اور مالک
دور و دراز میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس سال کئی ہزار جلدیں کولمبو میں مفت تقسیم ہوئی ہیں۔ کاش اس کے ساتھ
قرآن کی صحیح تعلیم کا بھی بندوبست ہوتا

سنگاپور تجارتی اغراض نے بکثرت عرب خاندانوں کو سنگاپور میں آیا کر رکھا ہے۔ مصر
کی تازہ ڈاک سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے وہاں بڑے پائے پر ایک مدرسہ قائم کرنے کا قصد کیا ہے
جس میں علوم اسلام و فنون یورپ دونوں کی تعلیم ہوگی اور عربی دیان ہی میں سب چیزیں پڑھائی جائیں گی
ایک خاص شخص سنگاپور سے مصر میں اس غرض کے لیے بھیجا گیا ہے کہ مدرسہ کے لیے لائق مدرسوں کو
انتخاب کر کے اپنے ساتھ لائے

افغانستان و روم مصر میں شہرہ ہے کہ سلطان روم شامیر حبیب اللہ خان کو شہنشاہ

یہ ہے ایک دفعہ یہاں سے لو اس کی روانگی مگر یہی گونہ کی اجازت سے ہوئی ہے۔ محمدی
 اخبار میں نے اعتناء سے دفعہ کے نام ہی لکھ دیے ہیں۔ ہولیک کا رہا نہ سن گزرتے اس پر اتنا اور لغت
 میں ہے کہ اتھانی نوع ہی نہی مرد پر رات ہو رہی ہے اور چدرہ نہی فوجی افسر خاص اس غرض کے لیے
 کابل میں طلب کیے گئے ہیں۔ اس خبر کی تصدیق و تکذیب دونوں شکل ہے اور جب تک صحیح طور پر دریافت
 نہ ہو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں کس قدر صحیح ہے۔ ہم کو تحقیق سے صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ کچھ ترک
 شیعہ نے افغانستان میں حاضرت کی درخواست ضروری ہے لیکن دربار کابل نے ابھی تک فیصلہ
 نہیں کیا کہ ان کو طلب کرنا چاہیے یا نہیں

درستہ العشار اس سال درستہ العشار ہے و طالب العلم فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔ یہ مدرسہ
 قیامی عربی تعلیم کے لیے قسطنطنیہ میں سلطان روم نے قائم کیا ہے اس میں عربوں کو مفت تعلیم دی جاتی
 ہے اور ان کے لیے ہر طرح کی تاسانیات پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن جب سارے عرب میں کوئی قابل تذکرہ بیگم
 نہیں تو قسطنطنیہ کا مدرسہ اہل عرب کو تعلیم نہ کماں تک مدد دے سکتا ہے۔

کتبخانہ خدیوہ یہ کتبخانہ ملای عرب کی داغی قابلیتوں کا ایک عظیم الشان عجائب خانہ ہے
 اس میں ہر علم و فن کی قدیم عربی کتب میں جمع ہیں حال میں دریافت ہوا ہے کہ میڈرڈ کے کسی کتب خانہ میں
 نہایت بڑی بیش بہا عربی کتابیں موجود ہیں۔ انتظام کیا گیا ہے کہ ان کتابوں کی نقل لی جائے اور خراج
 اس خزانہ کے لیے دارالسلطنت ہسپانیہ میں ایک وفد بھیجا جائے۔ یقین ہے کہ یہ کتابیں مسلمانان اہلس
 کمال چپ باد کار ہوگی۔ مسلمانوں کے آثار نام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن انہوں نے کچھ

اسلامی بی تقصی اس سال سلطان روم نے مارون کیتھولک کلیہ کو اپنے خرچ سے قسطنطنیہ کے
 شاہی کالج میں تعلیم دلانے کا حکم دیا ہے ان میں چندہ اسکے عالم تعلیم کے کسٹن میں لیے گئے ہیں اور دو طبی کالج میں

روس میں تعلیمی آزادی روس میں تعلیمی آزادی کے لیے مانگتے تھے جو قانون نافذ ہو گا

(۱) روس میں ۱۸۶۰ء میں پہلا قانون منسوخ کیا گیا ہے اس کے وفات حسب ذیل ہیں
(۲) ابتدائی مدارس میں غیر روسی اقوام کی تعلیم قومی روسی زبان میں ہوگی۔ مثلاً اسلاوی، مغربی اور
آرمینی زبان میں تعلیم دی جائیگی

(۳) غیر روسی اقوام کے لیے کم از کم ایک مہتر یا دو مہتر کے ابتدائی مدارس ہونے چاہئیں

(۴) ان مدارس کا نصاب حسب ذیل ہوگا۔ ہر قوم کے مذہبی علوم، تئیسکی، لسانی زبان، روسی تہذیب
اسعدا طلبہ، علم حساب و اشعار۔ دوسری مہتر کے مدرسوں میں اس کو روس کے علاوہ تاریخ، زمین شناسی
تاریخ طبیعی، نقشہ کشی، علم ہندسہ (جائیمیری) کی تعلیم بھی ہوگی

(۵) غیر روسی اقوام کے طلبہ اگر چاہیں تو خاص روسی زبان میں بھی تعلیم پاسکے ہیں لیکن یہ امر ان کی
خواہش پر منحصر ہوگا

(۶) طلبہ کو ابتدائی دو برسوں میں ان کی قومی و لسانی زبان میں تعلیم دی جائیگی اور اس کے بعد پھر
روسی زبان میں

(۷) لڑکوں کو پہلے ہی سال کے وسط سے روسی زبان میں گفتگو کی مشق کرنا ہوگی

(۸) سبق کی تعلیم اس پروگرام کے مطابق ہوگی جو ۴ جولائی ۱۸۶۰ء کو نافذ ہو چکا ہے

(۹) روسی و غیر روسی لڑکوں کی تعلیم کے متعلق ہیڈ ماسٹر کو ہر سال ایک رپورٹ سرخسہ تعلیم میں
پیش کرنا ہوگی

(۱۰) ان مدارس میں صنعت و حرفت کی بھی ایک شاخ حسب متقاضی قانون نافذ ہونا چاہیے

(۱۱) مدرسین صرف روسی کے گریجویٹ نہ ہو سکتے ہیں اور اس میں کسی قوم کی تعلیم نہیں

(۱۱) عربی فقہ کے لیے ہر مذہب کے مفسرین ایک ایک ہو گئے

(۱۲) ہمہ ماہرین اسی وقت میں قائم ہو سکتے ہیں کہ قانون ہمارے خلاف نہیں - ایسے ماہرین

اور مذہبی مہدی

(۱۳) قانون ہما صوبہ جات قازان و اورنگ و اودیش و بلاد کوہ قاف و ترکستان و نواح سائبیر

میں نافذ ہو گا

(۱۴) سو شہ فقہ کا فرض ہے کہ اس قانون کو ان تمام ہندی ملک میں نافذ کرے جہاں غیر ہندی

قانون جاری رہا

عربی زبان مشرق و مغرب کے علوم کی گدھ عربی زبان کی تحصیل کے لیے مصر گئے ہیں

عربی اخباروں نے پرچش الفاظ میں ان کا غیر مقدم ادا کیا ہے سناظرین نے اخبار دن میں پڑھا ہو گا کہ ہندوستان

کے ایک ہندو وڈی کشن بری دواد سے اسی شوق میں وہیں تہمیں لیکن ابھی تک اس خصوص میں کسی مسلمان کا نام

نہ ملتا ہو گا !!! اس سال عربی کی تحصیل کا سکری جاری ہو چکی جس کی مقدار پانچ ہزار روپیہ تھی ایک شریف ہندو کو ملا

شکا کو شکا کو ہندی وڈی کے لٹون پروفیسروں نے سلطان ابوزی کی مشہور تاریخ و اخبار الزمان، ہکی جلد میں

میں ساکنام سے جمالی ہیں اور اب خاص مولف کے حالات و واقعات زندگی اور اس کی تالیف پر رپو کر کے

ایک مستقل رسالہ لکھنے کی فکر میں ہیں

سبکی العرب عربی لغت میں لسان العرب کا جو پایہ ہے جس جا صحبت کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے

وہی حضرات سے اس کی حالت مخفی نہیں لیکن انہوں نے یہ کہہ چاہے کی بکثرت غلطیاں اس میں موجود ہیں

نہایت نام کے معانی میں تعریف ہو گئی ہے اس کی تصحیح کے لیے اہل مصر کا خاص کوشش قائم کر رہے ہیں

سکری ہنگری کا مشہور تشریحی و گولڈبرگ جس نے مصر میں رہ کر عربی و ہندی اور خاص جامع ازہر سے مشہور

تصنیف حاصل کی، آداب العرب کے عنوان پر ایک کتاب لکھ رہا ہے اس میں جریر کی اختلاف الفقہاء اسی کی عین

ہوئی ہے۔ جامع از ہر کی نسبت سے وہ اپنے آپ کو از ہری لکھتا ہے

النادی اہلین و کفران کیانہ اتونے النادی نام سے ایک سالہ شائع کیا ہے جو عربی و اسلامی زبان میں مختلف ہے ایک جتنے پرچے نکلے ہیں انہیں فقہ تصوف کا رنگ غالب ہے اور ابن عربی کی وقت بڑی تفصیل سے لکھی ہے

حجۃ اللہ الباقیہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی علم اسرار الدین کے نوجو بہن اور اس علم کی سب سے پہلی تالیف ان کی کتاب مجاہد الباقیہ ہے جس میں قبول الہام ہے کہ حکومت سودان نے مکہ کی غور و خوار کیا واقعہ طوم کے نصیب سے ہیں کہ وہ اہل کیا ہے اور سرشتہ تعلیم نے اسکے پڑھانے کی خاص طور پر سفارش کی ہے۔ رومیہ مسلمانوں کو اپنے بزرگوں کی قدر نہ کرنے کا احتیاط کریں یورپ کو ان کی باریش سی ہی نہ دے بی بی خاتون اہل رومیہ نے حال میں سلطان صالح الدین فتح بیت المقدس کے نام پر ایک کتاب کا افتتاح کیا ہے

جنیوا اسٹیل ٹوٹل شتر قین راورٹیل کا نفرنس کا کا جوس ضلیو میں ہو گا۔ العالم الاسلامی سلطان کیا کہ جب ذکر میں موصوفات یہ علوم عرب پر ایک بسوٹ لکھ دیں گے

انوار و تقریط خلوص کام میں ہو رہا ہے مسلمانوں کو عام طور پر ازراہ تصب کا لازم دیا جاتا تھا حال میں ایک مصری مولوی نے اس الزام کو عملی طور پر یوں اٹھا نا چاہا کہ ایک سدا اپنے خراج سے تیس لاکھ روپے اٹھا لیا کے نام سے کوئی اور خط لکادی کہ جو مسلمان ہیں نماز میں اس کا قراب بادشاہ مذکور کی روح پر پونچھے یہ عجیب و غریب خیال ہے۔

برلین علای جزئی کی خواہش ہے کہ ارض میں ایک علمی وفد بھیجا جائے جو وہاں جا کر اندھری کی تفتیش کرے۔ جرم سنیر کے ذریعہ سے باب مالی میں اس کی سلسلہ خرابی بھی کی گئی ہے۔ لیکن اس وقت میں کی تفتیش حالت خود مدوش ہے اور ترکہ میں اور اہام ضامین نزاع قائم ہے وفد کو شاید ہی اجازت مل سکے۔ مع ملای کون کڑ سکتا ہے کہ وہ مذکورہ صحن علمی ہو گا یا نیکس ہے اس کو کوئی تعلق نہ ہو گا۔

نام کتاب	تعداد	نام کتاب
ادب اکمال البدو	۱	تکمیل کتاب
کتاب اعیان النبیین	۲	کتاب شریعت مطہرہ استنبول
سراط المستقیم	۳	نہایت تندرہ و خوشخط مہلہ
کلام الاقتصاد فی الاعتقاد للہم النزلی	۴	کتاب شریعت کلان
	۵	عربی تہذیب الطریقتہ المنکرہ

ہندوستان

تفسیر نظام القرآن مولوی عبد الحمید صاحب	۱	سیدہ
سورۃ قیامت	۲	شرح جامی عمدہ
سورۃ بانی آب	۳	قرآن شریعت نقل نظامی
اقسام القرآن	۴	ہدیہ سیدہ عمدہ
شرح و فایکال عمدہ حاشیہ سیدی عبد الحمید صاحب	۵	مختصر المعانی کلان عمدہ مطبوعہ ندائی کانپور
ہدایہ کامل عمدہ	۶	سہاجی
نفسی	۷	انخوان الصفا

نیم فضل الرحمن

ترجمہ اردو مناقب العارفین یعنی تاریخ مولانا روم صاحب

معصومہ شمس الدین افلاکی مرید امیر عارف چلی تعینت مشائخہ معصومہ نے دس فصلوں میں مولانا کے والد مولانا کے پیر خود مولانا کے حالات۔ شمس الدین تبریزی صلاح الدین حسام الدین چلی جو ششوی کی تالیف کا باعث ہیں۔ مولانا کے بیٹے سلطان ولد۔ مولانا کے پوتے امیر عارف اور امیر عابد اور دسویں فصل میں بقیہ خاندان کے حالات اور سلسلہ بیعت کو لکھا ہے۔ معصومہ خود مولانا کی خدمت میں رہا ہے عجیب و غریب حالات ہیں۔ درویشی کی چاشنی پیش اہل تاریخ و شاعراں کے جواب میں۔ کافہ مفید و نیک صفت۔ ۴۵ قیمت علاوہ محصول ڈاک دو غار روپے۔

مالک مطبع ہمدانی رام پور

۱۰۵

نمبر ۲۶ صفر ۱۲۸۷ مطابق ماہ مارچ ۱۹۰۶ء جلد

مجلس ندوۃ العلماء کا ماہوار علمی رسالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء تطبیق معقول و منقول، اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ ہے

مُرتبہ

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن صاحبانی

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	اوزنگ زیب عالمگیر	مولانا شبلی نعمانی	۱-۲۱
۲	لارڈ کالون	سید سلیمان	۲۲-۲۹
۳	عزل	مولانا شبلی	۳۰-۳۶
۴	علمی خبریں	سید سلیمان	۳۷-۳۸

باہتمام خاکسار ابوالحسنات قطب الدین احمد غفرلہ اللہ الصمد

نامی پریس لکھنؤ میں طبع ہو کر

دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا

اشتہار

دستِ گل

یعنی مولانا شبلی نعمانی کی جدید فارسی غزلوں کا مجموعہ قیمت ۱۴

علم الکلام

طبع دوم درجہ اعلیٰ

مصنفہ

شبلی نعمانی

اس کتاب میں علم کلام کی ابتدا ارسطو کی مختلف شاخیں اور عمدہ بہ عمدہ کی ترتیب کی ہے۔
تفصیلی تاریخ اور اسکے متعلق مباحث اور تحقیقات ہیں طبع اول ختم ہو چکی تھی اس لیے نہایت
اہتمام سے دوبارہ خوشخط اور صحیح بچا پی گئی، قیمت ۷۰

زیادہ جلدوں کے خریدار کو فی صدی ۵۰ کمیشن ملے گا

موازنہ انیس و دبیر

یعنی میر انیس کی شاعری پر نہایت تفصیلی ریویو اور مرزا دبیر سے انکا موازنہ، قیمت ۱۰

الکلام

یعنی جدید علم کلام مصنفہ مولانا شبلی نعمانی قیمت طبع اول ۷۰ طبع ثانی ۷۰

منیجر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر ۶

اورنگزیب عالمگیر

ع عیب سے جملہ بگفتی بہر شش نیز گو،

ایک طول طویل انسانہ جو مدت میں جا کر ختم ہوا اسکا حاصل صرف اس قدر نکلا کہ عالمگیر
تاجدارہ تعاقبنا اسکے مخالف اُسکو بتاؤں لیکن کیا عالمگیر کی قسمت میں اسی قدر ہے؟
کیا اسکو اسی پر قناعت کرنی چاہیے کہ تحسین نہ سہی، نقرین سے بیچ جائے۔

ہم کو مخالف مورخوں کی اس حق گوئی کی واذینی چاہیے کہ انھوں نے گو عالمگیر کے معایب
جی لگا کر رکھے لیکن محاسن کے اظہار میں کچھ کمی نہیں کی یہ البتہ ہے کہ معایب کا موراس بلند تکی سے
پھونکا کہ خوبیوں کی بھٹک بھی کا نوں میں نہ آسکی لیکن اب جب کہ الزامات کا تیرہ دنار یک مطلع کئی
صاف ہو گیا ہو عالمگیر کی حقیقی خوبیوں کے پیش نظر کرنے کا موقع ہو۔

ملکی اصلاحات و انتظامات | یہ تمھور اپنے جانشینوں کے کارنامہ میں ہمیشہ ملکی فتوحات اور
وسعت حدود و حدود عیقا، عالمگیر اس امتحان میں پورا اتر سکتا ہی وہ آسام اور بنگالہ کو فتح کر چکا
دکن کی دو سلطنتیں حدود حکومت میں شامل ہو گئی ہیں مختصر یہ کہ اسکے عہد میں تیموری حکومت کے حدود
جس قدر وسیع ہوئے کبھی نہیں ہوئے تھے لیکن ہکو عالمگیر کی تاریخ حکومت میں تیمور کے مذاق کی
پیروی کی ضرورت نہیں چنگیز خان نے بھی ملک فتح کیے تھے سکندر بھی بہت بڑا کشورستان تھا
لیکن ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ملکی انتظامات اور اصلاحات میں عالمگیر نے کیا کیا کیا ہے؟

جائداد اور اسباب ضبط ہو کر شاہی خزانہ میں داخل ہو جاتا تھا، اگرچہ یہ قاعدہ عیسائے ظالمین
نظر سے اس زمانہ میں نہ تھا اور حقیقت بعض خاص مصالح پر مبنی تھا لیکن اس میں شبہ نہیں
کہ یہ طریقہ بہت سی برائیوں اور سیر جموں کا سرچشمہ بن گیا تھا، عالمگیر نے اس قاعدہ کو روک دیا
موقوف کر دیا اثر عالمگیری میں ہے (صفحہ ۵۳۱)

واگذاشت ستر و کات امر سے نظام کو مطالبہ دار سرکار محل ہا شہنشاہ انتہا
کہ مقصد یان بادشاہی درایام سلاطین سابقین پر نزوان احتیاط ضبط سے نمودند و این
معنی سبب آزار اتم نزدگان و اقربا و حیران سے شد، عفو فرمود و بودند
خانی خان اور لہین پول بھی اصل واقعہ سے انکار نہیں کرتے لیکن کہتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل کم
ہوئی تھی کیونکہ عالمگیر کے امرا اسکے احکام کی پوری تعمیل نہیں کرتے تھے، اسکا فہمہ خاطر کچھ ہوا۔
۴ سب سے بڑا کام جس سے شاید دنیا سے اسلام کی تاریخ خالی ہو، یہ ہے کہ بادشاہ وقت کے مقابلہ میں
اگر کوئی شخص دارسی چاہے تو نہ اسکی مجال تھی نہ اسکا کوئی قاعدہ ستر تھا عالمگیر نے سلاطین میں
یہ فرمان نافذ کیا کہ تمام اصناف میں سرکاری وکیل مقرر کیے جائیں اور عام شادی کرادیا جائے
کہ جس کی سبکدوشاہ پر کوئی دعویٰ ہو پیش کرے اور سرکاری وکیل اسکی جواب دہی کرے اور اسکا حق
ثابت ہو تو سرکاری وکیل سے اپنا مطالبہ وصول کرے خانی خان لکھتا ہے (صفحہ ۲۴۹)۔

دین سال از راه حق پرستی و عدالت گسری حکم فرمودند کہ در حضور دشر باستانا ہی نمایند
کہ ہر کہ ہمزہ بادشاہ طلب و دعوائے شرعی دہشتہ باشند حاضر گشتند بدین بادشاہی
رجوع نمایند، ہدائیات، حق خود را بستانند، و فرمودند کہ وکیل شرعی از طرف آن
بادشاہ داد و گدائی جواب خلق اللہ کہ دست رس برسید ان حضور دہشتہ باشند
در حضور بلا و دور و نزدیک مقرر نمایند و ہمہ صوجات وکیل شرعی تعین گردیدند۔

۵۔ ایک درباری کی حالت کے دریافت کرنے کے لیے پرچہ نویسی اور واقعہ نگاری کے صحیحہ کو نہایت وسعت دی اگرچہ ہمیں شبہ نہیں کہ یہ محکمہ خطرہ سے خالی نہیں اگرچہ نويس خود غرض اور ریشی زمین تو اسے بڑھ کر کوئی چیز ملک کی یاد کرنے والی نہیں ہو سکتی، لیکن اس میں مضہ بہ نہیں کہ ملک کے ایک ایک جز ہی واقعہ سے واقف ہونے کا کوئی ذریعہ اگر ہے تو یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو خلف اور سلاطین مثلاً عمر فاروق مامون الرشید ناصر الدین لنگہ عدل در انصاف کے نمونے تھے سب نے یہ محکمہ قائم کیا تھا اور اس کو نہایت وسعت دی تھی، البتہ باقی اقتیاط سے اس کے متعلق کام لینے تھے عالمگیر بھی نہایت احتیاط رہتا تھا اور اس کے خطرات سے بخوبی واقف تھا ایک موقع پر خود ایک رقعہ میں لکھتا ہے۔

از ان جگہ سوائے نگاران بر اسے اغراض انسانی چیز با سے بسیار بغلہ زادان تربیت کردہ اسے بندند باید کہ آن ندوی دیوان بر نگار رو کہ همه مراتب را چنانچہ باید تحقیق نماید و بصورت معلوم دارد۔

۶۔ بعد الدین اپنے پوتے کو ایک رقعہ میں ایک واقعہ نگار کے متعلق لکھتا ہے۔

اگر دانند خدمت واقعہ نگاری بہ دیگر سے مقرر نمایند کہ حالا واقعہ نگار واقعہ نگار نامہ۔
اعظم شاہ کو ایک رقعہ میں لکھتا ہے۔

واقعہ نگار ہر کارہ اسے معتبر و محتاط در حال بگذارد و در ذمہ حکام عال بچند۔

پرچہ نویسی کا انتظام بدولت ہندوستان جیسے وسیع ملک کے ایک ایک کونہ کی خبر عالمگیر کو پہنچانی اس کے عہد کی یہ مخصوص بات ہے کہ وہ جس قدر عالمی اہلی حالت سے خبر رکھتا تھا اور انکی آسائش و آرام کا انتظام کرتا تھا کسی سلطنت میں اسکی نظیر بہت کم مل سکتی ہے اس کے رفات پڑھو، شہزادوں صوبہ داروں، عالمن کی ایک ایک فرزند داشت کو بکوتاہی اور واقعہ نگار کا حوالہ دیتا ہے،

ہزاروں کوس پر کسی سوداگر یا کسی راہ چلنے کی کوئی چیز ضائع ہو جاتی ہے تو فوراً اسکو خبر لگ جاتی ہے اور وہ ان کو عامل سے باز پرس کرتا ہے۔

۶ عالمگیر کی تاریخ حکومت کا سب سے حیرت انگیز واقعہ اسکا کلیات اور جزئیات پر یکساں مادی اور باخبر ہونا ہے وہ ایک طرف تو ایسے بڑے بڑے مہات من مصروف رہتا تھا جس نے دم لینے کی جہلت بھی نہیں مل سکتی ہے دوسری طرف چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اسکی آگلی سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور وہ انکو بھی اسی توجہ اور غور سے ہی سے انجام دے سکتا تھا۔

الغرض صحت سے زیادہ عالمگیر کا کوئی دشمن نہیں گذرا ہے ان کو بھی مجبوراً کھٹنا پڑا۔

"وہ خود تنہا اپنی حکومت کی ہر شاخ کی کارگزاری مجروری کاموں کے لحاظ و نتیجے

کرتا رہا، لشکر کشیوں کے نقشے سوچا تھا لشکر کشیوں کے زمانہ میں ہاتھیں ہاری

کرتا تھا سردار اسکے قلعوں کے نقشے یہاں مقصود اسکی خدمت میں ارسال کرتے تھے

کہ حملوں کے مقاموں کو مقرر کرے، اسکے رقوم میں چٹاؤں کے ہموار ملکوں میں

شکر کے جاری کرانے اور ملتان اگرہ کے فسادوں کو دبانے بلکہ قندھار کو

دوبارہ حاصل کرنے کی تدبیریں مندرج بائی جاتی ہیں اور اسی عرصہ میں فوج کا کوئی ٹکڑا

یا بار برداری کی کوئی رستہ بھی جسکا کچھ مقام و کن ایسے حکموں کے بدون پایا جاتا

جن میں سے تھوڑے بہت حکموں کو اورنگ زیب نے حاصل اپنے ہاتھوں سے جاری کیا ہے

ضلع کی مالگذاری کے ادنیٰ افسر کا تقرر یا کسی دفتر میں کسی عہدہ کا انتخاب اپنی توجہ

فرمانی کے نامناسبہ سمجھتا تھا اور سلعے کار گزاروں کی کارگزاری کی نگرانی جاسوں

اور انے جانے وطن کے قریب سے کرتا تھا اور ایسی خبروں کی اصل دنیا پر پیشہ

فنا بغیر مدد ہاتھوں کے وسیلے سے انکو آگاہ اور خبردار رکھتا تھا، مگر تفصیل فرماتے

ایسے ذوق شوق سے مُتغف ہونا جیسی کہ ہوشیاری اور بیدار مغزی کی دلیل ہو
 ویسی ہی کام کاج کی مسلسل ترقی اور احاطے کار کی ذاتی عروج کے لیے
 جہان مغیب رہیں۔

گرچہ **اونگ نریب** لی ذات طبیعت میں التفات جزئیات کے ساتھ
 بڑی جاہلی و جاہلی کی سلطنت کی عمدہ عمدہ کاموں میں بھی پائی جاتی تھی تو اس سے
 طبیعت کی آوازی اور نہایت گرجوئی ایسی معلوم ہوتی ہے جو ہر زمانہ میں
 بڑی عجیب و غریب سمجھی جاتی ہے۔

ایشیائی سلطنتیں اس بات میں ہمیشہ بنام رہیں کہ عمال و درجہ دار اکثر رشوت خوار
 ہوتے تھے اس رشوت خوری کے اسباب میں سے بہت بڑا قوی سبب پیشکش اور نذرانہ کی
 رسم تھی یعنی تمام وزراء، امراء، عمال سالانہ جشن میں بادشاہ کو نہایت گران قیمت نذرانے پیش کرتے تھے
 یہ نذرانے اکثر ان لوگوں کی سالانہ تنخواہ کے قریب قریب برابر پڑ جاتے تھے، اس بنا پر
 ان لوگوں کو اس نقصان کے تلافی کے لیے خواہ مخواہ رعایا سے رشوت لینے پڑتی تھی،
 جمائے اپنی توڑک میں ان نذرانوں کا ذکر بڑے لطف اور مسرت کے لہجہ سے کرتا ہوا وہ ایک
 ایک چیز کی تفصیل لکھتا ہے جس نذرانوں کی تعداد اور سے زائد پہنچ گئی ہو، اگرچہ اسکے مقابلہ
 میں بادشاہ بھی بے شمار انعامات و اکرامات کرتا تھا، لیکن یہ کتنا مشکل ہو کہ ان انعامات سے نذرانوں کا
 برابر بندوبست ہوتا تھا اسکے علاوہ انعامات اکثر نقد کی صورت میں نہیں ہوتے تھے اور نذرانہ میں
 جو چیزیں پیش کی جاتی تھیں خرید کر ہیا کرنی پڑتی تھیں بہر حال یہ قطعی ہو کہ یہ نہایت بڑا طریقہ تھا
 اور سیکڑوں مفاسد اس سے پیدا ہوتے تھے۔

عالمگیر نے اس طریقہ کو بالکل بند کر دیا چنانچہ تفصیل اسکی آگے آتی ہو۔

عالمگیر کے عہد حکومت کا سب سے بڑا روشن کارنامہ اسکا عدل و انصاف ہے جس میں عزیز میگانہ غریب و امیر دوست و دشمن، کی کچھ تمیز نہ تھی ایک رقعہ میں خود لکھتا ہو کہ معاملات انصاف میں شہزادوں کو میں عام آدمیوں کے برابر سمجھتا ہوں، یہ محض دعویٰ نہیں بلکہ یوں بھی اسکی تصدیق کی ہو، لہٰذا پول صاحب عالمگیر کے سوانح میں لکھتے ہیں،

اووٹکٹن جسکی ذاتی سند تو چند ان قابل اعتبار نہیں، لیکن جسے اپنی رہے ایسی نکتہ چینیوں کی تحریر سے احذ کی ہو خلکو اور نگ زیب کی خدا بھی پامندی نہ تھی یعنی یہ نکتہ چینی بھی اور سورت کے تاجر ہیں کتا ہو مغل اعظم عدل کا دریا سے اعظم ہو، چچے تلے انصاف سے وہ عمر و تجویر کرتا ہو کیونکہ شاہنشاہ کے حضور میں سفارش اس امارت اور منصب کی کچھ پیش نہیں جاتی، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی اور نگ زیب اس تعدی سے بات سنتا ہے جس طرح کہ بڑے سے بڑے امیر کی۔

وڈاکٹر کاریری نے بھی جسے اور نگ زیب کو بے مقام و کن شہزادہ میں کیا تھا اسکا یہی چال چلن بیان کیا ہو۔

ایک اور موقع پر لہٰذا پول لکھتا ہو۔

سیاحون کے مخالفانہ نکتہ چینیان اور نگ زیب کے چال چلن پر اسکی زبانہ بہت تیز جب کہ وہ شاہزادہ تھا لیکن وہ سیاح جو قوت اسکے زائد شاہنشاہی کا حال لکھتے ہیں تو سوائے کلمات تحسین کے اور کچھ نہیں لکھتے، اسکی چاس بوس کی

۱۵ ترجمہ لہٰذا پول صفحہ ۷۵ و ۷۶۔

باز عہد حکومت میں ایک ظالمانہ فعل بھی اسکے خلاف ثابت نہیں ہو سکتی کہ
ہندوؤں کے ستانے میں بھی جو اسکی دینداری کا ایک جزو تھا سب کو تسلیم ہے کہ
کوئی قتل یا جسمانی نقصان رسانی نہیں پیش آئی۔

عالمگیر نے اپنی زندگی کا مقصد سلطنت کی جاہ و جلال شان و شوکت، تاز و نعم کے بجائے صرف
ریایہ کی خدمت اور رات رسانی قرار دیا تھا، وہ انتہا سے پیری تک، دربار میں کھڑے ہو کر رعایا کی عرضیاں
لینا تھا اور خود اپنے ہاتھ سے اُن پر حکم لکھتا تھا ڈاکٹر جیلی کریری نے انٹرنیشنل کی عمر میں
عالمگیر کو دیکھا تھا وہ بیان کرتا ہے:

کہ وہ صاف و سفید دل کی پوشاک پہنے ہوئے عصا سے پیری کے سائے میں کچھ بیٹھتا
تھا اور اسکی گڈی میں بڑا بڑا زر کا ٹکڑا ہوا تھا، وہ خواہو کی عرضیاں لیتا جاتا تھا
اور بلا تباہی پر حکم خاص اپنے ہاتھ سے دیکھ کر دیتا جاتا تھا اور اسکے ہنساؤں شہنشاہی سے
صاف مخرج تھا کہ وہ اپنی مصروفیت سے نہایت شادان و فرمان بردار۔

وہ دن میں دو تین دفعہ دربار عام کرتا تھا اور مطلق کسی کی روک ٹوک نہ تھی ادنیٰ سے ادنیٰ جو چاہتا تھا
کہتا تھا اور عالمگیر نہایت توجہ سے سنتا تھا۔ مرزا کام بخش عالمگیر کا نہایت چہینا بیٹا تھا اسکے کو کہ
پر قتل کا الزام قائم ہوا، عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں تحقیقات کی جائے کام بخش نے اہلی حمایت کی
عالمگیر نے دربار میں کام بخش کو بلا بھیجا کام بخش اسکو بھی ساتھ لاتا تھا اور اپنے آپ سے مدد نہیں کرتا تھا
عالمگیر نے حکم دیا کہ کام بخش بھی کو کہ کے ساتھ قید کیا جائے چنانچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔

۱۵ ترجمہ لین پول صفحہ ۵۷۔

۱۶ ترجمہ تاریخ الفتن مطبوعہ علی گڑھ صفحہ ۱۳۰۔

۱۷ اثر عالمگیری صفحہ ۵۶۔

سندھ میں مطابق شہنشاہ میں حسن ابدال کے سفر میں عالمگیر نے ایک دن ایک باغ میں قیام کیا اور بار کے نیچے ایک بڑے مکان تھا بڑے صبا کی ایک بن چکی تھی جس میں باغ سے پانی آتا تھا سرکاری آدمیوں نے پانی روک دیا اور بن چکی بند ہو گئی عالمگیر کو خبر ہوئی اس وقت پانی کھسکا اور رات کو جب خاصہ پر پٹھا تو دو قباب کھانے کے، اور شرفیاء شیخ ابوالخیر کو دین کے جا کر بڑے صبا کو دو اور میری طرف سے معذرت کرو کر افسوس ہمارے آنے کی وجہ سے ملکہ تکلیف ہوئی تم صاف کر دو چلی گئی تو بالائی بھیج کر بڑے صبا کو بلوایا اور حرم میں بھیجا، دریافت سے معلوم ہوا کہ بڑے صبا کی دو بن بیاہی ہیں اور دو نیچے ہیں، دوسروں پر غایت کیے، مستورات نے اسکو زبرد جاہر سے ملامت کر دیا، دو تین دن کے بعد پھر بلوایا اور لڑکی کے شادی کے لیے دو ہزار روپے غایت فرمائے یہ گناہ اور شہزادوں نے روپے اور شرفیاء و برسا دین یہاں تک کہ چند روز کے بعد بڑے صبا ابھی خاصی امیر ہو گئی۔

ورشن کے طریقہ کو اس نے نہایت سختی سے بند کیا تھا لیکن یہ اجازت دی کہ کوئی داخواہ آئے تو اسکی عرضی رشی میں باندھ کر اوپر پہنچا دیا جائے۔

اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں لیکن ایک اڑھل میں یہ تمام کارنامے سامنے آ سکتے۔ عالمگیر کے وفات پڑھو ہر ہر سطح پر نظر آتا ہے کہ کس تاکید، کس اہتمام، کس شغف و انصاف رسانی کے متعلق احکام، اور فراہم ہوتا ہے، اور دل سے لگی ہے کہ ایک شخص کا بھی بال بیکانہ پہنچا لے۔ ۸۔ تیموری سلاطین اگرچہ درحقیقت شخصی حکومت کے بہتر سے بہتر نمونے تھے۔ لیکن حکومت کا نظام تمام تر بادشاہ پرستی پر مبنی تھا۔ بادشاہ ایک وجود مافوق الفطرۃ ہے وہ خدا کا سایہ زمین بلکہ خدا کا منظر جو اکبر کی زیارت عبادت تھی اور ہر روز صبح کے وقت ایک گھوڑے پر عبادت بجالاتا تھا۔

۱۱۲ و ۱۳۳ و ۱۳۴۔

۱۱۰ اثر عالمگیری صفحہ ۹۰۔

مبارک بادشاہ کو ملائیسہ سجدہ کیا جاتا تھا شاہ جہان نے سجدہ بند کیا لیکن زمین بوس قائم کیا کہ وہ سجدہ کی دوسری صورت تھی، بادشاہ کے مصارف، خور و نوش، لباس و پوشاک، سیر و سفر، ان سب پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہوتے تھے اور سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کے احکم الحاکمین کا یہ اہل حق تہو بادشاہ سے کوئی شخص مجسزہ طریقہ عبودیت کے عرض معروض نہیں کر سکتا تھا، غرض آسمان پر کوئی اور خدا ہو تو ہو، لیکن دنیا کا خدا تو بادشاہی ہوتا تھا، اسی بنا پر تیمور لکھنا تھا کہ جس طرح آسمان پر ایک خدا ہے۔ زمین پر بھی ایک ہی بادشاہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ طریقہ اسلام کے اصول کے بالکل خلاف تھا اسلام نے سادات کا اصول قائم کیا تھا جسکی رو سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب، شریف و ذلیل، سب کا ایک درجہ ہے۔

جو طریقہ تیمور کے عہد سے شاہ جہان تک روز افزون وسعت حاصل کرتا آیا تھا عالمگیر اسکو سرے سے ہل تو نہیں سکا لیکن نہایت کوشش کی کہ خدا یا ز عظمت و جلال کا رنگ سلطنت کے چہرے سے اتر جائے۔

سنہ ۱۰۷۰ھ میں درشن کا طریقہ یعنی جو لوگ صبح کو بطور عبادت کے بادشاہ کا جمال مبارک دیکھنے آتے تھے اور جب تک زیارت نہیں کر لیتے تھے کچھ کھاتے پیتے نہ تھے ہکو قطعاً موقوف کر دیا۔ دربار میں شعر اقرار تھے جو بادشاہ کی مرح کھکھلاتے تھے اور بادشاہ کو خدا کا ہوسناتے تھے، انکی بڑی بڑی تحواہیں ہوتی تھیں اور ایک شخص سبکا افسر یعنی ملک الشعرایا تھا، اسی سنہ ۱۰۷۰ھ میں عالمگیر نے اس صیغہ کو بھی سرے سے بند کر دیا،

نوروز کے جشن میں تمام امرا بادشاہ کی خدمت میں بڑی بڑی نذرین پیش کرتے تھے،

لہ خان خان صفحہ ۲۱۳ حالات عالمگیر۔

لہ خان خان ۱۲۔

بعض بعض ندرودن کی تعداد کو در سے تجاوز ہو جاتی تھی۔ جہانگیر ان ندرودن کو نہایت تفصیل سے مزہ لیکر لکھتا ہی عالمگیر نے اسے جلوس مطابق ستر سالہ میں یہ طریقہ موقوف کر دیا
آثر عالمگیری میں ہی (صفحہ ۱۶۲)

بخشی الملک صفی خان مخاطب شد کہ با جشن موقوف کر دیم، پیشکش امیر الامراء
واپس دہند و دیگر نوبیان ہم گذارند

دربار میں جس قدر تکلف اور ساز و سامان کیا جاتا تھا، سب بند کر دیا، یہاں تک کہ
چاندی کی دوات کے بجائے چینی کی دوات کا حکم دیا، انعام کی رقمیں چاندی کی سینیوں میں ملنے لگی تھیں
حکم دیا کہ سپرین رکھ کر لائین، زربفت وغیرہ کے خلعت بھی موقوف کر دیے۔

دربار میں یہ خلاف ادب سمجھا جاتا تھا کہ کوئی کسی کو سلام کرے اس لیے صرف سر پر ہاتھ
رکھ دیتے تھے ستر سالہ میں عالمگیر نے حکم دیا کہ اس طریقہ کے بجائے لوگ حوالہ سلام علیکم کہا کریں،
عالمگیر نے مختلف موقوفوں پر صاف صاف اپنے طریق حل سے جہاد کیا کہ بادشاہ ایک معمولی
آدمی ہے اس کے حقوق عام لوگوں کے برابر ہیں، ستر سالہ جلوس مطابق ستر سالہ میں عالمگیر
بقرعید کی نماز کو جا رہا تھا۔ واپسی میں ایک شخص نے لکڑی پھینک کر ماری جو عالمگیر کے
ناؤ پر آکر لگی، گرز بردار اسکو گرفتار کر کے لائے عالمگیر نے کہا، چھوڑ دو۔

ستر سالہ جلوس میں جب وہ جامع مسجد سے واپس آ رہا تھا ایک شخص تلوار علم کے ہوئے
اسکی طرف دوڑا، لوگوں نے گرفتار کر لیا، اور قتل کر دیا چاہا عالمگیر نے روکا اور ہر پوچھ

۱۰ آثر عالمگیری صفحہ ۱۶۲۔

۱۱ آثر عالمگیری۔

۱۲ آثر عالمگیری۔

اسکا روزینہ مقرر کر دیا (آثر عالمگیری)

یہ واقعہ کسی اور بادشاہ کے ساتھ پیش آتا تو مجرم کے ٹکڑے اڑا دیے گئے ہوتے

سلاطین سابق کے زمانہ میں بادشاہ کی جیب خرچ کے لیے کروڑوں روپے آمدنی کے ملائے مخصوص ہوتے تھے جسے بادشاہ کے مصارف ادا ہوتے تھے، عالمگیر نے چند گائون اور چند ٹمک سار اپنے مصارف کے لیے مخصوص کر لیے تھے، باقی کو بیت المال سے ادا کیا، اس کی زندگی بالکل سادی اور زاهدانہ تھی ٹورنیر نے اسکو ۶۵ لاکھ میں دیکھا تھا، وہ لکھتا ہے،
 ”وہ نہایت دُور ہو گیا تھا اور اس ناغری میں اس کی روزہ داری نے اور اندازہ کیا تھا“

بہن پہل صاحب لکھتے ہیں۔

”اورنگ زیب فرصت کے وقت کلاہن بنایا کرتا تھا“

کلاہن کا بنانا یقینی ہو یا نہ ہو لیکن اس قدر یقینی ہے کہ عالمگیر خود اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی خرابک بہم پہنچاتا تھا، اور یہ سب باتیں، اسی طرز عمل کے مٹانے کے لیے تھیں جس سے بادشاہ کا درجہ خدا کے قریب قریب قائم کر دیا گیا تھا۔

۱۰ عالمگیر نے تعلیم اور درس و تدریس کو جس قدر ترقی دی تھی ہندوستان میں کبھی کسی محدث نہیں ہوئی تھی ہر ہر شہر اور قصبہ میں تمام علما اور فضلا کے وظائف اور روزانے مقرر تھے جسکی وجہ سے وہ مطمئن ہو کر اور تعلیم اور علم میں مشغول رہتے تھے اسکے ساتھ ہر جگہ طالب علموں کے لیے وظائف مقرر تھے، آثر عالمگیری میں ہے،

”درجہ ہاد و تصانیف کی کثرت اور وسیع، فضلا و مدرسلان، یہ وظائف لایقہ از روزانہ و اہلما کے قلم بیان“

براہے طلبہ علم درجہ حیثیت در غر و حالت ہستند اور مقرر (مردہ اند) صفحہ ۵۲۹

۱۵ آخر عالمگیری صفحہ ۹۲۵۔

ندوة العلماء کی نائشگاہ علمی میں جو ہارس میں قائم ہوئی تھی، پہنے کتر سے مسلمانین
قبوریہ کے عہد کے فرامین ہم پہنچائے تھے، انہیں دو ٹوٹ سے زیادہ عالمگیر کی فرامین تھے
اور یہ کل فرامین کسی عالم یا درویش کی جاگیر یا مدد معاش کے متعلق تھے، اہل علم کے لیے
وفا یافتہ کے لیے جو فرمان ہو کر آتا تھا، عموماً عالمگیر کے دربار کا ہوتا تھا،

تمام ملک میں سرانہیں۔ کاروان سراسر سفر خانے بنوائے اور اکثر اضلاع میں طبع خانے قائم کیے
کہ قحط کے وقت غربا کو مفت غذا تقسیم کیا جاسکے۔

منہجی مشیت | عالمگیر کو اگرچہ خلافت کا دعویٰ نہ تھا تاہم وہ مسلمان بادشاہ تھا اور اسکا فرض
تھا کہ وہ حکومت میں اسقدر اسلامی شان باقی رکھے جسقدر ایک اسلامی حکومت کے لیے
اصل عنصر کے لحاظ سے ضروری ہو اگرچہ جس رنگ میں سلطنت کو رنگنا شروع کیا تھا، اور جسکی
یاوکارین شاہ جہان کے زمانہ تک بھی باقی تھیں وہ اگر قائم رہتا تو تیموری سلطنت ایک ہندو
سلطنت بن چکی تھی اسلامی شعار بالکل مٹ چکے تھے، لباس کا عام دہر بار گھیر دار جامہ اور
ہندوائی پگڑی سنی راجاؤں کی طرح، سلاطین زبور پہنتے تھے، دربار میں سلام وغیرہ کے بجائے
سجدہ یا پاگل راج تھی، یہ بے غیرتی اسقدر بڑھی کہ بے غیرت مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑکیاں دینی
شروع کیں چنانچہ اسکی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں، عالمگیر نے عثمان سلطنت ہاتھ میں لی تو
اسکا یہ فرض تھا کہ اسلامی شعار دوبارہ قائم کرے، اسنے سب سے پہلے سلطنت ۶ میں یعنی
ماریچ جلوس کی ایک ہی برس کے عہد مسند شمس کو جو پارسیوں کی تقلید سے قائم کیا گیا تھا قرع
بلایا، یہ اگرچہ بظاہر معمولی سی بات ہو لیکن اسی قسم کی معمولی باتوں سے دنیا میں سیکڑوں قومن
بین اور فنا ہو گئیں۔

درشن کا طریقہ بالکل اسلام کے مخالف تھا، اسلام کی سب سے بڑی خوبی بھی، جو

رفاہ عام
کے کام

نبیل سن

پوشن کا طریقہ

کہ اس نے انسان کو ہمیشہ انسان کے درجہ پر رکھا، کبھی کسی انسان کی پرستش اور عبادت کی اجازت نہیں دی لیکن درغن کا طریقہ صریح ایک قسم کی عبادت تھی۔ چنانچہ عالمگیر نے مسند میں اسکو سرے سے بند کر دیا۔

مسند میں سلام مسنون کا طریقہ جاری کیا اور حکم دیا کہ عام طور پر مسلمان آپس میں ملنے جلنے کے وقت بھی طریقہ برتیں،

سلام ایک
کا طریقہ

گانا بجانا بھی دربار کا ایک لازمہ قرار پا گیا تھا، اور ہر روز ایک وقت معین تک دربار شاہی، رقص و سرود کا تاشا گاہ بن جاتا تھا،

عالمگیر اگرچہ خود جیسا کہ آثار عالمگیری میں بہ تصریح لکھا ہے فن موسیقی کا ماہر تھا، لیکن نزاریہ کے ساتھ گانا چوک نہ شرعاً ممنوع ہو اور دربار شاہی کی شان کے بالکل خلاف ہو عالمگیر نے اس صنف کو بھی بند کر دیا، گویوں نے اس پر ایک مصنوعی جنازہ نکالا، عالمگیر نے دیکھ کر کہا ہاں مگر ایسا دفن کرنا کہ پھر نہ اٹھے۔

اعتساب کا مستقل محکمہ قائم کیا، اور تمام اضلاع میں محاسب مقرر کیے جن کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو منیات اور ممنوعات سے باز رکھتے تھے، اس محکمہ کے افسر ملا وجیہ الدین تھے۔

اعتساب

تمام ممالک میں جس قدر مسجدیں تھیں، سب میں امام، موزن، خطیب مقرر کیے جنکی تنخواہیں سرکاری خزانے سے ملتی تھیں،

مساجد کا
انتظام

سب سے مقدم کام یہ تھا کہ شرعی مقدمات کے فیصلہ کے لیے کوئی ایسی جامع لانگ کتاب فقہ کی موجود نہ تھی جس میں تمام مفتی بہ مسائل جمع کر دیے گئے ہوں اور جسے ہر شخص بہ آسانی مسائل کا استخراج کر سکے، عالمگیر نے تمام علماء و فضلا کو جمع کر کے تصنیف کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا

اداریہ عالمگیری

جسکے انسرط نظام تھے، اس کام کے لیے شاہی کتب خانہ مجسین بشپا کتابین فراہم تھیں۔ تھیں
 کر دین، کئی برس کی لگاتار محنت کے بعد وہ کتاب طیار ہوئی جو آج عالمگیری کے نام سے
 مشہور ہے اور عرب و روم میں قتا و امی ہندیہ کہلاتی ہے۔ باوجود اسکے کہ علماء کی خواہش
 کچھ بہت زیادہ نہ تھیں چنانچہ پہنے مائٹ لارامین کسی کار و زینہ میں روپیہ سے دیا دھنیں لکھا
 تاہم دولاکر روپے مرن ہو گئے اس کتاب کا یہ خاص قیاسی وصف ہے کہ جو مسائل تمام
 کتب فقہ میں پیچیدہ الفاظ میں پائے جاتے تھے ان کو اس قدر آسان کر کے لکھا، کہ
 ایک بچہ تک سمجھ سکتا ہے۔

فقہ اور حدیث کی تعلیم کو نہایت رواج دیا، ایک ایک قصبہ میں مذہبی علماء علوم مذہبی کی
 درس تدریس میں مشغول تھے اور انکو سرکار کی طرف سے وظیفے ملتے تھے،
 خود بھی وامر اور ذواہی کا نہایت پابند تھا ہمیشہ با وضو رہتا تھا، ہمیشہ نماز جماعت سے
 پڑھتا تھا ہفتہ میں ہمیشہ تین دن کے روزے رکھتا تھا، عیش و نشاط کی مجلسوں میں کبھی
 شریک نہیں ہوا،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس دینداری اور مذہبی وارفتگی کے وہ ظاہر پرست
 اور سرخ الاعتقاد نہ تھا، اسکی دینداری دیکھ کر شریف مکہ نے کئی دفعہ اپنے سفیر بھیجے
 اسپر عالمگیری ایک رقعہ میں لکھتا ہے،

شریف مکہ معظمہ در ہندوستان دولت پشمار شیندہ ہر سال برائے طلب

نفع خود بطی می فرستد، این سلطان کرمی فرستیم برائے مستحقین است، بھت او

فکرے، بجا باید نمود کہ بر آن جماعت برسد دوست ابن خلیف حق پران فرسد۔
 بچے خریف مکہ ۱۲

۱۲ آفر عالمگیری خاتمہ۔

ذاتی اوصاف

شجاعت و بہادری تیمور کے خون میں سب سے پہلے شجاعت کی گرمی کا اثر ڈھونڈنا چاہیے
 عالمگیر اس وراثت کا سب سے بڑا حصہ دار ہے تیمور کی نسل بابر سے شاہ جہان تک
 شجاعت اور بہادری کا مرقع ہی جس میں ایک دوسرے سے ممتاز نہیں نظر آ سکتا
 اکبر سست ہاتھیوں کو مین لڑنے کی حالت میں سونڈ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیتا تھا، شاہ جہان نے
 شاہزادگی میں تلوار سے شیر مارا ہے، لیکن عالمگیر کی شجاعت کے خط و نال اس موقع میں بھولانے میں
 وہ جب چوڑا برس کا تھا تو ایک موقع پر جب شاہ جہان ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا
 تھا ایک ہاتھی فرج کی طرف ٹوٹ پڑا، اور مطلع صاف تھا، لیکن عالمگیر پہاڑ کی طرح اپنی
 جگہ سے نہ ہلا، اور ہاتھی سے معرکہ آرا ہوا ہاتھی نے اسکے گھوڑے کو سونڈ میں پکڑ کر دو در
 پھینک دیا، عالمگیر لوٹ پوٹ کر اٹھا اور بڑھکر ہاتھی پر تلوار ماری اس معرکہ کو تمام
 موزمین نے تفصیل سے لکھا ہے ابو طالب کلیم ملک الشعراء شاہ جہان بھی اس موقع پر
 موجود تھا اُس نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے، چنانچہ چند اشعار ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں،

بہمائی گوش ار باب ہوش	یکی قصہ دار تم سن دار گوش
ز مردم من این نقل شنیدہ ام	من از دل شنیدم دل از دیدہ ام
چو آرایہ این قصہ ہنگامہ را	شمارند افسانہ شہنامہ را
مبہاسے شہنشاہ گیتی فروز	شہر معدلت گستر ظلم سوز
بدرض بر آمد چو خور بر سپہر	جہان از رخس غرق انوار ہر
خلائی چو بد از زمین پس شاہ	اگر فتند در خورد خود ہایگاہ
ہر فیضان جنگی چو نوبت رسید	دران عرصہ آمد قیامت پدید

فتادند قسطنطنیہ جنگی ہم	سہ جنگ غرطوماش علم
دوید از قضا ازان دو نیل صیب	یکے سوے خنزادہ او رنگ صیب
بہ مردی ز ہای کسر موش	زرا و چنین سبیل کہ موش
یکی نیزہ برق سان تافتہ	نظر از رگ غیر نش تافتہ
و قدرت چنان زد و پیشانی	کہ جست از قضا برق خشا پیش
وران کوہ پیکر نہان شد سنان	دگر بار در رفت آہن بہ کان
ز خرطوم المذاخت پیمان کند	فتاد اسپ خنزادہ در پیل بند
گرفت اسپ خنزادہ برے سوار	ز بیم آب شد ز حشرہ روزگار
بفشرد بر اسپ دندان کین	بر آمد غر و شش از زمان در مین
چو در اسپ سامان جولان ندید	چو غلبہ ازے از خانہ دین پرید
ہما ندیم کہ بر خاک پا را افشرد	روان دست جرات بہ شمشیر برد
علم کردہ شمشیر برے دوید	کردان سوے نیل غنیمش رسید
چو بنود پسندیدہ پیر دلان	کہ گیر دیکہ را دوتن در میان
ز دوسے مروت از دوسے دشت	بہ پیکار پیل غنیمش گذاشت

شاہ جهان یہ رد و بدل خود دیکھ رہا تھا اتنی ہٹا تو مالگیر کو بلا کر سینہ سے لٹایا اور
اس پر سے موتی اور دو پہلے پنجاہ دیکھے۔

دادا لشکر کی جنگ میں وہ ۲۵-۳۰ ہزار سے ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیدل
فوج کے مقابلہ میں سرکھارا ہوا، اد جب گھسان کی لڑائی شروع ہوئی تو اسکے ساتھ صرف
ایک ہزار آدمی رہ گئے تھے اسوقت اسنے جو فوجات ظاہر کی ہوا سکون پیل ان الفاظ میں لکھا ہے

جنگ کی یہ بڑی حالت ہو گئی تھی اور تریب تھا کہ اورنگ زیب کو نہایت ہلکے
 دلی جیدہ سے جیدہ رسلے پس پا ہو چکے تھے اور وہ تنہا کھڑا ہوا تھا اور
 مشکل سے ایک ہزار آدمی اسکے گرد ہونگے اور انکو بھی دارا کے حلوں کا
 انخسار تھا اس سے زیادہ مستقل رستہ شجاعت کی کبھی حاجت نہ ہوئی ہوگی لیکن
 اورنگ زیب بدن میں جلے پٹھوں کے فولاد کے تار تھے۔

صرف اورنگ زیب کی شجاعت تھی جس نے ایک ہزار کو ایک لاکھ پر فتح دی،
 عالمگیر کی اس جرات انگیز شجاعت، اور اس تعجب خیز عزم و ثبات، کوڑھایا، کمزوری
 مصائب سفر، تو اتر حوادث، کوئی چیز کم نہ کر سکی، ۱۶۶۷ء میں جب یہ مقام سٹارامڑیوں
 نے ایک بڑی اڑائی اور فوج میں بہ بادی پھیلی تو یہ بیستی برس کا بوڑھا شاہنشاہ جمشٹ
 گھوڑے پر چڑھ کر مقام مادھہ پر پہنچا، آدمیوں کی لاشوں کا ڈھیر لگوا دیا اور چاہتا تھا کہ حملہ
 کی سرداری خود کرے لیکن بڑی دقت سے اسکو اس راہ سے باز رکھا گیا اب بھی وہ وہی
 سا لگدھو کا جوان تھا جس نے اپنے ہاتھی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں۔

یہ لین پول کے الفاظ ہیں خانی خان اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھتا ہے،
 چون دستند کبیر دان قلندر کتا حوصلہ باختہ اند خود بدولت براسپ

سوار شدہ بر سر کار آمدہ فرمودند کہ لکشن مرد مارا بالاس ہم فراہم آوردہ
 سینارا سپریر بلا ساختہ قدم یورش پیش گزارند چون در مردم اثر حوت
 شنیدن مشاہد نمودند خود مستند خود بذات شریف پیش قدم بہادران
 جان نثار گردند، ارکان سلطنت بہ انحاج و لضع ازین جرات مانع آمدند،

یہ دقت تھا کہ ہزاروں آدمی شہرنگ کے اڑنے سے برباد ہو گئے تھے اور فوج نے حکم کر کے بالکل اکھاڑ دیا تھا

عالمگیر کے عزم ثبات کی تصویر میں سیکڑوں مرقعوں میں مل سکتی ہیں جن میں ایک یہ بھی ہو کہ جب وہ شاہزادگی کے زمانہ میں کالج کی ہم پر گیا تھا اور عبدالعزیز خان سے معرکہ آرا تھا تو عین حالت جنگ میں نماز ظہر کا وقت آگیا، دشمن کی فوجیں چاروں طرف سے تیر برسار تھیں یہ استقلال کا دیوتا گھوڑے سے بہ کمال مسانت اُترا، نماز کی صفت قائم کی، سکون اطمینان کے ساتھ فرائض اور فرائض ادا کیے، عبدالعزیز خان یہ حیرت انگیز سامان دیکھ کر لڑائی سے ہٹ گیا کہ ایسے شخص سے لڑنا تقدیر سے لڑنا ہی۔

الفنشن صاحب کی زبان سے عالمگیر کی تعریف میں ایک لفظ بھی نکلتا عالمگیر کی قسمت کی یادری ہی تاہم صاحب موصوف نے عالمگیر کی استقلال کا ایک جدا عنوان قائم کیا جو جن میں تفصیل سے واقعات لکھے ہیں، اور اپنی محنت و محنت ظاہر کی ہے ہم طول کے لحاظ ظلم انداز کرتے ہیں، فوج کے سببے دلاور سپاہی بارہہ کے سادات گئے جاتے تھے اور اس میں مشبہ نہیں کہ تیوریوں کے اکثر معرکے انھی نے سر کیے ہیں، ایک موقع پر ان سب لوگوں نے درباریوں سے خانہ جنگی کی، عالمگیر نے حکم دیا کہ قاضی کے محکمہ میں مقدمہ پیش ہو، سادات نے کہا، ہم اپنا فیصلہ خود کرینگے، عالمگیر نے آئین چڑھا کر کہا جو لوگ میری تموار کا زہر چکے چکے ہیں وہ شریعت کے حکم کے مقابلہ میں ایسے الفاظ مومنہ سے نکالتے ہیں کہ وہ سب ملکر آئین یہ کہہ کر حکم دیا کہ بہرہ وغیرہ پر جس قدر سادات بارہہ ہیں سب برطرف کر دیے جائیں، سادات کا وہ تمام غرور جاتا رہا، شہزادہ اکبر نے جب بغاوت کی ہو اور شہزادہ راجپوتوں کو لیکر قریب آگیا تو عالمگیر کے ساتھ صرف ایک ہزار فوج تھی، باقی فوجیں، نہایت دور دراز مقامات پر تھیں، لیکن عالمگیر کی جبین استقلال پر فلکن تک نہ پڑی اور بالآخر شہزادہ خود پسپا ہو کر چلا گیا،

شہزادہ اعظم شاہ جسکی دلیری اور بہادری کا تمام ملک میں سکھ بٹھا ہوا تھا، اسکے ساتھ جو معاملہ گذرا، عام طور پر مشہور ہو، جسکا یہ اثر تھا کہ اسکے بعد جیٹا لکیر کا خط آتا تھا تو شہزادہ کا ہنگ زرد پڑ جاتا تھا اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا، عالمگیر تیغ و ظم و خون کا مالک تھا، اسکی انشا پر دلازی کی داد مخالفوں نے دی ہی اسکے رتھے ہا و بود اسکے کہ واقعات کا ذخیرہ قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ جسے انہی انہی اطلاعوں کی یادداشت ہیں، تاہم اداسے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی، فقر وں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو پہلو چلنے والی نشیں ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں یا ہنگ کہ اثر و کے سب سے بڑے انشا پر دلاز مولوی محمد حسن آزاد کو بھی بادل غواستی چلے لکھنے پڑے، عالمگیر کے رفاقت سے، انشا پر دلازی کے علاوہ اسکی وسعت معلومات، مسائل دشمن کی افلاک عام باخبری خوش مذاقی اور حسن انتخاب کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عالمگیر کے عام افلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت سنجیدہ اور متین تھا، کبھی نامناسب لفظ اسکی زبان سے نہیں نکلتا تھا، نہایت رحیم اور وسیع النظر تھا۔ اہل کمال کا نہایت قدردان تھا، لوگوں سے نہایت افلاق سے پیش آتا تھا، نہایت خشک زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا، لہو و لب کی باتوں سے قطعاً محترز تھا، تم کو حیرت ہوگی کہ ان کمالات کا شخص اسقدر کامیاب کیوں نہ ہوا جسقدر ہونا چاہیے تھا اسکی چند وجہیں ہیں،

۱ اسکی اولاد دلائق نہ ہوئی اسکا جانشین بہادر شاہ دوپہر چڑھے دن کو سوکر اٹھتا تھا، اس سے اسکے اور اوصاف کا اندازہ ہو سکتا ہے،

۲ باوجود ان تمام خوبیوں کے، عالمگیر میں یہ بڑا عیب تھا کہ وہ اپنی ذاتی شجاعت

اور استقلال کی وجہ سے کسیکو خاطر میں نہیں لاتا تھا اور اسوجہ سے کسیکو وہ اپنا دوست نہیں بناسکا،

۳۳ مرہٹوں کے تعاقب میں اسنے زائد از ضرورت اپنی کوشش صرف کی۔

۳۴ مزاج میں سخت کفایت شعاری تھی، یہہ وصف حضرت عمر فاروق کے باغین کے لیے گوموزوں ہی لیکن شاہ جہان کے تخت پر بیٹھنے کے لیے کام نہیں آسکتا تھا۔

غرض عالمگیر کی جوتصویر اسکے مخالفوں نے کھینچی ہو، اسیں توتام تر، تعصب اور عدوت کارنگ بھرا گیا ہو، لیکن یہ کنا بھی بالکل مبالغہ ہو کہ وہ انسانی کمزوریوں سے پاک تھا، باوجود ان تمام خوبیوں کے جو اسیں تعین ہم تیموری سلاطین کی فہرست میں وہی درجہ اسکو دے سکتے ہیں جو اسکو ترتیب شمار کی رو سے حاصل تھا۔ تاہم عام ہلای دنیا میں اسکے بعد آج تک کوئی اسکے برابر کا شخص بھی نہیں پیدا ہوا،

شبلی نعمانی

ء مارچ ۱۹۰۸ء

مدوۃ العلماء

لکھنؤ

لارڈ کالون فریم ٹومسن

جارجسے علما اور طلبہ کو ارسطو، فلاطون، سقراط، بقراط کے نام اور ان کے کارنامے اس طرح حفظ ہیں کہ مذہبی پیشواؤں کے بھی نہ ہونگے لیکن یورپ کے موجودہ حکماء اور انکی ایجادات اور اختراعات سے اس قدر تعجب ہیں کہ ان کو ایزک نیل، ڈیکارٹ، پاسکوز، ہیکل، تیون کا نام تک معلوم نہیں چونکہ مذہد کا ایک مقصد دونوں مذاقوں کا باہم آشنا کرنا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً یورپ کے علما اور ان کے تحقیقات سے بھی الذودہ کے ناظرین متفق ہوتے رہیں

مضمون ذیل، اسی سلسلہ کا ایک ابتدائی خاکہ ہے۔

لارڈ کالون ۲۶ جون ۱۸۳۲ء کو انگلینڈ کے مشہور شہر بلفاسٹ، مین پیدا ہوا تھا، جو عام شہرت کے لحاظ سے آئر لینڈ کا دوسرا شہر ہے، لارڈ کالون کا باپ، جیمس ٹومسن ایک متوسط الحال آدمی تھا، جس نے نہایت کوشش اور محنت کے بعد اتنی لیاقت پیدا کر لی تھی کہ ایجوکیشنل لائن مین داخل ہو سکے اپنے شہر ہی کے ایک اسکول میں معلم تھا، اسکی دلی خواہش تو یہ تھی کہ وہ کلرک کی تعلیم حاصل کرے مگر اسکی مالی حالت اسکو اسکی اجازت نہیں دیتی تھی، آخر فلاسن شوق کو نہ دبا سکا، اس نے اپنے سال کے دو حصے کر دیے، ایام گرامین اپنے مقامی اسکول میں معلمی کرتا تھا اور جاڑے میں گلاسگو جا کر خود تعلیم حاصل کرتا تھا، یہاں تک کہ اسی طرح اس نے ڈاکٹر کا خطاب حاصل کر لیا، اسی اثنا میں بلفاسٹ کا بچ قائم ہوا، جہاں جیمس ٹومسن ریاضیات کا پروفیسر مقرر ہو گیا، اسکے چند سال کے بعد ۱۸۳۷ء میں

گلا سکو یونیورسٹی میں مٹھٹیکس کا پروفیسر ہو گیا، جیسے نے ریاضیات میں ایک خاص شہرت حاصل کی تھی علم حساب و جبر و مقابلہ میں سنے کچھ مسائل کا اضافہ بھی کیا،

جیسے کے دو بیٹے تھے بڑے کا نام جمیس تھا اور چھوٹے کا نام ولیم، جمیس کو اپنے باپ جمیس ٹومسن کی طرح ریاضیات سے ایک خاص مناسبت تھی چند سال تک گلاسکو یونیورسٹی میں ہندسہ کا پروفیسر رہا، طبیعیات میں اس کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے،

ٹومسن جب گلاسکو آیا تھا تو اس کا چھوٹا بیٹا ولیم جو آگے چل کر لارڈ کالون ہوا صرف آٹھ برس کا تھا، اس وقت تک اور اسکے بعد اور دو برس تک ولیم اپنے باپ ہی کے آغوشِ تعلیم میں تربیت پاتا رہا، لائق باپ کی تعلیم نے یہ نتیجہ پیدا کیا کہ ولیم دس برس کی عمر میں گلاسکو یونیورسٹی میں داخل ہونے کے لائق ہو گیا اور تھوڑے دن کی محنت میں اپنے تمام کلاس میں ریاضیات اور نیچرل سائنس میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا،

اسی زمانے میں اسٹےز میں کی شکل پر ایک مضمون لکھا تھا جس سے اس کی طبیعت کی آئندہ بلند پروازی کا اندازہ ہوتا تھا، تھوڑے دن کے بعد گلاسکو یونیورسٹی سے کمبرج یونیورسٹی میں چلا آیا، ابھی اٹھارہ برس سے اس کی زیادہ عمر نہ تھی کہ اس نے کمبرج اینڈ ڈبلن مٹھٹیکس میں متعدد علمی مضامین لکھے جن میں سے بعض کے عنوان یہ تھے، حرارت اور اس کی حرکت، کربائیت، اپنی عمر کے اکیسویں برس میں ہائی مٹھٹیکس کے امتحان میں ایک طاعلم کے سوا سیکڑوں طلباء سے گزے سبقت لے گیا، جکے صلہ میں اس کو ایک گرانٹ انعام ملا اور سینٹ بیرک کالج کا ممبر ہو گیا،

یہاں سے ریاضیات کی سند حاصل کر کے ولیم پیرس چلا گیا، جہاں وہ کچھ دنوں رینل کے کیا دی کارخانہ میں کچھ کام کرتا رہا، ۱۸۷۳ء میں جبکہ وہ ۲۲ سال کا تھا

گلاسکو یونیورسٹی میں نیچرل سائنس کا پروفیسر ہو گیا، اور اس لٹرائٹ میں "کیمبرج اینڈ ڈبلن
 میٹھیکس پیپر" کا اڈیٹر بھی مقرر کیا گیا، اس اخبار کی اس نے سات برس لڈیٹری کی،
 سنہ ۱۸۷۶ء میں "اکسفورڈ کی علمی مجلس" میں اس نے مشہور فلاسفر جول سے ملاقات کی، ولیم
 ان دونوں اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا کہ حرارت کیا چیز ہے اور اسکو حرکت سے کیا تعلق ہے؟ اس
 اتفاقی تعارف پر دونوں ملکر اس مسئلہ کی تحقیق شروع کی اور چالیس برس تک دونوں ایک دوسرے
 کی مدد سے فائدہ اٹھاتے رہے۔

ولیم نے بڑے بڑے الکشافات اور ایجادات اور بہت سے علمی خدمات انجام دیں،
 حکومت نے ان خدمات کی یہ قدر کی کہ اسے ولیم کو سر خطاب دیا لیکن ولیم کی جلالت شان اس سے زیادہ
 بلند تھی اس لیے سنہ ۱۸۷۹ء میں "انگریزی گورنمنٹ" نے ولیم کو "لارڈ کالون" نام سے یاد کیا، فرانس
 جرمن، بلجیم کی سلطنتوں نے تحفے بھیجے، پولونیا، اکسفورڈ، کیمبرج، گلاسکو، ڈبلن، ہیڈلبرگ،
 مونٹریل کی یونیورسٹیوں سے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کیں، دنیا کی تمام مشہور علمی انجمنوں کا
 ممبر ہوا، سنہ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء تک اہل ایسوسی ایشن کا پریسیڈنٹ رہا، سنہ ۱۸۹۰ء میں ایڈلبرگ
 کی سائنٹفک ایسوسی ایشن کا پریسیڈنٹ مقرر ہوا اور دوسرے سال پھر دوبارہ پریسیڈنٹ
 منتخب ہوا، اسکے سوا اس نے اور بہت سی اعزازی ڈگریاں، رتبے، تمغے، حاصل کئے،

لارڈ کالون کو جو اعزازات حاصل ہوئے ان میں سے سب سے زیادہ قابل فخر اعزاز سنہ ۱۸۹۷ء
 میں لارڈ کالون کی رسم جو ملی تھی جو گلاسکو میں منعقد ہوئی تھی جس میں تمام مذاہب دنیا کے علماء اور اہل علم
 شریک تھے برٹن اور آئرلینڈ کی یونیورسٹی اور تمام مشہور یونیورسٹیوں نے اپنی طرف سے اس
 جلسہ میں شریک ہونے کے لئے دلا بھیجے کوئن وکٹوریہ، اور موجودہ شاہ ہند نے
 تہنیت نامے بھیجے، فرانس کی علمی مجلس نے ولیم کو وہ اعزازی تمغہ بخشا جو ولیم سے پہلے صرف تین شخصوں کو ملا تھا،

بحری ٹیلیگراف کی کپنی نے ایک دور دراز مقام سے پیغام تنیت بھیجا، اس دور دراز مقام کی مسافت گلاسکو سے کل محیط ارض کے پچھ درجہ کے برابر تھی اور صرف ساڑھے سات منٹ میں یہ تار برقی گلاسکو پہنچی، ۱۹۰۲ء میں انگریزی حکومت نے اسکو رتبہ کا مستحق کیا اور اعزاز بخشا، ۱۹۰۲ء میں گلاسکو یونیورسٹی کا پرنسپل مقرر ہوا،

لارڈ کالون باوجود ان اعزازات کے جن میں سے ایک ایک انسانی دماغ کو مغرور بنانے کے لئے کافی تھا، غرور و نخوت سے براہِ عمل دور تھا، اپنے شاگردوں کو اسی طرح مخاطب کرتا تھا جس طرح کسی دوست یا معاصر کو،

باوجود اس کثرتِ معلومات و اکتشافات کے وہ اپنی کم عملی کا اعتراف کرتا تھا، اس نے اپنی رسم جو بنی کے دن جو تقریر کی تھی اور کا ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ میں نے ایک مدت تک علم کی خدمت کی، اور کر رہا ہوں لیکن افسوس ہو کہ اب تک کمر بابت اور کشش یا مادہ کو کشش کی مادی یا اتیر اور کمر بابت کے باہمی تناسب کے متعلق میں اُس سے کچھ زیادہ مدد مان سکا جو میں اس سے بچپن برس پہلے اس وقت ہانتا تھا جب میں اپنے شاگردوں کے سامنے پہلا کچرہ دیا تھا،

لارڈ کالون روحانیت کا سخت منکر تھا، روحانیت کے غیدائوں کو وہ مجنون سمجھتا تھا زیادہ تر وہ مادہ اور اس کے خواص کا معتقد تھا جیسا کہ لوہے کے ذیل کی فہرست اکتشافات سے ظاہر ہوگا،

لارڈ کالون کے کارنامے

حرارت اور حرکت | لارڈ کالون کی طبعی تحقیقات کا سلسلہ مسئلہ حرارت سے شروع ہوا، کالون سے پہلے جو علم طبعیات تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور کا رنہ ہیگنیاں تھا کہ حرارت ایک مادی فہم ہے جو ایک جسم سے دوسرے جسم میں اس طرح منتقل ہوتی ہے جس طرح غبار کے ذرے فضا سے ہوا میں بھولنے اسکے بعد جو تحقیقات کی اور کا حاصل یہ تھا کہ حرارت کو حرکت سے

بہت بڑا تعلق ہے اور حرارت دراصل خود مادی تھے نہیں ہے بلکہ حرارت مادہ میں ایک قسم کی حرکت کا نام ہے۔
لارڈ کالون نے متعدد آرٹیکل میں ریاضی دلائل سے یہ ثابت کیا کہ جس طرح سیال اور گیس میں توجہی مبادلہ میں اتنا ہی حرکت ہوتی ہے اسی طرح مادہ کے ذرات میں ایک اور قسم کی حرکت ہوتی ہے جسکو ہم حرارت کہتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں ایکلہ دراہم مسئلہ بھی طے ہوا کہ دنیا کی موجودہ کائنات ایک دن فنا ہونے والی ہے، کیونکہ مسئلہ حرارت کی آٹھائے تحقیقات میں یہ بات ثابت ہے کہ اسے طبیعی یعنی حرارت، روشنی، کیمیائیت، کشش، جبکہ ایک شکل چھوڑ کر دوسری شکل اختیار کرتے ہیں تو انہیں حرکت پیدا ہوتی ہے حرکت، حرارت پیدا کرتی ہے اور حرارت اشعاع بن کر منتشر ہو جاتی ہے، اسی طرح رفتہ رفتہ کائنات کا تڑپہ حرارت ایک دن خالی ہو جائیگا، اور مادہ سے زندگی معدوم ہو جائیگی، کیونکہ مادہ اپنی زندگی میں کبھی حرارت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا،

بحری ٹیلیگراف **لارڈ کالون** کی زندگی کا بہترین کارنامہ یہ ہے کہ اسے بحراوقیانوس کے نیچے جو امریکہ کو قدیم دنیا سے ملحقہ کرتا ہے یورپ و امریکہ کے درمیان سلسلہ تار برقی قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی، علماء علم البرق کا خیال تھا کہ چونکہ یورپ و امریکہ میں بہت بڑا فاصلہ ہے اسلئے دریاے اوقیانوس کے نیچے نیچے کوئی بحری ٹیلیگراف کا سلسلہ نہیں قائم ہو سکتا، لارڈ کالون جب بحراللانٹک کے ٹیلیگراف کمپنی میں مینسٹنٹ مینبر تھا تو اسے مشن میں یہ دعویٰ کیا کہ یورپ و امریکہ کے درمیان بحری ٹیلیگراف کا سلسلہ قائم ہو سکتا ہے اور اسے دلائل سے ثابت کر دیا کہ اوقیانوس کے نیچے بھی برقی قوت کام کر سکتی ہے، چنانچہ بحری کمپنیوں نے بحراوقیانوس کے نیچے یورپ و امریکہ کے درمیان سلسلہ تار برقی قائم کر لیا اور اب دنیا دیکھ رہی ہے کہ کیونکر یورپ سے امریکہ منٹون میں خبریں پہنچتی ہیں، اس کامیابی پر اس نے ایک اور برقی آدھ ایجاد کیا جسے ٹیلیگرام کے خلاف نہ کہیں کہیں یہ آدھ بھلے نام بحری ٹیلیگراف کی کمپنیوں میں منسلک ہے، **ٹامسن** (لارڈ کالون) نے اس بحری ٹیلیگراف میں جب کامیابی حاصل کی تو انگلش گورنمنٹ نے

اس کو ٹائٹ کا دھجاء سر کا خطاب دیا اسی زمانے میں سر ولیم ٹامسن کے نام سے مشہور ہوا
 سر ولیم ٹامسن کا علم الکیمیا کی اس ممتاز دریافت کا جب عام شہرہ ہوا تو برازیل، دبئی، انڈیا اور آسٹریلیا
 کی مشہور بحری بیلیگراف کمپنیوں کا مینگٹنگل پیچھے رہ گیا، اس کی وسعت کی بہت اونچے چند کمپنیوں نے ایسا دیکھ
 قطب نام لارڈ کالون کو بحری سفر کا بہت شوق تھا اور لاکھوں روپے اس کو ہر چیز کو غور سے دیکھنے کی عادت تھی
 اس لئے اونے اکثر جہاز کے بعض آلات میں کچھ نہ کچھ نقص دیکھا جس کو دور کرنے کی اس نے کوشش کی اور پایا ہوا
 قطب نام جس سے جہاز لانی میں بہت دریافت کرنے میں بڑی مدد ملتی ہو اس کی ایک سوئی مقناطیس کی
 ہوتی ہے اس مقناطیس کی سوئی پر جہاز کے اور آہنی آلات کی کشش کا اثر پڑتا تھا جس کی وجہ سے
 بالکل ٹھیک سمت دریافت نہیں ہوتی تھی، لارڈ کالون نے ایک قطب نام بنایا جس سے یہ عیب بہت کچھ
 دور ہو گیا، یہ قطب نام اب نام جہازوں میں استعمال ہو، سمت دریافت کرنے کے لئے ایک حساب کا طریقہ
 دریافت کیا جس سے بہت آسانی سے سمت کا پتہ چل جاتا ہے،

دیبا کی گہرائی دریافت کرنے کا آلہ اجاز کے کپتانوں کو پانی کے عمق جاننے کی سخت ضرورت ہے پہلے ایک معمولی
 آلہ تھا جس سے دیا کی گہرائی دریافت کی جاتی تھی مگر زیادہ گہرائی میں یہ آلہ بیکار ہو جاتا تھا، لارڈ کالون
 نے اس غرض کے لئے جو آلہ بنایا جو وہ تھو سو فٹ کی گہرائی تک کام کر سکتا ہے، لارڈ کالون نے جہاز کے متعلق
 اہم بہت سے آلات بنائے ہیں جن سے طوفان موج کی بلندی اور دریا کے جزر و مد کا حال معلوم ہوتا ہے،
 زمین کا اندرونی حصہ | علمائے طبیعیات کا خیال تھا کہ زمین کا اندرونی حصہ سیال اور گھٹلا ہوا ہے، کیونکہ
 اونکی رائے تھی کہ جس قدر کسی چیز کا عمق دیا وہ چھو کا اوس قدر اوس میں حرارت زیادہ ہوگی، اس بنا پر اونکا
 خیال تھا کہ ایک عین دھج کی گہرائی تک اتنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے جو سخت سے سخت معدنی مادہ کو گھٹلا سکے
 اس لئے ان کے اصول سے زمین کا اندرونی حصہ سیال اور گھٹلا ہوا ہونا ایک لازمی امر تھا اپنے اس دھج پر
 اونکو ایک مشاہدہ دلیل یہ ملی کہ آتش فشاں پہاڑ کی چوٹیاں اکثر سیال درگدانتہ ہی مادہ اعلیٰ ہیں،

لارڈ کالون کا خیال تھے بالکل مخالف یہ وہ کتاب ہو کہ زمین کے اندرونی حصہ کا گمان

اور سیال ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ اس حالت میں زمین دوری حرکت نہیں کر سکتی، جس طرح تم دیکھتے ہو کہ بچے انڈون کا اندرونی حصہ دوری حرکت میں کرتا، چار ڈارون نے بھی لارڈ کالون کی تائید کی، بلکہ ان کے ساتھ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ زمین کا اندرونی حصہ اس کے بالائی حصہ سے زیادہ سخت ہونا چاہیے۔ ڈارون نے مخالفین کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا کہ باوجود غیر معمولی حرارت موجود ہونے کے زمین کا اندرونی مادہ کیون نہ پگھلا،

مسئلہ حیات گزشتہ صدی کے آخری حصہ میں علم طبعیات میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ زندگی کیا چیز ہے اور حیوان دراصل بذاتہ پیدا ہوئے ہیں، یا جمادات سے ترقی پا کر یہ حیوان بنے ہیں، لارڈ کالون کی تیوری یہ ہے کہ کرہ زمین میں حیات یا حیوانیت ٹوٹنے والے ستاروں کے ذریعے دوسرے اجرام کریم سے آئی ہے، لارڈ کالون کے اکثر معاصرین نے اس تیوری پر اعتراضات کیے مگر لارڈ کالون نے دلائل اور مثالوں سے اس تیوری کو ثابت کیا،

بہر حال اگر لارڈ کالون کی یہ تیوری تسلیم بھی کر لی جائے تو بھی مسئلہ حیات کا اصلی عقد ہل نہیں ہوا زمین میں تو حیات دوسرے اجرام سے آئی آخر خود دوسرے اجرام میں زندگی کہاں سے آئی، کربائیت اور حرارت لارڈ کالون کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے یہ ثابت کیا کہ حرارت کربائیت کی صورت میں بھی تبدیل ہوتی ہے، خواص اور حیثیت حرارت و کربائیت ”جو ہر فرد“ کے مسئلہ کی بھی اس نے تحقیقات کی ہے۔

روشنی حرارت اور کربائیت کی بحث میں روشنی کا مسئلہ چھڑنا ضروری تھا کہ روشنی کیا چیز ہے اور اس کے نظری اصول کیا ہیں، ذات مادہ کی حرکت سے روشنی کیونکر پھیلتی ہے، ایتھر کیا چیز ہے اور اس میں کس قسم کی حرکت ہوتی ہے، یہ مباحثہ گزراہہ ترغمین و قیاس پر مبنی ہیں لیکن پھر بھی لارڈ کالون کی

طرز استدلال نے بہت سی مشکلات کی گرہیں کھول دیں

تالیفات اور ایجادات لارڈ کالون نے بہت سی تالیفات اپنی یادگار چھوڑیں جو اون آرٹیکلز

اور کچھ زکے علاوہ ہیں جو وقتاً فوقتاً لارڈ کالون نے رسائل و رسائلات میں لکھے یا علمی انجمنوں میں

دئے، یہ سب تصنیفات فلسفیانہ ہیں جو اختصار عبارت اور دقت معنی کے سبب مشکل سمجھ میں آتی ہیں

لارڈ کالون کی تصنیفات کے زیادہ تر موضوع یہ ہیں، فلسفہ طبیعیہ کربایت، کشش ریاضیات

لارڈ کالون کا طرز استدلال بالکل منطقیانہ اصول پر ہوتا ہے

لارڈ کالون نے جو اکالات ایجاد کئے ہیں انکی کثرت کا اس سے قیاس کر دو کہ گلاسکو میں

لارڈ کالون کی ایجادات و آلات کی ایک خاص دکان ہے جہاں لارڈ کالون کے سوا اور کسی کی چیز نہیں ہوتی

لارڈ کالون ہمیشہ گلاسکو میں طبعیات کا درس دیتا رہا، ۱۷۹۹ء سے اس عہدے سے ہتفاد رہا

انگریز ملک تالیف و ایجاد میں مشغول رہا آخر ستہ دسمبر ۱۸۰۶ء میں ۶۱ برس کی عمر میں اپنے انتقال کیا

(ماخوذ از الملال)

عزل

اندیشہ خامی ہست من نیز ہر دارم

من نیز ازین عالم آہنگ ہست دارم

بگناہ کہ این پردہ از روئے تو بردارم

اکنون کہ من بیدل، سوداے دگر دارم

این خرقہ مستوری کا سال بہر، دارم

من ہم بہر کوئے، گر گاہ گزر دارم

زیگوند اگر خواہی، بسیار ہنر دارم

لے آنکہ ہی گوئی کز راز خبہ دارم

لے رنگ ز رخ جستہ یک لحظہ توقف کن

روح چنین روئے شایان ہفتن نیست

لے دوست میرس از من، رسم دروہ تقوی را

تا سال دگر خدا پوشد بہن می و مطرب

ہلے متکلف کہیہ بلین جلوہ فروشی نیست؟

زندہ وسیہ کاری، مستی و نظر بازی

وان نیز نمی خواہم کز دے تو بر دارم
ت دوست با چہ می دانی تا من چہ ہنر دارم
ایہا کہ ز خود گفتے من نیز خبر دارم

یک دیدہ حیرانی از ہستی من باقیست
از ہر دروغ خود و لغتہ افتہم غلطے
لے شلی نعمانی این بہرہ و دری از حیثیت

علمی خبیین

ترکون مین علم طب

فرانس کے علمی رسالہ العالم الاسلامی میں ایک ترکی ڈاکٹر نے، ترکون مین علم طب کی سرخی سے ایک بسیط مضمون لکھا، جس میں اُس نے ترکون کے اصول طب و طبی مدارس و شفاخانوں پر مفصل بحث کی ہے، جسکا اجمالی خاکہ یہ ہے،

امراض و آلام میں کون قوم مبتلا نہیں ہوتی؟ اسلئے ہر جاہل سے جاہل قوم کے پاس بھی اسکے سالہا سال کے طبی تجارت کا سرمایہ موجود ہے، جس میں نہ کوئی اصول ہے نہ فن کی ترتیب، قبل از اسلام عرب میں بھی اس قسم کی طب موجود تھی، اس علم طب کو تجربی علم طب کہتے ہیں، فلسطینیہ میں مکمل کالج قائم ہونے سے پہلے ترکون مین صرف تجربی علم طب رائج تھی، مغربی علم طب سے ترکون کو حاصل قضا تھا، بلکہ تجربی علم طب سے بھی وہ زیادہ متاثر نہیں کرتے تھے، انکی تمام بیماریوں کی دوا صرف چند جڑی بوٹیاں تھیں، جنکو معمولی عطاردوں کی ہدایت کے موافق وہ استعمال کرتے تھے، مسلمان اسکے ساتھ دوا تونیک کے متفق تھے، ۱۸۶۷ء میں فلسطینیہ کا سب سے پہلا طبی کالج قائم ہوا، جسکے تمام پروفیسر اور ڈاکٹر غیر ملک کے تھے، کورس کی زبان فرینچ تھی، چالیس برس کے متواتر جد و جہد کے بعد انکے ملک میں اتنی صلاحیت پیدا ہوئی کہ ۱۸۷۷ء سے طبی تعلیم ترکی میں دی جانے لگی، قوم و ملک کی بے توجہی سے ابتداؤں جدید ترکی ڈاکٹروں میں افسردگی پیدا ہونے کو تھی، لیکن استقلال نے انکے ارادوں میں قوت اور

اونکی جہتوں میں استحکام بخشا، اونھوں کی اصطلاحات کا ترکی میں ترجمہ کیا ترکی میں اگر الفاظ کی کمی ہوتی تو عربی اور فارسی سے پوری کی جاتی، جہاں عربی فارسی میں کوئی لفظ نہ ملتا، لاطینی اور فرینچ الفاظ سے مدد لیتے لیکن اس ترجمہ میں اونھوں نے کبھی انگریزی اور جرمن زبانوں کا احسان نہیں اٹھایا،

دولت عثمانیہ میں دشاہی طبی کالج میں ایک طعنیہ میں اور دسرا دمشق میں جو بنو انینہ کے عروج و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے، قسطنطنیہ درواز قسطنطنیہ میں دس شفا خانہ ہیں دولت عثمانیہ میں ۱۳۰ صوبے ہیں جن میں ۱۲۲ شفا خانہ ہیں یہ تعداد اون شفا خانوں کے علاوہ ہے جو مدارس کے تعلق ہیں،

شاہی اور فوجی شفا خانوں میں مردوں کی تشریح کی مانعت ہے، اگر کوئی مجرم یا قیدی مر جائے تو اسکی تشریح کی جاسکتی ہے، تشریح کی مانعت بہت کچھ مالک عثمانیہ میں طبی ترقی کے سدا رہی حالانکہ تشریح اصول اسلام کے خلاف نہیں ہے، سلطان محمود ثانی نے شیخ الاسلام جب اسکے تعلق تو بھی چھاتو شیخ الاسلام نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔

معذرت

الندوہ پرچہ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۲ میں کالیستہ لوگوں کی نسبت جو الفاظ ایک ضمنی تذکرہ میں لکھ دیے گئے ہکوا نسوس ہو اگر کالیستہ صاحبوں کو اس سے بچ بچا۔ ہماری عادت کسی فرقہ اور کسی قوم کی نسبت ہلشکنی اور طعن و تشنیع کی نہیں ہے، وہ الفاظ مذکورہ سے کوئی عام الزم اس فرقہ پر قصود نہ تھا لیکن چونکہ کالیستہ صاحبوں نے ایسا خیال کیا ہوا اسلئے ہم ان الفاظ کو واپس لیتے ہیں اور ان سے معافی پہنچتے ہیں۔

خواطرنی الاسلام، یہ آئینہ بل خطاب حسنی کی ایک جدید عربی تصنیف ہے جس میں تاریخ اسلام کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے ابتدا سے کتاب میں گذشتہ قدیم قوموں کی تہذیب کی تاریخ

تمدن اسلام، خلافت راشدہ، سلطنت اندلس، مغرب امیہ، عباسیہ، کے حالات و
بیان کیے ہیں، شیعہ سنیوں کی تاریخ کے متعلق بھی ایک بھجپ بحث ہی، اختتام کتاب پر
مسلمانوں کے اسباب منزل کی تفصیل کی ہے،

سطح پاک حسنی معرکے ایک دوئمند رئیس ہیں جنکو خاندان خدیوی کے ساتھ قرابت کے
تعلقات ہیں، ہندوستان کے امرکو خاندان خدیوی کے ایک ممبر کی علمی خدمت پر رشک کرنا چاہیے
مسلمانوں کے سیکڑوں کتب خانے برابر ہو چکے، اور ہورہے ہیں، ندوۃ العلماء کی
تحریک تھی لکھنؤ، ہندوستان کے پرائیوٹ اور پبلشر کتب خانہ بکھا ہو جاتے، لیکن قوم کی غفلت سے
امید نہیں ہو کہ تحریک میں کامیابی ہو، قسطنطنیہ جو اسلامی توت کا مرکز بوداں سبیل کتب خانہ ہیں

نام	تعداد و کتاب	نام	تعداد و کتاب
کتب خانہ سلطانی محمد زانی	۱۵۳۱	کتب خانہ عاکف پاشا و قرا	۱۳۳۶
سلطان سلیمانی	۸۰۴	سر اسے غلطہ	۵۵۶
تلمع علی پشا	۷۵۲	سلطان عثمان ثالث	۲۴۲۱
حافظ احمد پاشا	۴۱۲	محمد راغب پاشا	۱۲۰۰
کبری زاده	۱۴۴۸	لعلہ لی	۲۹۸۰
داماد علی پاشا	۲۶۱۸	سر اسے ہمایون	۱۱۹۸
ابراہیم پاشا	۸۳۱	ولی الدین آفندی	۱۷۶۹
سلطان والدہ	۷۳۲	عاشق آفندی	۱۹۰۰
بشیر تزارفا	۵۵۲	داماد محمد مراد آفندی	۱۱۱۰
ایا صوفیا	۱۴۴۵	سلطان علی محمد خان	۱۱۹۴
حالت آفندی	۶۵۶		

المعین کی جدید تجارتی کتابیں

۱۰	تفسیر ابن جریر ورق عال	۱۰	نمای طالب فی شرح عشرہ مقلد العرب	۱۰
۱۱	تفسیر فائز بباہرہ تفسیر النفسی	۱۱	عجب العجب فی شرح لامیۃ العرب	۱۱
۱۲	اعلاہ القرآن للعکبری	۱۲	عکاظ الادب	۱۲
۱۳	کتاب النسخ والنسخ	۱۳	کتاب الصنائع لابن الیاس	۱۳
۱۴	غریب القرآن للسبستانی	۱۴	کشف الحانی ولبیان فی فہرر رسائل بلج الزمان	۱۴
۱۵	بلوغ السؤل فی تفسیر فقہار کم رسول	۱۵	مقامات بلج الزمان ہمدانی محشی مہلد	۱۵
فن ادب		۱۶	مقامات ز محشری	۱۶
		۱۷	اطباق الذهب	۱۷
۱۸	دیوان بھتری	۱۸	کتاب الامالی للزجاج	۱۸
۱۹	دیوان ابوتام	۱۹	امثال العرب للضبی	۱۹
۲۰	دیوان مختصر ابن شداد	۲۰	العقد الفرید لابن عبد ربہ	۲۰
۲۱	دیوان عمر ابن ربیعہ	۲۱	نشر النظم للثعالبی	۲۱
۲۲	دیوان زحیسر	۲۲	جواہر الانشاء	۲۲
۲۳	دیوان ابو دواس	۲۳	شفاء الطلیل فیما فی کلام العرب من الذخیل	۲۳
۲۴	دیوان خرقی اخت عارفہ	۲۴	حیوۃ الحیوان للدمیری	۲۴
۲۵	دیوان ابو الطاهر معری	۲۵	الطوق الاذنی لابن الیاس	۲۵
۲۶	دیوان بلج الزمان ہمدانی	۲۶	مصابیح العشاق	۲۶
۲۷	دیوان حاسہ دماشیرہ بر تبریزی کاغذ صہ	۲۷		۲۷

فن طب	السل مرآۃ	متفرقات
کامل اصناف	تذکرہ ابوماؤد الطاک منافع الاغذیہ	انکسار الرومانیہ فی الکمل البیوتانیہ مفتاح العلوم للسلکی مجموعہ رسائل فارابی
منطق و فلسفہ	محاسن طر فی المنطق تہذیب الفلاسفہ لابن رشد کشف لا ولہ لابن رشد شرح حکمۃ الاشراق شرح حکمۃ العین محبوبہ حال قازان	منہاج السنۃ مع کتاب النقل والنقل لابن تیمیہ دلائل الخیرات جلد سادہ دلائل الخیرات جلد مظلہ فضل الرحمن نیجر المعین ندوہ کھنؤ
۱۰	۱۱	۱۲
۱۳	۱۴	۱۵
۱۶	۱۷	۱۸
۱۹	۲۰	۲۱
۲۲	۲۳	۲۴
۲۵	۲۶	۲۷
۲۸	۲۹	۳۰
۳۱	۳۲	۳۳
۳۴	۳۵	۳۶
۳۷	۳۸	۳۹
۴۰	۴۱	۴۲
۴۳	۴۴	۴۵
۴۶	۴۷	۴۸
۴۹	۵۰	۵۱
۵۲	۵۳	۵۴
۵۵	۵۶	۵۷
۵۸	۵۹	۶۰
۶۱	۶۲	۶۳
۶۴	۶۵	۶۶
۶۷	۶۸	۶۹
۷۰	۷۱	۷۲
۷۳	۷۴	۷۵
۷۶	۷۷	۷۸
۷۹	۸۰	۸۱
۸۲	۸۳	۸۴
۸۵	۸۶	۸۷
۸۸	۸۹	۹۰
۹۱	۹۲	۹۳
۹۴	۹۵	۹۶
۹۷	۹۸	۹۹
۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲

ترجمہ اردو مناقب العارفین یعنی تاریخ مولانا روم صاحب

مصنفہ شمس الدین افلاکی مرید امیر عارف طبری تصنیف شدہ چہری مصنف نے جن فضول بن محمد
والد مولانا کے پیر خود مولانا کے حالات۔ شمس الدین تبریزی صلاح الدین حسام الدین طبری جو شمس کی بیوی
باعث ہیں۔ مولانا کے بیٹے سلطان ولد۔ مولانا کے پوتے امیر مارث اور امیر بابا۔ مولانا کے
میں بقیہ خاندان کے حالات اور سلسلہ بیعت کو لکھا ہے۔ مصنف خود مولانا کی خدمت میں
رہا ہے۔ عجیب و غریب حالات ہیں۔ درویشی کی چاکشی پیش اور تاریخی حالات لکھے ہیں
کاغذ سفید و نیز حکایت منقذات (۵۳۰) قیمت علاوہ محصول ڈاک دو روپے۔

لاکھ مطبع احمدی رام پور اسٹیٹ پریس

بلاوری کے خاص الفاظ یہ ہیں

کانت کتب الحاج ترد علی محمد و کتب محمد ترد علی
صفہ ما قبلہ و استفادہ رائد فیما یعمل بہ فی کل
ثلاثۃ ايام فورد علی محمد من الحاج کنا ان لہب
العروس و اقصر منها قائمہ و لتکن جمالی المنق
لہداع صاحبہا من ان یقتدر الدفل الذی
وضعت لی فرمی الدفل نکسر فمعتدی

حاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس اور محمد کے خطوط
حاج کے پاس جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آیا جا کرتے تھے
محمد بن قاسم جو کچھ کرنے والے ہوتے حاج کی رائے دیتے
کر لیا کرتے تھے حاج کا ایک خط اس معنوں کا آیا کہ نجیح کا ایک خط
لکھا کہ اگر انکو مشرق رخ نصیب کرادو اور نجیح انداز کو علم دو کہ
تجانی کے سنارہ کو جس کی کیفیت تم مجھے لکھ چکے ہو، نشانہ بناؤ
نجیح نے سنارہ پر جب سباری کی تو وہ ٹوٹ گیا.....

اور شہزادہ رستی فتح ہو گیا لہ

اگر ابن خلدون کی رائے میں اہل عرب میں یہ مادہ نہ تھا اس لطم و تدبر کا فناء اسلام
تھا تو اس کے اعتراف میں ہکو تال نہیں ہو سکتا ہم کو نسیم ہے کہ قوم عرب نہایت وحشی
اور جاہل قوم تھی اسلام نے اور صرف اسلام نے اسکو اعلیٰ درجہ کا تمدن بنا دیا اور اس
کے کارناموں میں ایسی شان پیدا کر دی جس پر آج ساری دنیا کو حیرت ہے
کیما یتعجب بندگانہ پیروں خاک او گشتم و چندیں درجا تم دانہ

عمارت صنعت اور کارخانے فن تعمیرات سے عرب کو قدرتی مناسبت تھی قبل اسلام بھی وہ اس
فن میں شہرہ آفاق تھے اور بعد اسلام بھی یہ فن ان کے سایہ عاطفت میں رہا بسبب
کی طینانی روکنے کے لئے مارپہن کا ایک شہر ہے) میں انھوں نے جو دیوار بنائی تھی
عرب میں اس کے استحکام کے عجیب غریب افسانے ب تک مشہور ہیں ابن خلدون
نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں

ان الذی بناہ (ای ہنی سدا مارب) مسابین | سدارب کو بادشاہ مسابین شہنشاہ تھیں کہ اس نے شہر
فیثیب و ساق الیسجین وادی و عاقۃ الموت | بنی گا لی نہیں تعمیر کا کام تمام کرنے پایا تھا کہ موت

نہ اس کا کام تمام کر دیا اس کے بعد سلیمان میر نے اس کی

سلام میں اس نے اس کی وہ سب سے بڑی کی اس کی تفصیل میں دریافت کرنا ہو

اور اس کے بعد قرطبہ میں نصرانیوں کے طندوں کی زیارت کروا کر عزا طہ جاکر دیکھ کر

وہ اس کے خلاف میں آنا عجب سے اس کے فوری ہوا۔ اس کے میں شکست مسجدوں سے ہو چکی

اور اس کے بعد اس کے شہرین و شاہانہ کا قتل اور ابوان حمراسے دریافت کر دیا۔ اہل عرب

نے اس کی زبردستی اس کی اس میں پیسیر مریچلوٹ مارا کہو تو تھے، اسے مصر و شام کی

اس کی عمارتوں پر اندری میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں دمشق اور قاہرہ کی عمارتیں

لکھیاں ہیں۔ پیش کی گئی ہیں اور بحث کی گئی ہے کہ اہل عرب کا مذاق فن تعمیر سے کس قدر

آگاہ تھا۔ یہ کتاب سمرقند و زاک اینڈ کو لندن سے لکھی ہے۔ اس کے بعد اس کے

بہت سے عمارتوں کے انہوں نے آلات ایجاد کیے تھے۔ اس کے متعلق ہم ایک کتاب

مفصل معصوم تھ چکے ہیں جو ضائع الاسلام کے عنوان سے دو برس ہوئے البیان میں

ہو گیا لیکن بن مالدون کو ان باتوں پر یقین نہیں آتا وہ اہل عرب کو بالکل وحشی اور جنگلی

جانتے ہیں عربی صنعتوں اور عمارتوں کو فخارت سے دیکھتے ہیں اور کارخانہ کے توانا

سے سے قائل نہیں با اس ہر امور ذیل کا ان کو بھی اعتراف ہے کہ

(۱) اہل عرب کی سلطنت بڑی سطوت اور جبروت کی سلطنت تھی

(۲) اس زمانہ میں عربی سلطنتیں دم توڑ رہی تھیں اور سخت انقلاب برپا تھا

(۳) سلطنت عرب کے شباب میں ہر قسم کی عمدہ صنعتیں بلاد اسلام میں لگ بھگ

(۴) ضعف سلطنت سے تمام صنعتیں گویا مٹ گئیں

(۵) اس زمانہ میں بھی بعض اسلامی ممالک میں بکثرت صنعتوں کا رواج تھا۔ ہر

اول کے متعلق فرماتے ہیں

قد بطل الکثیر منہم اعم قد کان (ای للعب) اب تو اکثر لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ پرانے زمانہ میں

منك في القديم وما كان في القديم لاحد
من الامم في الحقيقة ما كان لاجتياهم من الملوك
ودول عاد وثمود والعالمه وحمير والقبائل
بن ذلك ثم دولة مغار في الاسلام بنو امية وبنو
دليل سمجنا چاہئے

امر دوم

اما هذا العهد وهو اخر المائات الزمانه فقد انقضت
احوال الملوك الذي نحن شاهده وتبدلت بالجملة
..... وانتهى عمران الارض باسقاط السند
فخرت الامم والمصانع ودرست ابلج العالم
ودخلت الديار والمنازل وضعت الدلائل القبا
وتبدل الساكن وكان بالمشرق قد نزل به مثل ما
لكن على ذنبه ومقدار عمرته

امر سوم

ان كان اصل الدولة ومدنها منصفه فلا تزال
المصانع فيها تشاد والمنازل الرحيمه تكثر وقد
ونطاق الاسواق يتباعده كما
وقع بمعدل دوامتها

ان القيردان وقرطبه كانتا حاضرتي المغرب
والاندلس استبحر عن احصاء وكان فيحصا
للعلم والمصانع اسواق نافه ومجود زامنه

له ابن خلدون ج ۱ ص ۱۱ له ابن خلدون ص ۲۴ له ابن خلدون ص ۲۴ له ابن خلدون ص ۳۶۱

امر چارم و پنجم

لخند نہادانی فی الاندلس، سوم الصنائع قائمہ
 و احوالہ مستحکمہ رستخارہ ہم عمل حصہ
 و وضع مر ذالک و حفظہ میں جمع الامصار
 و ان بان عمر انھا قد تناقص و اکثر حصہ لایسای
 سمران غیرہا و ما ذالک الا ما قد تروخ
 الحصارہ فیہم برسوخ الدلۃ الامتق و ما قبلہا
 و ما بعدہا فبلغت الحصارہ فیہا مبلغاً
 لم یبلغ فی قطر الا ما یقل عن العراق و الشام
 و مصر ایضاً لظول اماد الدل فیہا فاستحکمت
 فیہا الصنائع و کملت جمیع امصارہا بقیہ
 صیغہا ثابتہ و ذلک العزل لا تغادرہ و
 کذا یضاحل تونس فیما حصل فیہا بالحصارہ من
 الدل انصہاجتہ و الموحیدین من بعدہم و ما
 استكمل لہا فی ذالک فی سائر الاحوال
 و کذا یجد بالفیردان و مراکش و قلعة ابن حماد
 انرا با قیاس ذالک و ان کانت ہذا کلہا خواہ
 اونی حکم الخراب
 لا و فرایعہ فی الحصارہ من مفرام العالم و الیوم
 الاسلام و ینوع العلم و الصنائع و بقیہ بعض
 اندلس میں یکو صنعتیں قائم تھیں اور صنعتی حالت مستحکم
 و مضبوط نظر آتی ہے۔ یہاں کے باشندوں
 کو تمام شہروں کے مقابلہ میں وافر و متنازعہ ہیں ہاں
 باد جو دیکہ یہاں کی آبادی کم ہو گئی ہے اور اکثر متناہیں
 صنایع غیر کی آبادی کے برابر آبادی نہیں ہے
 اسکا سبب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ سلطنت اتویہ
 اس کے قس اور اس کے بعد کی سلطنتوں کی وجہ سے
 تہوں کو یہاں بکلی استحکام ہوا جس کے سبب
 اتنی زرق ہوئی کہ کسی ملک میں نہیں ہوتی۔ جو عراق و شام
 و مصر کے کہ یہاں بھی صنعتوں کی مدت طویل ہو چکی و جس
 سے صنعتوں کو استحکام ہوا اور ہر قسم کی صنعت کمال پر پہنچ
 ہوئی لہذا ملک اس آبادی میں بھی قوی و جاد
 ہوا تونس میں بھی اسی طرح سلطنت منہاجہ
 اور اس کے بعد دولت موحیدین کی وجہ سے صنعت کو استحکام
 ہوا اور ہر طرح کی صنعتیں پوری طرح پر پائی جانے لگیں۔
 علی ہذا قیروان و مراکش و قلعة ابن حماد میں
 بھی اس کا اثر باقی ہے گو یہ سب اہل ایران و ایران کے کرم
 تہن میں آج مصر کے کوئی ملک بڑھ کر نہیں ہے۔ شہر
 جہان کی بنیاد اسلام کا قصر علم و صنعت کا سرچشمہ ہر تہی

بعض الحضارة في ما وراء النهر لما هناك من
الحضارة بالذات التي فيها فلهذا بذلك حصه من
العلوم والصنائع

ایک مقام پر انھوں نے بعض بعض ممالک کی مخصوص صنعتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے
اہل عرب کو وہ بعد الناس عن الصنائع کہتے ہیں لیکن ان کے زمانہ میں عرب دین
میں صنائع کا اس قدر رواج تھا کہ مجبوراً انھیں بھی اعتراف کرنا پڑا فرماتے ہیں

اما اليمن والبحرين وعمان والجزيرة وان حكمة العرب
الا انهم تداولوا ملكة الآفا من السنين في
كتيبين منهم واحصوا مصاريفهم وبلغوا ثلثي
من الحضارة والترف مثل عاد وثمود والعراق
وحير من بعدهم والبتابع والاذواء فطال الملك
والحضارة واستحكمت صبغتها ولو فرغت الصنائع
ورسخت فلم تبل بلي الدلالة كما قد مناه فبقيت
مستحق حتى الآن واختصت بذلك الوطن كنهنا
الوقوع والعصب وما يفتقد من حوائج الدنيا والخراب
کی وجہ سے بھی ان میں صنعت نہیں کیا صنعتیں انکے رونق میں
اور اس ملک کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً نقش کپڑے پردے اور نشین

کپڑوں کی تیاری وغیرہ وغیرہ

ان مباحث کے علاوہ وہ سحر و جادو کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ لا
حقیقۃ للسحر جادو کی اصل و حقیقت ہی نہیں اس کی تفصیلی بحث ہم البیان میں شائع
کر چکے ہیں اخلاق عادات کے معترف رشم العلماء علامہ شبلی نعمانی الکلام میں اس غلط

کو ثابت بسط و تحقیق سے دفع کر چکے ہیں اعراب کے مشہور فلاسفر خالدين یزید کو بدوی کہتے ہیں دخالہ کے فضل و کمال و قابلیتات کا مفصل اور متفقانہ تذکرہ ہمارے مضمون یکمیا نے اہم قسم میں جو چکا ہے، حضرت عمرؓ کو لازم دینے ہیں کہ فتح ایران کے واقعہ میں جو بیونس کی تہی و تعلی کتابیں انھوں نے تلف کرادیں علامہ سنائی رسالہ ترجمہ وغیرہ میں اس الزام کی کافی طور پر تردید کر چکے ہیں، علم معنیات وغیرہ کے مقرر ہیں جن سے اس روشنی کے زمانہ میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے عیب سے جملہ تکفیتی ہنرش نیز بگو ابن خلدون کی رایوں سے جہاں جہاں مکمل اختلاف تھا اس کا اجمالی نمونہ اس وقت ناظرین کے زیر نظر ان جزئی اختلافات سے اگر قطع نظر کیا جائے تو تاریکی کتاب میں ان کی نکتہ سنجیاں، انتہائی تحقیق کی اعلیٰ مثالیں ہیں حکیمانہ انداز میں اجماعی بحث کے وہ موجد ہیں اور جس بسط کے ساتھ ہر مسئلہ کی انھوں نے تحقیق کی ہے اس زمانہ میں بھی اسکی نظیریں کیا ہیں اس پر یو یو کوئیکی نے تفصیل درکار ہے جس کے لئے محترم ناظرین کو آئندہ اشاعت کا انتظار کرنا چاہئے۔

خادم قوم
عبد اللہ الحامد امی

دفتر البیان لکھنؤ

بلاغات النساء

تیسری صدی ہجری کی ایک تصنیف جو جنس عورتوں کی تقریریں و خطبے جمع کئے ہیں

قدما کی تصنیفات کی کم شدگی کی وجہ سے اسلامی تمدن اسلامی خلاق بلکہ خود شریعت اسلام کی جو تصویر ہمارے پیش نظر ہے اس قدر صلیت سے دور ہو کہ صحیح خط و خال کا تصور کرنا بھی آج مشکل ہے۔ فرض کرو جو کتاب میں ہمارے پیش نظر

ہیں جو روایتیں تم سنتے آئے ہو۔ جو حالات انھوں کے سامنے ہیں ان سے یہ تپہ لگا کہ اسلام میں جنس اُنات کا کیا درجہ تھا تو یہ جواب نظر آئے گا کہ ملکی معاملات میں نظم و نسق میں شاہی درباروں میں مناظرہ کے معرکوں میں اس جنس لطیف کا گزر ہمک نہیں اگر تم سے یہ کہا جائے کہ حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ میں جو قیامت انگیز معرکہ ہوئے ان میں خاندانی عورتیں اونٹوں پر سوار مہمہ ان جنگ میں پر جوش لکچہ دیتی پھرتی تھیں اور ان کی پرائز تقریریں دلوں میں آگ لگا دیتی تھیں تو کس کو یقین آئے گا؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس معرکہ میں متعدد عورتیں بھتیجی رجز خانوں امقرروں اور کڑ لیتوں کا کام دیتی تھیں اور ہز کی وجہ سے معرکہ جنگ سرد ہو کر گرم ہو جاتا تھا۔

کس کو خیال تھا کہ عورتیں بھی کسی زمانہ میں پوزیشن دور جا رکھتی تھیں کہ ان کی تقریریں اور گفتگوئیں قلمبند اور دون کی جائیں لیکن اس وقت ہمارے سامنے جو کتاب ہے اور جو ہمارے مصنف کا عنوان ہے وہ خالص اسی موضوع پر ہے

یہ کتاب قریباً گیارہ سو برس کی تصنیف ہے مصنف کا نام احمد بن ابی طاہر بغدادی ہے جو سنیہ میں پیدا ہوا اور جس نے سب سے پہلے بغداد کی تاریخ لکھی یہ کتاب مصر میں چھپ کر شائع ہوئی ہے ضخامت ۲۰۰ صفحات کی ہے اور چونکہ عبارت بہت مشکل ہے اس لئے ہر جگہ کثرت سے حاشیے چڑھائے ہیں

قدما کا طرز تھا کہ واقعہ کو سلسل اور مقل روایت کے ذریعہ سے بیان کرتے تھے اور یہ طرز حدیث کے ساتھ مخصوص نہ تھا یہ کتاب بھی اس التزام سے لکھی گئی ہے اس سے یہ فائدہ ہے کہ کبھی روایت میں شک ہو تو اس کی کافی تحقیق ہو سکتی ہے سب سے پہلی اس کتاب میں حضرت عایشہؓ کا وہ خطبہ دلچسپ نقل کیا ہے جو انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں دیا تھا پھر حضرت فاطمہؓ زہراؓ اور حضرت حفصہؓ کے خطبے

پس لیکن انصاف یہ ہو کہ یہ خطبے اعتبار کے قابل نہیں خطبوں میں وہ الفاظ اور وہ خیالات اور وہ طرز ادبایا جاتا ہے جو اس زمانہ میں سرے سے پیدا نہیں ہوا تھا مثلاً حضرت فاطمہ کے خطبہ میں خدا کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔

الہامی مع ... لا یضارہ و یتہ ... اسکا آنکھوں سے دیکھا جانا مستح ہے
ایضاً ... لا شیا ما کمن شی قبلہ ... اسے تمام چیزوں کو عدم بھٹ سے پیدا کیا
ظاہر ہے کہ یہ معتزلہ اور اہل فلسفہ کی متنازع فیہ مسائل ہیں معتزلہ کہتے
ہیں کہ خدا کا دیکھا جانا محال ہے برخلاف اس کے اہل سنت و جماعت اس کے جواز
کے قائل ہیں اہل فلسفہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا نے عالم کو مادہ سے پیدا کیا لیکن
مسلمانوں کا عموماً یہ مذہب ہے کہ خدا نے دنیا کو بغیر کسی سابق مادہ کے پیدا کیا
غیب بات یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کے اس قسم کے خطبے جس میں ہیولی تک کا
لفظ موجود ہے شیعہ علماء کی تمام مستند کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت فاطمہ و زینبؓ اور ام کلثومؓ وغیرہ کے خطبہ کے بعد مصنف نے ان
عورتوں کے خطبے نقل کئے ہیں جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے معرکوں میں شریک
ہیں ان خطبوں کے ساتھ ان کے متعلق مزید حالات بھی بیان کئے ہیں جن کو ہم
دلچسپی کے لحاظ سے نقل کرتے ہیں۔

زر قہ ایک عورت تھی جو معرکہ صفین میں شریک تھی ایک دن امیر معاویہؓ
نے قصہ خوانی کے وقت مصاحبین سے کہا کہ کسی کو زر قہ کا لکچر خطبہ بھی یاد ہو
حاضرین نے کہا ہم سب کو یاد ہے امیر معاویہؓ نے کہا اس کی نسبت تم لوگوں کی
کیا رائے ہے سب نے کہا قتل امیر معاویہؓ نے کہا کیا یہ مناسب ہے کہ ایک عورت
کو قتل کر دوں یہ کہ کہ کو فخریؓ کو قتل کر دے کہ زر قہ کو اس کے عزیزوں کے ساتھ بھجود
چند سوار بھی اس کی جلو میں ساتھ ساتھ آئیں عال نے حکم کی تعمیل کی اور امیر معاویہؓ

کا خطا زرقا کو دیا زرقا نے کہا اگر میری مرضی پر مجھ کو چھوڑ دیا جائے تو مجھ کو جانا منظور نہیں لیکن حکم ہے تو چلتی ہوں غالب نے ایک اونٹ سواری کے لئے پیش کیا جس کا عمل یعنی چارو سے منڈھا ہوا تھا زرقا بڑی غرت اور احترام سے دربار میں آئی امیر معاویہ نے مزاج پرسی کے بعد کہا: کیوں وہ موقع یاد ہے؟ جب تو سرخ رنگ اونٹ پر چڑھ کر گولہ کو لڑائی پر آمادہ کرتی پھرتی تھی زرقا نے کہا: امیر المومنین! کئی گز سی بات ہوئی یہ زمانہ کا رنگ ہر آج یہ حالت ہر کل خدا جانے کیا ہو گا۔

امیر معاویہ نے کہا اپنا وہ خطبہ بھی یاد ہے زرقا نے کہا نہیں امیر معاویہ نے کہا لیکن مجھ کو یاد ہے اور وہ یہ ہے۔

اس کے بعد مصنف نے پورا خطبہ نقل کیا ہے لیکن ہم نے اس لحاظ سے نقل نہیں کیا کہ افسوس یہ ہے کہ ترجمہ میں زور نہیں فلام رہنا اور پنج بیج میں سے اکثر جملے چوڑ دٹے ہیں کہ ناظرین عربی داں کہتے ہیں اور ترجمہ میں خطبہ کا لطف نہیں قائم رہ سکتا۔

فرید وجدی بک

ہندوستان اور مصر کے مسلمانوں کی حالت اگرچہ اکثر باتوں میں متفقہ جلتی ہے لیکن بعض حالات میں تعجب انگیز اختلاف ہوا ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہندوستان میں اب تک ہر قسم کی علمی، سیاسی، تمدنی، کام جو انجام پائے ہیں وہ قدیم تعلیم یافتہ نرگول کے ہاتھ سے انجام پائے ہیں سرسید نواب محمد علی الملک نواب ہندوستان آزادہ نذیر احمد علی قدیم طریقہ کے تعلیم یافتہ ہیں مختلف اسکولوں میں جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے سب یہ تعلیم یافتہ لوگوں کا زور دست و بازو سے مصطفیٰ کا لہجہ سنا مصر کا علمبردار ہے قاسم بک امین جس نے سب سے پہلے جنس لطیف کی آزادانہ حمایت کی۔

فرید وجدی بک جس نے فلسفہ حال اور اسلام کی تطبیق پر ایک وسیع سیر پرچہ لکھا اور دیاب کے سب جدید تعلیم کے اہیدہ دار ہیں۔

فرید وجدی یک کی تصنیفات کا چونکہ ہم نے بھی اپنی تصنیفات میں جا بجا ذکر کیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کے مختصر حالات ناظرین کے پیشکش کریں۔
فرید وجدی شمسۃ میں بہ تمام اسکندریہ پیدا ہوئے ان کے والد کا نام مصطفیٰ یک وجدی ہے جو نمر سوز کے محلہ میں دکان کے منصب پر متماز تھے۔

فرید وجدی ہر برس کی عمر میں اسکندریہ کے ایک اسکول میں جو مدرسہ اہل افندی کے نام سے مشہور ہے داخل ہوئے نو برس میں اس مدرسہ کو چھوڑ کر انھوں نے حمزہ قطا کے مدرسہ میں نام لکھوایا پھر الباقی فلو کے اسکول میں داخل ہوئے شمسۃ میں جب ان کے والد سوز سے بدل کر قاہرہ میں آگئے تو یہ بھی ان کے ساتھ آئے اور مدرسہ توفیقہ میں داخل ہوئے لیکن ان کے والد نے اس خیال سے کہ یہ جلد تعلیم سے فارغ ہو جائیں خانگی طور پر بھی تعلیم کا انتظام کیا پھر ان کے والد دیپا میں بھیجے گئے یہ بھی والد کے ساتھ چلے آئے یہاں انھوں نے معمولی درسی علوم چھوڑ کر خاص فلسفہ پر توجہ کی اور اسلام و فلسفہ کی مطابقت پر غور کرتے ہوئے چنانچہ شمسۃ میں مذہب اور تمدن کی مطابقت پر ایک کتاب لکھی جس کا نام تطبیق الدیاتہ الاسلامیہ علی التوحید الطبیقہ ہے۔

ان کے والد پھر بدل کر سوز میں آگئے جہاں انھوں نے الجموۃ کے نام سے ایک ماہوار پرچہ نکالا جو ایک مدت تک نکل کر بند ہو گیا اس میں عموماً مذہبی اور فلسفیانہ مضامین ہوتے تھے لیکن چونکہ مصر کی آب و ہوا میں آج کل الٹیکس سرایت کر گئی ہے اس لئے یہ اس دیر میں محدود نہیں رہ سکے اور ایک روزانہ پرچہ دستور کے نام سے نکالا جو نہایت دلیری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔

فرید وجدی نے اس وقت تک جو کتابیں تصنیف کیں حسب ذیل ہیں۔

تطبیق (اد پر گزری) یہ کتاب بھی فرنج زبان میں لکھی تھی۔

لہ یہ حالات پرچہ مجلہ المحدثات المصریہ سے لئے گئے ہیں

الفلسفۃ الحقہ فی بدایع الاکوان

الحدیقۃ الفکیہ فی اثبات التداہل بالبراہین الطبعیۃ

المرقۃ بسلسلۃ

الاسلام فی عصر العلم یہ بھی پانزدہ روزہ پرچہ تھا

صفۃ العرفان فی تفسیر القرآن

سفر الاسلام الی سائر الاقدام

کنز العلوم واللغۃ یہ گویا انسانی گلوپیڈیا ہی چالیس روپیہ قیمت ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ باوجود تعلیم جدید کے عورتوں کی آزادی اور خود مختاری

کے متعلق اس کے خیالات جدید تعلیم کے بالکل مخالف ہیں قائم باب امین کی کتاب بحیرۃ المرأة

کا اس نے جو جواب لکھا وہ درحقیقت لاجواب تھا

یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ بخلاف عام جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے وہ فرائض نہیں

کا نہایت پابند ہے کسی وقت کی نماز میں کبھی تاخیر تک نہیں ہو سکتی شراب کو کبھی اس نے

ہاتھ تک نہیں لگایا۔ کاش ہمارے ملک کے نوجوانوں میں بھی کوئی فرید و جدی ہوتا

فرید و جدی کے کمالات کے اعتراف کے ساتھ ہلکے کسی قدر انہوس کے ساتھ کتنا

پرہیزگار ہے کہ ان کی مذہبی محسوسات سطحی اور سرسری ہیں اس لئے جب وہ حدیث یا قرآن

مجید کے متعلق کچھ لکھتے ہیں ان کی کم مانگی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

ملک الشعر فیضی

تولد ۱۲۹۵ھ وفات ۱۳۵۷ھ

من شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا

کئے جن کو اہل زباں کو بھی چارنا چار ماننا پڑا

مسترد اور فیضی مرزا صاحب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں
 ہیں آں غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت درویدہ ام خلیدہ و در دل نشین
 ملی نقی کرہ ایران کے شاعر نے ایک قصیدہ ۵۰ شعروں کا صفحہ ۵۰
 لکھ کر پہنچا جس کے چندہ شعر یہ ہیں

مرا افکندہ بر نظم امورم پر تو فیضی سی
 ابوالفیض ان گزین اکبر و شیخ کبیر من
 اگر مستم جھیر اندر سخن ادبست خاقانی
 و گزین مستحیر آستان او مجیر من
 کیم با اور سد در شاعری دعویٰ حتمی
 کہ در این خانقاہم من مرید و او پیر من
 افسوس یہ ہے کہ شاعری کی شہرت نے فیضی کے اور تمام کمالات پر پردہ ڈال دیا
 وہ کتاب ہے اور سچ کہتا ہے

امروز نہ شاعر م نہ حکیم دانندہ حادث و قدیم
 لیکن شاعری کی شہرت عام اور تصنیفات کی گم شدگی نے اس و عوسے کو
 بے دلیل کر دیا، فیضی کے مذہبی اور علمی خیالات کا برائے نام کچھ پتا چلتا ہے تو ان اہمات
 سے جو بدایونی نے نہایت بیدردی سے اس پر لگائے ہیں تاہم ایک نکتہ داں کو اس
 غلط اور جھوٹی تصویر میں اہلیت کے خط و خال نظر آتے ہیں لیکن ابھی ان مجتہدوں کے چھپرے
 کا موقع نہیں ابھی اس کے سرسری حالات زندگی سننے چاہیے۔

فیضی عربی اہل سب، سادات یمن میں رہتے تھے شیخ موسیٰ جو فیضی کے اویز و یار
 پشت ہوں ہیں وطن سے ترک تعلق کر کے سیاحت کو اٹھے اور پھرتے پھرتے سندھ کے علاقہ
 میں آئے۔ یہاں ایک قصبہ ہے یہاں قیام کیا اور شادی کر لی دسویں مہدی ہجری میں شیخ
 خضر فیضی کی دادا دھن چھوڑ کر ناگور میں آئے یہاں ایک عربی خاندان میں شادی کی
 جس سے شیخ مبارک پیدا ہوئے فیضی اسی نخل کمال کا نونال تھا شیخ مبارک بڑے

یابہ کا شخص تھا علوم ظاہری و باطنی دونوں میں کمال رکھتا تھا م جلدوں میں تفسیر
کبیر کے انداز پر ایک تفسیر لکھی جس کا نام منع الیعون رکھا نہایت حیرتیں اور قانع تھا
نیز شاہی حکومت میں سلطنت کی طرف سے جاہ و عزت کی ترغیبیں دلائی گئیں لیکن اس
کی چشم استغناء نظر اٹھا کر نہ دیکھا ان کے مفصل حالات ابو الفضل نے آئین اکبری
میں لکھے ہیں وہاں دیکھنا چاہئے

شیخ مبارک ناگور سے گجرات اور گجرات سے اگر دیس آئے جنہا کے کنارے
میر فتح الدین حسینی کے مہابہ میں قیام اختیار کیا اور وہیں ایک معزز خاندان میں
شادی کی خدا نے کثرت سے اولاد دی جن میں سب پہلا فیضی تھا جو ستلہ میں پیدا
ہوا یعنی نے ابتدائی اور انتہائی تعلیم باپ سے حاصل کی۔ شباب کو پہنچا تو اس کا دامن
کمالات کے پھولوں سے بھرا تھا لیکن قسمت نے مدتوں عجیب عجیب مصیبتوں میں مبتلا
رکھا جس کی داستان نہایت لمبی ہے لیکن چونکہ دل چپ بھی ہے اس لئے بالکل قلم انداز
بھی نہیں کر سکتا۔

شیخ مبارک کو وسعت نظر اور مہمہ فن ہونے نے تعلیم اور تقصیب کی بندشوں سے
آزاد کر دیا تھا وہ خود غنی تھا لیکن شعی سنی بسمان کا فریب لگتا تھا اس زمانہ میں
ممدوی فرقہ نہایت مطعون خلافت تھا شیخ کو ان سے ملنے میں بھی دریغ نہ تھا عوام میں
شہرت پھیلی کہ شیخ راضی ہے۔ ممدوی ہے۔ دہری ہے۔ سودا اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں
یعنی ستلہ میں کہ اکبر کی سلطنت کا چودھواں برس تھا شیخ کو نئے عزالت سے کل کر
افادہ عام کی سند پر بیٹھا اکبر اس زمانہ تک تقصیب مولویوں کے قبضہ میں تھا اس کے
بل پر درباریوں کو شیخ کے ستانے کا اور موقع ملا۔ ان میں سے ایک شخص آدمی رت
نہ آئین اکبری میں بھی مذکور ہے لیکن عجیب ہے کہ خدا ابو الفضل نے اکبر نامہ میں فیضی کے اول مرتبہ دربار میں
پہنچے کو بارہویں سال کے واقعات میں بیان کیا ہے۔

نے وقت اپنا کانپنا فیضی کے پاس آپا کہ امراء دولت سب کے سب آپ کی مخالفت پر
مکرب نہ ہیں نصرت یہ سب کہ آپ شیخ کو لیکر نہیں گل جائے جب یہ فتنہ دور ہو جائے تو
پھر فقیر سب فیضی گھرایا ہوا باپ کے پاس آیا شیخ مبارک نے بڑے استقلال سچو آپ
دیا کہ میں نے جسے میں جتا ہوں اسے ہونا ہے ہو گا لیکن فیضی اس قدر عواہر باختہ تھا کہ تلوار نکال کر
کہا آپ کو اختیار ہے چلے یا نہ چلے میں اپنے آپ کو ہلاک کے ڈالتا ہوں میں ملت
و نوازی کا تا تا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا باپ کو محبت نے مجبور کیا ابو الفضل کو سوتے
سے جگایا تینوں باب بیٹے مگر سے گل کھڑے ہوئے لیکن کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جاتے ہیں
چلتے چلتے فیضی کو ایک تشنا کا خیال آیا اس کے گھر پہنچے وہ ان لوگوں کو دیکھ کر سخت گھرایا
سکان کے اندر گئے تو نوشتہ کدو تھا وہاں سے بھی چل کھڑے ہوئے ابو الفضل نے واپس
چلے کی رائے دی لیکن فیضی نہ مانا اور ایک شخص کا نام لیا کہ اس کے ہاں ضرور امن بیگنا
عرض اس کے گھر پہنچے اس نے غایت گرم جوشی کا اظہار کیا دو دوں تک یہاں ٹہرے اور
خاندانوں نے اکبر کو برہم کر کے فرمان شاہی صادر کیا ایک شیخ مبارک کا سارا خاندان دربار
شاہی میں حاضر کیا جائے۔ شاہی چوہدر شیخ مبارک کے گھر پہنچے اور چاروں طرف پرے
بیٹھ گئے۔ ابو الخیر فیضی کا چھوٹا بھائی گھر میں تھا اس کو پھر گڑ بادشاہ کے سامنے لے گئے
شیخ کے دشمنوں کو اکبر کے بھرکانے کا موقع ملا کہ شیخ کے دل میں چور نہوتا تو رد پوش کیوں
ہو جاتا اکبر کو مخالفوں کی سختی اور جوش اتمام دیکھ کر رحم آیا درباریوں سے کہا ایک غیب
گوشہ نشین کی جان کا دشمن بنا کیا ضرور ہے۔ شیخ اکثر سیر کو گل جاتا ہے اس وقت بھی
چلا گیا ہو گا اس بیچارے لڑکے (ابو الخیر) کو کیوں پکڑ لائے ہو۔ عرض ابو الخیر چھوڑ دیا
گیا اور پہرا بھی اٹھ گیا

دشمنوں نے اب بادشاہ کی زبان سے جھوٹی خبریں مشہور کرنی شروع کیں کہ شیخ

سلا اکبر نامہ میں اس واقعہ کی تاریخ ۲۰ رجب الاول ۹۷۱ھ بیان کی گئی ہے۔

مبارک اور فیضی مقربان بارگاہ ہیں چند روز کے بعد صاحب خانہ نے بے اعتنائی شروع کی شیخ کو کھٹکا ہوا کہ خود صاحب خانہ کہیں نہ پکڑو ادسے۔ رات کے وقت بے سرو سامانی کے ساتھ وہاں سے نکلے اتفاق سے ایک شاگرد راہ میں مل گیا اس نے لیجا کر جہاں لکھا لیکن اس کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا بالآخر یہ رائے پھیری کہ اس شہر سے کھجی ناچا، فیضی جیسے بدل کر کھلا اور ایک ایسر کے پاس جس سے قدیم ملاقات تھی گیا اس نے سیرابی کو فخر سمجھا کچھ ترک جو ان ساتھ کر دے کہ شیخ کو ساتھ لائیں ادھی بجے فیضی نے جا کر باپ بھائی کو یہ مژدہ سنایا سب نے جیسے یہ لے اور غیر معروف راستوں سے ایسر کے پاس پہنچے دس دن تک یہاں اطمینان سے گذری لیکن دشمنوں نے ایسر کو دربار میں پکڑ لیا اور مجبوراً یہاں سے بھی کھنسا پڑا چلتے چلتے ایک باغ نظر آیا پھیر گئے کہ ذرا آرام لے پس مستحق سے چونکہ جاسوسوں کا ایک گروہ جو شیخ کی تلاش میں ہر طرف پھرتا تھا باغ کے پاس اتر ہوا تھا یہاں سے بھی گھر آکر نکلے راستہ میں ایک باغبان نے پہچانا اور دل ہی کر کے اپنے گھر لو گیا باغبان کا آقا باہر سے آیا تو اس نے شیخ سے شکایت کی کہ میرے ہونے آپ نے کیوں اس قدر تکلیف اٹھائی چونکہ شیخ کی قیادہ سے بے اطمینانی ظاہر ہوتی تھی اس نے چور گھر میں لے جا کر رکھا کہ اب اطمینان سے رہے مہینہ سے کچھ اوپر یہاں قیام رہا۔

چونکہ اکبر اس زمانہ میں فتح پور میں رہتا تھا فیضی اگرہ سے فوجور گیا کہ ان مصیبتوں سے بچنے کی کوئی تدبیر نکالے لیکن قسمت کی گردش یہاں بھی ساتھ تھی فیضی نے جب اپنی مظلومی کی داستان سنائی تو درباریوں میں ایک نیک دل ایسر کو اس قدر جوش آیا کہ اسی وقت اٹھا اور دربار میں جا کر بغیر اس کے کہ شاہی آداب بحال لائے گستاخانہ لہجہ میں کہا کہ اس ظلم کی کچھ انتہا بھی ہے اکبر نے کہا خیر ہے!! ایسر نے کیفیت واقعہ بیان کی اکبر نے کہا نکو خبر بھی ہے تمام علمائے فتوے تیار کئے ہیں اور مجھ کو

جس نے نہیں دیتے کہ جاس سے ہر شیخ مبارک کا خاندان ڈھونڈ کر پیدا کیا جائے اور اس کو سزا دی جائے مجھ کو شیخ کا قیام گاہ معلوم ہے دیہ کہہ کر اکر نے خاص چور محل کا پتہ دیا جاس شیخ کا قیام تھا، لیکن دانستہ نہ آتا ہوں کل کوئی جا کر شیخ کو دربار میں لائے اور علماء جمع کئے جائیں۔

یعنی یہ واقعہ سن کر سخت گھبرایا راتوں رات گرتا پڑتا باپ کے پاس آیا اسی وقت سب نے بھیس بدلے اور گھر سے نکلے جس ہیبت اور پریشانی میں گھر سے نکلے ہیں اس کی تصویر ابوالفضل نے ان لفظوں میں کھینچی ہے۔

نورستان آفتاب و تاریک آئے بد گوہر وجوم سالک شہر و منہ گامہ پڑ و ہند گان
باغ حرام و یاد و ناپدید، و پار انداز ناپافت مسلم چو میں را چہ پد کہ قدرے ازاں حال
گذارد۔

غرض ایک ویرانہ میں جا کر نہادلی چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ اپنی ذات سر
مہربان ہے اس لئے یہ رائے پھیری کہ پائے تخت میں چل کر بادشاہ تک رسائی کے
سامان پیدا کئے جائیں ایک ایسے پورانی ملاقات تھی اس کے پاس گئے اس نے
کہا کہ پہلے آتے تو معاملہ آسان تھا اب حضور کے دل میں بھی رنج ایسا ہے یہاں نہا
کسی طرح مناسب نہیں یہ کہہ کر گاڑی سلگوائی اور ایک گانوں میں مجھ کو ادا ہاں بھینچ کر
معلوم ہوا کہ گاؤں کا رہیٹ اس خاندان کا قدیمی دشمن ہے غرض یہاں سے بھی نکلے اور
ایک اور گانوں میں پہنچے۔ یہاں بھی ایک مفسد کا سامنا ہوا اب پھر پھر اگر اگر وہ میں
آئے اور ایک دوست کے گھر ٹھہرے دو مہینہ تک یہاں قیام رہا صاحب خانہ نیکدل
اور نیک نیت تھا اور چند لوگ بھی شیخ کے طرفدار پیدا ہو گئے دربار شاہی میں تقریب
ہوئی شہرہ میں اکبر نے بڑے احترام سے بلایا۔

(باقی دارد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الشہرہ شذرات

لوگوں کو خیال تھا کہ قوم کو اب ندوہ کی دستدان سے وچسپی نہیں رہی، لیکن اُس شاہی فیاضی کا جو ندوہ کو حاصل ہوئی قوم نے جس گرجوشی اور خوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ندوہ کی ایک تھوڑی کامیابی بھی دفعۃً قوم کی قوم میں حرکت پیدا کر سکتی ہے۔

شاہجہا پور، امرتسر، غازی پور، لدھیانہ، لاہور، آگرہ، کے مسلمانوں نے اپنے اپنے شہروں میں جلسے منعقد کر کے ندوہ کی تائید میں نعتیں پڑھیں۔ اس شاہی عطیہ کے متعلق اپنی خوشی کا اظہار کیا اور جناب عصمت مآب بیگم صاحبہ بھاوپور کی خدمت میں شکریہ کے تار بھیجے، ندوۃ العلماء ان تمام مسلمانوں کا ممنون ہی جنہوں نے اس نیک کام میں شرکت کی اور اُسکے ساتھ خلوص کا اظہار کیا۔

جناب نواب صدر الدین خاں بہادر رئیس بڑودہ، جن کی اسلامی ہمدردی اسلامی جمیت سے قوم اچھی طرح واقف ہو، ماہ گزشتہ میں قومی درسگاہوں کا معائنہ کر رہے تھے، اسی تقریب سے وہ آٹھویں صفر ۱۳۲۶ھ کو لکھنؤ آئے، اور دسویں صفر کی صبح کو

ہمایوں نامہ

گلبدن بیگم

ایک طرف تو ہمارے مولوی، مسلمانوں کے کاغذ بنانے میں مصروف ہیں اور اس کام میں وہ کوشش کرتے ہیں جو صحابہ کا فزوں کے مسلمان بنانے میں کرتے تھے، دوسری طرف یورپ کی علمی فیاضیوں کا بادل عالم پر آب حیات برسا رہا ہے۔ دنیا کی تمام قوموں کے مردہ علوم، فنون، تاریخ اور یادگاریں زمین کے طبقے اُٹ اُٹ کر نکلے جا رہے ہیں اور دنیا کی نمائش گاہ ان گم شدہ جواہرات سے اس طرح سجادی گئی ہے کہ گویا پھلدارانہ اُسی سرو سامان سے دوبارہ سامنے آگیا ہے۔

ان علمی کوششوں میں نہ صرف مردوں کا گروہ مصروف ہے بلکہ طبقہ انات بھی جو ہمارے ملک میں صرف ایوان عیش کی سجانے کی تصویریں ہیں، اُسی ہمت، جوش اور استقلال سے مشغول ہے جو ازل سے آج تک مردوں کا خاصہ سمجھا جاتا تھا۔

دہت ہوں جب میں علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھا، ایک صاحب پرنسپل نے مجھ سے کہا کہ گلبدن بیگم کا ہمایوں نامہ کہاں ملے گا؟ لندن سے ایک خاتون نے اسکا پتہ پوچھا ہے۔ مجھ کو اپنی تاریخ دانی پر ناز تھا، میرے غور توڑنے کی لیے یہ کچھ کم بات نہ تھی کہ میں ہمایوں نامہ کلپٹر سرے سے گلبدن بیگم کو نہیں جانتا تھا، مینے ہندوستان کے مشہور کتب خانوں کو خطوط لکھے کہیں سے جواب نہ آیا، لیکن اب یہی نایاب چیز، عام ہو کر بازاروں میں آگئی۔ گلبدن بیگم بابر کی بیٹی، ہمایوں کی بہن، اور شہنشاہ اکبر کی پھوپھی تھی، اسنے بابر اور ہمایوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی اور ہمایوں نامہ نام رکھا۔

ہمایوں نامہ چونکہ ایک خاتون کی تصنیف تھی، یورپ کی خوش بختی سے اس کتاب کی اشاعت کے لیے ایک خاتون ہی کو انتخاب کیا، یعنی لیدی اینٹ ایس جو کہ اس کتاب کے ہم سچائے کا خیال ہوا، لیڈی مونسون نے اس کتاب کی تلاش میں بے انتہا جان فشانی کی، اس سلسلہ میں یہ بات بیان کرنے کے قابل ہو کہ لکھنؤ صاحبہ نے شوق جنسوں اور دو تصنیفات پر بھی نظر ڈالی، اور یہ کہ وہ ناز امید ہو کر کہیں اس پر یہ جب انکو مولوی محمد حسین صاحب آزاد کی دوبارہ انگریزی میں گلابدن کے نام سے طبع ہونے پر دوبارہ تازہ ہو گئیں، انھوں نے سچی میں اپنے ایک دوست کو لکھا کہ مولوی صاحب مونسون سے مل کر ہمایوں نامہ کا پتہ لگائیں، لیکن مولوی صاحب آزاد سے ملکر ان کو معلوم ہوا کہ آزاد نے جو کچھ لکھا تھا وہ خود لیدی صاحبہ کی خوش بختی سے لکھی اس آرزو سے مانو تھا جو لیدی صاحبہ اس سے پہلے ایک انگریزی پرچہ میں گلابدن کے متعلق لکھی تھیں، مصرعہ آں کس کہ گفت قصہ ہام زما شنید، فاعہ بود ایاد اولی الا بصار، بہر حال لیدی صاحبہ کی تحقیقات کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ انھوں نے اس نایاب کتاب کے متعدد نسخے ہم سچائے اور نہ صرف کتاب کو چھاپا بلکہ حب ذیل باتیں اضافہ کیں،

۱۔ گلابدن بگم کی غایت مفصل سوانح عمری لکھی۔

۲۔ کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا

۳۔ ترکی الفاظ نہایت کثرت سے تھے انکی تحقیق کی اور ان کو حل کیا؛

۴۔ کتاب میں سیکڑوں شاہی خاندان کی بیگمات کے نام آگئے تھے ان سب کے حال کیے

۵۔ جس قدر نام کتاب میں آئے ہیں ان کی مفصل فہرست شامل کی کہ جس شخص کے متعلق

کچھ دیکھنا چاہیں فوراً اسکا پتہ لگ جائے۔

یہ کتاب مشفقہ میں چھپکر بہ مقام لندن شائع ہوئی اور نو (لعم) قیمت پر سب سے میں تھیکر کی دکان سے مل سکتی ہے

انشاپزاری

اب ہم اصل کتاب پر مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالتے ہیں۔
 سب سے پہلے ہلو اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ کلہدن بیگم کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب
 تیموری سلطنت کی بنیاد قائم ہو رہی تھی۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کی تہذیب
 تمدن کی یہ حالت تھی کہ جنگلات پہی تصنیفیں کرتی تھیں جو کج مردوں سے بن نہیں آسکتیں
 فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عہدہ سے علاء موند، ترک جہانگیر، اور
 رفعت عالمگیر ہیں۔ اور اس میں یہ شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے
 اس قابل ہیں کہ ہزاروں تھوری اور وفایع نعمت خاں اپنی شاکر کر دی جائیں لیکن انصاف
 یہ ہے کہ ہمایوں نے زمانہ کچھ ایسے بھی آنے لگا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے سادہ اور
 بے تکلف الفاظ و زمرہ عام بول چال اور ادب کے ہر فن کی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے۔
 چند نمونے درج کیے ہیں۔

بارہنے ایک چھوٹے بچے کو ایک اشرفی بھیجی تھی کہ سوراخ کر کے لٹکے گلے میں پہنا
 دینا، لیکن پہلے اس کی آنکھیں بند کر دینا کہ دیکھنے نہ پائے، بچے نے گودیکھا نہیں، لیکن اشرفی
 کو ہات سے ٹٹوتی ہے اور خوش ہو ہو کر اٹھلتا ہے، ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اشرفی کو ٹٹتی
 میں دباے ہوئے ہے کہ کوئی چھین نہ لے، اس واقعہ کو یوں ادا کیا ہے۔

عک بود کہ اشرفی را سوراخ کردہ و شمش را بستہ در گردنش انداختہ، درونِ جَم
 از سببِ بچہ دے کہ اشرفی سوراخ کردہ در گردنش انداختہ، از گرائی، طفرہ
 بے طاقتی و اضطراب و خوش حالی میسر کرد، وہ دودست ہشتی را گرفتہ طغیبا
 میگرد کہ کسے اشرفی مرا نگیرد،

ایک اور موقع

حضرت بادشاہ فرمودند کہ آگہ جاغم (بیگم کا خطاب ہے) اگر حکم شود در عرض آب
 بایند، آگہ جاغم گفتند بسیار خوب، خود آمدہ بر سر زینہ نشستند و مردم داخل بنکبدگی
 پائی ہیں

شراس زوہ (زور سے) آب آمد، جو انہاں را طر فہ اضطر ابے دست داد، حضرت بادشاہ
نے نہ ارد، (کچھ مضائقہ نہیں)۔

حمیدہ بانو بیگم (اکبر شاہ کی ماں) سے جب ہمایوں نے شادی کرنی چاہی تو وہ
راضی نہیں ہوتی تھی، ابک امینہ سے زیادہ جھگڑا رہا، بالآخر ٹہری شکوں سے راضی ہوئی، اس
وقت کو یوں ادا کیا ہو۔

عاشکہ تاجپہن روز از جہت حمیدہ بانو بیگم سبالغہ و مناقشہ بود، بیگم راضی نشد، آخر
حضرت، اللہ آم (دولدار بیگم) نصیحت کروند کہ آخر خود بہ کسے خواہی رسید، بہتر از بادشاہ
کہ خواہ بود؟ بیگم گفتند کہ آیت بہ کسے خواہم رسید کہ دست من بگریبان او برسد نہ تاکہ
بہ کسے برسہ کہ دست من میدانم بہ دامن او رسد۔

اس آزادی اور بلند صیگی کو دیکھ، ایک بادشاہ ذوی الاقدار شادی کرنا چاہتا ہی حمیدہ بانو
نہیں مانتی، اور جب شاہ بیگم نے کہا کہ آخر کسی کے پتے تو بند ہے میگی تو کہتی ہو کہ ہاں اُس سے
بند ہوگی جسکے گریبان تک میرا ہات پہنچے، نہ اُس سے کہ میرا ہات اُسکے دامن تک بھی نہ پہنچے
قدیم تصنیفات میں روزمرہ اور محاورے بہت کم ملتے ہیں جس کی وجہ یہ ہو کہ ارباب
قلم نے تصنیفی زبان علیحدہ قرار دے لی تھی، اس میں عام بول چال اور روزمرہ کا لانا
خلاف مانت سمجھتے تھے، یہی وجہ ہو کہ آج سے تین سو برس پہلے کی عام زبان نہیں معلوم
ہو سکتی، جس قدر کتابیں موجود ہیں، سب میں وہی مصنوعی اور ساختہ زبان مستعمل ہی لیکن یہاں
نامہ میں کثرت سے ایسے محاورے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ نمونے درج ہیں

کھڑے کھڑے ملا

استقبال کو لے

محاصرہ ہوا

شوخیوں کرتا تھا۔

ایستادہ دریافتم

پشواز آمدند،

قفل شد

طریقہ میسرد

بیانید تا یکدیگر مراد یابیم	آہٹھے لگیں
ہندال مرزا چہ مقدار شد ہست	ہندال مرزا اب کتنا بڑا ہوا (یعنی کتنا قد ہی)
پاسے میداد	بار جاتا تھا
جاں درازی	طول عرصہ
آب راتنگ نیکرودند	پانی بند نہیں کرتے تھے
خفتن شد	سوئے کا وقت آیا
ناز دیگرے بود	عصر کی نایکا وقت تھا
مراہ شمشیر گرفتند	تلواریں لیکر مجھ پر آپڑے
سرو پا	لباس
سر حضرت شوم	آپ پر قربان ہوں
روستائے گری	گنوار پن
ساعتے معطل کردند	ذرا دیر توقف کیا
سپش اندک بلند رفت	اُسکا گھوڑا ذرا اونچا اُڑا

تاریخی مذاق [ہم کو سب سے پہلے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ شاہی خاندان کی ناز پرورد خانوں
تاریخ نویسی کے فرض اور ذمہ داری سے کس قدر واقف ہے، اس نے یہ کتاب اپنی مرضی سے
نہیں لکھی اور شاید لکھنا پسند بھی نہ کرتی لیکن اکبر اعظم کی ذمائش نالی نہیں جاسکتی تھی اسنے
تفصیل حکم کی، تاہم ذرائع تاریخ نویسی کے لحاظ سے سب سے پہلے یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتی

دشمنیکہ حضرت فردوس مکاری (بابر بادشاہ) از دار الفنا بہ دار البقا خرامیدند

ایں حقیر ہشت سالہ بود، و بیان واقعہ شاید کمتر کہ بہ خاطر ماندہ بود، بنا بر حکم بادشاہی

(اکبر شاہ) انچہ شنیدہ وہ بہ خاطر بود نوشتہ میشود۔

یہ خاص عرب مورخین کا مذاق ہے کہ روایت کا سلسلہ اخیر تک پہنچا دیتے ہیں۔ گلبدن کی عمر بابر کی

وفات کے وقت عرب آٹھ برس کی تھی اسلئے اسے صاف اسکا اظہار کیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بصریح کہہ دیا کہ اس عمر کے واقعات کم یاد رہتے ہیں ساتھ ہی مجبوراً بھی ظاہر کیا کہ بادشاہ کا حکم تھا آگے چل کر ہاتھوں کے واقعات میں بھی جو واقعہ خود اس کی انگلیوں کے سننے نہیں رہا اسلئے اسلئے کہہ دیتی ہے کہ مینے فلاں شخص سے سنا ہے۔

ایشیائی مورخین کی عادت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے صرف جنگ و جدل بغاوت اور خونریزیوں کے واقعات کو لیتے ہیں، اور انکو خوب پھیلاتے ہیں، اسلئے یورپ والے ہماری تاریخوں کو قصائی کی دکان کہتے ہیں، اور واقعی ان تاریخوں سے اس عہد کے تمدن و شائستگی پینٹیکس معاشرت و خانگی زندگی کا پتہ لگانا چاہیں تو بہت کم کامیابی ہوتی ہے، گھبن بگم، یا تو اس نکتہ سے واقف تھی، یا اس لیے کہ عورت تھی اور لڑائی جھڑائی کی باتوں میں اسکو لطف نہ آتا ہوگا، مگر حال وجہ کچھ ہو لیکن کتاب اس مذاق میں لکھی ہے کہ اس عہد کی معاشرت اور زندگی کی تصویر انگلیوں کے سامنے آجاتی ہے کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے تو من و عن تصویر لکھنے لگتی ہے مثلاً میرزا ہندال کی شادی کے ذکر میں لکھتی ہے

مردم دیگر کہ بہت چپ بادشاہ نشستہ بودند بر توشک زر دوزی معصومہ سلطان بیگم و گلرنگ بیگم اور بہت سے بیگمات کے نام گئے ہیں، طرح خانہ طلسم میں تفصیل خانہ لکان مشمن کہ دران جفاطوی رجبہ دادند خانہ خورد دیگر برابر آں ہم مشمن بود تخت مرصع نہاد در ہالا و پایان تخت او شہماے زر دوزی انداختہ شد ہاے مردارید آویختہ بہ معتدار یک نیم گردازی ہر لڑے دو کرہ آئینہ در پان در مشمن خورد چہر کٹ مرصع نہاد ہا پاندا و صراحی و مشربہ و گلاس مرصع دران خانہ نہ سباب سپہ گری بود مثل شمشیر مرصع، توڑ مرصع کر خنجر مرصع، و جہر و کہہ مرصع و کر کش (شادی میں بھی ہتھیار ساتھ ہیں) و خانہ دوم کہ ان را خانہ سعادت می گفتند دران خانہ جائے نماز، و کتاب، و قلمہ انہاے مرصع، و جز انہاے خوش و مر قہماے لطیف مع تصویر ہاے و خطاے خوش نہادہ بودند

++ در لب حوض نالار سے (کمرہ) بود و در نالار دیر یک ہا ابرک گرفتہ بودند کہ جو انان در ان نالار نشستہ و بازی گراں بازی می کردند، بازار زمانہ نیز کردہ بودند اکبر کے مینا بازار کی یہی بنیاد ہے، و کشتی ہا، آئیں بستہ بودند ++ و در کشتی بالا خانہ بودند و پایاں باغے ساختہ بودند از قسم قلعہ و تاج خروس و نازیاں لالہ کاشتہ ہونڈ اس کتاب سے اس زمانہ کی تہذیب و معاشرت کے جو حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض قابل ذکر ہیں۔

۱۔ عورتیں کھنٹے پڑھنے کے علاوہ فنون سپہگیری سے خوب واقف ہوتی تھیں اور سفر اور سیر و شکار میں عموماً گھوڑے پر سوار ہوتی تھیں، یہاں تک کہ بعض عورتیں مردانہ لباس پہنتی تھیں۔ مہر انگیز بیگم کے حال میں لکھا ہے۔

لباس مردانہ می پوشیدند و بہ انواع ہنر ہا آراستہ ہجو ز بکیر تراشی، و چو گاہ بازی و تیر اندازی و اکثر ساز ہا (بابجے) می نواختند۔

ایک موقع پر کہتا ہے۔

ماہ چو چک بیگم نادہستہ اندک بلند رفت۔

ہمایوں جب ایران گیا ہو تو حمیدہ بانو بیگم (اکبر کی ماں) بھی ساتھ تھی اور محافل میں سفر کرتی تھی، لیکن ہمایوں کی بن ہمیشہ گھوڑے پر سوار، بادشاہ کے عقب میں چلتی تھی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں موسیقی میں بھی کمال رکھتی تھیں، اور خاندان کے آدمی جب ایک جگہ ملکر بیٹھتے تھے تو عورتیں خود بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں لیکن یہ اعتیاد رہتی تھی کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہیں ہوتا تھا،

۲۔ عورتوں کا نہایت احترام کیا جاتا تھا، بابر کی بیوی جسکا نام ماہم بیگم تھا جب کابل سے ہندوستان میں آئی ہو تو بابر دو کوس تک پیادہ استقبال کو گیا، اور جب بیگم کی سواری سامنے آئی، اور اسے بابر کو پیادہ دیکھ کر، سواری سے اترنا چاہا تو بابر نے نہ مانا

اور سواری سے ساتھ ساتھ پیدل مکان تک آیا۔ ان کیسب واقعات کو گلبدن بیگم ان الفاظ میں لکھتی ہیں۔

مندر، باغ، دریا، بازار، قیاس، و شند کڑا کول جلای پشوار، استقبال، روزہ،
 سارو، کٹہر، گفت، کافرت، دماہم، بیکم، راور، وکر، ہی، گزشتہ آمدہ ام،
 مذہب، بادشاہ، بابام، بابا، تاسپ، اور، ن، عمل، زکوند، پیادہ، رواں، شدند، و
 پشتر، خانہ، پند، ماہم، در، خور، دند، اکام، د، یعنی، ماہم، بیکم، می، خواستند، کپیادہ، شوند
 باور، تادہ، بابام، ناندند، و، خود، و، جلوی، اکام، تا، خانہ، خود، پیادہ، آدند۔

ملکی معاملات میں عورتوں سے مشورہ اور اسے لیجائی تھی اور ہر قسم کے امور میں
 ان کی شرکت ضروری سمجھتے تھے۔

۳۔ تیج ریت حیرت انگیز معلوم ہوگی کہ اس وقت عورتوں کو اپنی شادی اور نکاح کے
 معاملہ میں پوری آزادی حاصل تھی، بھائیوں نے جب حمیدہ بانو بیگم سے شادی کرنی چاہی
 تو اسے صاف انکار کیا، اور مدت تک اپنے ارادہ اور ضد پر قائم رہی اور جب معرزی بیگم
 نے کہا کہ آخر کسی سے شادی کرنا چاہی، بادشاہ سے کیوں احترازی تو حمیدہ نے کہا کہ
 میں اس سے شادی کروں گی جس سے برابری کا دعویٰ ہو سکے، بادشاہ کا او
 یہ سہرا جوڑا گیا۔

۴۔ لیکن ہمارے زمانہ کے پردہ شکن گردہ کو یہ سنکر مایوسی ہوگی کہ ان سب باتوں کے
 ساتھ عورتیں ناشرم سے پردہ کرتی تھیں اور بغیر نقاب اور برقع کے باہر نہیں نکلتی تھیں
 بھائیوں نے نکاح سے پہلے جب حمیدہ بانو بیگم کو بلایا تو اس نے کہا کہ آداب سلطنت کے
 لحاظ سے ایک دفعہ میں بادشاہ کے سلام کو جائیگی ہوں۔ دوبارہ جانا نامحرم کے سامنے

سلہ آکا، ماں کہتے ہیں میم متکلم کی بڑ یعنی میری ماں، اسی طرح بابا میں متکلم کی میم نکا کر بیام کر دیا ہے،
 یعنی میرے والد،

جاتا ہے، چنانچہ خود حمیدہ بانو کے یہ الفاظ ہیں۔

”یہ دن بادشاہاں ایک مرتبہ جائزہست در مرتبہ دیگر نا محرم ہست“ من نمی آیم
چنانچہ جب تک شادی نہیں ہوئی کبھی ہمایوں کے سامنے نہیں آئی،

۵۔ ایشیائی سلطنتوں میں بادشاہ نہ صرف تخت پر بلکہ خاکی زندگی میں بھی بادشاہ
ہوتا ہے، بادشاہ کا فرد سال پیارا بچہ بھی جب اس کے سامنے جاتا ہے تو پیار سے باپ کی
گوہ میں نہیں بلکہ ایک شاہنشاہ کے دربار میں جاتا ہے۔ یہ بادشاہ پرستی اور شخص پرستی کی
آخر حد ہے اور قومی زندگی کی یہ آخری علامت ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ
حالت ذہنی، باہر اور ہمایوں اسی طرح اپنے عزیز، قریب اور بھائی بہنوں سے ملنے
تھے جس طرح ایک عام آدمی اپنے پیارے عزیزوں سے ملتا ہے۔ گلبدن بیگم اس
قسم کے واقعات کو نہایت دلچسپی سے لکھتی ہے اور ان موقعوں پر اس کے قلم سے محبت
کا آب حیات ٹپکتا ہے۔ ہمایوں جب بیمار ہوا ہے اور اس کی نہیں اسکی عیادت کو آئی ہیں
اس موقع پر لکھتی ہے۔

ایں حقیر ہمراہ ہمیشہ ملازمت آں حضرت فرشتہ خصال رفتہ کردم + ہر گاہ
کہ آں حضرت ہوتس خوش می آمدند از زبان در افتان خویشش پرشش میفرمودند
کنوا ہر اں! خوش آمدید، بیائید تا یکدگر اور یا ہم کہ شمار اور یافتہ ایم۔
ایک اور موقع پر ہمایوں گلبدن بیگم سے کہتا ہے۔

ایں حقیر ایدند و فرمودند کہ اول ترانشہ ختم از برای آنکہ وقتے کہ لشکر ظفر اثر
ہر گور بنگالہ کشیدہ بودم، طاقی پوش بودی، اکمال لچک قصابہ دیدم نہ ختم
گلبدن! من ترا بسیار یاد می کردم و گاہے پشیمان شدہ می گفتم کہ کاش شکے
ہمراہ می آوردم،

سلہ طاقی یعنی ٹوپی، شہزادیاں بچپن میں ٹوپیاں پہنا کرتی تھیں،

بابر اپنے چھوٹے بیٹے ہندال کا حال ایک شخص سے پوچھتا ہے۔

ہندال کہتا ہے: "میرا ہمارا چاہے بڑا انتظار دو، ہندال میرا چاہے مقدار

نہ ہست؟ وہ کہتا ہے: ہست؟

چوں میری بیگ: تیرا پوچھنا ہو، نو کہ اس جامہ شاہزادہ ہست کہ
بہندہ عنایت فرمودہ اند، حضرت بابر، بیشتر طلبیدہ کہ چیم قد و قامت ہندال

بہ مقدار ہست؟

ہندال سے گلبدن کو بھی نہایت محبت تھی، جب ہندال میں مارا گیا تو گلبدن کو
نہایت صدمہ ہوا، اس موقع پر کہتی ہے۔

نی دلم کہ ام کلانی بے رحمی آن جوان کم آزار را بتیغ ظلم بے جاں کردہ،
کاشکے یہ دل دیدہ من یا بسعدت یا پرہیز من، یا بخرخو ابرہان گلبدن کے

شوہر کا نام ہی، آن تیغ بیدریغ می رسید،

کیونکہ تیغ، بیٹے اور شوہر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

اگرچہ ہم نے گلبدن کی کتاب سے وہی حالات انتخاب کیے ہیں، جن سے اس
زمانہ کی معاشرت اور خانگی زندگی کا پتہ لگتا ہے، لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ حکیم علی اور
سیاستی واقعات کو قلم انداز کرتی ہے، اس نے ہمایوں کے ایک ایک واقعہ کو تفصیل سے
لکھا ہے، اور اس میں بھی وہ اور موصوفین سے ممتاز نظر آتی ہے، وہ اس بات سے بخوبی
واقف ہے کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہیے، وہ خوب جانتی ہے
کہ کون سا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے، اور اسے اُس کے اسباب و حل سے کتنا تک بحث
کرنی چاہیے۔

مثلاً ہمایوں نے اپنے بھائی درزا کا مران کی بار بار خونریزی اور بدعہدی سے
تنگ آکر اُسکو اندھا کر دیا تھا، لیکن ہمایوں اس قدر نرم دل اور رحم مجسم تھا کہ یہ حرکت

اس سے بہت بعید معلوم ہوتی ہے۔ بااں ہمہ بدایونی اور فیاضی خاں نے اس وقت کے متعلق صرف اس قدر کہا کہ بجایوں کے حکم سے اُس کی انگلیں اندھی کر دی گئیں۔ لیکن یکم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتی ہے جس سے واقعہ کی سہلیت ذہن نشین ہو جاتی ہے پنا پناچہ اسکے الفاظ یہ ہیں۔

عاقبت الام جمیع خانان و سلاطین و وضع و شریف و صغیر و کبر و سپاہی و رعیت وغیرہ کہ از دست میرزا کامراں را غما داشتند در آن مجلس متفق شدہ بعرض حضرت بادشاہ رسانیدند کہ د. بادشاہی و حکم رسم برادری منظور نمی باشد، اگر خاطر برادری بخواید ترک بادشاہی بکنید و اگر بادشاہی می خواہید ترک برادری بکنید + + + حضرت بادشاہ در جواب فرمودند کہ اگرچہ این سخنان شمایاں خاطر نشان می کنند اما دل من نمی شود، ہمہ فریاد بر آوردند و گفتند کہ انچه بعرض رسانیدہ شدہ است عین مصلحت است۔ آخر الام حضرت فرمودند کہ اگر مصلحت در ضامندی ہمہ شمایاں درین است پس ہمہ شمایاں جمع شوند و محضرے نویسد ہمہ ازین دیار امرا یاں جمع شدہ نوشتہ دادند ہماں مصرع را ع رخنہ گر ملک سرافکندہ بہ،
حضرت بادشاہ ہم ضرور شد.

افسوس اور سخت افسوس یہ کہ کتاب میں سیکڑوں ہزاروں الفاظ ترکی کے ہیں اور زیادہ وہی ہیں جو ساز و سامان اسباب خانہ داری، خروف و طعام، سامان سفر، وضع و لباس وغیرہ کے متعلق ہیں ہم انکو سمجھ نہیں سکتے۔ ورنہ سوشل لائف کی پوری تصویر اس سے تیار ہو سکتی تھی۔ اخیر میں ہم کو دوبارہ اس معزز انگریزی خاتون کی علمی شوق کی داد دینی چاہیے جس نے اس نایاب کتاب کے ہم پہنچانے اور تصحیح و تشریح میں وہ قابلیت اور محنت صرف کی ہے۔ ہاں قوم کے مردوں سے بھی بن نہیں آتی۔

شبل نمائی

عربی اور فارسی شاعری کا موازنہ

(ماخوذ از شعر مجسم)

اوپر کے بیانات سے اس قدر تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ فارسی شاعری عرب کی دست پر
تیار لیکن یہ سوال پیدا ہوگا کہ استاد و شاگرد میں کیا فرق ہو، شاگرد نے استاد پر کیا
انفاذ کیا، اور کن باتوں میں اب بھی وہ استاد کا ہسر نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ فارس کی شاعری اگرچہ بالکل عرب کا سایہ ہی لیکن دونوں ملکوں کی
تمدن معاشرت اور مقامی حالات میں اس قدر اختلاف ہے کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ
بھی، دونوں شاعریوں میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے۔ عرب کا تمدن یہ تھا کہ بڑے
بڑے جیسے، پہاڑوں اور میدانوں میں رہتے تھے۔ کسی بادشاہ یا فرمانروا کے محکوم
نہیں ہوتے، آزادی اور خود سری کے خیالات ساتھ لیکر پیدا ہوتے تھے، اور ساتھ لیکر
جاتے تھے، طبیعت جنگجو اور شوریدہ سر تھی ایسے آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے
اور ذرا اسی بات پر قبیلے کے قبیلے اڑکھنا ہو جاتے تھے، فصاحت و بلاغت کا
لمحہ فطرتی تھا، ایسے جو حالت پیش آتی اور جو خیالات پیدا ہوتے ان کو اسی صہلیت اور
جوش و خروش کے ساتھ ادا کر دیتے تھے۔

زیرِ شاعری | ان باتوں کا اثر یہ تھا کہ ان کے اشعار میں شجاعت، جانبازی، مخاطبہ
نفس، اندامِ ہمنہ و لیری کے جو خیالات پائے جاتے ہیں فارس بلکہ دنیا کی کسی قوم کو

اس عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی شاعری ہی یا زیادہ سے زیادہ ہوامیہ کے عہد تک اس کے
بعد کی شاعری عربی نہیں بلکہ عجمی ہے، صرف زبان کا فرق ہے جس طرح حکومت کبرائے نام عباسیہ کی تھی،
اصلی حکمران فارس اور ترک تھے۔

نصیب نہیں ہو سکتی، اس قسم کے اشعار کو حماسیات کہتے ہیں، ان حماسیات کو پڑھ کر تو یہ عالم نظر آتا ہے کہ جنگل میں شیر گونج رہا ہے فردوسی نے بھی شابنامہ میں بڑے بڑے زور کے معرکے لکھے ہیں، لیکن وہ ادوروں کے افسانے ہیں، فردوسی دہستان گوشتراں کو بیان کرتا ہے لیکن عرب کا شاعر جو کہنا ہے اپنی سرگزشت کہتے اور ایسے اسکا جواثر ہوتا ہے شابنامہ کا نہیں ہو سکتا، عرب میں جو مشہور شاعر گزشتے ہیں، وہی مشہور بہادر اور جنگ آور تھے مثل اودار لقیس، عمرو بن کلثوم، عسکر معدی کرب، ایسے وہ زبان سے رہی۔ کہتے تھے جو بات سے کرتے تھے اس کے مقابلہ میں عجم کے شعرا کی یہ حالت تھی کہ انوری ایک دفعہ ڈاکوؤں میں گھر گیا، ایک حکیم صاحب اور ایک درزی بھی ساتھ تھا سب جان بچا کر بھاگ نکلے، انوری بطور علوم متعارفہ کے کہتا ہے۔

ع حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کند،
آزادانہ خیالات اسباب مذکورہ بالا نے عرب کی شاعری کو آزادانہ خیالات سے بہرہ ور کر دیا تھا، فارسی شاعر ہی ہم کو یہ سکھاتی ہے۔

اگر شہ وزیرا گوید شب ستاین بیاید گفت اینک ماہ و پرویں
بمخلاف اس کے عرب کا شاعر اتفاق سے فحاکت میں پڑ جاتا ہے۔ ایک فرمانروا رئیس جو نسب میں اس سے کم تیرے ہے، اسکو جہنم دیکھ کر چاہتا ہے کہ اس سے قرابت پیدا کرے شاعر کو خبر ہوتی ہے وہ یہ اشعار جواب میں بھیجتا ہے۔

تبعی ابن کونر و السفاهة کا سمھا لیستاد منان شتونالیا
ابن کوز (رئیس کا نام ہے) نے جسکا نام بھی دیسا ہی کینہ ہے جیسا وہ خود کینہ ہے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ہاں قرابت کر کے شریف بنجائے اور یہ اس بنا پر کہ ہم نے چند روز فادے سے گزارے۔

اذا نال على غرض الزمان الذي ترسى
 نحتاج من كره الخنازى الدواهي
 اس زمانے سے ہم کو ستایا تا ہم ہم
 ذلت کے مقابلہ میں مصائب کو برداشت کرتے ہیں
 فلا تطلبنها يا ابن كوز فانه
 عند الناس مذ قام النبي الجوايا
 ابن کوز اس قبائے سے درگزر جب سے رسول اللہ پیدا ہوئے انکیاں ہی انکیاں ہیں
 وہ کہیں شادی کر لو۔

مثنوی کے زمانے میں عرب کی تمام خصوصیات مٹ چکی تھیں تاہم جب
 یحییٰ الدولہ نے مثنوی کی ناز برداریوں میں کمی کی اور شعراء کو اسکا بھر تہہ قرار دیا
 تو اسے ایک قصیدہ لکھ کر دوبار میں پڑھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

وما انتفاع اخي الله نيا بسا خلت
 اذا استوت عند الافواض والظلم
 مثنوی بسا انسان کو روشنی اور تازگی کیساں معلوم ہو تو آنکھ سے کیا نسل، تمام قصیدہ میں اسی
 قسم کے آزاد خیالات ظاہر کیے اور جگہ جگہ دوبار سے چلا آیا۔

مفاخرت | اسی ناپر عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاخرت ہے جس میں شاعر اپنے
 کارناموں کو بڑے جوش و خروش سے فخریہ بیان کرتا ہے اور وہ اسکو زیب دیتا ہے
 عرب کا ایک مشہور بادشاہ عمرو بن ہند گزرا ہے، اسکا عظمت و اقتدار جب زیادہ بڑھا
 تو اسنے ایک دن درباریوں سے کہا کہ کیا اب عرب میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کی
 ماں کو میری ماں کے سامنے گردن جھکانے سے مار ہو، انھوں نے کہا، ہاں عمرو
 بن کلثوم (قبیلہ تغلب کا مشہور شاعر تھا) بادشاہ نے اسکو دعوت دیکر بلایا اور لکھا
 کہ مستورات بھی ساتھ آئیں، عمرو بن کلثوم دربار میں آیا، اور عورتیں شاہی حرم میں
 گئیں، ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں کہ بادشاہ کی والدہ نے عمرو بن کلثوم کی
 ماں سے کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بی ذرا اسکو اٹھا دینا، اُسنے کہا،
 آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا، وہ حنج کر پکاری

والتعلباہ واذلالہ یعنی ”ہاے قلب کی ذلت“ عمرو بن کلثوم نے باہر سے آواہنی اور سمجھا کر ماں کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ ہوا اسی وقت تلوار سے بادشاہ کا سر اٹا دیا اور خود بچکر نکل آیا، پھر دونوں قبیلوں میں بڑے زور کار بن پڑا، اور ہزاروں کٹ گئے، عمرو بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا اور جب عکاظ کا مشہور میلہ قائم ہوا تو مجمع عام میں جوش و خروش کے ساتھ پڑا، ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلہ قلب کا بچہ بچہ اس قصیدہ کو زبانی یاد رکھتا تھا، بالآخر یہ قصیدہ آب زر سے لکھ کر، دیکھ کر یہ آویزاں کیا گیا، اسی بنا پر اسکو معلقہ کہتے ہیں اور آج وہ سب سے معلقہ میں داخل ہے۔ اسی قصیدہ کا ایک ایک شعر جوش، غیرت، حمیت و آزادی، دلیری و فخر کے صاف عکس کی گرج ہے، بادشاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

اباھند فلا تعجل علینا	وانظرنا نخبہ الیقینا
اے ابوہند! جلدی نہ کر	ہم تجھ کو پہچنے واقعات بتاتے ہیں
بانا نور الرايات بیضا	ونصبرھن حمر اقدرونا
ہم مدد کرنگے میں سفید جھنڈے لکھاتے ہیں	لیکن اُن کو سرخ کیے لاتے ہیں
الا لا یجھلن احد علینا	فجھل فوق جھل الجاہلینا
ہاں ہم سے کوئی جاہل نہ کرے	ورنہ ہم جاہلوں سے بڑکر جاہل ہیں
تھمدنا وتوعدنا رويدا	متی کنا لامث مقتویا
تو ہمارے دھمکاتا اور ڈراتا ہے	لیکن ہم کیا، تیرے اس کے غلام ہیں
فان قاتنا یا عمر واعیت	علی الاعداء قبل ان تلینا
اے عمر! تجھ سے پہلے ہی	ہم سے نیزہ کو لوگوں نے چاٹا چاٹا، لیکن تمک نہ رہ گئے
وانا المانعون لما اردنا	وانا النازلون بحیث شینا
ہم جو چاہتے ہیں روک دیتے ہیں	اور خود جہاں چاہیں پڑا ڈالتے ہیں

اذ بلغ الفطام لنا صبی تخالہ الجبابر ساجدینا
ہماری ذمہ کا بھت جب دودھ چھوڑتا ہے تو بڑے بڑے بھارت کے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں
غور کرو، شعراے فارس کے مقابلہ میں کس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، نظامی اور
عرفی سنے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہیں، لیکن فخر کی ساری کائنات ہی کہ ہم اقلیم سخن
کے بادشاہ ہیں، الفاظ اور حروف ہمارے باجگزار ہیں، مضامین ہمارے سامنے
دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پکری ہیں، چنانچہ
عرفی ذمہ لیتے ہیں۔

سر بر زدہ ام بامہ کفان زیکے حبیب معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
می گویم و اندیشہ نذارم ز نظریاں من زہرہ رامشگر و من بد نیزم
[مناظر قدرت] مناظر قدرت مثلاً ہار، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب رواں، ان چیزوں
کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہے، ایران کے شاعر سے نہیں کھینچ سکتی
اول تو اس قسم کی شاعری ایران میں کم ہے اور ہے تو وہ صلیت اور موقع نگاری
نہیں جو عرب کا خاصہ ہے، لہذا باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہیں
اور عرب اس باب میں ایران کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور یہ بھی عرب کی وقعت پسندی
کی دلیل ہے، وہ جو کچھ کہتا ہے وہی کہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہاں
نصیب تھے، یہ ہمارے ہندوستان کا جوہر ہے کہ رنگس، یاسمن، سنبل، بنفشہ،
کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا، لیکن بہار یہ قصائد ایران میں میٹھ کر لکھتے ہیں، یہاں کی
کوئی چہینہ گویا دیکھی ہی نہیں۔

جذبات انسانی | یہ شاعری بھی عرب کے ساتھ مخصوص ہے، جذبات انسانی میں سب سے
بڑا کمرنج و غم کا جذبہ ہے جو مرثیہ کی بنیاد ہے، لیکن ایران کے مرثیے بھی دراصل قصائد
ہیں، فرق یہ ہے کہ قصائد میں زندہ مدوح کی طرح ہوتی ہے اور مرثیوں میں مردہ کے اوصاف

بیان ہوتے ہیں، بخلاف اسکے عرب اپنی اولاد، عزیز، دوست، احباب بلکہ اونٹ اور گھوڑے کا مرثیہ لکھا ہی اور اس جوش و خروش کے ساتھ لکھا ہی کہ دل پانی ہو جائے میں۔

مرثیہ ختم نہیں ایران کے تمام جذبات کا ہی حال ہی، فارسی میں چار شعر ایسے نہیں ملتے جن میں کسی شاعر نے خاص اپنے غیظ و غضب کے جذبہ کا انہار کیا ہو بخلاف اسکے چونکہ عرب کے تمام جذبات نہایت سخت اور مشتعل ہوتے ہیں، اسلئے اسکو غصہ آتا ہی تو مونہ سے شرر جھڑنے لگتے ہیں۔ ایران میں غزل کو بہت ترقی ہوئی جو ایک خاص جذبہ عشق کا اثر ہی لیکن یہاں بھی جسقدر آورد ہی آند نہیں۔

تمدن و معاشرت | عرب کی شاعری اس بات میں بھی ایران سے ممتاز ہی کہ عرب کا شاعر کی خصوصیات | معاشرت اور خانگی زندگی کی خصوصیات اسقدر بیان کرتا ہے کہ اس سے اس زمانہ کی رفتار گفتار، نشست برخاست، وضع قطع، رہنے سہنے کے طریقے، زندگی کی ضرورتیں، سبب خانہ داری، ایک ایک چیز کا حال معلوم ہو سکتا ہے بخلاف اسکے فارسی شاعری میں یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ لوگ زمین پر رہتے تھے یا آسمان پر بسر کرتے تھے۔

معشوق | عرب کا معشوق بھی ایران سے جدا ہی یعنی ایران میں بجاے عورت کے مرد کو معشوق قرار دیتے ہیں، اور اسے ایرانی شاعری پر سخت برا اثر ڈالا ہی تفصیل اس کی آگے آئیگی۔

فارسی شاعری کی مزید خصوصیات

ع - عیبے جملہ گفتنی ہنرشش نیز گو، بے شبہ عرب کی شاعری میں یہی بہت سی باتیں پائی جاتی ہیں جو ایران کو نصیب نہیں لیکن فارسی شاعری کو بھی

بہت سی خصوصیتیں حاصل ہیں جن میں وہ عرب سے علانیہ ممتاز ہے۔
 مشنوی | فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مشنوی ہے جس میں سیکڑوں واقعات
 اور ہزاروں خیالات مسلسل بیان کیے جاسکتے ہیں عربی اس سے محروم ہے۔
 فلسفہ | عربی شاعری میں فلسفہ بہت کم ہے، بخلاف اسکے فارسی میں ناصر خسرو،
 عمر و خیام، سہابی، بخی، مولانا روم، عرفی وغیرہ نے ہر قسم کے فلسفہ کے مسائل
 اور خیالات ادا کر دیے ہیں

اخلاق | اخلاقی شاعری عرب میں تھی لیکن فارسی کی طرح مستقل حیثیت نہیں رکھتی
 تھی، قصائد میں اخلاقی خیالات ادا کر دیتے تھے، بخلاف اسکے فارسی میں سیکڑوں
 مشنویاں اخلاق میں لکھی گئیں جن میں مسائل اخلاق مثلاً عفت، شجاعت،
 ہمت توکل، استغنا کے عنوان قائم کیے گئے اور ہر عنوان کو نہایت تفصیل
 کے ساتھ لکھا۔

تصوف | تصوف میں بھی عربی کم مایہ ہے، دیکر ابن فارض اور محی الدین عربی کا
 دیوان ہے لیکن فارسی نے تصوف کے دریا بہا دیے۔

غزل | غزل کو بھی ایران نے بے انتہا ترقی دی، چنانچہ ان تمام خصوصیتوں کی تفصیل
 الگ الگ مستقل عنوانوں کے ذیل میں آئیگی۔

تنوع خیالات | فارسی شاعری عمر میں عرب کی شاعری سے بہت زیادہ ہے اس کے
 ساتھ اس کی حدود حکومت بہت وسیع ہیں، جس کے مقابلہ میں عرب کی وسعت
 نقطہ سے بھی کم ہے، اس بنا پر گونا گوں اور رنگ برنگ کے خیالات جو فارسی میں پائے
 جاتے ہیں، عرب میں نہیں مل سکتے۔

جدت تشبیہات | ایران آب و ہوا، اور زمین کی شادابی کی وجہ سے بہشت کا
 چمن زار ہے، اس لیے ایرانی شاعری کے یہ تشبیہات کا جو سرمایہ ہات آسکتا تھا،

عرب کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا، مثلاً عرب کا شاعر دہن کی تعریف میں بڑی قوت تخیل صرف کرتا ہی تو انگوٹھی کے حلقے سے تشبیہ دیکر رہ جاتا ہی، لیکن ایران کا خیال بند دُرج گوہر چشمہ نوش، پستہ، غنچہ، وزہ جوہر فردسب کچھ دیکھتا ہی اور پھر اُس کی تشبیہ کا خزانہ خالی نہیں ہوتا۔

امرا نصیب عرب کا سب سے بڑا شاعر معشوق کی انگلی، مسواک اور اسرہ سے تشبیہ دیتا ہی جو جنگل کا ایک کیڑا ہوتا ہی۔ لیکن فارسی کا شاعر اسکو دم قائم سے تشبیہ دیتا،
 آن دلادیزد ارد از زمرے سر انگشت چوں دم قائم
 غرض تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت جو فارس میں پائی جاتی ہی عرب میں امکا پتہ نہیں لگ سکتا، بے شبہ متاخرین عرب کے کلام میں بھی ہر قسم کے لطیف استعارات و تشبیہات پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ شعرا یا تو خود غمی ہیں یا غم میں نشوونما پایا ہی اسلئے ان کی شاعری درحقیقت فارسی شاعری ہے صرف زبان کا فرق ہی۔

شبلی نعمانی

حضرت عائشہؓ

صحابیہ میں حضرت عائشہؓ جس پایہ کی عورت ہیں اس کی نظیر عورتوں میں بہت کم ملے گی۔ ان کے حالات اور اجتہادات میں ایک مستقل تصنیف لکھنے کا ہمنے ارادہ کیا ہے جسکا ابتدائی مکتبہ یہ ہے۔

نام: نسب، خاندان

عائشہ نام، ام عبد اللہ کنیت، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب حضرت عائشہؓ کے والد کا نام عبد اللہ (ابوبکر کنیت، صدیق لقب) اور ماں کا نام ام رومان تھا،

حضرت عائشہ کا باپ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے، عائشہ بنت ابوبکر صدیق ابن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن قیس بن مرثدہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک اور ماں کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے عائشہ بنت ام رومان بنت عامر بن عوف بن عبد شمس بن عناب بن اذینہ بن سبیع بن دہان بن عارث بن نعم بن مالک بن کنانہ اس لحاظ سے حضرت عائشہ باپ کی طرف قریشیہ تیمیم ہیں اور ماں کی طرف کنانیہ ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ کا نسب ساتویں آٹھویں پشت میں مرہ پر جا کر ملتا ہے اور ماں کی جانب سے گیارہویں بارہویں پشت میں کنانہ پر جا کر ملتا ہے۔

حضرت عائشہ کے والد حضرت ابوبکر صدیق نے سترہ سال میں وفات پائی۔ اور حضرت عائشہ کی ماں ام رومان نے مدینہ میں سترہ سال میں وفات پائی، بعض مؤرخین نے ام رومان کا سنہ وفات سترہ اور سترہ ہجری بتایا ہے لیکن صحیح نہیں کیونکہ معتبر حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ ام رومان واقعہ افک تک زندہ تھیں اور افک سترہ ہجری کا واقعہ ہے، رسول اللہ نے ام رومان کو خود قبر میں اتارا اور انکے لیے دعا مغفرت کی اور انکے جنتی ہونے کی بشارت دی۔

تیاخج ولادت اور طفولیت

ام رومان کا پہلا نکاح عبداللہ بن ازوی سے ہوا تھا، عبداللہ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر نے اُسے نکاح کیا، ام رومان سے حضرت ابوبکر کی دو اولاد ہوئی عبد الرحمن اور عائشہ، حضرت عائشہ کی تیاخج ولادت سے تیاخج و سیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں

پیدا ہوئیں اور نبوت کے دسویں سال و برس کے سن میں جا ہی گئیں۔ لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں
 کیونکہ اگر نبوت کے چوتھے سال کی ابتدا میں حضرت عائشہ کی ولادت مان لیجائے
 تو نبوت کے دسویں سال حضرت عائشہ کی چھ سال کی عمر نہیں بلکہ سات سال کی
 ہوگی، اور رسول اللہ کے انتقال کے وقت بیس برس کا سن ہوگا، حالانکہ تمام مومنین
 کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ کے انتقال کے وقت حضرت عائشہ صرف اٹھارہ سال
 کی تھیں، نیز اس پر بھی تمام مورخین متفق اللفظ ہیں کہ حضرت عائشہ نے سترہ میں
 ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی، اس لحاظ سے حضرت عائشہ کی ولادت کی صحیح
 تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ ہوگا۔

آئندہ کے تاریخی واقعات جاننے کے لیے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نبوت کے قریباً
 کل ۲۴ سال ہیں، تیرہ سال مکہ معظمہ میں گزرے اور دس سال مدینہ منورہ میں، حضرت
 عائشہ جب پیدا ہوئی تھیں تو نبوت کے چار سال گزر چکے تھے اور پانچواں سال گزر رہا
 تھا، اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت ابوبکر اور ام رومان مسلمان ہو چکی تھیں، اس لیے
 حضرت عائشہ جب پیدا ہوئیں، تو اُن کے گھر سے کفر کی ظلمت مٹ چکی تھی، خود حضرت
 عائشہ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔

حضرت عائشہ کو دائل کی بیوی نے دودھ پلایا تھا، دائل کی کنیت ابو القیس تھی
 دائل کے بھائی افح، حضرت عائشہ کے رضاعی چچا حضرت عائشہ سے ملنے آتے تھے
 اور رسول اللہ کی اجازت سے حضرت عائشہ اُن کے سامنے ہوتی تھیں۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں برگزیدہ اور عالی مرتبہ پیدا ہوتے ہیں وہ
 ابتدا ہی سے تمام حرکات و سکنات نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں اور جس طرح اُن کے

۱۔ طبقات النصار ابن سعد ص ۵۴ ۵۵ بخاری شریف ج ۱ ص ۵۵۲۔

۲۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۲۶۰

دماغی اور ذہنی قومی میں رقی کے لیے غیر معمولی استعداد ہوتی ہے اسی طرح قد و قفا میں بھی بالیدگی کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے ایسے ہی لوگوں کو انگریزی میں پری کوشش سکتے ہیں اور ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ اس قسم کے ممتاز اور غیر معمولی شخص میں ایک خاص کشش ہوتی ہے جو انکو دوسروں کی نگاہ میں ہر عزیز اور موقر بنا دیتی ہے، حضرت عائشہ بھی اسی قسم کے لوگوں میں سے تھیں، بچپن ہی میں انکے ہر انداز سے سعادت اور بلند رنگی کے آثار نمایاں تھے، اور جس طرح اپنی مہمن لڑکوں سے ذہانت سعادت صورت سیرت میں ممتاز تھیں، اسی طرح نشو و نما اور قد و قامت میں بھی بڑھ کر تھیں۔ فیاض ازل نے چونکہ انھیں ام المومنین کا شرف حاصل کیے لیے پیدا کیا تھا ایسے یہ ابتدا ہی سے اپنی بچولیوں میں سربر آوردہ تھیں، لڑکیاں اکثر انکے پاس جمع رہتیں اور چونکہ انکا کلچر بچپن ہی میں ہو گیا تھا ایسے کچھ تو ناقضے سن اور کچھ سہیلیوں کی خاطر داری کے لیے انکے ساتھ اکثر کھیلا کرتی تھیں، لیکن اس لڑکپن اور کھیل میں بھی رسول اللہ کا بہت لحاظ رکھتی تھیں۔

اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ حضرت عائشہ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی ہوتی کہ رسول اللہ پہنچ جاتے تھے تو حضرت عائشہ جلدی سے کھلونے چھپا لیتی تھیں، اور سہیلیاں بھی رسول اللہ کو دیکھ کر ادھر ادھر ٹل جاتی تھیں، لیکن آنحضرت کو چونکہ خدا نے روف رحیم اور مصلح الامم پیدا کیا تھا آپ بچوں سے خاص محبت رکھتے اور بچوں کے کھیل کو بڑا نہیں سمجھتے تھے ایسے لڑکیوں کو پھر بلا بلا کر حضرت عائشہ کے ساتھ کھیلنے کو کہتے تھے یہ بہ نسبت اور کھیلوں کے حضرت عائشہ کو دو کھیلوں کا زیادہ شوق تھا ایک گڑیاں کھیلنے کا اور دوسرا بندوے جھولنے کا،

ایک مرتبہ حضرت عائشہ گڑیاں کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ پہنچ گئے گڑیوں میں

ایک گھوڑا بھی تھا جسکے دائیں بائیں دو پرگے ہوئے تھے، رسول اللہ نے پوچھا کہ عشاء یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے، آپ نے فرمایا کہ گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے حضرت عائشہ نے فوراً کہا کہ کیوں؟ حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طفلانہ خیال اور اس بیباختہ پن کے جواب پر مسکرا دیا۔ اس پر حضرت عائشہ نے صرف حضرت عائشہ کا ایک واقعہ ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس سے اُن کی حاضر جوابی، نزہت، تجل، ذکاوت و ذہن، سرعت فہم کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

عموماً ہر زمانہ کے بچوں کا وہی حال رہتا ہے جو آجکل کے بچوں کا حال ہے کہ سات آٹھ برس تک تو انھیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی عمیق خیال کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں، حضرت عائشہ ایک مافوق الفطرت انسان تھیں لڑکیوں کی ذرا ذرا باتیں وہ یاد رکھتی تھیں، اُن کی روایت کرتی تھیں، انہی احکام پیدا کرتی تھیں لڑکیوں کے جزی جزی واقعات کے مصباح کو بتاتی تھیں، لڑکیوں کے کھیل کود میں اگر کوئی آیت اُنکے کان میں پڑ جاتی ہے تو اُس کو یاد رکھتی ہیں، حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ مکہ میں جب یہ آیت بل الساعة موعدهم والساعة ادھی داصر نازل ہوئی تو میں کھیل رہی تھی، ۱۰

ازدواج

رسول اللہ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلدہ ہیں، جب رسول اللہ کا ان سے بیاہ ہوا تھا تو اس وقت رسول اللہ کا سن پچیس برس کا تھا اور حضرت خدیجہ پالیس برس کی تھیں، پچیس برس رسول اللہ کے پاس رہیں، رمضان سنہ نبوت میں سنہ ہجرت کے تین برس پیشتر وفات پائی، اس وقت رسول اللہ کی عمر پچاس برس

کی تھی اور حضرت خدیجہ ۶۵ برس کی تھیں،
 چونکہ حضرت خدیجہ کی ذات سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل تھی، ایسے سوال
 کو اُن نے مرنے کا نہایت غم ہوا۔ انتہائے غم یہ ہر کہ خود رسول اللہ کا جینا دشوار معلوم ہوتا
 تھا۔ سچا بہ کو اس کی نہایت فکر ہوئی۔ حضرت عثمان بن مظعون المثنوی سلمہ
 ایک مشہور صحابی ہیں، اُن کی بیوی خولہ بنت حکیم رسول اللہ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ
 اے رسول اللہ آپ کوئی دوسرا بیاہ کیوں نہیں کہتے؟ رسول اللہ نے پوچھا کس سے جو کہنے
 کہا بیوہ اور کنواری دونوں قسم کی عورتیں موجود ہیں جنکو آپ پسند کریں رسول اللہ
 فرمایا وہ کون ہیں؟ خولہ نے کہا بیوہ تو سودہ بنت زمعہ ہیں، اور کنواری ابو بکر کی لڑکی
 عائشہ، رسول اللہ نے کہا بہتر ہے، خولہ رسول اللہ کے پاس سے اٹھ کر حضرت ابو بکر کے
 گھر آئیں اور حضرت عائشہ کی ماں ام رومان اور حضرت ابو بکر سے اسکا تذکرہ کیا، عرب کا
 چونکہ دستور تھا کہ جس طرح سگے بھائیوں کی اولاد سے بیاہ نہیں ہوتا وہ اپنے منہ بولے
 بھائیوں کی اولاد سے بھی بیاہ نہیں کرتے تھے، ایسے حضرت ابو بکر نے کہا کہ خولہ! عائشہ
 تو رسول اللہ کی بیٹھی ہے رسول اللہ سے اسکا نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ خولہ نے یہ رسول اللہ
 سے آکر کہا، رسول اللہ نے فرمایا کہ ابو بکر میرے اسلامی بھائی ہیں، اور اس قسم کے
 بھائیوں کی اولاد سے نکاح درست ہے، حضرت ابو بکر کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے
 قبول کر لیا لیکن اس سے پہلے حضرت عائشہ، جیبر بن مطعم سے منسوب ہو چکی تھیں
 ایسے پہلی نسبت قطع کر نی پڑی تھی۔

حضرت عائشہ کا جب نکاح ہوا تھا تو اس وقت حضرت عائشہ چھ برس کی تھیں
 بعضوں نے لکھا ہے کہ سات برس کی تھیں، لیکن یہ غلط ہے، حضرت عائشہ بیان کرتی
 ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تھا تو میں چھ برس کی تھی، عطیہ حضرت عائشہ کے نکاح کا واقعہ

اس شادی سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ، لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، اگر انکی
انانی اور ان کو لگی، حضرت ابو بکرؓ نے اگر نکاح پڑھوایا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جبے
نکاح ہوا تو مجھ کو خبر بھی نہوئی کہ میرا نکاح ہو گیا، جب میری والدہ نے مجھ کو باہر نکلنے سے کہو یا
تب میں بھی کہ میرا یہ ہو گیا، پھر میری والدہ نے مجھ کو بتا دیا۔

ابن سعد کی دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے مہر میں حضرت عائشہؓ
کو ایک مکان دیا تھا جس کی قیمت پچاس درہم تھی، یعنی دس روپے تھے لیکن درایتاً
صحیح نہیں ہے دس روپے تو چھوٹے سے چھوٹے اور ٹوٹے سے ٹوٹے مکان کی بھی
قیمت نہیں ہو سکتی، صحیح ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے جو خود حضرت عائشہؓ
مروئی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا مہر بارہ روپیہ اور ایک نش تھا یعنی پانچ سو درہم جس کے قریباً
سور روپیے ہوئے، ابن سعد نے باب محو النساء النبیؐ میں اسی قسم کی روایتیں
درج کی ہیں جسے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی تاریخ ازدواج میں سخت اختلاف ہے اور کل اختلافات کا مبنی یہ ہے
کہ یہ واقعات سنہ ہجرت سے پہلے کے ہیں اور اس وقت تک سینن تاریخ کی تدوین نہیں
ہوئی تھی، علامہ بدر الدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح
سنہ ہجرت سے دو برس پہلے ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ تین برس پہلے ہوا تھا اور یہ بھی
کہا گیا ہے کہ ڈیڑھ برس پہلے ہوا تھا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ
کی وفات کے تین برس بعد رسول اللہؐ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا، اور بعض اہل
کتاب کہتے ہیں کہ جس سال حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا اسی سال حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا،
اس بنا پر ممکن تھا کہ حضرت خدیجہ کی تاریخ انتقال سے حضرت عائشہؓ کی تاریخ نکاح کی
جستجو کی جاتی لیکن خود حضرت خدیجہ کی تاریخ انتقال میں سخت اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے

۱۰ طبعات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰ طبعات ابن سعد ج ۸ ص ۲۲ عمدة القاری ج ۱ ص ۲۵

کہ سنہ ہجرت سے پانچ برس پہلے انتقال ہوا تھا، کوئی کتاب چار برس پہلے ہوا تھا، کسی نے لکھا ہے کہ تین برس پہلے ہوا تھا، لیکن صحیح یہ ہے جیسا کہ معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ فوت کے دسویں سال سنہ ہجرت سے تین برس پہلے رمضان میں انتقال کیا اور اسی رمضان کی کسی تاریخ کو رسول اللہؐ نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا اور اس کے ایک مہینہ کے بعد شوال میں حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا اس وقت حضرت عائشہؓ کا چھٹا برس شروع تھا اس کا طے شوال میں سنہ ہجرت سے تین برس پہلے فوت کے دسویں سال حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا، استیعاب میں علامہ ابن عبد البر نے بھی اسی قول کی توثیق کی ہے۔

ہجرت

حضرت عائشہؓ بیاہ کے بعد قریباً چار برس تک حضرت ابوبکرؓ ہی کے گھر رہیں، رسول اللہؐ کے گھر نہیں گئیں، تین برس تین مہینے مکہ میں رہیں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں رہیں، مسلمانوں نے دو ہجرتیں کی ہیں پہلی ہجرت، ہجرت اولیٰ اور دوسری ہجرت ہجرت ثانیہ کے نام سے مشہور ہے، مشرکین عرب کی تکلیف دہی اور اذیت رسانی جب مسلمانوں کی برداشت سے باہر ہو گئی، تو رسول اللہؐ نے انکو ملک حبش کی طرف ہجرت کرنیکی اجازت دی، شاہ حبش نے ان کو نہایت آزادی سے اپنے ملک میں جگہ دی، حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے بھی حبش کی طرف ہجرت کرنی چاہی اور سرک الغاد جو مکہ سے پانچ روز کی مسافت پر ایک منزل ہے وہاں تک پہنچ چکے تھے کہ اتفاق سے ابن الدغنه نام ایک شخص ادھر سے کہیں آ رہا تھا، اُس نے جو یہ دیکھا کہ ابوبکرؓ قریش کے جوڑ و ظلم سے گھر آ کر حبش جا رہے ہیں، وہ فوراً حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور نہایت اصرار سے انکو مکہ واپس لیگیا، ممکن ہے کہ اس سفر میں حضرت عائشہؓ اور

اور ان کا خاندان بھی شریک ہو،

دوسری مرتبہ جب قریب تھا کہ مشرکین مکہ کے جو رد ظلم کے شیعے مسلمانوں کے
غرض صبر و تحمل میں آگ لگا دیں رسول اللہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا،
رسول اللہ روزانہ صبح یا شام حضرت ابوبکر کے گھر آیا کرتے تھے، ایک دن خلاف معمول چاند
منہ پر ڈالے دو پہر کو آئے، حضرت ابوبکر کے پاس حضرت عائشہ اور اُنکی بہن اسماء بیٹی بھی
رسول اللہ نے آواز دی کہ ابوبکر ذرا لوگوں کو بٹا دو میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، حضرت
ابوبکر نے عرض کی کہ رسول اللہ یہاں کوئی غیر نہیں آپ ہی کے گھر کے لوگ ہیں، رسول اللہ
اندر آئے اور مدینہ پہنچنے کا خیال ظاہر فرمایا، اُسی وقت حضرت عائشہ اور اسماء نے مل جل کر
سامان سفر درست کر دیا اور رسول اللہ اور حضرت ابوبکر نے مدینہ کی راہ لی، اور اہل عیال
یہیں چھوڑ گئے، جس دن یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا مدینہ پہنچا
نبوت کا چودھواں سال ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی،

مدینہ میں جب رسول اللہ کو کچھ اطمینان ہوا تو رسول اللہ نے زید بن حارثہ اور ابو رافع
اپنے غلام کو اپنے اہل و عیال کے لانے کو کہہ بھیجا، حضرت ابوبکر نے بھی انھیں لوگوں کے
اپنا آدمی بھیج دیا اور اپنے بیٹے عبد اللہ کے نام ایک خط لکھا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ کو
مدینہ لیتے آؤ، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن ابی بکر، اپنی ماں ام رومان اور عائشہ اور اسماء
اپنی دونوں بہنوں کو لیے ہوئے مکہ سے روانہ ہوئے، اتفاق سے جس اونٹ پر حضرت
عائشہ اور ام رومان سوار تھیں، وہ بھاگ نکلا اور اس زور سے بے تحاشہ دوڑا کہ ہر منٹ
پر یہ دوڑ تھا کہ اب پالان گرا اور اب گرا، جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ، ام رومان کو اپنی پرہیزگاری
حضرت عائشہ کو دیکھ دیکھ کر ردہ نے لگیں، آخر میلوں پر جا کر جب اونٹ پکڑا لیا تو لوگوں نے جی میں جی
آیا، جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ مسجد اور اُسکے چاروں طرف کچھ مکانات بنا رہے تھے
اور حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور سودہ بنت سہل اس نے گھر میں اُتریں۔

خصتی

حضرت عائشہ حضرت ابوبکر کے ابن عیال کیساتھ بنو حارث بن خزرج میں اُتیں اور سات آٹھ مہینے تک یہیں اپنی ماں کے ساتھ رہیں، اسی اثنائے میں اسقدر بیمار پڑ گئیں کہ سر کے تمام ہال گر گئے، صحت ہوئی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول اللہ اب آپ اپنی بیوی کو کیوں نہیں منگوالیتے، رسول اللہ نے فرمایا کہ اسوقت میرے پاس مہر کے روپے نہیں ہیں، حضرت ابوبکر نے کہا کہ مجھ سے لے لیجئے، چنانچہ رسول اللہ نے بارہ اوقیہ اور ایک نش یعنی سو روپے حضرت ابوبکر سے لیکر حضرت عائشہ کے پاس بھیجوا دیے۔

مدینہ کی انصاری عورتیں حضرت عائشہ کو لینے حضرت ابوبکر کے گھر آئیں، ام رومان نے حضرت عائشہ کو آواز دی ۷۰ اسوقت سہیلیوں کے ساتھ ہنڈولے جھول رہی تھیں، آواز سنتے ہی ماں کے پاس آئیں، ابھی تک حضرت عائشہ کو اس واقعہ کی خبر نہیں، ام رومان حضرت عائشہ کا ہاتھ پکڑے دروازہ تک لائیں وہاں منہ دہلا کر حضرت عائشہ کو اُس کمرے میں لائیں جہاں انصار کی عورتیں حضرت عائشہ کے انتظار میں بیٹھی تھیں، حضرت عائشہ جب اندر داخل ہوئیں تو ان عورتوں نے ان الفاظ میں مبارکباد دی علی الحیاء والبرکۃ وعلیٰ خیر طائر یعنی تمہارا آنا بخیریت اور بابرکت اور فال نیک ہو، اسکے بعد ان عورتوں نے حضرت عائشہ کو سنوایا اور رسول اللہ کے گھر لیگئیں، حضرت عائشہ کی رخصتی صحیح روایات کی بنا پر دن کے وقت شوال ۳۳ء میں ہوئی تھی، علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کی رخصتی جنگ بدر کے بعد ۳۳ء میں ہوئی تھی، لیکن یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس بیان کے موافق حضرت عائشہ کا دسواں سال ہوگا حالانکہ حدیث اور تاریخ کی تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ اسوقت حضرت عائشہ صرف نو سال کی تھیں،

مذکورہ بالا بیانات سے اتنا شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح مہر رخصتی، غرض ہر رسم کس سادگی سے ادا کی گئی تھی، جس میں تکلف، آرائش، اسراف کا ایک ذرہ نام نہیں حضرت عائشہ کی تقریب نکاح کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس بیاہ کے ذریعہ سے عرب کی بہت سی یہود اور غور میں مٹائی گئیں۔

عرب شوال میں بیاہ نہیں کرتے تھے کیونکہ پہلے کبھی شوال میں عرب میں طاعون ہوا اس لیے عرب ماہ شوال کو نحوس سمجھتے تھے اور اس مہینہ میں شادی کی کوئی تقریب نہیں کرتے تھے، حضرت عائشہ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں، نیز عرب کا قدیم دستور ہے کہ دامن کے آگے آگے آگ جلاتے جاتے تھے اور یہ بھی ان کی قدیم رسم تھی کہ شوہر اپنی دامن سے پہلی ملاقات ہو وہ یا محض کے اندر کرتا تھا، بخاری اور قسطلانی تصریح کی ہے کہ اس رسم کی پابندی بھی اسی تقریب سے ٹوٹی،

سید سلیمان

تالیفات

مقام خلافت یعنی شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹریٹ لا، کی گوشہ سیاحت قسطنطنیہ کے وہ نتائج جنکو انھوں نے مقام خلافت کی صورت میں قوم کے سامنے پیش کیا ہے، کتاب کھولنے پر بے پہلے استنبول کی سرخی پر نظر پڑتی ہے جس میں بطور تمہید چند صفحات میں فتح قسطنطنیہ کی ایک نہایت مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، ۱۲ صفحہ سے ایوان حکومت، قصر وزارت مساجد، مدارس، دارالعبادہ، دارالیتامی، مطابع، کارخانوں اور عجائب خانوں کی عمارتوں کا وہ طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے جو ۱۴۵ صفحہ پر جا کر ختم ہوا ہے، آخر میں چند مختصر باب عثمانی معاشرہ تعلیم نسوان، عیسائیوں سے تعلقات، اخباری دنیا، عثمانیوں کے عام حالات کے متعلق

ہیں اختتام کتاب پر مصنف نے اپنی سیاحت قسطنطنیہ کا روزنامہ درج کیا ہے
کتاب کے کل ابواب ۲۰۲ صفحات پر ختم ہو گئے ہیں جنہیں قسطنطنیہ کے متعلق تمام
ضروری معلومات ہم پہنچائی گئی ہیں۔ اردو زبان میں اب تک سیاحت قسطنطنیہ کے متعلق کوئی
کتاب لکھی گئی ہے۔ مقام خلافت اُن سب سے زیادہ دلچسپ اور بہتر ہے، کتاب کی لکھائی
چھپائی کاغذ نہایت اعلیٰ ہے، جابجا چھبیس^{۲۱} عکسی فوٹو ہیں، تین روپے آٹھ آنے میں
دفتر مخزن دہلی کے پتہ سے کتاب مل سکتی ہے۔

ترجمہ قصیدہ بردہ مع قصیدہ بانس سعاد، قصیدہ بردہ علامہ شرف الدین بو صیری کی مشہور
عربی نعتیہ نظم ہے، اور بانس سعاد حضرت کعب بن زہیر صحابی کا وہ مشہور نعتیہ عربی قصیدہ
ہے جسکو حضرت کعب نے خود رسول اللہ کے سامنے پڑھا تھا، قرون وسطیٰ میں جبکہ ہماری زبان
فارسی تھی، مولانا جامی نے فارسی نظم میں ترجمہ کیا، اسوقت جبکہ ہماری زبان اردو ہے ان قصائد
کے اردو ترجمہ کی ضرورت تھی، جناب پیر زادہ محمد حسین خان بہادر ایم۔ اے۔ جج ہائیکورٹ ممبئی
کوئٹہ نے انکا اردو ترجمہ نظم میں ترجمہ کیا ہے، گو قافیہ بعض غیر مانوس لائے گئے ہیں تاہم نظم
میں ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

تاریخ القرآن، مولوی محمد اسلم صاحب جیرا چٹوڑی جنکے بعض مضامین سے لوگ روشناس ہو چکے
ہیں انکی پہلی تصنیف ہے جس میں قرآن مجید کے جمع و ترتیب کی تاریخ اور اسکے متعلق اور بعض مفید
معلومات کا ذکر ہے، گو اس موضوع پر مصر میں ایک عربی رسالہ لکھا جا چکا ہے اور اسکا اردو میں بھی ترجمہ
ہو چکا ہے تاہم تاریخ القرآن اُس سے زیادہ جامع اور مفید ہے، لیکن ایک ایسے اہم موضوع کے لیے
جس احیاء، تحقیق، تنقید واقعات تفصیل مطالب کی ضرورت تھی اس کتاب تاریخ القرآن میں اسکا کم حصہ ہے
جیسا کہ خود مصنف بھی بیان میں لکھا ہے کہ یہ ایک قرآن کا مختصر تذکرہ اور اسکا تاریخ القرآن کا یہ چھٹا حصہ ہے
لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ہے، کتاب علی گڑھ کالج کے پتہ سے مصنف مل سکتی ہے، قیمت ۱۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ شذرات

آج کل مسلمانوں کی جو اخلاقی حالت ہو اُسکے لحاظ سے یہ امر خارق عادت معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان وعدہ کر کے وفا بھی کرے۔ لیکن ہر گز یہ میں اتفاقی مستثنیات بھی ہوتے ہیں۔ مدراس کے متعدد معزز تاجروں نے دارالعلوم ندوہ کے لیے ماہانہ چندے مقرر کیے تھے جنگلی تعداد سہ ماہوار تک پہنچی ہو، چندہ اور ”برے چندے“ مترادف الفاظ ہیں لیکن اب تک غایت استواری کے ساتھ یہ وعدے قائم ہیں خصوصاً مولانا عبدالسیان کا شکر یہ ہے قدر ادا کیا جائے کم ہو، وہ صرف اپنا چندہ ادا نہیں کرتے بلکہ اور موعودہ رقموں کو بھی وصول کرتے ہیں اور برابر بھیجتے رہتے ہیں عرکاش ہوتے ملک میں دو چار ایسے اور بھی،

اسی سلسلہ میں شملہ کی معین الندوہ کا نام لینا بھی ضرور ہے، ابتدا میں بہت سی ننھیں جا بجا معین ندوہ کے نام سے قائم ہوئی تھیں جبکہ فرض ندوہ کو اعانت پہنچانا تھا، لیکن سب خباب کی طرح ہوا ہو گئیں۔ ایک شملہ کی معین الندوہ البتہ اپنا فرض ادا کرتی جاتی ہے، چنانچہ اس سال بھی بسنے مقامی چندہ کر کے سارے تین سو کی رقم ارسال کی ہے جزاء اللہ خیر الجواد

آج کی ڈاک میں جناب چودھری محمد اجیر الحق صاحب رئیس بختیار پور کا ایک خط آیا، جس کا مضمون یہ تھا کہ ریاست کو چونکہ پچھلی کشمکشوں سے نجات حاصل ہوئی تھی اس لیے اس کے شکریہ میں پچیس ہزار العلوم ندوہ کو بطور اعانت بھیجے جاتے ہیں، ہم ان کی اس ہمدردی کو مشکور ہیں اور ان کو مطلع کرتے ہیں کہ خدا سے پال کا یہ وعدہ جو نہیں شکر تھو لا زید نکو، اور خدا کا کوئی وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔

جناب شیخ غلام صادق صاحب رئیس امرتسر کا صاحبزادہ بی۔ اے میں پاس ہوا ہے، ہم مختلف ذاتی تعلقات کی بنا پر ان کو اس کامیابی پر یوں بھی مبارکباد دیتے لیکن شیخ صاحب نے جمائے اس فرض کو اس طرح اور بھی لازمی کر دیا کہ انھوں نے بطور شکریہ کے پچیس ہزار العلوم ندوہ کو بھیجے ہیں، ہم دعا کرتے ہیں کہ صاحبزادہ موصوف، ایم۔ اے میں بھی کامیابی حاصل کریں تاکہ شیخ صاحب کا نامہ ان دولت اور ظلم دونوں کا جاع ہو۔

جناب مکرم ظفر اللہ خان صاحب سب نج جانند ہر پنجاب رکن انتظامی ندوہ ہمیشہ ندوہ کی ترقی کی تدبیریں مصروف رہتے ہیں، اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ خود بھی مالی اعانت کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں انھوں نے پچاس کی رقم ارسال فرمائی ہے۔

اندوہ کے خریداروں میں جناب احمد جان صاحب وٹری سسٹنٹ پشاور ندوہ کے ایک پرجوش ہمدرد ہیں انھوں نے حال میں چھوٹی چھوٹی رقمیں چند سے جمع کر کے پچیس بھیجے ہیں، مفصل فہرست عام فہرست کے ساتھ شائع ہوگی، ہم اس قسم کی رقموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہی قطرے دریا بنجاتے ہیں۔

جناب مولوی مشتاق حسین صاحب دتار الملک سکرٹری کالج علیگزہ کو گورنمنٹ نے نواب کا خطاب کیا، مولوی صاحب موصوف کو ابھی سکرٹری ہوئے اتنے دن نہیں گزئے کہ انکو اپنی مساعی جمیدہ کے دکھانے کا موقع ہات آتا، لیکن انکے ذاتی حالات خود انکے کاموں کی پیشین گوئی تھے ایسے خطاب بھی پیشگی دیا گیا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوم اور گورنمنٹ کو ان کی ذات پر کتنا اطمینان ہے، نواب صاحب موصوف ندوہ کے رکن انتظامی ہیں اس لیے ندوہ خاص طرح پر بھی ان کو مبارکباد دیتا ہے۔

معائنۃ النسخہ تعلیمات - دارالعلوم ندوہ کی شہرت زیادہ پھیلی تو چرچہ دس صاحب النسخہ مدارس نے اسکے معائنہ کی خواہش ظاہر کی، دارالعلوم کی موجودہ عمارت استقر مبتذل ہے کہ جب کوئی اسکے دیکھنے کا قصد کرتا ہے تو ہم شرمندہ ہوتے ہیں۔ اور یہ ہے کہ اکثر ہم نے ایسے موقعوں پر دفع الوقتی سے کام لیا ہے، بہر حال انسپیکٹر صاحب ۲۴ پارچ مشاعہ کو تشریف لاکر وہ عربی بالکل نہیں جانتے اور انگریزی بھی اسی قدر جانتے ہیں جس قدر عموماً انگریزین جانتے ہیں انکے ساتھ منشی احتشام علی صاحب اور مولوی بشیر حسین صاحب قدوائی تھے جو انکے معائنہ میں مدد دیتے تھے، صاحب موصوف نے کتاب معائنہ پر اپنی رسلے مفصل لکھی ہے، ابتداء میں انھوں نے ندوہ کے خاص مقاصد کا ذکر کیا ہے یعنی ایسے علما کا پیدا کرنا جو موجودہ تعلیم یافتہ گروہ کی رہبری کے قابل ہوں اسکے بعد وہ لکھتے ہیں۔

بظاہر اسے معقول زنی معل کی ہے، گو یہ مدرسہ اب تک ابتدائی اور نمونہ کی حالت میں ہے اور اس میں شک نہیں کہ اسکے لیے زنی کرنے کا بہت موقع ہے، لیکن یہ ایک پچ پنجویں اور زیادہ ہمدردی کا مستحق ہے۔

اسکے بعد انھوں نے دارالعلوم ندوہ کی مشکلات بیان کی ہیں یعنی قدیم متعصب علماء کی مزاحمت کا خوف، لیکن انسپیکٹر صاحب کو اگر یہ معلوم ہوتا تو زیادہ تعجب ہوتا کہ قدیم خیال والے

ایک طرف نئے روشن خیال فرقہ نے بھی اکثر مذہب کی طرف سر دھری کا اظہار کیا ہے، دونوں
 میں جو فرق ہے وہ دشمن نادان اور دانا کا ہے۔
 اخیر میں انسپکٹر صاحب نے دارالعلوم کے ایک تعلیم یافتہ طالب العلم کی جنے ان سے
 انگریزی میں باتیں کیں نہایت تعریف کی ساتھ ذکر کیا ہے اور نمانتہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔
 بخود کہ اس درسہ کے ساتھ نہایت سرگرمی کے ساتھ ہمدردی ہے اور میں نہایت
 دلچسپی کے ساتھ اسکو پیش نظر رکھتا ہوں۔

تفسیر کبیر امام رازی

ریویو
نمبر

اسلامی علوم میں سب سے زیادہ تصنیفیں جس فن میں لکھی گئیں وہ تفسیر کا فن ہے، تاریخی حوالوں اور سندوں سے ثابت ہے کہ کئی ہزار مستقل کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں لیکن آج تمام اوراق و فنون کی بہ نسبت یہی فن سب سے زیادہ نادار ہے۔ قدما کی تصنیفیں تو سرے سے ناپید ہیں یہاں تک کہ چوتھی صدی کی کوئی تفسیر موجود نہیں، زمانہ نابعد کا جو سرمایہ ہے، گو بظاہر بہت کچھ ہے، لیکن درحقیقت ایک ہی نعمت ہے جو مختلف سازوں سے ادا ہوتا ہے، آٹھ سو برس کی وسیع مدت میں ہزاروں لاکھوں اہل فن پیدا ہوئے لیکن ان تمام قلوبوں میں ایک ہی روح کام کر رہی ہے، عام طریقہ سے الگ کسی نے کچھ کہا تو اشاعرہ کے حسن ذوق پر اس کی قربانی چڑا دی گئی، غرض آج جو کچھ موجود ہے، ادب اور لغت کی حیثیت سے زرخش و ثمری اور عقائد کی حیثیت سے امام رازی کے ناجائز افکار میں تفسیر کبیر جو ہمارے مضمون کا عنوان ہے، امام موصوف ہی کا کارنامہ ہے اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، اس لیے چارنا چار ہم اسی کو شوق کی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔

ہنوز در گم از عمر دست تارے بہت بدستم از سر زلف تو یادگار بہت

یہ تفسیر غالباً مشہور ہے کچھ پہلے شروع ہوئی، امام رازی نے سورہ آل عمران کی تفسیر جہاں ختم کی ہے خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ سینے اس سورہ کی تفسیر جمعرات کے دن بیس اثنی عشر

یہ نام کر:

وہ ماری اس کتاب کو پوری نہ کر سکے انکے بعد ایک درفصل نے بقیہ جلدیں تمام کیں لیکن پوری تفسیر اور صاحب ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو اس واقعہ کا سر سے ظہر ہی نہیں ہو۔ اور یہی تو معلوم نہیں کہ مکملہ لکھنے والے کون بزرگ تھے ابن خلکان نے اس مکملہ کو چوزہ دیا کہ امام نے یہ کتاب پوری نہیں کی۔ کشف الظنون میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین احمد بن محمود المتونی مشہد نے مکملہ لکھا اور قاضی القضاۃ شہاب الدین بن یحییٰ بن ابی الدمشقی المتونی مشہد نے بھی مکملہ لکھا اور اسکا نام واضح رکھا اس القباں اور مکملہ کی کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مکملہ لکھنے والوں نے امام رازی کے طرز کو اس قدر محفوظ رکھا کہ دترہ برابر رفت نہیں نظر آتا امام رازی کا یہ مخصوص وسعت ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مطلب کو اس قدر آسان اور سہل کر کے لکھتے ہیں کہ بچہ تک سمجھ سکتا ہو، اور اس خصوصیت میں تمام علمائے اسلام میں کوئی شخص انکا ہمسر نہیں ہوگا۔ لیکن تفسیر کبیر کے مکملہ نگاروں نے اس طرز کو اس حال تک پہنچایا کہ خود کم ہو گئے اور آج دنیا ان کی تحریر کو بھی امام رازی کی تحریر سمجھ رہی ہو۔

یہ امر افسوس ناک ہے کہ یقین نہیں معلوم ہوتا کہ کہاں تک اصل تفسیر ہے اور کہاں سے مکملہ شروع ہوا ہے۔ شہاب نے شفاے قاضی عیاض کی شرح میں لکھا ہے کہ امام نے صرف سورہ انبیاء تک تفسیر لکھی تھی۔ لیکن یہ صحیح نہیں سورہ فتح تک امام صاحب کی تفسیر لکھا جانا یقینی ہے۔ اس سورہ کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ مشہد میں تمام ہوئی، امام کی عام عادت ہے کہ ہر سورہ کی تفسیر بعد اسکے ختم ہونے کے تاریخ لکھ دیتے ہیں، امام نے مشہد میں وفات پائی ہے اسلئے مشہد ان کی زندگی کا زمانہ ہے۔ اس سورہ کے بعد پھر کہیں اس قسم کی تصریح نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں سے مکملہ نگاروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

غرض آٹھ جلدوں میں سات جلدیں خود امام کی تصنیف میں کل زمانہ تصنیف کم و بیش آٹھ برس ہو تصنیف کا زمانہ جس پر شبانی اور بے مرد سامانی کجالت میں گزرا ہے اس کا اندازہ اس

ہوگا کہ مختلف حصے مختلف ممالک میں لکھے گئے ہیں، مثلاً سورہ ابراہیم کی تفسیر از شعبان
سنتھ میں بغداد کے صحرا میں تمام کی، سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر سنتھ میں غرین میں
ختم ہوئی، ایک موقع پر لکھا ہے کہ سلطنت کی برہمی اور طوائف الملوک کی خانہ جنگیوں کی وجہ
سے نہایت بے اطمینانی اور پریشانی ہو، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ چوتھی جلد یعنی سورہ یونس
کی تفسیر لکھنے کے زمانہ میں سنتھ میں ان کے سب سے عزیز فرزند محمد نے انتقال کیا اس
واقعہ نے ان کو سخت صدمہ پہنچایا خود لکھتے ہیں۔

ختمت تفسیر هذه السورة يوم السبت مینے اس سورہ کی تفسیر مفتی کے دن ربیع الثانی
من شهر الله الاصحرب سنة احدى وستمائة میں ختم کی، اور میں ذرذ صالح محمد کی وفات کو جو
وكنتم ضيق الصدر كثير الحزن بسبب وفاة الولد الصالح محمد سے سخت غمگین اور ننگدل تھا۔

جوان اور صالح بیٹے کے مرنے کا یہ داغ تھا کہ متعدد سورتوں کے خاتمہ میں بار بار
روتے ہیں اور دوسروں کو رلاتے ہیں یہاں تک کہ سورہ یوسف کی تفسیر کے خاتمہ میں
ایک پُر درد مرثیہ لکھا ہے اور تفسیر میں شامل کیا ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

فلو كانت الاقدار منعقدة لنا	فدينناك من حياك بالروح والجسم
ولو كانت الاملاك تاخذ رشوة	خضعنا لها بالرق في الحكم والاسم
سابلني عليك العمر بالدم دایما	ولم انخرط عن ذاك في الكيف والکم
سلام على قبرد فنت بترربة	واحتفك الرحمن بالكرم والجسم
وما صدقني عن جعل جفتي مد فنا	جسمك الا انه ابد ایهی
حیاتی و موتی و احد بعد موتکم	بل الموت اولی من مداومة النعم

ابتداء سے تصنیف کے زمانہ سے کبھی ایک جگہ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، غالباً
غریز یوں سے جان اور مال کے لالے ہیں، جوان اور قابل بیٹا بکیسی اور غربت کی حالت
میں مر چکا ہے، یہ سب کچھ لیکن سلف کی یادگار پہلو میں ایک دل ہی جوان تمام قیامت انگیز

مصاب پر بھی نہیں، تباہ جوان اور لائی بیٹے کی لاش سامنے ہی لیکن مضامین اسی زور
 اسی بلندی، اسی شان کے ساتھ قلم سے نکلنے آتے ہیں کہ گویا آسمان سے نکلوتی نو جہیں
 آ کر رہی ہیں۔

ذکر کتابت والمخطی خطیہ بنیہ قد غدت منا المتقفة النیر

اس کتاب کو یاد کرنا تھا اور حالت یہ تھی کہ زمینیاں ہم سے پار ہو رہی تھیں اور میرے میز پر سیراب ہو چکے تھے
 تصنیف کی روزانہ مقدار بھی بہت انگیزہ تھی۔ اکثر سورتوں کے نامہ سے تصنیف کی
 بات کہتا تھا، مثلاً سورہ انفال کے اخیر میں لکھا ہے کہ رمضان سنہ ۱۱۸۴ میں تمام ہوئی، اس کے
 بعد سورہ توبہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔ اس کے نامہ میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۸۴ رمضان سنہ ۱۱۸۴ میں تمام ہوئی
 یعنی زیادہ سے زیادہ دو ہفتے صرف جو ۱۱۸۴ سورہ توبہ کی تفسیر مصری چھاپے کے نسخہ میں ۱۱۸۴
 نسخوں میں آئی ہے، ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں اور نہایت باریک خط اور در آور دو کتابت ہے اس
 حساب سے روزانہ کم و بیش میں صفحے ہوتے ہیں اس قدر آج کوئی شخص کتابت بھی نہیں کر سکتا
 یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ تصنیف کے زمانہ میں ادب بھی بہت سے کام یعنی درس، تدریس، افتاء،
 دغلاؤ پندر روزانہ جاری رہتے تھے اور دن کا بڑا حصہ ان مشغلوں میں صرف ہو جاتا تھا۔

اس تفسیر کا انداز تمام تفسیروں سے الگ ہے، ایسے بعض تعلید پسندوں نے نکتہ چینی کی
 گناہ سے دیکھا، ابو حیان کہتے ہیں کہ "اس کتاب میں بہت سی فضول باتیں جمع کر دی ہیں،
 جسے فن تفسیر کو کوئی تعلق نہیں اسی بنا پر بعض علمائے کما کہ اس تفسیر میں اور سب کچھ ہے، مگر تفسیر
 نہیں" سراج الدین مغربی نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی جس میں تفسیر کبیر کی غلطیاں اور
 بے اعتدالیاں بتائی ہیں۔

امام رازمی سے پہلے جس قدر تفسیریں لکھی گئی تھیں خاص خاص موضوع پر تھیں، بعض میں
 صرف احادیث اور آثار جمع کیے تھے، بعض میں فن بلاغت اور عربیت سے بحث تھی بعض میں

سلہ کشف الظنون ذکر فن تفسیر

تصنیف کی
 تاریخ

تفسیر کے
 مشفق
 کا ہیں

صرف فقہی احکام کو طول دیا تھا، بعض میں عقلی مباحث تھے، تفسیر کبیر پہلی تفسیر ہے جس تمام حیثیتیں جمع کی ہیں، اور اس لحاظ سے وہ گویا تمام تفسیروں کا مجموعہ ہے۔

تفسیر کبیر کے
ماخذ

سب سے پہلے ہماری نظر اسپر پڑتی ہے کہ امام صاحب نے جب تفسیر لکھنی چاہی تو قدما کا کیا سرمایہ ان کے پاس موجود تھا، اس زمانہ تک اگرچہ قدما خصوصاً معتزلہ کی اکثر نادرتصنیفات برباد ہو چکی تھیں، تاہم تفسیر کبیر کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہما کتب موجود تھیں، فقہ تفسیر کی سب سے بڑی کتاب جو عقل مذاق پر لکھی گئی تھی، اور جس میں قرآن مجید کو عقل سے تطبیق دی تھی ابو مسلم اصفہانی المتوفی ۲۳۵ھ کی تفسیر ہے، یہ ۱۴ جلدوں میں ہے، در امام رازی سے پہلے وہی تفسیر کبیر کے نام سے پکاری جاتی تھی، یہ تفسیر آج اگرچہ بالکل ناپید ہے، لیکن امام رازی کے زمانہ تک موجود تھی، امام صاحب اکثر اس سے مدد لیتے ہیں، اور جا بجائے اختیار اس کی تعریف کرتے ہیں چنانچہ سورہ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وابو مسلم حسن الکلام فی التفسیر کثیر الغوص علی الدقائق واللطائف

اسی انداز کی دوسری تفسیر کبیری کی تھی۔ جسے ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ تفسیر بھی جیسا کہ کشف الطون کا بیان ہے ۱۲ جلدوں میں تھی، کبھی مشہور مشہور تھا اور اسی مذاق میں تفسیر لکھی تھی۔ ابو مسلم اور کبھی دونوں معتزلی تھے، اور گو امام رازی نے اپنی تفسیر میں معتزلہ کو خاص طور پر مرعہ کہ آرائی کے لیے منتخب کیا ہے اور اس فرقہ کے مقابلہ میں اپنی تمام طاقت صرف کر دیتے ہیں تاہم اس وقت تک مسلمانوں میں انصاف پسندی کا مادہ موجود تھا اور اس فلسفہ سے واقف تھے، ع متاع خوش زہر دکاں کہ باشد۔

تعب یہ ہے کہ امام صاحب قرآن مجید کے متعلق جاحظ اور عبدالقادر جرجانی کی کسی تصنیف کا حوالہ نہیں دیتے جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ نوادر لنگے زمانہ تک ناپید ہو چکے تھے۔ انوس ہے کہ تفصیل اور سیر کے متعلق امام صاحب کی معلومات کا سرچشمہ اُمّ القائل، کلبی، ضحاک کی تفسیر میں ہیں جو عموماً نامعتبر ہیں، محدثین کی تفسیروں سے امام صاحب نے بہت کم

فائدہ اٹھایا قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے متعلق بھی قدام کی کتابیں انکے پیش نظر نہ تھیں۔ چنانچہ اسے خاص اس موضوع پر جو کتاب لکھی اسکا کہیں حوالہ نہیں عبد القادر جیلانی کے اعجاز القرآن کا کہ جس ذکر نہیں، البتہ جانا بخود اپنی کتاب اعجاز القرآن کا حوالہ دیتے ہیں افسوس ہو کہ آج کی کتاب موجود نہیں احکام القرآن کے نام سے جو تفسیر لکھی گئیں، جن میں صرف قرآن کی فقہی احکام سے بحث ہو ان میں سے ابو بکر رازی کی کتاب کا اکثر ذکر ہے اور چونکہ ابو بکر رازی حنفی ہیں اور شافعی فقہ کے خلاف آیتوں کی تفسیر کرتے ہیں اسلئے اکثر بڑے زور شور سے ان کا رد لکھتے ہیں، یہاں تک کہ بعض جگہ سخت کلامی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

شبلی { ۲۳ - اپریل ۱۹۰۷ء
اندوہ العلماء لکھنؤ

وصیت نامہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی

یہ وصیت نامہ ایک دست نے ہم پہنچایا ہے، ہم اسکو اس لحاظ سے چھانٹتے ہیں کہ اس سے عالمگیر کے اخلاق و خیالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہو

الحمد لله والصلوة على عباده الذين اصطفى

وصیت اول

ایں عاصی غرق معاصی را یحییت و تفریش بجوار تربت مطہرہ مقدسہ چشتیہ سلام اللہ علیہ نما
کہ مغرفان بجار عصیان را بغیر التجا باں در گاہ غفران پناہ پناہ نیست مصالح ایں سعادت غلطی
نزد فرزندان مجند شاہزادہ عالیجاہ است

وصیت دوم آنکہ

مبلغ چارہ روپیہ دوازدہ آنہ از وجہ کلام دوزی نزد عالیہ نگیم محل دارست از و بگیرند

و صرف کفن این بیچاره نمایند، و مبلغ سه صد روپیه از وجو کتابت قرآن مجید در صورت خاص و زود فای
بفقر او دهند ازین راه که از کتابت قرآن شریف شبه حرمت دارد و کفن بایحتاج صرف نکند.

وصیت سوم آنکه

باقی بایحتاج از وکیل بادشاه زاده عالیجاه بگیرند که وارث قریب در اولاد ایشانند و طبع
و حرمت بر ذرات ایشانست برین بیچاره باز پرس نیست که مرده بدست زنده.

وصیت چهارم آنکه

این سرگشته وادی گمراهی را سر برهنه نزد بادشاه عظیم الشان برند محل ترحم خواهد بود

وصیت پنجم آنکه

بر بالای تابوت پارچه گاه که از اگزوی میگویند پوشانند و از دیگر بدعات اغنیاء اقرار نمایند

وصیت ششم آنکه

والی ملک با خانه زادان بمیر و پاک همراه این عاصی دور از جهات در دشت و صحرا گشته اند
مدار نماید و اگر تبصره تقصیر از آنها واقع شود به عفو کشد و با حسان پوشد.

وصیت هفتم آنکه

بهر از ایرانی مقصدی بودن دیگرے نسبت که در جنگ هم از عمد عرش ایشان تا حال
احدی ازین فتنه از معرکه روگردان نشده و پای استقامت آنها نالغزیده و معجزه گاه خود سری
و حرام نمایی نکرده اند، لیکن بسیار عشرت طلب اند بآنها ساختن مشکل مگر بهر حال باید ساخت و کجدار
و مرز باید کرد

وصیت هشتم آنکه

باسادات لازم السعادات بموجب آیه کریمه قل لا اسئلكم علیه اجرا الا المودة
فی القربی عمل نموده در احترام و رعایت زوگراشتن نمایند ازین که محبت این جماعت اجر
بنوت است هرگز از آن مقصر نباید بود که غمخیز در دنیا و آخرت است لیکن احتیاط باید نمود و مرتبه

نظاره بر نهان باید افزود که شریک غالب و طالب ملک اند و اگر استرخای عثمان شود ندامت آرد و سوتی نهد آرد.

وصیت نهم آنکه

بامشرفای قوم شیخوخ رفیق و دایم بسیار و سلوک و احسان باستانار باید کرد و هر چه پاداش بر میسد که در گزشتن ازین راه نهد و دهنای ایشان نباید آرد که این قوم را بسیار آزموده ایم هر فردایشان در بیست و دوازده آمده و در طریق صدق و صفای مصلحتی انسان عبیدالاحسان گویا میباشند پس عفو در حق این قوم منبیه تر از سرزنش است و اگر دوا ایشان هرگونه خطا خطا.

وصیت دهم آنکه

نامتد و روانی ملک اباید از حرکت خود را معاف ندارد و از شستن در یک مقام که بحسب ظاهر صورت آرام دارد در واقع منجر به ارمیصبت آلام است بر پر پیروز.

وصیت یازدهم آنکه

بر پسران هرگز اعتماد نکند و اصلاً با ایشان مصاحبه و زندگانی نمایند که اگر علیحضرت به داراشکوه این سلوک نیک و نیکار تا اینجا نرسیده.

وصیت دوازدهم آنکه

والی ملک اباید که بامتوسلان خاصه بامقربان و ملازمان قدیم ملاطفت و مرافقت بسیار مرغی دارد و دل ایشان بلا ضرورت شدید از سیاست نیاز دارد که خوش دلی ایشان کار را میکند ناخوشی ایشان در وقت آزار میدهد. تبرک و تیمنا بنام الله اثنا عشر مرتبه اختتام این دوازده وصیت نموده شد، فقط

وقت اولاد

وقت اولاد کی تحریک جو اخباروں کے ذریعہ سے عام طور پر شہر ہو چکی ہے، اگرچہ اسکی نسبت تمام ملک میں نہایت سرگرمی اور جوش سے موافقت اور تائید کی صدا اٹھی، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ شریعت اسلامی کا کیا مسئلہ تھا؟ حکام پر یومی کو نسل نے اسکو کیونکر باطل کیا؟ اور کس غلط فہمی کی بنا پر باطل کیا، اسکے متعلق اب کما کو نیشن ہو رہی ہے؟ اور کس حد تک ہو چکی ہے؟ اور آئندہ کیا کیا کرنا ہے۔

اصل یہ ہے کہ شریعت اسلام کا ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائیداد کو خدا کی راہ میں فقرا اور غریبوں کے لیے اس طرح مخصوص کر دے کہ اصل جائیداد ہمیشہ محفوظ رہیگی اور اس کا منافع فقرا اور غریبوں کو ملتا رہیگا تو اس معاملہ کا نام وقت ہوگا اور وہ جائیداد ہمیشہ محفوظ رہیگی۔ یعنی نہ فروخت ہو سکیگی نہ ہبہ ہو سکیگی نہ وارثوں کو وراثت میں مل سکیگی، البتہ اس کا منافع فقرا کو ملتا رہیگا۔

وقت کی یہ صورت تمام اور مذہبوں میں بھی موجود ہے، لیکن تمام اور مذاہب نے وقت کو غیروں اور بیگانوں کے لیے محدود رکھا ہے۔

لیکن اسلام نے اسکو وسعت دینی ہے۔ اسلام نے یہ قرار دیا کہ اپنی آپ مدد کرنا اپنی آل اور اولاد کی پرورش کرنا انسان کا اصلی فرض ہے، اور ایسا فرض ہے جس کے ادا کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام نے وقت کو اولاد اور اعزہ تک وسعت دی، یعنی اگر کوئی شخص صرف اپنی اولاد پر کوئی جائیداد وقف کرے تو یہ وقف بھی جائز اور نافذ ہوگا؟

لیکن جب سو تو ذہ جائدادوں کے متعلق واثقوں میں نزاعیں پیدا ہوئیں، اور مقدمات انگریزی عدالتوں میں گئے تو حکام انگریزی نے دقت کو ناجائز قرار دیا کیونکہ انگریزی خیرات (چیرٹی) کا لفظ انگریزیوں کے یہ مخصوص تر اپنی اولاد کو کچھ دینا خیرات میں داخل نہیں، حکام انگریزی کے سامنے دقت سدم کی مستند رہا، انہیں پیش کیا، لیکن انہوں نے اسپر امر آگیا کہ خیرات کے معنی یہ ہیں، انگریزی قانون میں ہیں چنانچہ جسٹس یولین نے ایک مقدمہ کے فیصلہ میں یہ لفظ طے کیا۔

میں لفظ خیرات کو انگریزی لفظ ہی کی مفہوم کے، یعنی چھتا ہوں اور اس مفہوم موافق انگریزی عدالتوں میں اور انگریزی ترجموں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا جاتا کہ میں لفظ خیرات کی مفہوم کو مسلمانوں کی مفہوم کے موافق سمجھوں یعنی ایک دوسری بانگ لفظ ہستمال اس لفظ مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو۔

اس کے بعد کثرت سے مقدمات اٹھ جوتے لیکن حکام نے اپنی اس سے تجاوز نہ کیا، ایک مقدمہ میں جو اذات میر محمد سمیع بنام شتی چون گھوش تھا، مولوی امیر علی صاحب رنج بھی شریک فیصلہ تھے، انہوں نے نہایت مستند حوالوں سے اس مسئلہ کو ثابت کیا اور مقدمہ پر پوری کونسل تک گیا، لیکن حکام پر پوری کونسل نے دقت کو تسلیم نہیں کیا پھر متعدد مقدمات پر پوری کونسل تک گئے اور حکام اس اپنی اس لئے پرت غم رہتے، سب سے زیادہ مفصل اور مدلل فیصلہ اس باب میں وہ ہے جو حکام نے مقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق بنام رحیم پور دہری ۲۲ نومبر ۱۹۰۷ء کو صادر کیا اور جو انڈین لارپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ میں رائج ہے۔

اس فیصلہ کا اقتباس ہم اس غرض سے کرتے ہیں کہ یہ معلوم ہو کہ حکام پر پوری کونسل نے کس بنا پر وقف اولاد کو ناجائز قرار دیا ہے، حکام کے نزدیک دقت اولاد کے ناجائز ہونے کی وجہ ذیل ہیں۔

(۱) اپنی اولاد پر وقف کرنا کوئی ایثارِ نفس اور فیاضی نہیں ہے، اولاد کو دنیا، گویا جائداد کو غولہ پٹے ہات میں رکھنا، اور حفاظت جائداد کا بندوبست ہے، چنانچہ حکامِ پرہیزی کو نسلِ مقدمہ مذکور میں لکھتے ہیں۔

یہ خیال کرنا مقضیٰ عظم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بجا ہوگا کہ مقضیٰ موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے جن کے ذریعہ سے وہ ہبہ بے کچھ نفس کشی نہ کی ہو جس میں وہ ایک بات سے اس شے کو واپس لیتا ہے جو ظاہرِ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے بات سے دی اور جو ذریعہ جمع کرنے اور ازاد یا جائداد خاندان ہیں۔

(۲) شریعتِ اسلام میں ہبہ مشروط ناجائز ہی مثلاً اگر کوئی شخص یوں ہبہ کئے کہ میری جائداد فلاں شخص کو ہے اس شہ طبرکہ وہ اسکو منتقل نہ کر سکیگا، پھر اسکے مرنے پر اس کی اولاد کو ملیگی لیکن اسی شہ طبرکہ وہ اسکو منتقل نہ کر سکیگا، اور اسی طرح یہ ہبہ اولاد و دراولاد تک قائم رہیگا تو یہ ہبہ ناجائز ہوگا، جب اس قسم کا ہبہ ناجائز ہی تو وقف کی بھی یہی صورت ہے، وہ کیونکر جائز ہوگا حکامِ پرہیزی کو نسل کے الفاظ یہ ہیں

حکامِ مدوح نے اثنا عشر بحث میں دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ازروے عام قانونِ اسلام کے اقل درجہ حبس کا ہند میں معلوم ہے سادہ ہبہ جات منجانبِ معمولی اشخاص کے بہ حق اولاد بعید جو ہنوز نہیں پیدا ہوئی یعنی متواتر ناقابلِ اشغال حقوقِ حین حیاتی ممنوع ہیں آیا یہ تصور کرنا چاہیئے کہ وہی اشغالات جو اُس صوبہ میں ناجائز ہیں جب کہ معمولی الفاظِ ہبہ کے استعمال کیے جائیں جائز ہو جاتے ہیں اگر ہبہ کنندہ صرف یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر غریب کے لیے کیے گئے۔ ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی نہ حکامِ عالی مقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے،

(مقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق صفحہ انگریزی ۶۳۲)

مولوی امیر علی صاحبِ حج نے نہایت مفصل اور مستند طریقہ سے وقف اولاد کو ثابت کیا انہوں نے

وہ تمام حدیثیں نقل کیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو دنیا بھی صدقہ اور خیرات کرنا ہے، لیکن حکام پر یوی کونسل کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثیں اخلاقی باتیں ہیں جو مناسب موقعوں پر کہی جاتی ہیں لہذا یہ کوئی قانونی اور فقہی مسئلہ نہیں بن سکتا حکام موصوف کے اہلی الفاظ یہ ہیں۔

حکام عالی مقام نے ناحۃ اپنی بہترین لیاقت کے منہجوں اور متعلق کر کے اس شخص کو کشش کی جو ہند میں معلوم ہو اور جس پر وہاں عمل کیا جاتا ہے۔ لیکن مدوح کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ قطعی اور (جیسا کہ حکام مدوح کو معلوم ہوتا ہے) یہی متعلق کرنا حدیث کا اصولی کا جوہنی کے سوہنہ استثنیٰ گئیں مطابق اس قانون کے ہر ممکن ہے کہ یہ حدیثیں مناسب موقعوں پر نہایت عمدہ ہوں۔ (مقدمہ مذکور صفحہ انگریزی ۶۳۲)

مولوی امیر علی صاحب نے وقت اولاد کی جو مثالیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانہ میں عمل میں آئی تھیں اپنے فیصلہ میں پیش کیں لیکن حکام پر یوی کونسل نے ان کو کافی نہ سمجھا۔ حکام کے اہلی الفاظ یہ ہیں۔

اس نسبت نظر کے حکام عالی مقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئیں قبل اس کے کہ وہ تجویز کر سکیں کہ آیا وہ متعلق بھی ہونگے یا نہیں، حکام مدوح سنتے ہیں کہ مسئلہ کیا گیا اور وہ بحال رہا گیا لیکن بابت حالات جاذا کے اسکے سوا اور کچھ انھوں نے نہیں سنا کہ مقدمہ محل میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا اُن کو کچھ حال فاذا ان با و طوقت کا معلوم نہیں۔ (مقدمہ بلو فتح صفحہ انگریزی ۶۳)

خاص یہ کہ حکام پر یوی کونسل کی درخواست قوم کی کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خود اپنی اولاد کو دنیا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ وہ خیرات نہیں تو وقت کیونکر ہو سکتا ہے۔ خان بہادر مولوی محمد یوسف صاحب وکیل گلگتہ نے اس بارہ میں نہایت قابل قدر کوشش کی

لفظ وقت کو ہر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

انہوں نے ایک مطول رسالہ انگریزی زبان میں لکھا، اور بحیثیت پریسیڈنٹ میجر ایسوسی ایشن بنگلہ و ایسراے کی خدمت میں بھیجا۔ لیکن اولاً تو رسالہ نہایت طول طویل اور خوشو زواید پر مشتمل تھا اور ایک ہی مضمون کا بار بار اعادہ کیا گیا تھا،

ثانیاً وہ رسالہ پیش ایسے طریقے سے کیا گیا کہ بجز محدود ہر اسے نام ایسوسی ایشن کے ہندوستان کی اسلامی جماعت اور اخبارات کو خبر تک نہ ہوئی۔

ثالثاً۔ یہ قاعدہ مقررہ ہو کہ پریوی کونسل اپنے کسی فیصلہ کو منسوخ نہیں کرتی، نہ اُسکے فیصلہ میں و ایسراے اور گورنمنٹ کوئی مداخلت کر سکتی،

غرض وجوہ مذکورہ بالا سے، ناکامی ہوئی،

اب ہلکویا کرنا چاہیے (۱) ایک وقف ایسوسی ایشن عینی وقف کی ایک کمیٹی قائم ہو جس کے ممبر تمام اضلاع ہندوستان کے سربراہ اور وہ مسلمان، تعلقہ دار، زمیندار، عمدہ داران سرکاری۔

دکھانہ وغیرہ وغیرہ ہوں

(۲) ایک قومی تمام ہندوستان کے علماء کے دستخط سے فریق ہو کر تیار کرایا جائے۔

(۳) ایک سالہ لکھا جائے جس میں احادیث اور روایات فقہیہ سے وقف و لاد کو ثابت کیا جائے

(۴) ایک عرضداشت مرتب ہو کر تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے اُسپر دستخط کرائے جائیں

اور وہ مع رسالہ و قومی مذکورہ بالا کے حضور و ایسراے کی خدمت میں بھیجے جائے جس کا مضمون یہ ہو کہ۔

تمام مسلمانان ہندوستان، اس تعبیر کو خلاف قانون اسلام سمجھتے ہیں جو پریوی کونسل

نے وقف اولاد کے مسئلہ میں کی ہے۔ ایسے

ہم مسلمانوں کی درخواست ہو کہ گورنمنٹ ایک جدید قانون وقف اولاد کے متعلق شریعت

اسلام بنادے۔ جیسا کہ ہندو بیوگان کی نسبت حضور و ایسراے نے ہندوؤں کی درخواست پر

ایک قانون موسومہ قانون بیوگان بنادیا ہے۔

عرض جب تک تمام مسلمان کی متفقہ آواز سے گورنمنٹ پر یہ نہ ثابت ہوگا کہ پریوی کونسل کا

رسالہ

متعلق

وقف اولاد

بسم الله الرحمن الرحيم

چونکہ انگریزی عدالتوں نے بالعموم وقف علی الاولاد کو جو شریعت اسلام کا ایک مسئلہ
مسئلہ ہی، متعدد فیصلوں کے ذریعہ سے ناجائز اور باطل قرار دیدیا ہے، اور یہ ظاہر کیا ہے کہ خود اسلام
شریعت میں یہ مسئلہ ناجائز ہی، اس لیے یہ سالہ تحریر کیا جاتا ہے جس سے دو امر ظاہر کرنا مقصود ہے۔
(۱) اولاد پر جائیداد کا وقف کرنا حدیث، اور فقہ، دونوں سے ثابت ہے، اور مسلمانوں
کے تمام فرقے اس میں متفق الراءے ہیں۔

(۲) احکام انگریزی اور بالخصوص پریوی کونسل نے کس بنا پر اس مسئلہ کے سمجھنے میں غلطی کی
وقف اولاد کا مسئلہ اصول مفصلہ ذیل پر مبنی ہے،

پہلا اصول۔ شریعت اسلامی میں، خیرات اور صدقہ، غیروں پر محو و دھنیں، بلکہ خود اپنی
اہل و عیال کو دنیا بھی صدقہ اور خیرات (چیرٹی) ہے

قرآن مجید میں ہے۔ لبس البران تولوا وجوهکم قبل المشرق و المغرب لکن
یہ نیکی نہیں ہو کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھيرو، لیکن نیکی

البر من امن بالله و الیوم الآخر و الملئکة و الکتاب و النبیین و آتی
یہ ہے کہ جو شخص خدا پر اور قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر ایمان لائے اور خدا کی

لَمَّا لِي عَلَى جَبَد ذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ
مَحَبَّتِ مِنْ بَنِي الْمَالِ شَتَّى دُونَ كَوَاوَرِثِيَّوْنَ كَوَاوَرِثِيَّوْنَ كَوَاوَرِثِيَّوْنَ كَوَاوَرِثِيَّوْنَ

وَلِي الرِّقَابِ -

(سورہ بقرہ کو ۲۱۶)

کے لئے ہے مال

ایک روایت میں ہے لَسْتُمْ لَكُمْ مَا ذَا يَنْفَقُونَ، اَنْفَل مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات کریں کہہ دے کہ جو خیرات کرو

فَلَاؤَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ -

تو والدین کو دو، اور بشتہ داروں کو دو اور یتیموں کو دو اور مسکینوں کو دو اور مسافروں کو -

قرآن مجید کی آیات جب نازل ہوں

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ

تم نہ پائیں برائی کے تک اس چیز میں خیرات نہ کرو جو تم کو عزیز ہے -

تو ابو طلحہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ خدا کا لکھا ہے کہ جب تک محبوب چیز خیرات نہ کرو
نیک نہ ملے تو مجھ کو، اپنی تمام جائیدادوں میں سے ہر عمارت زیادہ محبوب ہے اس کو اسکو صدقہ دینا
چاہتا ہوں، آنحضرتؐ نے فرمایا تو بہتر یہ ہے کہ اپنے عزیزوں پر صدقہ کرو، چنانچہ ابو طلحہؓ نے یہ جائیداد
اپنی اقارب اور ناص اپنے چچا زاد بھائیوں پر صدقہ کی، یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے جو قرآن مجید کے
بہت زیادہ مستند کتاب ہے اس الفاظ بخاری کے یہ ہیں،

قَالَ النَّبِيُّ فَلَمَّا تَرَلْتُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

حتی تنفقوا مما تحبون - قام ابو طلحہ فقال

یا رسول اللہ ان اللہ یقول لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ

حتی تنفقوا مما تحبون وان احب اموالی

الی بیرحاء وَاخا صَدَقَہُ اللہ ار جوبہا

تو وہ خدا کی راہ میں صدقہ ہی

میں اسکے ثواب کا اور خدا کے ہاں فیض ہو مگر اسے ایسا رہا
 تو آپ کو جو طرح چاہیے صرف کیجیے حضرت نے فرمایا سبحان
 یہ تو بکار آمد جاہل ادھر دیا جاتی ہوئی چیز ہے، ابن سلمہ کو شک ہے
 کہ ان و غفلوں میں کھتر سے کیا فرمایا۔ بیٹے ساجو تھے کہا
 اور میری رہی کہ تم اس جاہل کو عزیزوں کے وقت کو بخاری باب اول

وذخرها عند الله فضعها حيث امرك الله
 فقال بخ ذلك مال راغرا ورايح
 شك ابن سلمه وقد سمعت ما قلت
 واني اري ان تجعلها في الاقربين
 بخاري باب الوقت

صحیح مسلم میں ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو زمین تھے
 خدا کی راہ میں صرف کیا، اور کسی گرفتار کے چھڑانے میں
 صرف کیا، اور جو مسکین پر صرف کیا، اور جو اپنی بیوی بچہ پر
 صرف کیا، ان میں خدا کے ہاں سب سے زیادہ چہر اجر
 ملے گا وہ وہ جو مال بچہ پر تھے صرف کیا (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 دينار انفقة في سبيل الله ودينار انفقته في
 رقة ودينار تصدقت به على مسكين ودينار
 انفقته على اهلك اعظمها اجرا الذي انفقته
 على اهلك (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ والصدقات)

صحیح بخاری میں ہے

اچھی خیرات وہ ہے جو اہل و عیال کے خرچ
 سے فارغ ہو کر کیجائے، اور شروع عیال سے کرو۔

خير الصدقة ما كان عن ظهر غنى و
 ابدء بمن تقول (مشکوٰۃ)

بخاری و مسلم میں ہے۔

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اگر
 میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر صرف کروں تو کیا مجھ کو کچھ ثواب
 ملے گا تو میرے بیٹے ہی ہیں، آپ نے فرمایا ہاں ان پر
 صرف کرو، تم کو اس کا ثواب ملے گا۔

عن ام سلمة قال قلت يا رسول الله لي
 اجر ان انفق على بني ابى سلمة انما هم بني
 فقال انفق عليهم فلك اجر ما انفق
 عليهم۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا
 کہ اے بی بیو، خیرات وہ، گو اپنے زیور ہی سے سہی، یہ شکر میں اپنے شوہر کے پاس گئی اور کہا

کہ تم منسل آدمی ہو، اور رسول اللہ نے ہم لوگوں کو خیرات کرنا حکم دیا ہے، تو تم جا کر حضرت سے پوچھ کر تم کو دینا خیرات میں داخل ہو یا نہیں؟ اگر نہ تو میں اوروں کو خیرات دوں، اللہ نے کہا نہیں تم ہی جاؤ، زینب کین ان سے دروازہ پر ایک اور سوی میں اور ان کو بھی یہی پوچھا، مالا نے جس بلالؓ کا ہاتھ پکڑ لیا، اس نے بدل سے کہا جا کر حضرت سے پوچھو کہ درویشوں میں پوچھ ہی میں کہ اگر وہ اپنے شوہر کو دینا دیں تو جو ان کے زیر تربیت ہیں خیرات دیں تو یہ خیرات میں داخل ہو گا یا نہیں؟ زینب نے یہ بھی کہا کہ ہمارا نام نہ بتانا، بلالؓ نے جا کر پوچھا، آنحضرت نے عورتوں کا نام پوچھ بلالؓ نے کہا ایک زینب ہیں اور ایک نصاری عورت ہے، آنحضرت نے فرمایا کون سی زینب؟ بلالؓ نے کہا، بائیں کی بیوی آپ نے فرمایا ان کو دو ثواب ہونگے ایک رشتہ کا اور ایک خیرات کا (یہ صحیح مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے)

صحیح ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور قربان کر دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی۔

"صلت علی المسکین صدقہ دہی"

علی ذی الرحمۃ ثلثان صدقہ و صلۃ

بخاری اور مسلم میں ہے

جب مسلمان اپنے مال بچوں پر صرف کرتا ہو اور ان کو سمجھ کر کرتا ہو تو یہ خیرات ہے۔

إذا نفق المسلم نفقة علی اہله وهو

یحسبہا کانت صدقۃ

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ خیرات اور صدقہ جس طرح غیر لوگوں کو دینا ثواب ہے، اسی طرح اپنی اولاد، عزیز اور اقارب کو دینا بھی ثواب ہے، اسلام کا اصول یہ ہے کہ اپنے مال بچے بھی عام سوسائٹی کے افراد ہیں، ایسے انکی مدد کرنا بھی بنی نوع انسان کی مدد کرنا ہے اور ایسے ثواب ہے، انگریزی میں بھی مثل ہی خیرات مگر سے شروع ہوتی ہے۔

دوسرا اصول۔ اسلام نے خیرات کے دو طریقے قرار دیے ہیں۔ ایک یہ کہ اصل چیز

خیرات میں دیدی جائے۔ دوسرے یہ کہ اصل چیز محفوظ رہے اور اسکا منافع یا آمدنی خیرات میں صرف

ہوتی ہے۔ اس دوسری قسم کا نام وقف ہے۔

وقف کا یہ حکم ہے کہ اہل شے کسی کی ملک ہو سکتی، نہ فروخت ہو سکتی، نہ منتقل ہو سکتی وقف کی حقیقت خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادی تھی حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک غلستان ہات آیا انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا کہ میں اسکو خیرات کرنا چاہتا ہوں، کس طریقہ سے کرو آپ نے فرمایا اصل محفوظ ہے یعنی نہ بک سکے نہ ہبہ ہو سکے نہ اس میں وراثت جاری ہو۔

یہ واقعہ بخاری میں متعدد طریقوں سے بالتفصیل مذکور ہے، آنحضرت کے الفاظ یہ ہیں،
تصدق باصلہ لا یباع ولا یوہب | اہل کو اس طرح خیرات میں دو کو نہ بک سکے نہ ہبہ کیا کرے
ولا یورث ولکن ینفق شریح | اس میں وراثت جاری ہو بلکہ اسکا پھل لوگوں کو ملے۔
اگرچہ یہ وقف، غزا اور مسافروں اور مہمانوں وغیرہ کے لیے مخصوص تھا تاہم، رشتہ داروں
قربت دار بھی اس میں داخل تھے، چنانچہ بخاری کے یہ الفاظ ہیں،

فی الفقراء والقربی و فی السبیل واللہ والضعف وابن السبیل۔
قیسرا اصول۔ فقہ اسلام کا ماتر مدار نیت پر ہی، یعنی ایک ہی چیز کسی شخص کو دوستانہ یا ہبہ کی نیت سے دی جائے تو اس کے اور احکام ہونگے اور اگر نیت کر لیجائے کہ خدا کی راہ میں دینی تو اس کے احکام بالکل بدل جائیں گے، مثلاً ایسی چیز کا دینا، سیدوں اور دولتمندوں کو ناجائز ہوگا، حالانکہ ہبہ کرنا ہر شخص کے لیے جائز ہے۔

وقف کا مسئلہ نہیں اصول مذکورہ بالا کی بنیاد پر ہی، چنانچہ عہد آنحضرت کے زمانہ میں اس قسم کے وقفوں کی بنیاد پڑی اور اسوقت سے آج تک یہ سلسلہ برابر قائم رہا۔

صحابہ نے اولاد پر وقف کیا تھا | فتح القدر حاشیہ ہدایہ میں بہ سند نقل کیا ہے،

ان الزبیر بن العوام وقف دار اللہ | زبیر بن عوام نے اپنا ایک مکان اپنی مطلقہ
علی المرودۃ من بناتہ | لڑکیوں پر وقف کیا،

فتح القدرین نام کی سند سے روایت ہے کہ ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ جس مکان میں رہتے تھے، درجہ صفا کے پاس تھا۔ سکونت کے ایک رقبہ نے اپنے بیٹوں پر وقف کر دیا تھا۔ وقف نامہ کے غائبانہ تھے

۱۔ اللہ الرحمن الرحیم ہذا فی
المرقم ۱۰۰۰ لاجتماع وازاورت
یہ وہ وقف ہے جو ارقم نے قائم کیا x x x وہ نہ بچا
جائے گا اس میں وراثت جاری ہوگی

اسے فتح القدرین جہتی کی کتاب اختلافیات سے نقل کیا ہے۔

نصف ابو بکر دارہ مکہ علی ولدہ
فھی الی الیوم ۱۰۰۰ و نصف سعد بن ابی
وقاص بل ازہب بامدینہ و بل امرہ بمصر
علی و اولادہ فلک الی الیوم x و عمرو بن
لعاصر بط من الطایف و دارہ مکہ و
المدینہ علی و اولادہ فلک الی الیوم ۱۰۰۰
حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے مکان کو جو مکہ میں تھا
اپنی اولاد پر وقف کیا، چنانچہ وہ اب تک قائم ہے x x
سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنے مدینہ کے مکان کو اور مصر کے
مکان کو اپنے بیٹوں پر وقف کیا جو اب تک قائم ہے x x عمر بن
العاصؓ نے طائف اور مکہ اور مدینہ کے مکانات کو وقف
کیا چنانچہ وہ اب تک قائم ہے۔

یعنی شش ہزار میں ہے

وفی اختلافات البیہقی قال ابو بکر
عبداللہ بن الزہیر الحمیری نصف ابو بکر
دارہ مکہ علی و اولادہ الی الیوم و نصف
عمر بن سعد عند المروۃ ۱۰۰۰ و اولادہ
فھی الی الیوم و نصف علی رضی اللہ عنہ
بارصہ و دارہ بمصر و موالہ بامدینہ علی
و اولادہ فلک الی الیوم و نصف سعد بن
بہیقی نے خلافت میں لکھا ہے کہ ابو بکر عبداللہ بن الزہیر
حمیریؓ نے کہا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے مکان کو جو مکہ میں تھا
اپنے بیٹوں پر وقف کیا اور وہ اب تک ہے، اور حضرت عمرؓ نے
ایک بارہ کو جو مدینہ میں تھی مع آلات کے اپنے بیٹوں پر وقف
کی سو وہ اب تک ہے، اور حضرت علیؓ نے مصر کے مکان اور
آراضی اور مدینہ کی جائداد کو اپنی اولاد پر وقف
کیا جو اب تک موجود ہے۔ اور سعد بن ابی وقاصؓ

فتح القدرین کی شرح ہے، رسالت معتزات ہے۔ مکہ باب عباد میں فتح القدر کے صفحہ ۸۴ جلد دوم مطبوعہ لکھنؤ رکھیں ہیں۔

ابن وقاص رضی اللہ عنہ بزبعتہ عند المروۃ
وبدارۃ بالمدينة وبدارۃ بمصر علی ولده
فدلث الی الیوم (یعنی جلد ۱۰ ص ۹۹۳)
مروہ کے پاس ایک جائداد کو اور مدینہ اور مصر مکاتبات
کو اپنی اولاد پر وقف کیا تو وہ اب تک قائم ہے (یعنی شرح
ہر ایہ جلد دوم صفحہ ۹۹۳ مطبوعہ لکھنؤ)

صحیح بخاری میں ہے باب الوقت میں

وتصدق الزبیر بدورۃ وقال

للمردودۃ من بناتی ان تسکن

وجعل ابن عمر نصیبہ من دار عمر رضی اللہ

تعالیٰ عند سکنی لذی الحاجة من ال عبد اللہ

اور زبیر نے اپنے مکانات اپنی اُن لڑکیوں پر وقف
کیے جو مطلقہ ہوں۔

اور عبد اللہ بن عمر نے اپنا وہ حصہ جو حضرت عمر کی

جائداد سے ملا تھا اپنی محتاج اولاد پر وقف کیا۔

جن بزرگوں نے یہ وقف کیے تھے یعنی ارقم حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر سعد بن

ابن وقاص عمرو بن العاص زبیر حضرت علی عبداللہ بن عمر یہ سب آنحضرت کے مشہور

اصحاب ہیں تعجب ہو کہ باوجود اسکے حکام پر یوشی کو نسل کہتے ہیں کہ ”جو نظارہ پیش کیے گئے ہیں وہ

مہم اور زیادہ تعین طلب ہیں اور یہ کمون وقف کرنے والوں کا حال معلوم نہیں“ جن بزرگوں کا نام

اوپر گزرا، اسلام کی تاریخ میں بسنے زیادہ کوئی نام آور نہیں جو جائدادیں وقف کیں انکے عوفتے

اور پتے بتا دیے گئے ہیں اور چوتھی صدی ہجری تک کے محدثین نے لکھا کہ آج تک یہ واقف

قائم ہیں۔

فقہ میں وقف اولاد اسی بنا پر فقہ میں وقف اولاد کا خاص باب ہے اور اسکے متعلق ہر قسم کے تفصیل

احکام درج ہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں جو نہایت معتبر کتاب فقہ حنفی کی ہے لکھا ہے

رجل قال ارضی ہذا صدقۃ ایک شخص نے کہا میری یہ زمین میری اولاد

موقوفہ علی ولدی کانت الغلۃ لولس پر صدقہ اور وقف ہے تو زمین کا محاصل مہمبی

ملہ اس فیصلہ پر یوشی کو نسل کا حوالہ آگے آئیگا۔

مسلبہ یستوی فیہ الذکر والانثی . . . اولاد کو ملے گا اس میں مرد و عورت سب برابر ہوں گے،
 و اذا جازعنا الوقت فمادام یوجد واحد . . . اور جب یہ وقت جائز ہوا تو جب تک ایک
 من ولد النسل کانت الغلة نکلا عنیدو . . . شخص میں سببی اولاد سے موجود رہے گا منافع اسی کو ملے گا
 ان امرین واحد من النسل الاول . . . اور کسی کو نہیں اور اگر پہلی پشت کا کوئی شخص موجود
 الغلة الی الفقراء (ما یحتاج فی الوقت علی الاداء) نہ رہے تو غریبوں کو ملے گا۔
 فتاویٰ عالمگیری باب الوقف میں ہے۔

وان قال علی ددی وولد ددی ولد . . . اور اگر کہا کہ جائیداد میری اولاد اور اولاد اولاد
 و لدی ذکر البطن الثالث فانه تصرف . . . اور ان کی اولاد اولاد یعنی تیسری پشت کا بھی ذکر
 الغلة الی اولادہ ابد اما تاسلوا وکلا . . . کیا تو جائیداد کا منافع ہمیشہ خاندان کو ملتا رہے گا جب تک
 تصرف الی الفقراء ما بقی احد یكون الو . . . اولاد کی نسل چلتی رہے اور غریبوں کو کچھ نہیں ملے گا
 علیهم و علی من اسفل منهم الا قریب . . . جب تک خاندان میں ایک شخص بھی باقی رہے گا اسکو
 الابد فیهم سواء اذکاب الوقف عالمگیری . . . اور اس کے نیچے والوں کو منافع ملے گا، قریب درجہ
 الفصل الثانی فی الوقف علی نفسه واولادہ و نسلہ) اس میں سب برابر ہوں گے۔
 در مختار میں ہے۔

ولو زاد البطن الثالث هم نسلہ و یستوی . . . اور اگر تیسری پشت کو بھی اضافہ کیا تو تمام نسل کو
 الاقرب الابد (در مختار فصل فیما یعلق بوقف الاداء) عام ہو گا قریب بعید سب شامل ہوں گے۔
 چونکہ یہ مسئلہ بلا اختلاف تمام فقہاء نے تصریح کیا ہے ایسے زیادہ عبارتیں ہم نے نقل نہیں کیں۔
 مفتی بہ، قاضی ابویوسف اور امام محمد کی رائے ہے اس موقع پر بطور ایک واقعہ کے یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری
 کہ وقف کے احکام جو بیان ہوئے وہ قاضی ابویوسف اور امام محمد اور تمام دیگر فقہاء کی رائے کے موافق
 ہیں امام ابوحنیفہ سرے سے وقف کے قائل نہیں یعنی ان کے نزدیک وقف میں واقف کی ملکیت
 ساقط نہیں ہوتی، اور واقف جب چاہے وقف سے رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن تمام فقہائے تصرف

کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ نہیں ہے، بلکہ قاضی ابو یوسف صاحب و امام محمد صاحب کے قول پر فتویٰ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے

وفي العيون والنتیمة از الفتوی علی قولہما۔ اور عیون اور نتیمة کتاب کا نام ہے جس پر فتویٰ دو ہون صاحبوں (قاضی ابو یوسف و امام محمد) کے قول پر ہے۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے

والناس لم یأخذوا بقول بی حنیفة فی هذا الاثر المشہور عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابة ورفقہ میں ہے۔ اور لوگوں نے اس بارہ میں ابو حنیفہ کے قول کو اختیار نہیں کیا جو ان مشہور روایتوں کے جو بخیرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہیں،

فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى۔ فتوح القدير حاشیہ ہدایہ میں ہے۔

واخت تدرج قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والاثر متطابقة علی ذلك فولا كما صح من قوله عليه الصلوة والسلام لا یباع ولا یورث وتكره هذا فی احادیث کثیرة واستمر عمل الامة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم علی ذلك اولها صدقة رسول اللہ اور حق یہ ہے کہ امام علما جو دفع کے لازم ہوئے قائل ہیں نبی کے قول کو ترجیح دیں گے کیونکہ حدیثیں اور روایتیں اس میں پے پے ہیں جیسا کہ کثرت کا یہ قول صحیح طور پر ثابت ہے کہ جائزاً موقوفہ نہ فروخت ہو سکیں گے، اس میں رشتہ جاری ہو گئی، اور متعدد حدیثوں میں ایسا آیا ہے، اور تمام اُمت محمدیہ کا صحابہ سے بیکر تابعین اور مابعد کے لوگوں کا اس پر عمل ہوا، پہلا وقف خود بخیرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا

پھر ابو بکر محمد عثمان اعلیٰ، زبیر
معاذ بن جبل، زید بن ثابت، عائشہ اور انکی
بہن اسماء، اور ام سلمہ، اور ام حبیبہ اور صفیہ
نبیہ جی۔ اور سعد بن ابی وقاص اور خالد
بن ولید اور جابر بن عبد اللہ اور عقبہ
بن عامر، اور ابی ارویٰ المدوسی، اور
عبد اللہ بن الزبیر، ان سب نے وقف
کیا، یہ سب لوگ صحابہ میں ہیں، اور انکے
مابعد کے لوگوں کا یہ عمل رہا، اور تمام لوگ
اسکو کرتے آئے ہیں۔

ثم صدقة ابی بکر محمد عثمان
وعلى والزبیر ومعاذ بن جبل وزید
بن ثابت وعائشة واسماء احتضن
ام سلمة وام حبیبة وصفیة بنت
سعد بن ابی وقاص وخالد بن الولید
وجابر بن عبد الله وعقبه بن عامر بن
اروی المدوسی وعبد الله بن الزبیر
رضی الله عنهم کلهم لای من اصحابه ثم
التابعین بعدهم کلهم روایات وتوارث
الناس بهمون ذلک

بحر الرائق شرح کزالدقائق مصنف علامہ بن نجیم میسر

درخصان نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد
کے مذہب کے موافق بیسے وقفوں سے استدلال کیا، جو
آنحضرت نے اور صحابہ نے وقف کیے ہیں قاضی ابو یوسف
جی امام ابو حنیفہ کے ہم خیال تھے لیکن جب انھوں نے ہارن
الرشید کیساتھ حج کیا اور مدینہ میں گروہاں دور اس کے اطراف
میں صحابہ کے اوقاف دیکھے تو انکی رائے بدلتی اور فتویٰ دیا
کہ وقف لازم ہے اور امام محمد نے اپنی کتاب میں امام
ابو حنیفہ کے قول پر بہت تعجب کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ
زبردستی ہے۔

وقد اکثر اخصاف من الاستدلال
لھما بوقوف النبی صلی الله علیہ وسلم
واصحابہ رضی الله عنھم وقد کان
ابو یوسف مع الامام حتی حج مع الرشید
وسرای وقوف الصحابة رضی الله
عنھم بالمدينة ووافجھم فرجع وافق
بلرومہ ولفد استبعداً لحمل قول ابی
حنيفة فی الکتاب لھذا وسماء تحکما
على الناس

پریوی کونسل کے شہادت کا جواب

اُصول نامے مذکورہ بالا کے بیان کرنے کے بعد ہم پریوی کونسل کے اُن شہادت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جسکی بنا پر انھوں نے وقف اولاد کو ناجائز سمجھا ہے

جناب مولوی امیر علی صاحب جس نے اپنے فیصلہ مندرجہ اندین لارپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۴۰ میں متعدد روایتیں وقف اولاد کی جائز ہونے کے متعلق نقل کی تھیں لیکن حکام پریوی کونسل نے ان کے متعلق یہ لکھا ہے۔

”اے اس معنی ذی علم شرع محمدی کی جیسا کہ حکام عاید مقام سمجھتے ہیں ایسے اقوال پر مبنی ہے جو اُصول فہمی تھے اور ایسے نظائر پر جو بہت غیر مکمل طور پر بیان کیے گئے ہیں مثلاً حاکم موصوف نے حوالہ ایک نصیحت خود پیغمبر یعنی محمد کا دیا ہے جسکا یہ منہم کہ نیکی کی راہ سے دینا اپنے خاندان کو اس سن سے کہ محتاج ہوں نہ رہ کر ثواب بہ نسبت فقر کے ہو نہایت اعلیٰ مشدہ ہے کہ جو کوئی شخص اپنے خاندان کو دے اور بطور نظیر کے حاکم موصوف نے ذکر کیا ایک مکان کا کیا ہے کہ عودت یا قید میں پیدا گیا تھا اور جسکی آمدنی اولاد کسی ارکان اہل عطا کی گئی تھی“ حاکم موصوف کی دیگر قدیم سادہ قسم کی نسبت نظائر کے حکام عاید مقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئیں قبل اسکے کہ وہ تجویز کریں کہ آیا وہ متعلق ہی ہونگے یا نہیں حکام مدوح سنتے ہیں کہ سہ کیا گیا اور وہ بحال لکھا گیا، لیکن بابت حالات جاہل کے سوال کی اور کچھ انھوں نے نہیں سنا کہ مقدمہ خود میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور دفاع طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، انکو کچھ حال خاندان یا وافت کا نہیں معلوم“

نسبت اُن حدیثوں کے جو بطور پہلی اُصول شرع محمدی کے بیان کی گئی ہیں، واضح ہو کہ حکام عاید مقام نے یا مذاموش نہیں کیا کہ کس تک شرع اور مذہب فرقہ ہے اہل اسلام میں باہم مخلوط ہیں لیکن حکام مدوح نے اُٹالے بحث میں دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ از رے عام قانون اسلام کے اقل جب جیسا کہ ہند میں معلوم ہوتا ہے سادہ ہیبت جات منجاب معمولی دشخاص کے بحق بعید اولاد

ہو نہ پیدا نہیں ہوتی یعنی متواتر قابل انتقال حقوق میں جاتی، ممنوع ہیں اور آیا قیود کرنا چاہیے کہ وہی اختلافات ہوا سر صوت میں، جائز ہیں جب کہ معمولی الفاظ جہد کے استعمال کیے جائیں جائز ہو جائے میں اور نہ یہ کٹندہ یہ کہہ سکتے کہ وہ بطور وقت کے خدائے نام یا اس سے غائب کیے گئے ان سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی نہ حکام، نہ ایستقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہو۔

یہ سمجھ کر کہ وہ اسباب کا حق قطعی تھا، لہذا کہ میں کہہ جاتا ہوں اور حق میں جاتی رہتا رہی یعنی وقت، یہ کہہ سکتے ہیں وہ متوالی، بہت کم تصور کیا جاتا ہے لیکن وہ اس حیثیت میں تاحیات رہتا ہے اس کے انتہا پر کرنا، فی الواقع اپنی مصلحت کے صرف کرے، اور کوئی اس سے حساب نہ طلب کرے، اس لئے کہ یہ حالت ملکیت میں باہل مطابق اس میں ہر کے جو کہ خاندان میں اور قائم رہتا ہے اور بلا شک اس سے فائدہ بخشا ہے اور اس کے ضروری ہے۔

حکام کا یہ مقام نے ناصہ اپنی بہترین لیاقت کے متحقق اور معلوم کرنے اس شرع محمدی کی کوشش کی، ہند میں معلوم ہے اور سپرد و ان غل کیا جاتا ہے، لیکن حکام مدوح کو نہیں معلوم ہوتا کہ قطعی اور صیاح حکام مدین کو معلوم ہوتا ہے جو تعلق کرنا نہ شہاے اصولی کا جو نبی کے موعظ سے سنی گئیں مطابق اس قانون کے ہے، لیکن یہ کہ یہ حد میں نہ سب قہ پر نہایت عمدہ ہوں جہاں تک کہ حکام کا یہ مقام معلوم ہے لیکن یہ کہ ان حدیثوں کا یہ اثر ہو کہ لئے قاعدہ اور دستور وقت کی ترمیم ہوئی، جیسا کہ حج ذیل علم نے تحریر کیا ہے کہ انکی تاثیر تھی لیکن یہ خیال کرنا مقصود عظم (مجددوں) کی نسبت بجا ہو گا کہ مقصود موصوفے کے اسکے ذریعہ سے ایسے سبب جات کو پسند کیا ہے جنکے ذریعہ سے وہ اپنے کچھ نفس کشی کی جو ہیں وہ ایک ہوتے اس لئے کہ وہ اپنی سیاست اور ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اسے دوسرے اس کے دی، اور جو ذریعہ جمع کرنے آمدنی اور ازادیا و جائداد خاندان ہیں اور جنگی روستے وہ اپنی جو ہمتان ہوں موسوم کیے گئے ہیں مطالبہ حساب کے باضابطہ محفوظ رکھے گئے ہیں۔

عبارت مذکورہ اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن اسباب سے پر یو یوی کو نسل نے وقف علی
الاولاد کے مسئلہ کو ناجائز قرار دیا ہے حسب ذیل ہیں

(۱) اپنی اولاد کو دینا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہو سکتا ہے؟ اسکے متعلق ہم پہلے اصول
میں تفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے اولاد اور خاندان کی پرورش کو ثواب کا کام قرار دیا ہے اور
عقل بھی اسکی مقتضی ہے کہ یہ ثواب کا کام قرار دیا جائے۔

(۲) وقف اولاد کے متعلق شائع اسلام سے جو روایتیں منقول ہیں، اور جنکا تذکرہ مولوی
امیر علی صاحب جٹس نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے، وہ مبہم اور زیادہ توضیح اور ثبوت طلب ہیں، لیکن
ہم نے صحابہ کے وقف اولاد کے متعلق تفصیلی روایتیں مع حواشی کے نقل کر دی ہیں

(۳) شریعت اسلام نے مہبہ مشروط اور مہبہ حین میاتی، اور مہبہ ناقابل انتقال کو ناجائز
قرار دیا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کوئی جائیداد اس طرح مہبہ کرنا چاہے کہ وہ ہوب لہ صرف اپنی زندگی
تک اس سے متع ہو سکے اس کے بعد اس کی اولاد اور اولاد اولاد کو اسی طرح حین حیاتی حق
حاصل ہوتا ہے تو یہ مہبہ فقہ اسلام کی رو سے ناجائز ہوگا، جب یہ مسلم ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہی
طریقہ انتقال صرف اسوجہ سے جائز ہو جائے کہ مہبہ کے بجائے اسکو وقف کہہ دیا جائے کیا لفظ کے
بدلنے سے حقیقت بدل جاتی ہے؟ لیکن یہ شبہ بھی صحیح نہیں ہے، مہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزیں
ہیں اور ان کے احکام بالکل مختلف ہیں۔ ہم اوپر بیان کرتے ہیں کہ شریعت اسلام میں احکام کا
مدار نفیت پر ہے، اگر ایک شخص کوئی چیز کسیکو مہبہ دینا چاہے، تو بلا کسی قید کے دے سکتا ہے،
لیکن اگر اسی کا نام وہ زکوٰۃ رکھ دے جو خیرات کی ایک قسم ہے، تو بہت سی شرطیں لازم ہوجائیں گی
مثلاً یہ کہ جسکو وہ چیز دی جائے وہ دو تہ نہ ہو، پیغمبر کے خاندان سے نہ ہو، کھانے کمانے کے
قابل نہ ہو۔

حاشیہ صفحہ ۱۷۱ دیکھو مقدمہ بولفتح محمد اسحاق وغیرہ مدعیان بنام اس بابا و مرچندہری وغیرہ علیہم مندرجہ جلد ۲۲
ترجمہ امین لا پوت مطبوعہ جلالی ۱۳۸۵ء کلکتہ مطبعہ نظائر قانون ہند مندرجہ صفحہ کتاب انگریزی انصاف ۱۷۱ تا ۱۷۳

نقہ اسلام میں مہذبہ نام ہو کہ کوئی جیسے کسی شخص کو قطعاً دیدیجے کہ وہ جو چاہے کرے، اس صورت میں چونکہ یہ احتمال ہو کہ مہذبہ نہ ہو کہ اسکو جائز یا ناجائز طور پر داخل صرف کر دے اور اس سے کوئی مستقل اور مستحرمہ مد کسی کو حاصل نہ ہو۔ اس لیے یہ کوئی ثواب کا کام نہیں تسلیم دیا جائے۔ بخلاف وقف کے معنی میں کہ مستقل اور مستحرمہ طور پر ایک گروہ کی پرورش اور بقا کے لئے کیا گیا ہو۔ اس طرح کہ یہ ذریعہ معاش کوئی شخص منقطع نہ کرے پاسے، اس لیے ایسی مہذبہ نہیں ہے، ایک گروہ انسانی کی پرورش کیلئے مستقل اور پائدار مسئلہ قائم ہوا اور ان کی بہتے، یقیناً انسانی نوع کی جدی کا کام ہو اور داخل ثواب ہو۔

وقف میں موقوف نہ بہت سے شرائط ہر پابندی و وجہ داد کو منتقل نہیں کر سکتا جائز کے منافع کو بجا نہیں صرف کر سکتا جو مصارف وقف پر یقین ہو چکے ہیں ان میں اصل بدل اور تغیر نہیں کر سکتا۔ اگر موقوف رہ وقف کا بجا استعمال کرے تو ہر مسلمان کو حق حاصل ہو کہ عدالت میں سپر ہو کر اسے اور قاضی اسکو تمام ایسے تصرفات سے باز رکھیں گا۔

اس صورت میں یہ ظاہر ہو کہ مہذبہ وقف بالکل مختلف چیزیں ہیں اور ان کے احکام میں فرق کا ہونا لازمی ہو۔

جب نام مذکورہ بالا حدیثوں اور فقہی روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ اسلام میں اولاد پر وقف کرنا جائز اور واجب انفاذ ہے تو پرہیزی کو قتل کو اسلام ہی کے مطابق وقف کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول ہو کہ وہ کسی قوم کے مذہبی احکام میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔

ایمن کی جدید تجارتی کتابیں

م	تفسیر خازن ہمامہ تفسیر	م	تفسیر برہان حال
م	کتاب التاج والمناجیح	م	کتاب ہدایہ صغریٰ
م	بلوغ النول فی تفسیر قدس سرہ	م	کتاب التاج والمناجیح

فن ادب

م	دیوان عمر ابن ربیع	م	دیوان عمر ابن شداد
م	دیوان ابو دواس	م	دیوان زہیر
م	دیوان ابو العلاء معری	م	دیوان غفری اخت طرہ
م	دیوان خاسہ (ماشیہ تبریزی کا خلاصہ)	م	دیوان ابو الزمان ہمدانی
م	کتاب العجب فی شرح الامیۃ العرب	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	کتاب الصائمین لابل ہلال عسکری	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	فن شعراء ثانیہ حصہ اول	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	مقامات جامع الزمان ہمدانی عشری جلد اول	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	الطباہ الذہب	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	امثال العرب للقبی	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	شراہم اللغات العربیہ	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	شفا بعلیل غیبی فی کلام العرب من الفضل	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	الطرف الادبیہ من قبل ابو العباس کی	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	ضیغ اللہ اور اس کی کتاب لغت	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب
م	مصارع العشاق	م	کتاب الادب فی شرح مشاعر العرب

فن طب

م	مناہج الاطباء	م	مناہج الاطباء
م	مناہج الاطباء	م	مناہج الاطباء
م	مناہج الاطباء	م	مناہج الاطباء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوة

شذرات

مخبر دکن مدراس سے معلوم ہوا کہ ۹۔ جون ۱۹۰۷ء کو پرنس آف ارکاٹ کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس میں منظر پر کی کارروائی پر اظہارِ راضی کیا گیا، اس میں مولوی غلام محمد صاحب شملوی دکیل ندوة العلماء نے رزلوشن کی تائید میں گفتگو کی، اور یہی پرائز تقریر کی کہ لوگوں کو اس بات کا افسوس رہا کہ اُن کو وقت کم دیا گیا تھا۔ ندوہ اگرچہ پالیٹکس سے بالکل الگ ہے لیکن چونکہ اسکا اصلی مقصد، روشنی خیزانہ علم کا پیدا کرنا ہے، اور اس قسم کے علما کا ایک ضروری فرض یہ بھی ہے کہ گورنمنٹ کی برکات حکومت سے واقف ہوں، اور ملک میں گورنمنٹ کی وفاداری کے خیالات پھیلائیں، اسلئے مولوی صاحب موصوف نے ندوہ کا فرض ادا کیا، ندوہ کے اور سفر اور وکلاء بھی موقع بہ موقع، اس فرض کو انجام دیتے رہتے ہیں،

ہم مولوی حفیظ اللہ صاحب نائب تحصیلدار اور اُن کے صاحبزادہ مولوی ثناء اللہ صاحب بی۔ اے کے مشکور ہیں کہ وہ وقتاً فوقتاً ندوہ کی امداد چندہ سے اور خود اپنی جیب خاص سے کرتے رہتے ہیں، چنانچہ حال میں بھی عرصہ کی رقم دونوں صاحبوں نے ارسال فرمائی ہے۔

ندوہ کا ڈپوشن ایک مدت سے حیدر آباد جانے کی طیاریاں کر رہا ہے، اور درحقیقت ایسے زمانہ میں جبکہ جناب نواب مدارالامام بہادر وزیر، مولوی عزیز مرزا صاحب بی۔ اے، معتمد عدالت و امور مذہبی، مولوی حمید بی صاحب، معتمد قاضیوں، ندوہ کی کامیابی کی نسبت بہت کچھ امیدیں یکجا کرتے ہیں، لیکن اب تک کچھ ایسے اسباب پیش آتے گئے کہ ڈپوشن روانہ نہ ہو سکا، اب خدا سے امید ہے کہ ہم کو دیر تک اس خبر کا انتظار نہ کرنا پڑے گا۔ معذور نظام غلہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی نے ندوہ کا سنگ بنیاد رکھا ہے اور انشا اللہ یہی قوت اور بابرکات اسکو انجام تک پہنچائے گا۔

ہمارے پاس کثرت سے طلباء کی درخواستیں، ندوہ میں داخل ہونے کے لیے آرہی ہیں، لیکن اولاً تو موجودہ عمارت کافی نہیں، دوسرے باوجود اس شغف کے جو ہم کو ندوہ کے ساتھ ہمہ یں نہیں چھوڑنے کے لوگ نہایت کثرت سے، عربی تعلیم پر مائل ہو جائیں، عربی تعلیم کی سخت ضرورت ہے، لیکن تعداد کے زیادہ ہونے کی نہیں، بلکہ اس کی کہ جو لوگ تعلیم پائیں وہ نہایت بلند پہلے پر تعلیم پائیں، ایک آفتاب تمام دنیا کو روشن کر سکتا ہے، اور بہت سے تارے رات کی تاریکی میں نہیں مل سکتے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی یونیورسٹی تو بنگالہ روپیہ کے نہ دیا ہونے سے بن سکی، لیکن مصر کی حالت، تعجب خیز اور حیرت ناک ہے، لاکھ روپیہ سالانہ خدیو نے منظور کیا ہے، اسی قدر آمدنی کی جائداد، ایک اور فیاض دوست نے دی ہے، پانچ چھ لاکھ ابتدا ہی میں جمع ہو چکے تھے، اور بہت سی معتد بہ رقبہ اب حاصل ہوئی ہیں، یہ سب ہے لیکن یونیورسٹی کا جوڑ نقشہ دیکھ کر ہنسی آتی ہے کہ کیا عجیب الخلقہ جیسے ہرگز، نہ اس میں بی۔ اے، اور ایم۔ اے کی ڈگریاں ہیں، نہ صنعت و حرفت کی تعلیم ہے، نہ تجارت و زراعت کے جدید اصول کا

سامان ہو۔ اس کی آمدنی سے یورپ میں تعلیم پانے کے لیے ایک جماعت بھی جایا کر گئی، چنانچہ اب کی دفعہ ہسٹک طلباء انتخاب ہوئے جکے نام اللووا میں شائع ہوئے ہیں، یہ البتہ ایک مفید بات ہے لیکن اسکو عام لغتہ میں یونیورسٹی نہیں کہتے، اصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں نہ روپیہ کی کمی ہے، نہ دولت کی، نہ ہمت کی، صرف ایک ذرا سی چیز نہیں ہے، رائے صائب،

نوسلم راجپوتوں کی حفاظت اسلام کے لیے بڑی زور شور سے جا بجا انجمنیں قائم ہوئیں اور ان کی کوششیں کارگر ثابت ہوئیں لیکن سب نالاں ہیں کہ قابل اور لائق وعظ نہیں ملتے۔ اصل یہ ہے کہ ایک مدت سے عربی تعلیم کا معیار ایسا پست، اور تربیت کا طریقہ ایسا ناقص ہو گیا ہے کہ قابل اور دقیق النظر اور بلند ہمت پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی، سب بڑا فرض یہ ہے کہ ایک کمیٹی قائم ہو جسکا یہ کام ہو کہ مدارس اسلامیہ مثلاً دیوبند، سہارنپور، رام پور وغیرہ میں جا کر، وہاں کی تعلیمی حالت دیکھے، اور ان کی نقص اور کمی اور صلاح کی نہایت تفصیلی رپورٹ تمام ملک میں شائع کرے۔ تاکہ تمام قوم کی طرف سے، ان مدارس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے طریقہ تعلیم اور تربیت میں اصلاح کریں، کپا موجودہ زمانہ میں طرز تعلیم مفید ہو سکتا ہے، جس میں ملاحدہ یورپ، عیسائی، اور آریہ کے اعتراضات کے بجائے معتزلہ کے مناظرات اور اعتراضات سے بحث کی جاتی ہے، جو مدت ہوئی فنا بھی ہو چکے، کیا ابکل یہ طریقہ تربیت مفید ہو سکتا ہے کہ مدرسے کے طلبا کو نان ہائوں کی دوکانیں بتا دی جائیں کہ وہاں جا کر کھا آیا کریں، یا گد اگروں کی طرح لوگوں کے گھروں سے مانگ لائیں، اس طرز تربیت سے بلند ہمتی، ایثار نفسی، اور عالی عرصلگی کی توقع کرنا حماقت اور سخت حماقت ہے۔

۱۱۱ الملل کے جدید برج میں یونیورسٹی کے تین بڑے مقصد تفصیل سے لکھے ہیں لیکن خود الملل نے تسلیم کیا ہے کہ یہ موجودہ ضرورتوں کے لحاظ سے فضول باتیں ہیں۔

ندوہ میں بجاشا کی تعلیم

حالات موجودہ سے اس بات کی سخت ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ندوہ میں سنسکرت اور بجاشائی زبانہ الہی کی تعلیم کی بھی ایک شاخ کھولی جائے۔ کیونکہ ان زبانوں کی وفہیت کے بغیر اریوں کا مقابلہ کرنا اسکا مصداق ہرج مرج لڑتے ہیں اور بات میں تلوار بھی نہیں، اس بنا پر ہم چاہتے ہیں کہ نہایت جلد اس شاخ کا بھی انتظام کیا جائے، لیکن چونکہ موجودہ آمدنی اس کے مصارف کے لیے کافی نہیں، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ ارباب ہت ماہوار پسندہ مقرر کریں، جس سے ایک پنڈت کی تنخواہ کا بندوبست ہو سکے۔ تنخواہ کی مقدار طے ہووار کافی ہوگی، اس لیے اگر پانچ بزرگ جی اسے مل جائیں تو فوراً یہ شاخ کھول دی جائے۔

ہم سب سے پہلے ایک نام میں خود پیش کرتا ہوں مشین نعمانی

مجددانِ اسلام

علامہ ابن تیمیہ عراقی

اسلام میں سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں علما، فضلا، مجتہدین، ائمہ فہم، مدبرین ملک گزرے، لیکن مجدد یعنی رفارہر بہت کم پیدا ہوئے، ایک حدیث ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد پیدا ہوگا، اگر یہ شتبہ حدیث مان لی جائے تو آج تک کم از کم ۱۳ مجدد پیدا ہونے چاہئیں، لیکن اس حدیث کے صادق آنے کے لیے جن لوگوں کو مجددین کا لقب دیا گیا، ان میں سے اکثر معمولی درجے کے لوگ ہیں، یہاں تک کہ علامہ سیوطی بھی اس منصب کے امیدوار ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے مجدد کے رتبہ کا اندازہ نہیں کیا۔

مجدد یا رفارہر کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں۔

- ۱۔ مذہب، یا علم، یا سیاست، (پالیٹکس) میں کوئی مفید انقلاب پیدا کر دے۔
- ۲۔ جو خیال اسکے دل میں آیا ہو، کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو، بلکہ اجتہاد ہو،
- ۳۔ جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو، یہ شرط، قدمائیں بھی بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے زمانہ میں تو رفارہر ہونے کے لیے صرف یورپ کی تقلید کافی ہے۔

تیسری شرط، اگر ضروری قرار نہ دی جائے تو امام ابو حنیفہ، امام غزالی، امام رازی، شاہ ولی اللہ صاحب اس دائرہ میں آسکتے ہیں، لیکن جو شخص رفارہر کا اہلی مصداق ہو سکتا ہے، وہ علامہ ابن تیمیہ ہی، ہم اس بات سے وقف ہیں کہ بہت سے امور میں، امام غزالی وغیرہ کو ابن تیمیہ پر ترجیح ہے، لیکن وہ امور

نجد آیت کے دائرے سے باہر ہیں، مجددیت کی اصل خصوصیتیں جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں، اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہوگی۔ ایسے ہم اس موان کے ذیل میں علامہ موصوف کے حالات، اور ان کے مجددیت کی خصوصیات کھنا چاہتے ہیں،

نام و نسب و ولادت

احمد نام حضرت ابن تیمیہ - تقی الدین لقب، سلسلہ نسب یہ: احمد بن عبد الحکیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن انصاری بن محمد بن اخضر بن علی بن عبد اللہ بن تیمیہ الحارانی، دمشق کے علاقہ میں حران ایک مقام کا نام ہے، ان کے آبا و اجداد وہیں کے رہنے والے تھے، ان کے دادا محمد بن خضر کی والدہ کا نام تیمیہ تھا، وہ نہایت قابل تھیں اور وعظ کیا کرتی تھیں، علامہ موصوف انہیں کی طرف منسوب ہو کر، ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں، علامہ کے خاندان میں سات آٹھ پشت سے درس و تدریس کا مشغلہ چلا آتا تھا، اور سب لوگ علم و فن میں ممتاز گزرے، علامہ کے والد عبد الحکیم بہت بڑے عالم تھے، فن حدیث میں ان کو کمال حاصل تھا،

علامہ موصوف دو شنبہ کے دن ۱۰۱۰ ربيع الاول ۷۶۱ھ میں بہ مقام حران پیدا ہوئے یہ وہ زمانہ ہی کہ تاتاری، بغداد کو غارت کر کے شام کی طرف پھیل رہے تھے، اور جد ہر جاتے تھے ملک کے ملک برباد کرتے جاتے تھے، علامہ کے والد اسی پریشانی میں رات کو چھپکر تمام خاندان کے ساتھ حران سے نکلے، الگ الگ سواری کا بندوبست نہ تھا، سب کے سب

۱۱۱۱ علامہ ابن تیمیہ کے حالات اگرچہ اکثر کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن طبقات الحنابلہ میں ابن جب جہلی نے جو خود علامہ موصوف کے شاگرد کے شاگرد ہیں، ان کا حال زیادہ تفصیل سے لکھا ہے، ذیل ابن خلکان اور طبقات الحنابلہ میں بھی مفید حالات ہیں، حافظ ابن حجر نے دررکامنہ میں نہایت دلچسپ اور مفید حالات لکھے ہیں، لیکن میرے پاس اس کتاب کا جو نسخہ تھا، نہایت غلط تھا، اس لیے اکثر جگہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا،

ایک گاڑی میں بیٹھے، کتابیں بھی اسی گاڑی میں رکھ لیں، تاہم یہی تعاقب میں تھے لیکن خدا نے بچالیا اور گرتے پڑتے دمشق پہنچے، یہ عرصہ کا واقعہ ہے، اس وقت علامہ کی عمر ۲۰ برس کی تھی، علامہ نے والد کے اشارہ سے دمشق میں علم کی تحصیل شروع کی، دس برس کی عمر میں ہونے پائی تھی کہ نحو صرف، ادب وغیرہ سے فراغت حاصل کی، اس برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے فتوے دینے کے قابل ہو گئے۔ تصنیف و تالیف بھی اسی عمر میں شروع ہو گئی، ۲۱ برس کی عمر میں انکے والد کا انتقال ہو گیا، وہ متعدد مدارس میں مدرس تھے انکے بعد، ان تمام مدرسوں میں باپ کا عہدہ ان کو ملا۔

علامہ موصوف نے جن اساتذہ سے علوم کی تحصیل کی، ان کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے جن میں مشاہیر کے یہ نام ہیں، ابن ابی الیسر، کمال بن عبد، شمس الدین منبلی، قاضی شمس الدین بن عطار، الخنفی، شیخ جمال الدین بن صیمرنی، محمد الدین بن عساکر، نجمی مقداد، ابن ابی الخیر، ابن علان، ابوبکر ہروی، کمال عبدالرحیم، فخر الدین بن البخاری، ابن شیبان، شرف بن القواس،

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انکے اساتذہ میں زینب بھی ہیں جو ایک فاضل خاتون تھیں، ۱۸۰ھ میں دارالحدیث سکریمہ میں جو خاص فن حدیث کا درس گاہ تھا، پلا درس دیا، اس درس میں بڑے بڑے علما اور فضلا استفادہ کی غرض سے شریک ہوئے چنانچہ قاضی القضاۃ بشار الدین، شیخ تاج الدین فزاری، زین الدین بن مرغل، شیخ زین الدین بن منجک، ایک شریک تھے، علامہ نے صرف بسم اللہ کے متعلق اس قدر نکات اور دقائق بیان کیے کہ لوگ حیرت زدہ رہ گئے، تاج الدین فزاری نے یہ تقریر حرف بہ حرف قلب بند کی، اسی زمانہ میں جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد، قرآن مجید کی تفسیر پر ابتدا سے بہ ترتیب درس دینا شروع کیا، یہ درس اس قدر مفصل اور بیض ہوتا تھا کہ سورہ فوج کی تفسیر کئی برس میں تمام ہوئی۔

۱۸۰ھ طبقات الخبالہ ابن رجب،

انکے علم و فضل کا شہرہ اس قدر عام ہونا جاتا تھا کہ ۲۹۹ھ سے پہلے پہلے یعنی جب انکی عمر ۲۰ برس کو بھی نہ پہنچی تھی قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا، لیکن انھوں نے انکار کیا۔ ۳۰۰ھ میں حج کو گئے اور جب واپس آئے تو تمام ملک میں انکے فضل و کمال کا سکہ جم چکا تھا، لیکن اس میں قبول کے ساتھ مخالفت کا سان بھی جمع ہوتا جاتا تھا، اسلامی فرقوں میں سے شمری اور غنوی آپس میں عریض مقابل تھے۔

امام رازی نے اشاعہ کے مذہب کو اس قدر مدلل اور روشن کر دیا تھا کہ غنوی مذہب کو بوجھ چکا تھا، علامہ ابن تیمیہ، غنوی تھے اور انکے نزدیک غنویوں ہی کی رائے صحیح تھی، ایسے انھوں نے دیر ہی سے ان خیالات کا اظہار کیا۔ ۳۹۹ھ میں ایک ہفتہ ان کے پاس اسکے متعلق آیا، انھوں نے دو تین گھنٹہ میں اسکا لمبا چوڑا جواب لکھا جو حمویہ کے نام سے مشہور ہے، اس میں نہایت تفصیل سے اشعریوں کی غلطی ثابت کی، یہ پہلا دن تھا کہ ان کی صداوت اور مخالفت کی صدا بلند ہوئی، فقہانے ان سے جا کر بحث کی، لیکن قاضی امام الدین قزوینی انکے طرفدار ہو گئے، اور کہا کہ جو شخص علامہ کے مخالف، کوئی بات کہیگا میں اسکو سزا دوں گا۔ شورش بیان تک بڑھی کہ قاضی حنفی نے سنادی کہ آدمی کہ ابن تیمیہ فتویٰ نہ دینے پائیں، لیکن حکام میں سے ایک صاحب اثر نے علامہ کی طرفداری کی، اور وہ فتنہ فرو ہو گیا۔

۳۹۹ھ میں یہ فتنہ پھر بڑے زور شور سے اٹھا، یہاں تک کہ شاہی حکم آیا کہ نائب السلطنت افرم، علماء و فضلاء کے مجمع میں، علامہ کا اظہار لیں، غرض ۳۹۹ھ کو تمام قضاۃ اور علماء ایوان شاہی میں جمع ہوئے، اور علامہ کو بلوا بھیجا، وہ اپنی تصنیف، عقیدۃ واسطیہ بات میں لیکر گئے، اور اسکو پڑھ کر سنایا، تین جلسوں میں پوری کتاب ختم ہوئی، پھر ۴۰۰ھ صفر ۳۹۹ھ

۴۰۰ھ طبقات الخباہ ۴۰۰ھ فوات الوفيات ۴۰۰ھ درکاء حالات ابن تیمیہ۔

۴۰۰ھ طبقات الحنا بلد ابن رجب۔

کو مناظرہ کی مجلس منعقد ہوئی اور علامہ صفی الدین ہندی، افسر مناظرہ مقرر ہوئے۔ پھر کسی وجہ سے انکے بجائے کمال زمکانی جو مشہور محدث تھے، اس خدمت پر مامور ہوئے، بالآخر سب نے تسلیم کیا کہ علامہ کے عقائد، اہل سنت کے عقائد ہیں۔ چند روز کے بعد شاہی فرمان آیا کہ علامہ پر جو الزام لگائے گئے تھے، غلط تھے، حافظ بن حجرؒ درکار نامہ میں لکھا ہے کہ علامہ نے اقرار کیا کہ میرے عقائد، امام شافعی کے عقائد ہیں۔

۱۲۔ رجب شمسہ کو علامہ مزنی نے، بخاری کی کتاب افعال العباد کا درس جامع مسجد میں دیا، اس پر بعض شافعیوں کو خیال ہوا کہ اس کا روی سخن باری طرف ہے، چنانچہ قاضی شافعی سے جا کر شکایت کی، قاضی نے اُلٹا، اُسی کو قید کر دیا، علامہ ابن تیمیہ کو خبر ہوئی تو خود گئے اور بزور اسکو قید خانہ سے بچھڑا لائے، قاضی یسکر قلعہ میں گئے کہ نائب السلطنہ سے اس کی شکایت کریں، اتفاق سے، علامہ بھی وہیں موجود تھے، رو در رو گفتگو ہوئی اور سخت کلامی تک نوبت پہنچی، بالآخر، نائب السلطنہ نے رفع فساد کے لیے منادی کرا دی کہ جو شخص ان عقائد کا اظہار کرے گا اسکو سزا دی جائیگی۔

چند روز کے بعد یہ فتنہ پھر اُٹھا، امراء دربار میں سے ہر س چاشگیر، حکومت کا دایا ہات تھا، اور وہ شیخ نصر بنی کا نہایت معتقد تھا، شیخ نصر، علامہ ابن تیمیہ اور انکے عقائد کے سخت مخالف تھے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو اس جرم پر قتل کر رکھے تھے، انہوں نے ہر س کو آمادہ کیا کہ علامہ دمشق سے قاہرہ میں طلب کیے جائیں، چنانچہ ۲۱۔ رمضان ۷۸۸ھ کو علامہ ڈاک میں بیٹھ کر دمشق سے قاہرہ میں آئے، اور اسکے دوسرے دن قلعہ میں بارعام ہوا، قاضی بن مخلوق مالکی، حکم ہو کر بیٹھے۔ ایک شخص جس کا نام، ابن عدلان تھا اُسے اظہار دیا کہ ابن تیمیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا، حرف اور الفاظ کے ذریعے سے بولتا ہے، اور اس کی طرف، انگلیوں سے اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ یہ واقعات صرف درکار نامہ میں ہیں۔

یہ لکھتا ہے قاضی ابن مخلوق کی طرف دیکھا کہ کیا ایسا شخص قتل کا مستحق نہیں ہے، قاضی صاحب نے علامہ کی طرف خطاب کیا، علامہ نے غصہ دیکھ کر کے طریقہ پر جواب دینا چاہا، اس لیے پہلے بعد دینا شروع کی، قاضی نے کہا جلد جواب دو۔ علامہ بولے کہ کیا حمد و ثناء کروں، قاضی نے کہا، چھارہ بچے جو بچی، اب تو جواب دو۔ علامہ چپ ہو رہے۔ جب زیادہ اصرار ہوا تو انھوں نے کہا کہ حکم کو مان بی۔ لوگوں نے قاضی صاحب کی طرف اشارہ کیا چونکہ وہ اشعری تھے، علامہ نے کہا، یہ خود فریق مقدمہ ہیں، حکم کیونکہ بولتے ہیں، اس پر لوگ برہم ہوئے اور علامہ کو مجلس سے اٹھا دیا۔ علامہ کے بھائی شیخ شرف الدین بھی اس معرکہ میں موجود تھے وہ بھی علامہ کے ساتھ اٹھے اور ان کے منہ سے بد و ناکلی، علامہ نے روکا اور کہا کہ یوں کہو اللہم اھم اھم

غرض قاضی اہلی کے حکم سے علامہ قدم کے قید خانہ میں بھیجے گئے، لیکن جب قاضی صاحب کو معلوم ہوا کہ یہاں کسی کی روک ٹوک نہیں، لوگ علامہ سے بے تکلف ملتے جلتے ہیں، تو انھوں نے کہا کہ ابن تیمیہ کا کفر ثابت ہو چکا ہے، اس لیے فرائض تو یہی تھا کہ وہ قتل کر دیے جاتے، لیکن کم از کم قید خانے کی سختی ضرور ہے۔ غرض عید کے دن، قلعہ سے منتقل ہو کر، جب یوسف میں جو نہایت تنگ و تاریک قید خانہ ہے، قید کیے گئے، اسی زمانہ میں ایک شاہی فرمان نافذ ہوا کہ جو شخص ابن تیمیہ کا ہنجیال ہوگا قتل کر دیا جائیگا، یہ فرمان ابن شہاب محمود نے جامع مسجد میں جا کر پڑھا، منبل فرقہ کے لوگ ہر جگہ سے گزرا ہو کر آئے اور ان سے یہ اقرار لیا گیا کہ وہ شافعی العقیدہ ہیں، قاہرہ میں منبلوں کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں کہ وہ ابن تیمیہ کے عقیدہ سے باز آئیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس عام آشوب میں علامہ کی جسے حمایت کی وہ شمس الدین ابن الجوری تھے جو ذہباً حنفی تھے، انھوں نے ایک محضر لکھا جس میں یہ عبارت لکھی کہ

لے در کامنہ،

تین سو برس سے ابن تیمیہ کا کوئی ہمسر نہیں پیدا ہوا، اس جرم میں شمس الدین کی مغزولی کی کوشش کی گئی، چنانچہ وہ اگلے سال مغزول کر دیے گئے۔

اتفاق یہ کہ سالار جو سلطان ناصر کا دست بازو تھا، علامہ کی حمایت پر آمادہ ہوا اسنے ینوں مذہب کے فقہاء کو جمع کیا اور خواہش کی کہ علامہ قید سے رہا کر دیے جائیں، سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ اگر وہ چند شرائط قبول کریں، اور بعض عقائد سے باز آئیں تو البتہ ان کی رہائی ہو سکتی ہو، چنانچہ ان شرائط کے قبول کرنے کے لیے علامہ طلب کیے گئے، لیکن وہ نہ آئے، بار بار ان کو پیغام بھیجا گیا، لیکن ان کو خیال کی آزادی کے مقابلہ میں اپنا قید بونا گوارا تھا

اس زمانہ کے واقعات کے متعلق ایک تحریر خود علامہ کی ہماری نظر سے گزری اسکا نام مناظرہ مصریہ ہے اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ”منتہی میں دوشاہی عہدہ دار میرے پاس آئے کہ چلکر، علما کے سامنے اپنے عقائد کا ثبوت بیان کیجئے، میں نے کہا سال بھر سے تم لوگ میرے خلاف لوگوں کے بیان سنتے رہے، اور کبھی مجھ کو جواب کا موقع نہیں دیا۔ اب ایک دفعہ تمہا میرا بیان بھی سن لو، پھر مجمع عام میں گفتگو ہوگی دونوں عہدہ دار واپس گئے اور یہ پیغام لائے کہ آپ کو مجبوراً چلنا ہوگا، میں نے انکار کیا، وہ لوگ واپس گئے اور پھر یہ پیغام لائے کہ فلاں فلاں عقیدوں سے باز آؤ، میں نے اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا۔

لطیفہ جن دنوں علامہ قید میں تھے، باہر کے ایک رئیس نے علامہ کی صورت کا ایک آدمی دیکھا، متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں، اُس نے کہا ابن تیمیہ، رئیس کو نہایت تعجب ہوا، اُس نے ماردین کے رئیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی، رئیس ماردین نے بادشاہ مصر کو لکھا، لوگوں کو نہایت حیرت ہوئی، علامہ نے اس واقعہ کو ایک ضمنی

اور نفع پر سالہ الفرقان میں کھا ہوا۔ اور یہ خیال ظاہر کیا جو کہ وہ غالباً جن تھا، لیکن حقیقت یہ ہے
 کہ اس کی عظمت و شان نے اس رئیس کے دل میں ایک خیالی صورت پیدا کی، جو مجسم ہو کر،
 نظریاتی جن کا خیال علامہ کی وہم پرستی پر (جن کے وجود سے انکار نہیں، لیکن جن یوں
 صورت بدل، لوگوں کے پاس آیا جانا نہیں کرتے)۔

مرض ویزوہ: جس تک علامہ قید خانہ میں رہے، انکے بھائی بھی ساتھ تھے، معمول
 تھا کہ قیدیوں کو کھانا کپڑا، حکومت کی طرف سے ملتا تھا، لیکن علامہ نے عطیہ سلطانی سے
 بالکل انکار کیا اور فقر وفاقہ سے بسر کی۔

ربیع الماویل ۱۲۸۵ھ میں مہتاب بن عیسیٰ جو عرب کا مشہور رئیس تھا، مصر میں آیا، اور خود
 قید خانہ جا کر علامہ کو چھرا لایا، اسکے بعد متعدد جے منعقد کیے اور تمام علما و فضلا کو جمع کیا
 جس میں علامہ نے مسائل متنازع فیہ پر گفتگو کی، صاحب طبقات نے علامہ ذہبی کے
 حوالہ سے لکھا ہے کہ علامہ نے قتل کے ڈر سے بعض مسائل میں اتفاق کیا، لیکن صاحب
 دیات نے جو علامہ کا شاگرد ہو کر کھا ہوا کہ علامہ نے عربیوں کو زور ہند لال سے مغلوب
 کر لیا، بہر حال علامہ قید خانہ سے نکل کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور چند روز کیلئے
 ان کو اطمینان نصیب ہوا۔

سلسلہ سخن کے اتصال سے ہم بہت دور نکل آئے، اور بیچ کے اہم واقعات
 جن میں علامہ نے ملکی معاملات انجام دیے چھوٹ گئے، علامہ موصوف عام علما
 کی طرح، اپنا فرض، صرف نماز روزہ ادا کرنا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ انکے نزدیک، مہمات سیاست
 میں دخل دینا، بھی علما کے فرائض میں داخل تھا، ۱۲۸۵ھ میں جب ان کی عمر ۱۰-۱۱ برس
 کی تھی، غازان خان بن ہلاکو خان نے شام پر حملہ کیا، سلطان ناصر دبا دشاہ مصر، اسکے
 مقابلہ کو نکلا، لیکن بڑے معرکہ کے بعد شکست کھائی، غازان خان نے آگے بڑھ کر حمص
 پر قبضہ کر لیا، اس کی آمد آمد کی خبر سنکر دمشق میں اس قدر برہمی پھیلی کہ عام فارت گری

شروع ہو گئی علامہ بن تیمیہ یہ حالت دیکھ کر خود غازان خاں کے پاس گئے اور اس سے اس کا فرمان لیکر آئے، عام لوگ تو یہ سن کر مطمئن ہو گئے، لیکن اہل فوج نے نہ مانا اور شہر کو لٹانا شروع کر دیا، علامہ ابن تیمیہ نے شیخ الشیوخ نظام الدین محمود کو لیکر شہر کا بندوبست اور امن و امان قائم کیا، پھر غازان سے جا کر ملاقات کی، اسکے بعد تاتاری فوجیں بیت المقدس وغیرہ پر بڑھیں، اور ہزاروں آدمی گرفتار کر لیے، علامہ سردار لشکر کے پاس گئے، اور بہت سے قیدیوں کو جا کر چھڑا لئے،

۷۹۹ء میں غازان خاں نے بڑے زور شور سے شام کے حملہ کی تیاری کی۔ قتلوشاہ اور تولایے جو اسکے سپہ سالار تھے، فوجیں لیکر آگے بڑھے، یہ خبر سن کر علامہ ابن تیمیہ نے جا کر اُنہیں گفتگو کی، اور اُن کو اس ارادہ سے روکا، ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا اور ہر قسم کی طیاریاں شروع کیں، اس وقت تو یہ فتنہ فرو ہو گیا، لیکن سال بھر کے بعد تاتاریوں کا سیلاب امنڈا، اور ہر طرف تاتاری فوجیں پھیل گئیں، علامہ ڈاک میں بیٹھ کر مصر پہنچے اور اعیان سلطنت سے مل کر، ان کو جہاد کی ترغیب دی، تمام شہر اُن سے ملنے کے لیے آیا یہاں تک کہ علامہ تقی الدین بن دینق العید جو امام المحدثین اور قاضی القضاۃ تھے وہ بھی تشریف لائے۔ مصر کے لوگوں کو آمادہ کر کے، علامہ دمشق کو واپس گئے اور جہاد کی طیاریاں کیں۔

۸۰۰ء میں تاتاریوں نے پھر نہایت سرد سامان سے شام پر چڑھائی کی، قتلوشاہ اور چوپان جو سردار فوج تھے، نوے ہزار فوج لیکر بڑھے، اس وقت شام سلطان ناصر کے قبضہ میں تھا، اسکو خبر ہوئی تو نہایت گھبرایا، ارکان دربار نے بھی ہمت ہار دی، علامہ ابن تیمیہ یہ حالات سن کر، ڈاک میں شام سے مصر پہنچے، اور بادشاہ سے مل کر نہایت

۸۰۱ء یہ تمام واقعات تاریخ بن خلدون میں مذکور ہیں جلد ۵ ذکر سلطنت اتراک مصر۔

۸۰۲ء فوات الوفيات۔

دیباکی سے اسکو غیرت و فانی اور کما کر اگر تم اسلام کی حمایت نہ کرو گے، تو خدا کسی اور کو بھیجے گا، جو اس فرض کو انجام دے گا۔ اسکے بعد علامہ نے قرآن مجید کی یہ آیتیں پڑھیں۔

وان ننزلوا البتة فی قوما غیر کما تھابکونوا اگر تم ٹیٹھ دکھاؤ گے، تو خدا تمہارے بدلے اور قوم اسٹ لکھ۔

علامہ نے جس دلیری اور دیباکی سے بادشاہ سے گفتگو کی، تمام لوگوں کو حیرت ہوئی، امام تقی الدین بن دینیق العید کو بھی ان کی جرأت اور لطف استنباط پر حیرت ہوئی۔

علامہ کو اس سفارت میں پوری کامیابی حاصل ہوئی، سلطان ناصر شام کی طرف بڑھا اور مرج الصفر میں بیٹکا دوسرا نام تعجب بری، دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں، بڑے زور کا ران چلا، باغی خانہ گاہوں کی تمام فوجیں برباد ہو گئیں، ابن تیمیہ اس معرکہ میں 'علامہ کے بجائے ایک بہادر سپاہی نظر آتے تھے۔

غازان خان، اور امرات تمار کی سفارتوں میں، علامہ نے جس آزادی، اور دلیری سے سفارت کی خدمت انجام دی اسکا اندازہ اس سے ہو گا کہ ایک دفعہ جب وہ سپہ سالار قتل خان کے پاس ایک شخص کی وادہ سی کے لیے گئے تو قتل خان نے استہزاء کے طور پر کہا کہ آپ نے یہ کیوں تکلیف کی، آپ نے بلا بھیجا ہوتا، میں خود حاضر ہوتا، علامہ نے کہا نہیں حضرت موسیٰ فرعون کے پاس جاتے تھے، فرعون حضرت موسیٰ کے پاس نہیں آتا تھا، علامہ موصوف نے شیخ فی الدین اکبر وغیرہ کے متعلق متعدد رسالوں میں لکھا تھا کہ

وہ وحدہ وجود کے قائل ہیں یعنی خدا اور مخلوقات، سب ایک ہیں، اور یہ مذہب اسلام کی تعلیم کے خلاف بری، اس پر صوفیوں کے گروہ نے، حاکم شافعی سے جا کر شکایت کی۔ اسکے فیصلہ کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی، علامہ پر جو الزامات لگائے تھے، وہ غلط ثابت ہوئے لیکن علامہ نے یہ تسلیم کیا کہ میں رسول اللہ سے استفادہ کرنے کو ناجائز سمجھتا ہوں

لے ابن خلدون، اور طبقات ابن خلدون۔ ۵۵ ذوات الوفیات،

اسپر لوگوں میں اختلاف رہا ہے پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ اس میں کیا مرج ہے، لیکن حاکم بن جامع نے کہا کہ یہ خلاف ادب ہے، فیصلہ یہ ہوا کہ مقدمہ قاضی کے پاس بھیج دیا جائے، وہ احکام شریعت کے موافق فیصلہ کر دیں، آخر سلطنت کی طرف سے یہ حکم صادر ہوا کہ علامہ کے سامنے دو باتیں پیش کی جائیں، یا تو چند شرائط کے ساتھ چھوڑ دیے جائیں، یا اگر شرائط کے قبول کرنے سے انکار ہو تو قید خانہ گوارا کریں،

علامہ نے قید خانہ قبول کیا، لیکن انکے اہل خانہ جو دمشق سے انکے ساتھ آئے تھے اپنی طرف سے ذمہ داری کی کہ علامہ کو وہ شرطیں منظور ہیں، اس بنا پر دمشق جانے کی اجازت ملی، اور علامہ ڈاک میں روانہ ہوئے، لیکن دوسرے دن پھر واپس آنا پڑا، اور اُمراء اور قضاۃ نے پھر ایک مجمع کیا، مختلف لوگ، مختلف رائیں دیتے تھے، بعض نے قید کی رائے دی، قاضی مالکی نے کہا ان پر کوئی جرم ثابت نہیں ہے، نور الدین زواوی سے لوگوں نے پوچھا تو متحیر ہو گئے کہ کیا جواب دیں، علامہ نے دیکھا کہ ان کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف آ رہا ہوتا ہے، بولے کہ میں خود قید خانہ میں جاتا ہوں، زواوی نے کہا اگر قید خانہ میں بھیجے جائیں تو وہاں ان کی شان کے مناسب اُسے برتاؤ کیا جائے، لیکن اوروں نے کہا، یہ نہیں ہو سکتا، سلطنت اسکو منظور نہیں کر سکتی، قید خانہ میں عام قیدوں کی طرح رہنا ہو گا۔ غرض قید خانہ میں بھیجے گئے لیکن احترام قائم رہا، خدام کو انکے ساتھ رہنے کی اجازت دی گئی، ہر شخص انکے پاس آنے جانے کا مجاز تھا، چنانچہ مشکل مشکل قیدی لیکر لوگ آتے تھے اور علامہ انکے جواب کہتے تھے، اکثر لوگ برکت کی غرض سے ملنے جاتے تھے، خاص اُنکے یاران صحبت کو بھی آزادی حاصل تھی بے تکلف ان سے مل سکتے تھے،

سلطان مظفر کی چند روزہ سلطنت میں، قاہرہ سے، اسکندریہ بھیج دیے گئے، اور ایک وسیع خوش منظر سرج میں نظر بند کیے گئے، لیکن یہاں بھی ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ نہانے کے لیے حمام میں بھی جاسکتے تھے، جب دوبارہ سلطان ناصر کو غلبہ حاصل ہوا اور سلطان مظفر قتل کر دیا گیا تو سلطان نے حکم دیا کہ علامہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ قاہرہ میں بلائے جائیں، چنانچہ مستجدہ میں علامہ نہایت احترام کے ساتھ قاہرہ میں آئے سلطان نے دربار میں بلایا، اور جب وہ آئے تو کھڑے ہو کر تعظیم دی۔

سلطان نے مجمع عام میں علامہ کی نہایت تعریف کی، جس سے غرض یہ تھی کہ لوگ ان کی مخالفت سے باز آئیں، سلطان نے یہ بھی ارادہ کیا کہ علامہ کے مخالفوں کو سزا دلانے، چنانچہ خود علامہ سے مشورہ کیا، لیکن انہوں نے باز رکھا، ابن مخلوق جو علامہ کے قتل کے درپے تھے، اس موقع پر موجود تھے۔ علامہ نے ان سے بھی درگزر کی، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے ابن تمیہ جیسا جو انفراد نہیں دیکھا، میں نے ان کے قتل کی کوشش کی، لیکن جب مجھ پر ان کو قابو ملا تو معاف کر دیا،

مہینہ بھر کے بعد سلطان نے پھر علامہ کو طلب کیا، اور ان سے ملاقات کی، سلطان کے حسن عقیدت کی وجہ سے علامہ کا استیفاء مرجع عام بن گیا، امرار، اہل فوج، و درباری سب سے ملے، اور نہایت عزت و احترام سے ملتے تھے، لیکن بعضوں کو اس قدر عناد تھا کہ اس حالت میں بھی شرارت سے باز نہ آتے تھے، ان میں ایک بزرگ فقیہ بکرمی تھے، انہوں نے ایک دن علامہ کو اکیلا پا کر گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ عدالت میں چلو، محکوم پر ہستغاثہ کرنا ہی، زیادہ شور و غل ہو تو ادھر آؤ ہر سے

۱۷ درکار میں لکھا ہے کہ قاضی زین بن مخلوق نے ان کو نائب السلطنت سے لکھا، اسکندریہ کے قید خانہ میں بچوایا تھا کہ کوئی اسے مرنے نہ پائے، لیکن لطف یہ کہ قاضی صاحب نے یہ حکم بچوایا تھا تو مرض الموت میں گئی تھی، حسن خاتمہ بغیر اس کے کیونکر ہو سکتا تھا، ۱۸ ملاقات،

لوگ جمع ہو گئے، فقیہ صاحب ہاگ نکلے، اتفاق یہ کہ ایک مدت کے بعد کسی بات پر سلطان نے ناراض
ہوا اور حکم دیا کہ ان کی زبان کو اڑا دیا جائے علامہ کو خبر ہوئی، سلطان سے سفارش کی اور اتنی بات پر
معاذ مل گیا کہ وہ فوتے نہ دینے پائیں۔

۱۲۰۰ھ میں سلطان تماریوں کے مقابلہ کے لیے شام کو روانہ ہوا، علامہ بھی جہاد کی غرض
سے ساتھ ہوئے اور سلطان تک ساتھ ساتھ آئے، یہاں سے بیت المقدس کی زیارت کے لیے
گئے، زیارت سے فارغ ہو کر سات برس کے بعد دمشق میں آئے، ان کے بھائی اور اکثر شاگرد
بھی ساتھ تھے، شہر کے لوگوں کو خبر ہوئی تو تمام شہر اُٹھ آیا، بڑی دھوم دھام سے شہر میں داخل ہوئے
اور جن مدارس میں درس دیتے تھے وہاں درس دینا شروع کیا،

۱۲۰۱ھ میں علامہ نے حلف طلاق کے متعلق جمہور فقہاء کے مخالف رائے ظاہر کی، اُس پر پھر
ہنگامہ برپا ہوا، یہاں تک کہ لوگوں نے حکام سے شکایت کی، اور امن و امان قائم رہنے کی غرض سے
بادشاہی فرمان صادر ہوا کہ علامہ مستوی نہ دینے پائیں۔ شہر میں اس کی عام منادی کرادی گئی، لیکن
علامہ نے کہا کہ حق کا چھپانا جائز نہیں چنانچہ وہ عام طور پر فتویٰ دیتے رہے بالآخر سلطان کے
حکم سے قید کیے گئے اور قلعہ میں بھیج دیے گئے، وہ مہینے کے بعد ۱۲۰۲ھ میں رہائی ملی، اور بدستور
پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوئے۔

لیکن جو عام ناراضی پھیل چکی تھی اس کی آگ روں کر سکتی اور بھڑکتی تھی، بیس برس پہلے علامہ
نے ایک فتوے لکھا کہ صرف زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً ثابت نہیں، یہ فتویٰ
ایک فتنہ خوابیدہ تھا، جسکو موقع پا کر لوگوں نے جگایا، اور تمام شہر میں آگ سی لگ گئی، اٹھارہ برس
بڑے فقہاء نے علامہ کے کفر کا فتویٰ دیا، جنکے سرگروہ قاضی اختیاری مالکی تھے، چاروں مذہب یعنی
حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہاء سے فتویٰ لیا گیا۔ سب نے بالاتفاق علامہ کی قید کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ
شعبان ۱۲۰۳ھ میں شاہی فرمان کی رو سے وہ دمشق کے قلعہ میں قید کر دیے گئے، ان کے بھائی

شرف الدین پر اگر چہ جسم نہ تھا لیکن اُن کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ بھائی کو تنہا چھوڑ دیں، اپنی خوشی سے قید خانے میں گئے۔ یہاں ہادی الاولیٰ کو قید خانہ ہی میں بٹکا انتقال ہو گیا، اُنکے جنازہ کی نماز قلعہ سے باہر پڑھی گئی لیکن علامہ کو شرکت کا موقع نہ دیا گیا مجبوراً علامہ نے قید ہی کی حالت میں قلعہ کے اندر نماز ادا کی چونکہ کبیر کی آواز اندر نہ آتی تھی، اسلئے نماز کے ارکان میں فرق نہ آیا۔ لیکن مصافی کا بھائی کے جنازہ میں نہ شریک ہو سکے پر سب کو رقت ہوئی اور لوگ بہت روتے۔

قید کی حالت میں بھی علامہ کا پاس ادب، مہفوظ رکھا گیا، اُنکے رہنے کو بہت اچھا کر دیا گیا، کمرہ بھی میں پانی کا انتظام بھی تھا خدمت لیلے ایک فادر موجود تھا، علامہ نے یہاں نہایت اطمینان سے تصنیف و تالیف مشہور کی، قرآن مجید کے حقائق پر بہت کچھ لکھا۔ کہا کرتے تھے کہ مجھ کو یہاں جو نکات اور حقائق خدا نے افشاء کیے کبھی نہیں دیکھے تھے، افسوس ہے کہ قرآن کے سوا مینے اپنی زندگی اور تصنیفات میں کیوں صرف کی جس مسئلہ پر علامہ کو سزا ملی تھی، اُسکے متعلق علامہ نے نہایت مفصل مضامین لکھے احباب اور اہل سنت و اہل فطرت اور فتوے بھی لکھتے رہتے تھے، تحسیریں ملک میں پسپیں تو رفع فساد کے لیے حکم دیا گیا کہ علامہ کے پاس قلم و دوات وغیرہ کوئی چیز نہ رہنے پائے۔ اس کے بعد علامہ نے جو سب سے اخیر تحریر لکھی وہ چند سطریں تھیں جن کا مضمون یہ تھا کہ مجھ کو اگر اصلی سزا دی گئی تو وہ صرف یہی ہے یا یہ سطریں علامہ نے کولے سے لکھی تھیں۔

اب علامہ ہمہ تن ذکر و عبادات، تلاوت قرآن، مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہوئے بالآخر بیمار ہوئے اور میں دن بیمار رہ کر دو شنبہ کی رات دو قعدہ ششہ میں وہ آفتاب علم دنیا کی اُفت سے چھپ گیا اور تمام عالم میں تاریکی چھا گئی

رستم و ازرفتن من عالمے تاریک شد من مگر ششم چو رفتم، بزم جسم ساختم
علامہ کی زندگی تک تو زمین اور آسمان اُنکے دشمن تھے، لیکن جب اُنکے مرنے کی خبر پھیلی تو تمام ملک پر سنسنا چھا گیا۔ مؤذن نے جامع مسجد کے مینار پر چڑھ کر اعلان دیا۔ پولس الوں نے

بہجوں سے منادی کی۔ فستہ تمام دکانیں بند ہو گئیں۔ نائب الحکومتہ کے پاس جا کر لوگوں نے تعزیت کی رسم ادا کی۔ ائمہ محدثین امام مہزی وغیرہ نے غسل دیا، قلعہ میں کثرت کی وجہ سے کل دہرنے کی جگہ نہیں رہی، قلعہ سے لیکر جامع مسجد تک دیووں کی بیٹر لگی ہوئی تھی شہر کا شہر اُمنڈ آیا، جامع مسجد سے قلعہ تک ٹٹ لگ گیا جنازہ جامع مسجد میں لا کر رکھا گیا، ہجوم اور کشمکش سے بچانے کے لیے ہر طرف فوجیں متعین ہو گئیں۔ صبح پہلے قلعہ میں شیخ محمد تمام کی امامت سے جنازہ کی نماز پڑھی گئی، پھر جامع دمشق میں نماز ہوئی، جب جنازہ چلا تو یہ کثرت تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا لوگ دور سے رومال عامے، چادر بھینکتے تھے کہ جنازہ سے چھو جائیں تو انکو تبرک نہائیں جنازہ سردوں پر چلتا تھا، اور آگے بڑھ کر کشمکش سے پیچھے ہٹ جاتا تھا، ہر چند پہلے سے کچھ اطلاع نہ تھی، فقہاء اور مفتیوں نے، شہر کو علامہ کا دشمن بنادیا تھا، تاہم ڈھائی لاکھ آدمی جنازہ کے ساتھ تھے جن میں پندرہ ہزار عورتیں تھیں۔ رستہ میں لوگ زار زار روتے جاتے تھے، پردہ نشین عورتیں بالا خانوں اور کونٹوں پر جنازہ کی طرف منہ کر کے فوج کرتی تھیں، نمازیں صفت قائم نہ رہ سکی، صفت سے صفت اس طرح پیوستہ تھی کہ بیٹھنا تک نامکن تھا، اسحیالت میں ایک شخص نے پکارا کہ اہل سنت کا جنازہ یوں اٹھتا ہی، اس پر مجمع کا مجمع چیخ اٹھا اور تمام فضا گونج گئی، علامہ مکے بھائی زین الدین نے نماز پڑھائی اور مقبرہ صوفیہ میں اپنے بھائی شرف الدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

اس وقت ریل اور جہاز نہ تھے لیکن تمام دنیا سے اسلام میں یہ خبر پھیل گئی اور ہر جگہ غائبانہ نمازیں پڑھی گئیں مسافروں نے بیان کیا کہ چین میں انکے جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور منادی یہ یہ پکارتا تھا کہ الصلوٰۃ علی ترجمان القرآن (مترجم قرآن کی نماز) باقی آئندہ

شبلی

لے فوات الوفيات - علامہ تمام حالات طبقات ابن جبب اور فوات الوفيات سے لیے گئے ہیں۔

بتشیہ

ابن خلدون

اندلس میں جب موحیدین کی سلطنت ہوئی تو حربی عنصر کمزور ہو گیا موحیدین خود موحث تھے اندلس میں فاسخاندہ داخل ہوئے تھے انھوں نے بل عرب کی طاقت عداوت اور فی چاہی جبکہ انہیں یہ ہوا کہ جمہور نے موقع پا کر صلیغ قرطبہ و شہبیلیہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا آل خلدون کو اس ناگوار حالت کا کٹن غل ہو سکتا تھا یہ قدیم وطن کو خیر باد کہہ کے مراکش کو روانہ ہوئے، اندر گاہ سبتہ میں پہنچے تو وہاں کے خزاں رواجی نے مخلصانہ جوش سے خیر مقدم ادا کیا اور خوش کی کہ یہ با اثر خاندان ہیں آباد ہو جائے اس غرض کے لئے خاندان مذکور سے قرطبہ بھی پیدا کیں اور لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں کر کے رشتہ داریاں قائم کرنا چاہیں مگر یہ لوگ کچھ روز قیام کرنے کے بعد گھر گئے اور وسط افریقہ کو روانہ ہوئے تونس میں ان دنوں بنی حفص کی سلطنت تھی، بنی خلدون سے اس خاندان کا تعارف قدیم سے تھا جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو ابو ذکریا بادشاہ تونس نے انکی نہایت بزرگداشت کی اور شیخ بقیلہ حسن بن محمد کے لئے وظائف مقرر کر دئے حسن نے بونہ میں اقامت اختیار کی اور شمسہ میں وفات پائی تونس میں ہمیشہ یہ خاندان معزز و موقر رہا، افسر اور خاندان سلطنت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے اور علم و فضل میں بھی نامور تھے

شمسہ میں ابن خلدون پیداے انکے والد محمد تونس کے وزیر اعظم تھے اور ترقی کے ساتھ تصوف میں بھی دست گاہ رکھتے تھے آج تصوف کیساتھ اہل ملک کو خواہ کسی ہی بدگمانی ہو نہ ہو لیکن کوئی شک نہیں کہ ایک زمانہ میں تصوف حسن اخلاق اور اعلیٰ تہذیب و شائستگی کا سمبار تھا ابن خلدون کی تربیت اسی طریقہ پر ہوئی اور ذاتی استعداد نے والد کی نگرانی میں انکو حسن تربیت کا اعلیٰ نمونہ بنا دیا

مقیم تعلیم کے بارے میں ابن خلدون نہایت خوش قسمت تھے، ان کے والد نے شمسہ میں انتقال کیا اور وہ سترہ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ پس ملکن تھا کہ وہ اس

معرکہ ہتھان میں ناکام رہتے، ابتدائی زندگی کے مشاغل میں مفکرانہ تعلیم کو فراموش کر دیتے یا زیادہ ذکاوت ہوتی تو خاندان کے سنبھالنے کا خیال پیدا ہوتا اور فکر معاش میں مصروف ہو جاتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا جس کا سبب غالباً یہ ہو گا کہ ان کی طبیعت کو تعلیم سے مانوس بنادیا گیا تھا، جس طرح بچوں کو لہو و لعب میں مزہ آتا ہی ان کا یہی کھیل تھا کہ لکھیں پڑھیں، اس زمانہ کے نصاب تعلیم میں جب زیادہ مقدم درس قرآن تھا، قرآن پڑھتے، اُسکے معنی سمجھتے، تفسیر و مطالب پر عبور کرتے، تجوید و قرأت سیکھتے، قرآن کی تعلیمات میں بصیرت پیدا کرتے، اور پھر اس کی تکمیل کے بعد دوسرے علوم کی طرف توجہ کرتے، یہ طریقہ تمام بلاد اسلام میں جاری تھا، اور غور کرو تو محسوس ہو گا کہ آج بھی مسلمان بچوں کو گھروں میں ابتدائے قرآن کی جو تعلیم دیا جاتا ہو اگرچہ وہ صلاح طلب ہی تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ اُس قدیم نصاب تعلیم کا ایک بگڑا ہوا نمونہ ہی جس کا ضابطہ یہ تھا کہ آغاز عمر میں پہلے پہل بچوں کو کلام اللہ سے روشناس کیا جائے اور جب تک کہ قرآن و علوم قرآن کی وہ تکمیل نہ کر لیں کسی دوسرے فن میں ان کو نہ لگایا جائے۔ اسی طریقہ کے مطابق ابن خلدون نے ابو عبد اللہ محمد بن زوال الانصاری سے قرآن شریف کو سبقتاً پڑھا اور جب اس کی تکمیل کر لی تو علم قرأت کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور اکیس مرتبہ ساتوں قراتوں کے ساتھ اساتذہ فن کو قرآن سنایا اور اس علی مشق کے ساتھ ہی علمی حیثیت سے بھی فن قرات میں تبحر پیدا کیا اور مشائخ سے سند فضیلت حاصل کی۔

حدیث میں ابن عبد البر کی کتاب التفسیر لا احادیث الموطائی پڑھی اور نفع میں تسہیل ابن مالک اور مختصر ابن الحطیب شروع کی۔ ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جس کتاب کو پڑھتے زبان یا یاد کر ڈالتے مگر یہ دونوں کتابیں پوری حفظ نہیں ہوئیں چنانچہ اُسکے بھتی منش قلم نے خود اس کی تصحیح کر دی۔ علم ادب انھوں نے اپنے والد سے پڑھنا شروع کیا۔

اور اس کے بعد صائری و شواش فزاری و ابن القصار کے درس سے مستفید ہوئے۔
 تونس میں محمد بن بکر عربی زبان کے ایک بحرِ خارتھے، ابن خلدون اُن کے حلقہ میں حاضر ہوئے
 تو اُنہوں نے کلیل علمِ ادب کے لیے اشعارِ عرب یاد کرنے کو کہا اور فرمایا کہ شعراے عرب
 کے کاام جب تک کافی عبور نہ ہو عربی زبان میں مہارت نہیں پیدا ہو سکتی۔ ابن خلدون
 کی سعادتِ طبع نے اس نصیحت کو غور سے سنا اور قوتِ حافظہ نے بہت تھوڑے
 دنوں میں قدیم شعراے عرب کے چھ دیوان اور حاسہ کو زیر کر لیا، اسکے علاوہ دیوانِ مثنوی و
 کتاب الاغانی کے اکثر اشعار بھی اُن کو یاد تھے۔

شیخ الحدیث محمد بن جابر سے صحیح مسلم و موطا امام مالک اور صحاح ستہ کی بعض
 کتب میں سینس ۱۱ سو قریب تک تعلیم میں لکچر دینے کا قاعدہ تھا۔ استادِ حدیث کو پڑھتے
 اور فوائدِ حدیث کی توضیح میں لکچر دیتے اور شاگرد بیٹھے سنتے اور قلمبند کر لیا کرتے تھے،
 اور ادب و فقہ کی اُثر کتابیں اُن سے پڑھیں۔ ابو القاسم محمد الفصیر سے فقہ کی تکمیل کی،
 سلسلہ تعلیم کی تاریخ کو غور سے دیکھو۔ پسے علومِ قرآن میں اُنھوں نے صاحبِ فن کا
 رتبہ حاصل کیا، پھر بقدر ضرورت معلوم مروجہ کو جامعیت کے لیے سیکھتے رہے، آؤش
 ادب و فقہ میں بھی یک فن ثابت ہوئے جنکو اہل مصر کی اصطلاح میں اختصاصی کہتے
 ہیں۔ ۴۲۷ھ میں اندلس و مراکش کے اکثر علماء و فضلاء تونس میں وارد ہوئے، اُن کی
 آمد پوینکل حیثیت سے تھی۔ اور سلطان ابو الحسن کے مذاقِ علمی کی کشش ان کو ارضِ
 مغرب سے تونس کیمنج لائی تھی، ابن خلدون بس حسن اتفاق سے فائدہ اٹھا کر
 ان بزرگوں سے استفادہ میں مشغول ہوئے اور سال بھر کی مسلسل جانتقشانی کے
 بعد علومِ حدیث و معقولات و منطق و فلسفہ وغیرہ (۱) میں اختصاصی یعنی کامل الفن
 کی ڈگری حاصل کی۔ ان تمام مشائخ کے حالات اُنھوں نے تفصیل سے لکھے ہیں
 اور ہر ایک کے متعلق اسبابِ سیاست و پالیٹکس سے بھی بحث کی ہے۔ ۴۲۷ھ میں

تونس میں ہوناک طاعون آیا جس میں ابن خلدون کے خاندان کے اکثر افراد، اُس کے والد اور نیز ان تمام بزرگوں نے وفات پائی، ابن خلدون اس وقت علوم مروجہ میں تبحر حاصل کر چکے تھے، ہر علم کے الگ الگ اجازے اُن کو مشیوخ فن نے دیے تھے جنکا تذکرہ انھوں نے فخر کے ساتھ کیا ہے۔ لہذا ہم کو یقین کر لینا چاہیے کہ ستر برس جبکہ طاعون آیا ہے وہ فارغ التعلیم ہو چکے تھے۔ اسکے بعد بھی تین برس تک ابو عبد اللہ الایلی کے حلقہ درس میں وہ بغرض استفادہ شریک ہوا کیے لیکن یہ شرکت صرف مذاکرہ کے لیے تھی و تحصیل پیشتر ہی ختم ہو چکی تھی، اس قلیل مدت میں فارغ التحصیل ہونے کا شاید آج کم لوگوں کو یقین آئے گا لیکن اگر بزرگان اسلام کے سوانح کو پڑھو تو اس قسم کی ہزاروں مثالیں ملیں گی جسکا خاص سبب یہ ہے کہ اُن دنوں مسلمانوں کی غرض یہ تھی کہ تمام دنیا میں تعلیم عام ہو جائے، یہ وقتیں نہیں جو آج یونیورسٹی نے پیدا کر رکھی ہیں اور جنکی وجہ سے بہت سا وقت ضائع ہونے پر بھی کسی ایک فن میں تبحر نہیں حاصل ہوتا۔

ملازمت ۵۳ھ میں ابن خلدون کی عمر ۲۱ برس کی ہو چکی تھی اور اُس کے فضل و کمال کا غلغلہ در سگا ہوں سے ٹکرا ہوا ان سلطنت تک پہنچ چکا تھا، تونس میں اُن دنوں سلطان ابوریحان کی سلطنت تھی، وزیر السلطنت ابن تافو اکین نے ابن خلدون کو بادشاہ کا مارکہ نویس یعنی کاتب العلامہ متعین کیا، اور یہ اُن کی ملازمت کا پہلا زینہ تھا۔ انھوں نے یہ خدمت کامیابی کے ساتھ انجام دی اور چونکہ وہاں چند روز سے بادشاہ گردی کا دور تھا اس لیے سفر مغرب (مراکش) کا خیال پیدا ہوا، ابوزید کے مقابلہ کے لیے ابن تافو اکین نے لشکر کشی کی تھی، ابن خلدون بھی اس حملہ میں ساتھ تھے، فوج کو اتفاقیہ شکست ہوئی، تمام سپاہی بھاگ نکلے، ابن خلدون نے بھی ارض مغرب کی راہ لی۔

سفر مغرب ملک مغرب (مراکش) میں سلطان ابوعثمان کی حکومت تھی، یہ بڑی

شان و شہود کا بادشاہ تھا۔ ابن خلدون جب مراکش کے مشہور شہر کجایہ میں پہنچے تو اس وقت وہاں ناہی لشکر خیمہ زن تھا اور غنیم سے جنگ ہو رہی تھی۔ ابن خلدون بھی شریک جنگ ہوئے۔ فتح ہونے پر سپہ سالار نے ان کو بھی ساتھ لیا اور دارالسلطنت میں آکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان ابو عنان کو نہایت سرت ہوئی کہ مشرق کا یہ آفتاب آج مغرب میں طلوع ہوا ہے، وہ اہل کمال کا عاشق تھا، اس کے مجلس مذاکرہ میں بہت سے سرآمد روزگار ملایا تھے، یہ چہ یہ منتخب مجلس ایک علمی کلب یا لٹریٹی کا ذیلی تھی۔ جو ان دنوں تمام مسلمان بادشاہوں کے دربار کا ایک جز تھی اور جس کے ذریعہ سے سلاطین کو وسعت معلومات میں مدد ملتی تھی، ابن خلدون کو بھی اسی مجلس پر بلادی گئی، اور درحقیقت اس سے زیادہ کوئی اور صورت ان کے لیے موزوں بھی نہ تھی۔ شہنشاہ میں وہ اس مجلس کے آئینہ پر ممبر مقرر ہوئے اور حکم ہوا کہ نماز پچگانہ خاص بادشاہ کے ساتھ پڑھا کریں۔ شہنشاہ میں وہ شاہی میزبانی مقرر ہوئے اور دربار میں بادشاہ کی طرف سے عرضیوں کے جواب لکھنے کی خدمت ان کو تفویض ہوئی۔ یہ بڑے پایہ کا منصب تھا۔ مگر ابن خلدون نے ناگوار چشم و ابرو سے اس کو قبول کیا۔ علمی مذاق ان کی فطرت میں داخل تھا۔ بقدر فرصت ملتی اسی کام میں صرف کرتے، علمی حیثیت سے وہ خود سرآمد روزگار تھے مگر انجمل کے علما کی طرح ان کو استفادہ سے عاری نہ تھا، جب تک وہاں ہے اسانڈہ فن کے فضل و کمال سے مستفید ہوتے رہے جہاں موقع آتا ہے وہ ان محبتوں کا تذکرہ تفصیل سے لکھتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مزہ لے لیکر لکھتے ہیں۔

مشرقی درباروں میں سازش کا بازار ہمیشہ گرم رہتا ہے اور زیادہ تر مقربین اس کے شکار ہوتے ہیں، ابن خلدون کا تقریب ایسا نہ تھا کہ اہل زمانہ رشک نہ کرتے، ان کے خلاف سازشیں ہونے لگیں، مسلسل دراندازیوں نے پادشاہ کے مزاج کو گزشتہ

کر دیا اور ششہ میں ابن خلدون قید کر دیے گئے اس قید سے اُن کو اس وقت رہائی ہوئی جبکہ بادشاہ مذکور نے قید ہستی سے رہائی پائی اور ششہ میں اُسکے جانشین حسن بن عمر نے عام قیدوں کے ساتھ ان کو بھی آزاد کر دیا۔

مراکش کے چند سالہ قیام میں ابن خلدون کی قابلیت نے اہل ملک کو ایک طرح سے تسخیر کر لیا، عربی قبائل اور خصوصاً بنی مرین پر انکا اس قدر اثر تھا کہ مراکش کی سلطنت چھل کرنے کے لیے سلطان ابوسلم نے اسے امداد طلب کی اور انھیں کے اثر سے ملک پر بادشاہ کا قبضہ ہوا، ششہ میں سلطان نے اُنکو رئیس الانشا (میرمنشی) و صاحب التوقيع (شاہی احکام نویس)، و کاتب الستر (پرائیویٹ سکرٹری) کے تین جلیل القدر عہدے عنایت کیے، لیکن یہاں بھی حاسدین سے اُن کی منزلت دکھائی گئی کچھ ایسے ناگوار واقعات پیش آتے رہے کہ وہ دل برداشتہ ہو گئے اور دو تین برس کے بعد ترک اقامت کا قطعی فیصلہ کر لیا، بادشاہ نے بہت روکا لیکن دل ٹوٹ چکا تھا، اب رہنا مشکل تھا، وزیر السلطنت سعد بن رجون ماسی کی مدد میں ایک قصیدہ لکھا اور مبارکباد عید کی تقریب سے خید کے روز جا کر پیش کیا، اس طریقہ سے سفر کی اجازت مل گئی اور ششہ میں ابن خلدون تے اہل و عیال کو تسخینہ میں جہاں انکی سرال تھی چھوڑ کر اندلس کو روانہ ہوئے۔

سفر اندلس | ابن خلدون مراکش سے نکل کر سبتہ ہوتے ہوئے اور رئیس سبتہ کی ممانداری کا لطف اٹھاتے ہوئے غناطہ پہنچے اور ابن الاحمر بادشاہ اندلس اور اُسکے وزیر ابن الخطیب کو قاصد بھیج کر اپنی آمد سے اطلاع دی جسکے جواب میں بڑی آرزوؤں کے ساتھ تشریف آوری کی دعوت کی گئی۔ ۱۰ ربيع الاول ۷۶۳ھ کو دوبار شاہی میں روانہ ہوئے، امرائے دیار نے استقبال کیا، اور بادشاہ و وزیر نے تعظیم و تکریم کے ساتھ انکو ہاتوں ہات لیا۔ ابن الخطیب وزارت کیساتھ علم و ادب میں بھی ینگا نہ روزگار تھا، تاریخ و لٹریچر میں اُس کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں بعض

یہ ہے اور بعض مصر میں چھپ گئی ہیں۔ یہ شرف کچھ ابن خطیب کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ امام ہمسلائی سلفیتوں میں عمدہ داروں کا سربرآوردہ عالم ہونا لازمی شرط تھی۔ ابن خلدون نے ابو بکر بن ابن خطیب کو قیمت سے ملا تھا و قد شئنا سی اس انتہائی مراتب کے ساتھ پیش آیا اور ہاں تک ممکن تھا تعظیم و تکریم کی۔

سارت آٹھویں صدی اندلس کے لیے ملک طوائف کی صدی تھی۔ مسلمانان اندلس قدنی اور صنفی نرقی میں نامہ دنیا کے پیشرو تھے۔ جہدہ۔ یہ خصوصیتیں بڑھتی گئیں فوجی اوصاف کم ہوتے گئے آخر کو یہ ذہنیت پہنچی کہ ملک میں روز بروز مسیحیوں کا بقبضہ بڑھا گیا، اندلس کے ناعاقبت اندیش مسلمان پادشاہان نکل کے سینوں اور شیعہوں کی طعن باہم لڑتے رہے اور مجموعی طاقت کمزور ہوتی رہی۔ اندلس سے پرتگال کا ملک پیشتر سے جدا ہو چکا تھا، شاہ پرتگال نے زفرہ فرستہ خاص اندلس کے مصلح بھی دیا ہے اور اب اس کی طاقت تمام سلاطین اندلس سے بڑھ چکی تھی۔ جسوقت کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں ان دنوں اسکے حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے بعض حصہ مصاحبت سلاطین اندلس کو ایک سمارت بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی جسکے انجام دینے کے لیے ابن خلدون سے زیادہ تجربہ کار نہ بزرگوں کوئی دوسرا شخص نظر نہ آیا۔ اتفاق رائے سے یہ مهم انھیں کو تفویض ہوئی اور شہرہ میں وہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ منزل مقصود کو روانہ ہوئے شاہ کیشل شہبیلیہ میں تھا، غارت نے بھی شہبیلیہ ہی کا رخ کیا، پادشاہ نے غرت و حرس سے ملاقات کی، ابن خلدون کے بزرگوں کے آثار اسوقت تک شہبیلیہ میں موجود تھے اور اس خاندان کی عظمت ابی فاعوش میں نہیں ہوئی تھی، ابن خلدون کو سب سے بڑی مسرت ان یادگاروں کے دیکھنے سے ہوئی۔ شاہی طبیب ابراہیم بن زور نے ابن خلدون کو پادشاہ سے ملایا، خاندانی و نیزانی اوصاف بیان کیے۔ اور بہت کچھ شاہ صفت کی، پادشاہ بڑی توقیر و بزرگداشت سے پیش آیا اور خواہش کی کہ اگر آپ یہاں قیام فرمائیں تو آپ کے بزرگوں کی تمام ریاست و جاہ و جواسوت انھوں نے کے زیر تصرف ہے آپ کو واپس لجا ئیگی ابن خلدون نے شکر یہ کے ساتھ یہ درخواست نامتصور کی

سفارت کو حسبِ خواہش جب مقصد میں کامیابی ہوئی اور روانگی کا دن آیا تو پادشاہ نے ابنِ خلدون کو بہت سے پیش بہانے دیئے اور خاص اپنی سواری عنایت کی جس کا ساز اور لگام سب ہونیکسی تھی۔

سرخیا۔ ابنِ خلدون ایک پولیٹکل اور سٹینٹس آدمی تھے، پالیٹکس اُن کے علم و عمل کا جز و غالب تھا جہاں جاتے تھے خصوصیت اُنکے ساتھ رہتی اور بیشتر اوقات اُس مذہبِ ابراہیم یا عیسوی سے ہم گامیاں بھی پیدا ہوتی تھیں حتیٰ کہ ابنِ خلدون کے سب سے بڑے دوست وزیرِ عظم ابنِ الخطیب کو اُننے کچھ نکاتیں سپدا ہوئیں اس سو وطن سے بچنے کے لیے اُنھوں نے اُنکے سے بجایہ کا رخ کیا جو افریقہ کا ایک مشہور بندرگاہ ہی اسٹیشن میں وہ بجایہ پہنچے، یہاں سلطان ابو عبد اللہ کی نئی نئی سلطنت قائم ہوئی تھی، قیامِ سلطنت اور قبائلِ عرب کو زیرِ اثر رکھنے کے لیے ابنِ خلدون جیسے شخص کا قابو میں رہنا ضروری تھا، سلطان نے اُنکو حاجبِ کبیر مقرر کیا، حاجب کا عہدہ افریقہ میں بڑا جلیل القدر عہدہ تھا، اس عہدہ کا خاص فرض یہ تھا کہ پادشاہ و رعیت کے مابین جو تعلقات ہیں عمدگی کے ساتھ قائم رہیں، پادشاہ کے علاوہ کوئی امیر و وزیر نہ حاجب کے فیض میں دخل دینے کا جواز نہ تھا۔ ابنِ خلدون جب اس عہدہ کا چارج لینے کے لیے بجایہ آئے تو اہلِ شہر نے اس جوش و خروش کیساتھ استقبال کیا کہ معلوم ہوا اہلِ علم کی پائیناسی مسلمانوں کی خاص ڈیوٹی ہوا ایمان شہر کا ب تھامے ہوئے تھے، لوگ قطار در قطار آتے تھے۔ سلام کرتے تھے، اہت چومتے تھے اور صفِ باندہ کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ ابنِ خلدون نے اپنے چھوٹے بھائی ابی بکر کو خدمتِ مفوضہ انجام دینے کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود علمی مشاغل میں مصروف ہوئے۔

وزارتِ تلمسان سلطان ابو حمزہ فرمانروائے تلمسان سے رعایاے افریقہ اُن دنوں برسِ جنگ تھی، سلطان نے اس مہم کو سر کرنے کے لیے کشتہ میں ابنِ خلدون کو طلب کیا، وزارتِ عجمت کا عہدہ اُنکے لیے تجویز ہوا، مگر وہ خود نہیں گئے، اپنے بھائی ابی بکر کو بھیج دیا اور آپ بکرہ میں مقیم رہے۔

انکا ڈر دیکھ کر سوتے آفتاب سے شوشہ برف قوت ہو گئی اور تمام لوگ بادشاہ کے مطیع ہو گئے۔ ابن خلیب وزیر اندلس کی علمی قدر و اتنی نے مدت کے بعد پھر ابن خلدون کو یاد کیا، جس پر ابن خلیب نے وعدہ و خط لکھا کہ آئے اور یہ سلسلہ ابن خلیب کے آخری ایام حیات تک جاری رہا۔ خصوصاً ابن خلدون کو یہ لکھا گیا ہو گا کہ آج عہدہ حاجب کا تھا مگر درحقیقت وہ تلمسان کی وزارت کر رہے تھے۔

اسی ہی راج سلطان عبدالعزیز حکمران مغرب نے تلمسان پر جب فوج کشی کی ہو اور ابو عمرو کو شکست ہوئی ہو تو گرفتاروں میں ابن خلدون بھی تھے ایک وزید بنے کے بعد دوسرے دن ہاکر بنے گئے، آزاد ہوئے پر حضرت ابو یوسف کی خانقاہ میں انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کی اور صمیم قصد کر لیا کہ علمی خدمت کے سوا اب کوئی کام نہ کریں گے قسبیلہ بنی رباح کے سلطان عبدالعزیز کے مطیع نہیں ہوئے تھے اور فوجی طریقہ سے سلطان کو ان کی اطاعت سے ناامیدی ہو چکی تھی شورش پیشگوئوں کو راہ پر لانے کے لیے ابن خلدون کو تکلیف دی گئی اور شیشہ میں وہ خاص اسی کام کے لیے روانہ ہوئے جس میں انکو خاتم خواہ کامیابی ہوئی۔

مغرب بادرم مشہور ہو کہ "نزدیکان ایش بود میرانی" ابن خلدون کے فضل و کمال اور تقریب کیا دیکھ کر وادیر بیکو کہ بایں ہمدارام مغفود ہو کسی ایک جگہ آسایش سے رہنے نہیں پاتے، اور اکثر وقت گردش میں گزرتا ہو۔ اہل غرض نے سلطان عبدالعزیز کو ابن خلدون جیسے شخص سے بیگانہ کر دیا، سلطان کا کیمپ ان دنوں ملک مغرب (مراکش) میں تھا وہیں سے ابن خلدون کی جلی کی حکم آیا، انکو کیا عذر ہو سکتا تھا، حساب پاک و صاف تھا محاسبہ کا خوف کیوں ہوتا، عہدہ بارہ رجب الاول ۷۷۷ھ کو چل کھڑے ہوئے راستہ میں نہایت مصیبتیں پیش آئیں، غارتگریوں نے تمام سامان لوٹ لیا بے زاد و راحلہ پیدل چلنا پڑا اور اہل عرب کی مہماں فوازی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی طرح فاس دردار اٹھتے مغرب تھیں تاکہ پہنچے فاس میں وزیر اعظم ابو بکر کا دربار جا جمندوں کا مرکز تھا، ابن خلدون بھی وہیں پہنچے، وزیر نے دیکھتے ہی پہچان لیا

نہایت مسرت ظاہر کی، فوری سامان جقدر درکار تھا فراہم ہو گیا اور اب ابن خلدون بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ کیمپ وزارت میں پہنچے۔

مغز اندلس باردوم [پونیکل زندگی سے ابن خلدون گہرا گئے تھے، چاہتے تھے کہ عیسائی اب ایسی جگہ چلے جہاں کوئی نہ ہو، اندلس میں ان دنوں مطلع صاف تھا، پالینکس کے تعلقات پیدا ہونیکا اندیشہ نہ تھا، لشعہ میں خاص اسی غرض کے لیے اندلس روانہ ہوئے، وہاں پہنچے تو ہر طبقہ سے آمد کی خوشی منائی، مگر ان کو صرف علمی مشاغل میں زندگی بسر کرنا تھی، درس و تدریس میں مشغول ہوئے دوسرے تعلقات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور امید ہوئی کہ اب چند روز اطمینان سے بسر ہوئے، لیکن دنیا تعلقات کی جگہ ہے، اس عالم میں رہ کر تعلق کا حاصل ہونا معلوم اس مرتبہ کوئی اور سبب پیش نہیں آیا تو ایک نئی صورت یہ پیدا ہو گئی کہ خود ابن خلدون کے اہل و عیال کو انکا پردیس میں رہنا اور اس طرح کی زندگی بسر کرنا سخت ناگوار تھا، انھوں نے ایسی تدبیریں کیں کہ مجبوراً ابن خلدون کو اپنے ارادے سے باز آنا پڑا۔

اندلس سے واپس آکر ابن خلدون تلسان میں فروکش ہوئے، وہیں انکے اہل و عیال بھی آئے، خاص عید کے روز ملاقات ہوئی، اور اس طرح ایک دن میں انکی دو عیدیں جمع ہو گئیں، قبیلہ زواوہ سلطنت کا مخالف تھا، پادشاہ نے چاہا کہ ابن خلدون اگر اصلاح حال کر دیں۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اب ان کی ساری دلچسپیاں علمی دائرے میں محدود ہو گئی تھیں، یہی مشغلہ تھا، اسی کا شوق تھا اور دراصل اسی چیز کی ضرورت بھی تھی، انھوں نے اپنے غیر معمولی انہک اور طرز عمل سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ علمی خدمت کے سوا اب میں اور کسی کام کا نہیں ہا، لیکن اسکے لیے کیا کیا جائے کہ زمانہ انکو اور بہت سے اہم کاموں کا اہل سمجھا تھا۔

مقدمہ تاریخ کی تالیف [ابن خلدون عشرہ سے عشرہ تک قلعہ بنی سلامہ میں مقیم ہے، بظاہر چار برس کا زمانہ انھوں نے بیکاری میں گزارا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ کام کے آدمی سے بیکار رہنا ممکن ہی نہیں انھوں نے یہ مدت مقدمہ تاریخ لکھنے میں صرف کی، یہ تالیف نہ تھی ایجاد تھی، حبشی

ماہیں اس میں کمی ہیں اور جس وقت نظر سے لکھی ہیں انکے بجائے جو وقت اس میں صرف ہوا
وہی حاصل زندگی تھا اور اسی کی وجہ سے اب ابن خلدون کا نام مشہور ہے۔
[تاریخ طبرستان] میں تاریخ لکھنے کے بعد تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہونا ایک طبعی بات تھی، لیکن اسکے
لیے کتنا ہیں درکار تھیں، اب تک جو کچھ لکھا تھا وہ سب قوت اختراع اور حافظہ کے بھروسہ پر لکھا تھا
مگر یہ حصہ تاریخ کا اصولی و تفسیری حصہ تھا، نفس تاریخ اور واقعات میں ایسا ہونا کینکر ممکن تھا، اس
نقص کے لیے مدت کے بعد ابن خلدون کو اپنا وطن تونس یاد آیا، تونس میں سلطان ابو العباس
کی حکومت تھی، نئے حاضری کی اجازت طلب کی جبکہ جواب حسب خواہش ملا، ابن خلدون
پہلے تو بعض قبائل عرب بھی لکھے ساتھ ہوئے، سلطنت کی طوائف سب کی رعایت کی گئی،
ابن خلدون کے ساتھ ان کی عظمت و شان کے موافق سلوک ہوا اور انکے لیے ہر طرح کے
وسائل احت فراہم کر دیے گئے۔

سلطان سے ابن خلدون کے مراسم اتنے بڑھے کہ خلا و ملا میں انھیں سے گرمی صحبت کا
مرزہ آتا تھا اور انھیں کی جانب بادشاہ کی نظر عنایت تھی، اہل علم اس کثرت سے انکے حلقہ درس
میں حاضر ہوتے تھے کہ دوسری علمی مجلسیں سرزد نہیں ایسا باتیں ایسی نہ تھیں جنہ اہل زمانہ کو
صدمہ نہ پہنچتا۔ ابن خلدون رہستا آزادی تھے وہ اپنے آپ کو بے جرم سمجھتے ہونگے لیکن رع
ہنر چشم عدالت بزرگتر عجبیہت، سب بڑا جرم ہی تھا کہ وہ اس پایہ کے صاف طینت کیوں
ہوئے مجرم کیوں نہ ہونے بادشاہ کے دل میں ان کی طرف سے بدگمانی پیدا کی جانے لگی
اور ثابت کیا گیا کہ وہ سلطنت کے بدخواہ ہیں نیکو آہ نہیں ہیں، ابن خلدون کو جب اس سازش
کی خبر ہوئی تو جج کے لیے بادشاہ سے رخصت طلب کی اور ششہ میں مہر کے قصہ رواں ہوئے
[تاریخ ابن خلدون کی تالیف] تونس کے دوران قیام میں ابن خلدون کا زیادہ زمانہ تاریخ کی تالیف
میں صرف ہوا اور یہ ظاہر ہو کہ اسی کام کے لیے وہ تونس میں آئے تھے، خود سلطان ابو العباس
نے بھی اس کی ذمہ داری کی تھی، قریباً چار برس تک (۷۸۱-۷۸۴) تونس میں انکا قیام رہا، اس

دست میں انھوں نے حالات قبل اسلام، سلطنت بنی امیہ و بنی عباس کے واقعات، اور قوم بربر و زناتہ کے حالات لکھ ڈالے اور یہ جلدیں مکمل کر کے سلطان ابو العباس کے نام سے معذوں کیں اور سلطانی کتب خانہ میں داخل کر دیں۔

مصر ابن خلدون ۱۵ شعبان ۷۹۸ھ کو تونس سے روانہ ہوئے تھے، چالیس دن کے بعد جب اسکندریہ پہنچا، ملک الظاہر برقوق کا زمانہ تھا اور اسکو تخت نشین ہوئے صرف دس دن گزرے تھے، امینہ بھر اسکندریہ میں سامان سفر فراہم کرنے میں گزرا، سفر ج کے لیے وقت اب باقی نہیں رہا تھا، سال آئندہ کے لیے ارادہ ملتوی کرنا پڑا، ذیقعدہ کی پہلی تاریخ کو قاہرہ پہنچے اور پہلے پل جامع ازہر کے مدرس مقرر ہوئے پھر مدرسہ النجمہ کی تدریس سپرد ہوئی اور آخر میں ۷۹۸ھ میں منہب مالکیہ کے قاضی القضاۃ متعین ہوئے۔ اہل دعیال سب تونس میں تھے، اہل غرض نے بعض ارکان سلطنت کے حکم سے اُن کو روک رکھا تھا، ابن خلدون کے حسبِ امش ملک الظاہر برقوق نے ایک شاہی سفارت خاص اس امر کے لیے تونس روانہ کی کہ سلطنت تونس ابن خلدون کے متعلقین کو مصر میں آنے کی اجازت دیدے، سفارت کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی، لیکن فی الواقع یہ کامیابی انتہائی ناکامیابی کا پیش خیمہ تھی، جہاز جب روانہ ہوا تو چند روز کے بعد سمندر میں طوفان آیا جہاز غرق ہو گیا اور ابن خلدون کے اہل دعیال کو دریا کی موجوں نے اپنے آغوش میں چھپا لیا، یہ واقعہ ایسا زلزلہ تھا کہ ہوش و حواس بجا رہتے، اس صدمہ نے ابن خلدون کو از خود رفتہ کر دیا، عہدہ قضا سے مستعفی ہو گئے، ترک دنیا کا خیال پیدا ہوا، اور حج کے لیے طبیعت نے آمادگی ظاہر کی۔

سفر ج رمضان ۷۹۸ھ میں ابن خلدون سفر حج کے ارادہ سے کربلا کے لیے روانہ ہوئے، اور حج مبرور سے فارغ ہو کر مجادی الاولیٰ ۷۹۹ھ میں پھر مصر واپس آئے۔ پادشاہ مصر نے نہایت فیاضی اور فراخ دلی سے بزرگداشت کی اور ماہوار علمی وظیفہ مقرر کر دیا، ابن خلدون اب پولیکل میں نہیں رہے تھے، دنیا کی عام و بچھپیوں سے اب اُن کو کچھ بہت زیادہ تعلق نہیں رہا تھا۔

اس مکان میں پہلے مقیم تھے وہ بھی چھوڑ دیا، ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کی، صرف علم و عبادت سے اُن کو واسطہ تھا اور ضروریات زندگی کے علاوہ کسی چیز سے تعلق تھا اور نہ دل میں

اسی بات کی خواہش باقی رہی تھی

یہ کتابیں تاریخ ابن خلدون کی تالیف کی ابتداء میں ہوئی اور انتہا ششم میں اسکی سات جلدیں ہیں اور ہر جلد میں چار پانسو صفحات ہیں پوری کتاب میں برس میں ختم ہوئی، گو یہ نہ تے انصاری نہیں لیکن جب کتاب کی حیثیت و نوعیت پر نظر کیجائی ہی تو ماننا پڑتا ہے کہ ابن خلدون نے پہلے کے مولفین کو بیسویں صدی میں بھی اس قسم کی تالیف پر قدرت نہ ہو سکی، یہ کام غنّی کا تھا

تہہ کا سے دہر مٹے نا

نام نہایت اوقات گزشتہ کہ نتیجہ خیر بنا نا اہل نظر کا یہ کام ہی ابن خلدون کے سونے میں چند خصوصیتیں قابلِ ملاحظہ ہیں۔

۱۔ وہ نہایت با اثر شخص تھے، نظم و نسق میں سلاطین اُنے رجوع کرتے تھے، وہ شورشیں جو موار سے فرو نہ تھیں اُنکے خُسنِ تعزیر اور حرکتِ عملی سے فرو ہو جاتی تھیں اسلام میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے سوا یہ خصوصیت اور کسی میں نہ تھی۔

۲۔ افضل و کمال میں یگانہ روزگار اور تدبیر و سیاست میں شہرہ آفاق تھے، سارا زمانہ انکی عزت کرتا تھا، بایں ہمہ کسی ایک جگہ آرام سے نہ رہ سکے ہمیشہ اہلِ دولت نے بہ گمان رہے اور بار بار انکو قید کی زنجیں اٹھانا پڑیں۔

۳۔ حمیری زبان سے وہ واقف تھے یا کم از کم اس زبان کے نوشتے اُنکے پاس موجود تھے مقدمہ کی انالیسویں فصل میں لکھتے ہیں۔

لغت مضر۔ (موجودہ عربی زبان میں حمیری زبان کے موضوعات)

تغیروت عند مضر کثیر من موضوعات

اور کلمات کی گرد انھیں بہت فرق لگا پڑے اسے پاس جو انتقال

اللسان الحمیری و تصاریف کلمات تشہد

(یعنی حمیری زبان کے نوشتے) موجود ہیں وہ اس دعویٰ کی دلیل ہیں

بذلک الانفال الموجود قال الدینا۔

السود

دانشمندان کا خیال ہے کہ مدرسہ اہل علم میں دارالعلوم دہلی کے موافق تعلیم دی جائے تاکہ

وہاں سے اس کا ایک نیشنل اسکول، اور ادارہ محبت اسلامی آپ نصاب تعلیم کے زیرِ نگرانی ہے۔

— ۱۰۰ —

ندو کو یونیورسٹی یا کالج بنانا تو خدا کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہم نصاب تعلیم کی اصلاح میں ہمتاں مند
انوار العلوم کو ہر قسم کی مدد اور مشورہ دینے کو تیار ہیں۔

ملک میں جا بجا جو اسلامی انجمنیں قائم ہیں، خدا کا شکر ہے کہ وہ ندوہ کے اثر اور عمدہ نتائج سے متاثر
ہوتی جاتی ہیں، حال میں ہمارے دارالعلوم کے تعلیم یافتہ مولوی سید سلیمان صاحب انجمن اتحاد اہل مگناؤں سنگھ
کے سالانہ جلسہ میں جو تقریر کی، اس سے متاثر ہو کر ارکان انجمن نے ہمارے پاس ایک رزلویشن پاس کر کے
روانہ کیا ہے، جسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں،

”وہ انجمن اتحاد اہل مگناؤں ندوہ اعلیٰ کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس مقدس چاہنے والے ذرا ایک
ایسا کام لیا ہے جس کے خیر خواہی انجام پا جائے چند دستانی مسلمانوں کی ترقی کا دار و مدار ہے، دارالعلوم ندوہ
ملک کے ہر جانب سے طلبہ راجہ جی کی قوم کو سخت ضرورت تھی اور ہر ایک شخص پر کہ گورنمنٹ نے بحال
ندوہ اعلیٰ کے ساتھ ہمدردی کی ہے، ان نمایاں کامیابیوں پر خوش انجمن بھی ندوہ اعلیٰ کو مبارکباد دیتی ہے کہ
دل سے دعا کرتی ہے کہ خدا کے فضل سے ندوہ کی کوششوں میں برکت اور رونق
مندی اور کامیابی عطا فرمائے، آمین۔“

اس موقع پر یہ بتادینا ضروری ہے کہ سن تقریر کے ساتھ ارکان انجمن کو جس چیز نے زیادہ گرویدہ کیا ہے وہ
ایثار نفسی اور استغناء ہے جو انھوں نے مصارفِ سفر کے لینے میں ظاہر کی، اور یہ چیز دارالعلوم کی خصوصیات میں ہے،

حال میں جناب سیٹھ محمد سمیع صاحب مغرم رئیس مد اس نے اپنے عزیز بھائی کی شادی میں دارالعلوم
کے حسینہ تعمیر میں دو سو پچاس روپے خرچ فرمائے ہیں، جناب سیٹھ صاحب کا اس موقع پر دارالعلوم کو یاد رکھنا۔ ان کے
مالِ خلوص اور مذہبی ہمدردی پر دل ہے، ہم سیٹھ صاحب مصروف کو مبارکباد دیتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ ان کا

تو اس قابل قدر مثال کی تقلید کر گئی، مولانا عبد سبحان صاحب ٹسین ارس کی توجہ سے دارالعلوم کے
بہندگان کے لیے اس سے پہلے بھی معقول رقم مل چکی ہے، اور یہ رقم بھی مولانا سے موصوف کی توجہ کا نتیجہ ہی ہے
ہم مولانا سے موصوف کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

حال میں جناب نواب علی حسن خان صاحب بہادر نواب نور محمد خان صاحب ہمارے رئیس بھوپال کے
صاحبزادے اور صاحبزادیوں کا جو عقد نکاح ہوا، انہیں بعض اصحاب کی تحریک نواب علی حسن خان بہادر نے
علی گڑھ کالج، اور اسلامیہ اسکول اٹارہ کے لیے ایک معقول رقم عطا فرمائی، لیکن دارالعلوم ندوہ کی طرف سے
کسی قسم کی تحریک نہیں کی گئی، تاہم انھوں نے تین سو روپیہ دارالعلوم کو بھی عنایت فرمایا، نواب صاحب معصوم
کو دارالعلوم ندوہ کے ساتھ جو خصوصیات و تعلقات ہیں انکی بنا پر ہم کو نواب صاحب کی اس بھی توقع تھی،
لیکن اس تقریب میں یہ بات اور بھی زیادہ سرت خیز اور حیرت انگیز ہو کہ جناب نواب نور محمد خان صاحب رئیس
بھوپال کی بیگم صاحبہ نے بلا کسی قسم کی تحریک دفترین پچاس سو روپہ واڈ فرمائے ہیں یہ ظاہر ہو کہ عورتیں عموماً
بیہودہ مراسم کی موجد اور پابند خیال کیجاتی ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہو کہ جناب بیگم صاحبہ کو ندوہ کے ساتھ
دلچسپی کی کوئی وجہ نہیں، ایسی حالت میں یہ عطیہ ایک ایسی روشن مثال ہو جسکی تقلید نہ صرف عورتوں
پر بلکہ مردوں پر بھی ضروری ہو، ہم جناب نواب صاحب موصوف، اور بیگم صاحبہ کو تہ دل سے مبارکباد
دیتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اس عقد کے نتائج نہایت سرت خیز ہوں۔

حیدرآباد کی آمد و رفت میں، ندوہ کے بعض ضروری کاموں کا سلسلہ بار بار درہم ہو گیا، لیکن
بہر حال، وہ کام بھی ندوہ سے کچھ کم ضروری نہ تھا اور خدا کا شکر ہو کہ بہ احسن وجہ انجام پایا جس کی
تفصیل علحدہ عنوان کے ذیل میں آتی ہے۔

اب کی جلسہ اختتامیہ مندرجہ بالا امور پیش ہوں گے، ان میں سے چند یہ ہیں

(۱) جدید اساتذہ کا تقریر، یعنی ایک لائق بی۔ اے۔ جس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمان ہو، اصفہانی احکام، اور شعایر اسلام کا پابند ہو، عربی کا ادیب جو عربی نظم و نثر پر پورا قادر ہو، اور قدیم عربی کے ساتھ عرب کی جدید زبان سے بھی واقف ہو یہ بھی درجہ تہذیب ہو کہ کسی قابل شخص کو عربی قدیم اور جدید کی تکمیل کے لیے مصر یا بیروت بھیجا جائے۔

(۲) ترجمہ نگار کا افتتاح، یعنی وہ شائع جسمین فارغ التحصیل طلباء، صرف ایک فن مثلاً تفسیر یا علم کلام یا فقہ وغیرہ لینے والے اور دوسرے تک اس میں تعلیم پائیں گے یہی درجہ تہذیب ہے جو نہ وہ کا اصلی مقصود ہو یا اس درجہ میں انگریزی زبان سیکھنا بھی لازمی ہوگا۔

(۳) ابتدائی سائنس جو نہ وہ کے نصاب میں رکھی گئی ہو، اس کی تعلیم کا ابھی تک کوئی سامان نہیں ہوا اس لیے یہ تجویز ہے کہ بعض طلباء کو علی گڑھ بھیجا جائے، ڈاکٹر حیدر الدین صاحب نے منظور کیا ہے کہ وہ ان طلباء کو خارج از اوقات کالج سائنس کی تعلیم دیں گے، یہ طلباء وہاں تعلیم پا کر اس قابل ہوں گے کہ عربی زبان میں جو سائنس کی کتابیں ترجمہ ہو گئی ہیں، اور جو نہ وہ کے نصاب میں داخل ہیں ان کو پڑھا سکیں،

یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ نہ وہ کا جادو ہر جگہ چل گیا لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہر جگہ نہ وہ کے اصول عمل شروع ہو گیا، جامع ازہر جو مسلمانوں کا سب سے بڑا دارالعلوم ہے، اور جو اس وقت تک ہندوستان کے عام عربی مدرسوں کی طرح، قدیم طریقہ تعلیم سے ذرا بھر ہٹنا نہیں چاہتا تھا، اب اس میں، جدید علوم و فنون داخل ہو گئے، اور اس کی نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم کا جدا کا منتقل قانون بن گیا، حیدر آباد کا دارالعلوم، بالکل نہ وہ کے نمونے پر قائم کیا جا رہا ہے، جمال کے عربی مدارس کی اصلاح کے لیے ایک نئی مقتدر کمیٹی قائم ہوئی اور اصلاحی امور طرے پا گئے، لکھنؤ کا فرنگی محل، جو ہندوستان کا کبرج اور انفرادہ چکا ہے، اور جہان کے علماء

ایک ہی شخص پر تمام بین انھوں نے عربی نصاب میں اگرچہ کچھ تبدیلی نہیں کی لیکن انگریزی زبان لازمی کر دی۔ ان حالات کے ساتھ تعجب ہو گا کہ ابھی تک بہت سے بکا کثرت مدارس اسی ضد پر قائم ہیں، اس کو غور سمجھتے ہیں انگریزوں میں بھی جاڑوں کے کپڑے استعمال کریں، لیکن یہ کتنا تعلیم حسین نہ جدت ہونے چاہیے۔
ناشر نے دہانے کی ضرورت کا لحاظ کیا، اب تک لوگوں کو گرویدہ رکھ سکتی ہو۔

زبت نہ گوشتہ چشمے نہ چین ابروئے
بہ حیرتم کہ دل برہمن نکفت چن شد

ہائے دوست فتح محمد صاحب اسٹور کیپر چکر رکشٹریٹ جانندہ، جو پہلے بھی زندہ کو ایک مستقل رقم عطا کر چکے ہیں، اب انھوں نے پچاس روپے سالانہ جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب کی صحت و تندرستی تک دینا منظور کیا ہے، اگر وہ چاہا صاحب اور اس شرط پر زندہ کو سالانہ رقمیں دینا منظور کریں تو ہم کا کتنا نقصان کی خدمت میں باقاعدہ درخواست بھیجیں کہ جناب شاہ صاحب موصوف کم از کم قیامت تک ان کی حاضری سے معاف رکھے جائیں۔

ریاست اندور نے بہ تقریب ولادت کی عہد ریاست، ایک سو پچیس روپے زندہ کو اس غرض سے بھیجے ہیں کہ یتیموں کے مصارف میں صرف کیے جائیں، ریاست اندور ایک ہندو ریاست ہے، کیا خدا کی شان ہے کہ وہ زندہ کے نام سے واقف ہے، زندہ کی اعانت کرنا بہتر سمجھتی ہے، زندہ کو ایسی خوشی کے موقعوں پر یاد کرتی ہے، لیکن ہماری اسلامی ریاستیں رام پور، پالن پور، جھنجیرہ، ڈھاکہ، وغیرہ غیر زندہ کے نام سے بھی واقف نہیں،

من ادبیا مکان مگر گوندہ نام
کہ با من ہر چہ کردان آشناکرد

ریاست حیدرآباد کی مشرقی یونیورسٹی

معلوم نہیں مسلمانوں میں، کونسی مبارک ساعت میں تقلید کی بنیاد پڑی تھی کہ دہانے کے سیکڑوں
ہزاروں انقلابات کے ساتھ بھی اسکی بندشیں اب تک کمزور نہیں ہوئیں، تعجب اور سخت تعجب یہ ہو کہ
جدید تعلیم یافتہ فرقہ جواہر اور جدت کا دعویٰ اڑا رہا ہو اور درحقیقت جدید تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیے تھا وہ بھی
اُسی طرح بے سمجھے سمجھے، ایک عام راستے پر پڑ لیا ہو اور کچھ نظر نہیں آتا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں، جس تعلیم
اور نتائج تعلیم کا اس قدر شور و غل ہو، وہ کیا ہے؟ کالجوں کی ڈگریاں اور نوکریاں دو گریہیں شاید کہا جائے
کہ اسکے سوا، ہم اور کیا کر سکتے ہیں، اور اسی لیے تو ہم اپنی خاص یونیورسٹی چاہتے ہیں کہ اپنی ضرورتوں کے
موافق، اپنی تعلیم کا سامان ہم پہنچائیں، لیکن مجبوری یہ ہو کہ اس قدر روپیہ ہم نہیں پونہ چاہتے کہ یونیورسٹی بن سکے
لیکن سوال یہ ہو کہ جان یونیورسٹی بن سکتی ہو وہاں کیا ہو رہا ہو؟ حیدرآباد میں غنائ تعلیم انھیں لوگوں کے
ہاتھ میں ہی ہو جو ہندوستان میں یونیورسٹی بنانے کے محرک اور جان دادہ ہیں، یونیورسٹی کے لیے دس
لاکھ روپیہ مانگا جا رہا ہو، حیدرآباد میں ایک سنٹ میں یہ رقم مل سکتی ہو، حیدرآباد میں صرف ایک کالج پر
ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف ہو رہا ہو، حیدرآباد کو اس بات کی کچھ پروا نہیں ہو سکتی کہ اگر وہ اپنی یونیورسٹی بنائے
تو اسکے تعلیم یافتہ، انگریزی گورنمنٹ میں نوکریاں نہ پائیں گے کیونکہ حیدرآباد، خود ایسی وسیع ریاست ہو
کہ وہاں کے تعلیم یافتہ دوسری جگہ نوکری کرنے کے محتاج نہیں، لیکن تقلید پرستی کی یہ حالت ہو کہ انگریز
تعلیم میں کسی قسم کی اصلاح و ترمیم ایک طرف خاص مشرقی تعلیم میں بھی جسکے لیے وہاں ایک نیا

پنجاب یونیورسٹی کی مشرقی امتحانات کے بیوروہ نصاب کی آج تک تقلید کی گئی، پنجاب نے مولوی قاضی
 اور مولوی عالم وغیرہ کے جو امتحانات تقریباً کئے ہیں، وہ نہ دنیا کے کام کے بہترین میں کے تاہم آج تک سبکی
 حکمرانی کی گئی، اور اس وقت تک آزادی کا خیال نہ آیا جب تک دیونیورسٹی نے یہ قاعدہ نہیں بنایا کہ ہم
 دوسرے مالک کے لوگوں کو اپنے امتحانات میں شریک نہیں کر سکتے۔

دوسرے بار باتو گفتیم کہ مریہیچستان نشا اتفاق، شاید کہ این بہا گرام

بہر حال خوبی تقدیر سے پنجاب یونیورسٹی نے حیدر آباد کے طلباء کو اپنے امتحانات میں
 شامل کرنے سے روکا، اب اگر یہ ممکن ہوتا کہ یہ سب طلباء، وہاں کے انگریزی اسکولوں میں داخل ہو جاتے
 تو پھر اسی تقلید پرستی کے دام میں گرفتار ہو جاتے **مص** اور دام جست باز سے دام می رود
 لیکن سات سو طلباء جو انگریزی کے ایک حزن سے وقت تھے، اور جنہیں سے اکثر انگریزی پڑھنا بھی
 نہیں چاہتے تھے، وہ کیونکر ایک نئی زندگی اختیار کر سکتے تھے، غرض اب یہ خیال ہوا کہ دارالعلوم کا
 مقاب، یہاں کی ضرورتوں کے لحاظ سے خود طیار کیا جائے، نواب حماد الملک بہادر گلگامی سی ایس ای
 میرٹویا کو نسل اس وقت ناظم تعلیمات تھے، انھوں نے سرکار میں یہ تجویز پیش کی، اور منظور ہوئی اس کے بعد
 نواب صاحب مصحف نے میرے نام ایک سرکاری مراسلہ بھیجا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

اس وقت یا حث تصدیق یا مہم اکین نے اس حادثہ دیرے پاؤں کے زخمی

جس کی طرف اشارہ ہے اس کے چند ہی روز پہلے سرکار میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ چونکہ ہمارے

دارالعلوم کا تعلق اب پنجاب یونیورسٹی سے منقطع ہو گیا ہے پس مناسب ہوگا کہ ہم اپنے

خود ہی مناسب انتظام کریں بیٹھے عوامی و فارسی نصاب تعلیم مرتب کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی

مقرر کی جائے جس میں ایک ڈکن آپ ہوں، ہم نصاب تعلیم زمانہ حال کی ضرورتوں کے لحاظ

میں مرتب ہو کر جو لوگ اس درجہ میں تعلیم پا کر امتحانوں میں کامیابی حاصل کریں وہ سرکاری خدمات

انکرنے کے اہل پائے جاہلین، + + +

اس امر کے اطلاع دینے سے میرا متناہین لکاپ سے فوراً تکلیف گوارا کرنے کے
نواہش کروں گا مگر بعض اس قدر اطمینان حاصل کرنا منظور ہو کہ کمال صحت کے بعد آیا یا ممکن ہو گا
کہ آپ بہانہ شریف لائیں، ایسے قوی کاموں میں آپ ہمیشہ تکلیف گوارا کرتے رہے ہیں، +
اگر آپ کا شریف لانا ممکن نہ ہو کیا آپ نصاب تعلیم پنجاب یونیورسٹی پر نظر خاطر ڈال کر ایک ہی
نصاب میں مرتب فرما سکتے ہیں، ترمیم نصاب میں چند ابواب مد نظر ہیں تو بہتر ہو،
(۱) اصلاح نصاب موجودہ پنجاب یونیورسٹی۔ طاقا مقتضاسے وقت و زمانہ

وضو و رات خدمات حکومتی،

(۲) تکمیل تحصیل علوم شرعیہ۔

مردم کی ضرورت اسوجہ سے ہو کہ پنجاب کی اور شیل تعلیم ناقص ہو سکتا ہے معلوم ہے
تکمیل فضیلت کی ہوتی ہو، اس تعلیم میں ضرورت ہے، ایسے مناسب معلوم ہوتا ہو کہ جامع
مولوی مثال سے بالا اعلیٰ و تہذیب جماعتیں ہوں جن میں تحصیل کی تکمیل ہو سکے، میری رے
ناقص ہیں اگرچہ سلسلہ نظامیہ کی پابندی ضرور نہیں ہو، مگر تکمیل تحصیل کے لیے بہت کچھ ہونا
کتب دہشیہ کی ضرورت ہو،

نواب صاحب موصوف کا یہ خط اسوقت پونچھ صاحب مجھے پاؤں کے زخمی ہونے کا واقعہ گویا تھا
اور میں صاحب فراش تھا، جب اس سے صحت ہوئی، تو مولوی عزیز مرزا صاحب ہم سکرٹری حیدر آباد
نواب علو اللہ کی در کی تحریر کی بنا پر مجھ کو بھی طلب کیا، اور میں جو شہر میں رہا وہاں چلا گیا
ایک نصاب طیار کیا، اور اس کے متعلق ایک دانش گاہی جو سب سے ظاہر ہوتا ہو کہ نصاب میں
طیار کیا گیا ہو یا دہشت مذکور کی نقل درج ذیل ہو،

رپورٹ

متعلق

اصلاح نصاب دارالعلوم حیدرآباد

بموجب مراسلہ ناظم صاحب سابق نواب عمار الملک بھا دروہ مراسلہ ناظم صاحب حال مورخہ ۳۰ ماہ آگست ۱۳۰۱ ہجری نشان (۱۲۲۳) دارالعلوم کی نصاب اور مدت تعلیم میں جو تغیر اور اصلاح میں کی ہو اور جس کا نقشہ اس وقت کے ساتھ منسلک ہے اسکی نسبت میں ایک مفصل یادداشت پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس سے یہ ظاہر ہو گا کہ ترمیم اور اصلاح کن اصولوں پر کی گئی ہے اور ترمیم اور اصلاح کی مہمات امور کیا ہیں۔

نصاب دارالعلوم کی ترتیب دینے کے وقت سب سے پہلے یہ امر پیش نظر ہونا چاہیے کہ دارالعلوم کا اصلی مقصد کیا ہے، اور کس قسم کے لوگ اس سے پیدا کرنے مقصود ہیں، دارالعلوم جب تک، پنجاب یونیورسٹی سے متعلق رہا، اسکی غرض صرف، ایسے لوگوں کا پیدا کرنا تھا جو سرکاری دفاتر میں کام کرنے کے لائق ہوں، اور اس مقصد میں دارالعلوم نمایاں طور پر کام کیا ہے، لیکن اب جبکہ دارالعلوم خود مختار اور آزاد ہو گیا ہے، اس کے مقاصد زیادہ وسیع ہو گئے ہیں اسکی غرض اب ایسے اشخاص کو پیدا کرنا ہے جو صرف سرکاری دفاتر میں کام کرنے کے قابل ہوں، بلکہ اس سے ایسے اشخاص بھی پیدا ہوں جو شرعی خدمات انجام دینے کے قابل ہوں، جو علوم مذہبی مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، میں کمال رکھتے ہوں، جو ملک میں مذہبی عالم کی حیثیت سے

تسلیم کیے جاسکتے ہوں، اور اس بنا پر ان کی ہدایت اور تلقین کا عامہ اہل اسلام پر اثر پڑ سکے، اور وہ عوام
میں عمدہ اخلاق اور مذہبی خیالات پھیلا سکیں، جو علوم قدیمہ کے ساتھ، جدید علوم و فنون، اور جدید خیالات
سے بھی آشنا ہوں، تاکہ جدید تعلیم یافتہ گروہ برائے ان کا اثر پڑ سکے،

یاد بھی خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ اس وقت تک جو تعلیم جدید تمام ہندوستان میں جاری ہو
اسکی نسبت، تمام اہل الرائے نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہماری ضرورتوں کے لیے کافی نہیں لیکن چونکہ تحریک
طریقہ تعلیم کے سرکاری نوکریان حاصل نہیں ہو سکتیں اس لیے چارناچار، اسی طریقہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے
لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس طریقہ تعلیم میں ہماری مذہبی اور قومی خصوصیات کا کوئی انتظام نہیں، اس میں
مذہبی تعلیم پر قومی تاریخ سے کچھ واقفیت ہو سکتی ہے، اسلامی اخلاقی، اور مسائل اخلاق کا علم ہو سکتا
ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ ایک شخص گوبی، لے اور ایم، اسے کی ڈگری حاصل کر لے لیکن اسلامی مسائل
اسلامی تاریخ، اسلامی اخلاق کے متعلق، اسکی واقفیت، اور اس کا پوزیشن، اس سے کچھ زیادہ
نہیں ہو سکتا جو ایک عامی مسلمان کا ہو سکتا ہے۔

بائیں ہمہ ہندوستان میں اس مشکل کا کچھ علاج نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ یونیورسٹی کا
نصاب تعلیم، اس قدر وقت اور فرصت نہیں دے سکتا، کہ دوسری چیزوں کے حاصل کرنے کے لیے
موقع ہاتھ آئے،

لیکن چونکہ ریاست نظام ایک سوچ مملکت ہے، اور اس وقت تک اسنے سرکاری نوکریوں
کے لیے یونیورسٹی کی ڈگریوں کی قید لازمی نہیں قرار دی ہے، اس لیے اسکو موقع ہے کہ موجودہ طریقہ
تعلیم کے علاوہ، ایک ایسا خاص سلسلہ تعلیم بھی قائم کرے جس میں انگریزی تعلیم کے ساتھ، اسلامی
علوم اور اسلامی تاریخ بھی شامل ہو اور جسکے تعلیم یافتہ گویا دونوں قسم کی تعلیم کا مجموعہ ہوں، اس
قسم کی تعلیم کا انتظام دار اعلیٰ ہوں، اور ہم کو موجودہ نصاب کے قریب کرنے میں

اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

اغراض مذکورہ بالا کے لحاظ سے نصاب موجودہ میں، جو تغیر اور اضافہ کیا گیا ہے اس کی

تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) ہر فن کی تعلیم کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایسی کتابیں درس میں رکھی جائیں جن میں تمام

مسائل نہایت سادہ، صاف اور واضح طریقے سے بیان کیے گئے ہوں تاکہ طالب علم باسانی

تمام مسائل پر حاوی ہو جائے اس بنا پر وہ کتابیں جو مقام اور حیثیتان کے طور پر اس قدر مختصر اور

منطق لکھی گئی ہیں کہ ایک ایک سطریں ایک ایک صفحے کے مطالب کھپائیے گئے ہیں وہ

خارج کر دی گئیں۔

(۲) قدیم نصاب میں اکثر ایسی کتابیں ہیں جن میں، دوسرے علوم کے مسائل مخلوط

کر دیے گئے ہیں اس لیے غلط بحث کی وجہ سے طالب علم اس فن کے مسائل سے دور

پڑ جاتا ہے، مثلاً، ملاحسن، میرزا بہ قاضی مبارک، وغیرہ کہ یہ کتابیں دراصل منطق میں ہیں لیکن انہیں

فلسفہ اور منطق کے دقیق مسائل، اس قدر شامل کر دیے ہیں کہ اصل فن کے مسائل پر گویا پردہ

پڑ گیا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ تمام کتابیں پڑھ کر بھی طالب علم کو خاص منطقی مسائل کی مشق نہیں

ہوتی اور یہ نہیں کر سکتا کہ تقریر اور مناظرے میں اپنے دعووں کو اشکال منطقی کے ذریعے سے

ثابت کر سکے،

اس بنا پر نصاب حال میں ہر فن میں وہی کتابیں رکھی گئی ہیں جن میں خالص اسی فن کے

مسائل استنباط کے ساتھ مذکور ہیں،

(۳) قدیم نصاب میں، قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ نہایت کم ہے قرآن مجید کا متن تک درس

میں نہیں، تفسیر دن میں صرف دو تفسیریں، درس میں داخل ہیں ایک جلالین جس کے الفاظ

اور قرآن مجید کے الفاظ عدد میں برابر برابر ہیں، اور دوسری بیضاوی جسکے صرف حالی پارے
 پڑھائے جاتے ہیں جو کتاب کا پندرھواں حصہ بھی نہیں اس لیے قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ یاد
 وسیع کیا گیا ہے۔

(۴) قدیم نصاب میں ادب اور لٹریچر کا حصہ نہایت کم حالانکہ ادب کے بغیر تفسیر، حدیث، اصول
 فقہ، کسی چیز میں کمال نہیں حاصل ہو سکتا، اس بنا پر ادب کا نصاب بہت بڑھا دیا گیا ہے،

(۵) یہ عام شکایت ہے کہ عربی خوان، سب کچھ پڑھ جاتے ہیں، لیکن چند سطرین صحیح عربی
 نہیں لکھ سکتے، اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ادب کی تعلیم کم تھی، دوسری یہ کہ انشا پر دازی اور مضمون نگاری
 کی مشق نہیں کرائی جاتی تھی اس لیے نصاب حال میں انشا پر دازی کے لیے خاص گھنٹے منسوب کیے

(۶) عقائد و علم کلام، میں صرف ایک کتاب اور وہ بھی معمولی درجے کی درس میں تھی یہ
 شرح عقاید نسفی، حالانکہ یہ فن، تمام اسلامی فنون پر مقدم اور سب کا اصل الموصول ہے اس لیے اس فن
 میں متعدد اور بلند پایہ کتابیں نصاب میں رکھی گئیں،

ب (۷) تاریخ اسلام اور عام تاریخ کی ایک کتاب بھی نہ تھی، اس لیے اس فن کی کتابیں
 بھی جنرل کی گئیں،

(۸) علوم جدیدہ کی بعض کتابیں جو عربی میں ترجمہ ہو گئی ہیں نصاب میں شامل کی گئیں

لیکن اس موقع پر یہ ظاہر کر دینا ضرور ہے کہ ان کے پڑھانے کا انتظام مشکل ہو جائے، علماء اہل
 کو پڑھانہیں سکتے۔ اور انگریزی خوان، عربی زبان سے آشنا نہیں، یہ ہو سکتا تھا کہ اردو میں جو
 کتابیں موجود ہیں، وہ داخل نصاب کر دی جائیں، لیکن جہاں تک مجھ کو معلوم ہے طبوعات کی حالت میں
 اردو میں موجود ہیں، وہ مدلل کے رتبہ سے زیادہ نہیں، اسکے سوا عربی خوان طلباء اللہ و زبان کی
 کتاب کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے، اس کی تدبیر صرف یہ ہے کہ ایسے پروفیسر مقرر کیے جائیں

بمخون نے بی سٹے میں سائنس لیا ہوا اور عربی زبان دان کی سکینڈ لینگویج رہی ہو،

(۹) انگریزی زبان، بطور سکینڈ لینگویج کے لازمی قرار دی گئی ہو، میں انگریزی زبان سے واقف نہیں ہوں، ایسے میں نے انگریزی کتابوں کا نام نہیں لکھا ہو لیکن اس قدر بخوبی جانتا ہوں کہ موجودہ نصاب میں اس قدر گنجائش ہو کہ انگریزی زبان دان کی کتاب میں، انٹرنس تک کی سہین شامل کی جاسکتی ہیں، اور درجہ فاضل کے بعد، دو برس اس غرض سے رکھے گئے ہیں کہ جو شخص چاہے دو برس تک صرف انگریزی زبان دان کی تعلیم حاصل کرے جس سے وہ انگریزی زبان پر بخوبی قادر ہو سکتا ہو۔

(۱۰) نصاب سابق میں، ابتدا سے اخیر تک، مدت تعلیم ۱۹- برس تھی لیکن یہ مدت بہت زیادہ تھی، ایسے گھٹا کر کل مدت ۱۲- برس قرار دی گئی ہو۔

(۱۱) نصاب مرتبہ کی ترتیب یہ ہو کہ ابتدائی تعلیم کی مدت ۵- سال قرار دی گئی ہو اور یہ فرض کیا گیا ہو کہ لڑکا ساتویں برس کے سن تک اپنے دارالعلوم کی ابتدائی جماعتوں میں لیا جائیگا یہ تعلیم پانچ برس میں تمام ہوگی، اور اس میں اردو اور ابتدائی فارسی اور حساب اور کسی قدر انگریزی کی تعلیم ہوگی۔

اس درجے کے بعد، دو الگ شاخیں شروع ہونگی، یعنی منشی، اور عالم، اور طالب علم کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں شاخوں میں سے جس شاخ کو چاہے اختیار کرے،

منشی کے ۳- سال، اور منشی عالم کے ۲- سال اور منشی فاضل کا ایک سال معتمد منشی کیا گیا ہو منشی فاضل تک، طالب علم کو فارسی زبان میں عمدہ مہارت اور عربی کی سواد خوانی، انگریزی بقدر عام ضرورت آجائیگی۔

عربی کے دو حصے قرار دیے گئے،

عالم، اس کی مدت تعلیم ۵۰ برس ہو، درجہ بی۔ اے کے برابر ہو اس میں تمام علوم متداولہ عربی اور بعض علوم جدیدہ اور انگریزی زبان و ادبیات انٹرنس کے درجے تک آجائیں گی، یہ میری خاص رائے ہے، لیکن اگر یہاں کے حالات کے لحاظ سے ضروری ہو تو بیچ میں ایک اور درجہ مولوی یا ملا کے نام سے قائم کیا جائے، اور یہ درجہ پانچویں سال تک تمام ہو جائے، اسکے بعد تین برس عالم کے لیے رکھے جائیں۔

فاضل، اس کی مدت تعلیم دو برس ہو، اور یہ درجہ ایم۔ اے کے برابر ہو، اس میں کسی ایک خاص فن کی پوری تعلیم ہوگی، اور طالب علم اس خاص فن کی تکمیل کرے گا، اور اسی فن کے انشاء سے موسوم ہوگا مثلاً فلسفہ، ادیب، فقیہ، وغیرہ،

عالم یا فاضل کے درجے کے بعد ضرور ہو کہ چند طلباء کو دو برس تک خالص انگریزی زبان سکھائی جائے تاکہ انگریزی زبان میں تحریر اور تقریر کا ملا ہوا اور ایسے طلباء پیدا ہوں کہ یورپ کی علمی تحقیقات کو اسلامی علوم میں اضافہ کر سکیں، اور انگریزی زبان جماعت کے مجمع میں انھیں کی زبان اور خیالات میں اسلامی عقائد اور مسائل پر تقریر کر سکیں،

(۱۲) نصاب تعلیم کے نقشے کے ملاحظہ سے چونکہ ہر فن کی کتابیں یک جاتی طور پر پیش نظر نہ ہوں گی اس لیے اس موقع پر ہر فن کی الگ الگ کتابیں ایک جاکھدی جاتی ہیں جس سے ایک نظرات کے اندازہ کرنے کا موقع ملے گا کہ ہر فن میں کس پایہ کی اور کس قدر کتابیں نصاب میں تجویز کی گئی ہیں،

ادب و معانی و بیان

اخوان الصفا، اطباق الذہب، عبد اللہ بن صفہانی، سبعة معلقہ، مجموع الادب، جہن التسل

الی صناعة الترسل مختصر المعانی، مبتنی، تیمتہ بن القفیع، مقامات حریری، حماسہ، نقد الشعر بن قدادہ،
منہج البلاغۃ، اسرار البلاغۃ عبد القاہر الجرجانی، کتاب الصناعۃین ابو بلال عسکری،

فہمہ وصول فقہ

قدوری، سراجی، درختار، ارکان اربعہ مولانا بحر العلوم، ہدایہ نور الانوار، تحریرین الہمام، علم الشہوت

توضیح و تلخیص، رسالہ امام شافعی،

فہمہ قرآن مجید و تفسیر

الہدایۃ الی اصول المستقیم، فہمہ الکبیر فی اصول التفسیر، جلالین، بیضادی، احکام القرآن ابو بکر رازی،

فلسفہ

ہدایہ سعیدیہ، شرح ہدایہ الحکمت از خیر آبادی، شرح اشارات از می و طوسی، شرح حکمہ الاشراق،
شمس بازقہ، دروس الاولیہ فی العلوم المجدیہ، ہیأت جدیدہ،

کلام و اسرار الدین

رسالہ التوحید، معالم امام رازی، حجۃ السد الباقیہ،

اس یادداشت اور نصاب پر غور کرنے کے لیے ایک کمیٹی قرار پائی جسکا اجلاس شعبان ۱۳۲۹ھ
میں قرار پایا، لیکن چونکہ عین اسی زمانے میں ندوہ کی خاص ضرورت سے مجھ کو لکھنؤ واپس آنا پڑا اس لیے



(۱) سرسختی

۱۵۵ اجلاس منعقد ہو گیا، اسکے بعد مین ۲۳- جنوری ۱۹۰۹ء کو پھر حیدر آباد گیا، اور ایک کمیٹی میں نصاب مرتبہ پیش کیا گیا، اس کمیٹی میں مولوی عزیز مرزا صاحب، محمد عدالت و افسر تعلیمات، شمس العلماء مولوی سید گل صاحب، بلگرامی، مولوی انوار اللہ صاحب، استاد حضور نظام، سید ابوبکر شہاب مینی، مولوی عبدالحکیم صاحب، سرحد گارناظم تعلیمات اور دیگر اصحاب شریک تھے لیکن چونکہ اس کمیٹی میں کچھ مراتب باقی رہ گئے تھے اسلئے ۱۹ فروری ۱۹۰۹ء کو اسکا پھر ایک اجلاس ہوا جسکے پر سیدانٹ جناب نواب فخر الملک ہمارے وزیر عدالت تھے، اور حسین نواب عماد الملک ہمارے اور ڈاکٹر سید برج احسن ناظم تعلیمات بھی حیثیت رکن کے شریک تھے،

دونوں کمیٹیوں میں آزادی سے ہر پہلو پر بحث ہوئی اور کسی قدر تغیر اور ترمیم کے ساتھ نصاب مرتبہ منظور کیا گیا،

نواب عماد الملک ہمارے رے تھے کہ علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی کی تعلیم نہیں ہو سکتی اسلئے اسکو نصاب سے خارج کر دینا چاہیے، لیکن جب ظاہر کیا گیا کہ علوم عربیہ میں بہت سی فضول کتابیں جو منطق و فلسفہ کی شامل تھیں خارج کر دی گئی ہیں، اسلئے کافی گنجائش ہو سکتی ہے، تو نواب موصوف نے بھی اتفاق ظاہر کیا،

ہمکو اسپر کسی قدر تعجب ہوا کہ اس کمیٹی میں نہایت متقشف اور پُر پرائے خیال کے علماء بھی شریک تھے تاہم، انگریزی کے داخل کرنے سے کسی نے انکار نہیں کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدر آباد میں، ہندوستان کی نسبت، روشن خیالی کا اثر زیادہ ہوتا ہے،

نصاب کے طرے پانے کے بعد اسکے موافق، دارالعلوم میں جدید اشاعت قائم ہوگا، اسکے ایک مجلس بطور سینٹ کے قائم ہوگی، اور اسی کے لیے فیلو منتخب ہونگے، اس طرح ایک نئی روینودشی کی بنیاد قائم ہو جائے گی،

تہا نیت سرت کی بات یہ ہوگا سو قضا شریف تعلیم ذاب فرمالک بجا روڈ یہ عدالت سادہ
 مولوی عزیز مراد صاحب معتمد حالات سادہ رسید سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات ہیں، اس کے لیے
 ہر طرح پر امید ہو کہ دیورٹی عمدہ اور حکم اصول پر قائم ہوگی،

یہ ہم نے بار بار کہا ہے اور اب پھر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لیے صرف انگریزی ہی نہیں
 کی تعلیم کافی ہے نہ قدیم عربی مدرسوں کی، ہمارے دکان کا علاج ایک معجون مرکب ہے، جس کا ایک جوہر
 مشرقی اور دوسرا مغربی ہے،

دو کفے جام شریعت، دو کفے سندان عشق ہر دو سنا کے نہ اندہ جام و سندان باختر

شبلی نعمانی، ۷۵- فروری ۱۹۱۷ء

شعر مجسم
 معنی

مولانا شبلی نعمانی

یہ کتاب تین حصوں پر تقسیم ہے، حسین فارسی شاعری کی ابتدا، عمدہ حمد کی ترقیان
 طبع دور، ہر دور کی خصوصیات، مشہور شعرا کے تفصیلی حالات، اور ان کے کلام پر
 تقریظ و تنقید ہے۔

اس کتاب کا پہلا حصہ چھپ کر تیار ہے۔ نہایت عمدہ چکنے دلاستی کاغذ پر چھپی ہے، پڑنے والا
 محض ان کے قریب غماخت ہے، قیمت مع محصول ڈاک دو روپیہ،
 درخواستیں اس پتے سے آئیں، دفتر ندوہ لکھنؤ

اسلامی رصد خانے

اسلامی رصد خانوں کی تاریخ ایسی سخت تاریکی پر آشوب ہے کہ اس کی تاریخ (مآثر الحارث) کو کچھ لکھنا ہی

دراں خلدون کو لکھی آفتیت نہیں اس لیے ان پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

رصد خانہ جسکو انگریزی میں کہتے ہیں نہایت قدیم چیز ہے، ایک خاص قسم کی بلند

سمارت ہوتی ہے، جس میں حسب موقع سیکڑوں چھوٹے بڑے آلات نصب ہوتے ہیں، جن سے ستاروں کی گردش، حرکت، طلوع، غروب، مقام، مدت گردش، ستاروں کی باہمی نسبت، وغیرہ دریافت ہوتی ہے، علم ہیئت

راستہ انومی کے تقریباً اکثر مسائل کی بنیاد انھیں رصدوں کی تحقیقات و مشاہدات پر مبنی ہے، اس قسم کی چیزوں کی

اولیت دریافت کرنا، جسکی ابتداء انج کی تاریکی میں گم ہو، ایک بے سود کوشش ہے، اس مام قلم کے روبرو

کہ ہر شے بتدریج حتمی کرتی ہے، یہ خیال کیا گیا ہے کہ پہلے رصد کے لیے آلات ہوں گے، صرف انکھوں کی روشنی

ستاروں کے حالات دریافت کیے گئے ہوں گے، رفتہ رفتہ کچھ آلات ایجاد ہوئے ہوں گے، انہیں بعض آلات

ایسے ہوں گے جو آبائی ہر جگہ منتقل نہیں ہو سکتے ہوں گے، اس لیے ان آلات کے لیے ایک خاص مکان

بنایا گیا ہوگا، جہاں یہ آلات بجا طاعت تمام رکھے جاسکیں، رفتہ رفتہ اسے ایک منظم رصد خانہ کی حیثیت پیدا کی جائے گی۔

سب قدیم رصد خانہ جسکا تاریخ میں ذکر ہو متون کا رصد خانہ ہے جو ۳۳۰ مس قبل حضرت سید

قائم کیا گیا تھا، اسی رصد خانہ میں سب پہلے دار صیفی کی تعین کی گئی، اور اُس آلہ کا استعمال ہوا جسکو

(ہیلومیٹر) کہتے ہیں، اس کے بعد تیمور خاں، منلاؤس، بابر خاں نے رصد خانے قائم کیے لیکن سب سے پہلے

پہلے سب سے مشہور رصد خانہ اسکندریہ کا وہ رصد خانہ ہے جسکا مہتمم بطلمیوس تھا، بطلمیوس پہلا شخص تھا جس نے

ایک منظم رصد خانے کی بنیاد ڈالی، رصد کے بعض ضروری آلات ایجاد کیے اور فیثا خورش کے نقطہ

زمین کو کائنات کا مرکز قرار دیا،

یورپ میں رصد خانے کی ابتدا چند دہائیوں بعد ہی سے شروع ہوتی ہے، ابتدائی رصد خانے وینوس
 کا مشہور ترین میں سے ایک تھا، یہ پہلا رصد خانہ ہے جو انگریزی کا استعمال ہوا، اسکے بعد مشہور عالم بیت
 الیکو براہی نے مشرق میں اور برگ (ڈنمارک) میں رصد خانہ قائم کیا اور اسکے لیے بہت جدید آلات خود ایجاد
 کیے، اور اسکے بعد برابر رصد خانے قائم ہوتے رہے، جبکی تعداد سیکڑوں سے تجاوز ہے، ہندوستان میں بھی اسلام
 سے پہلے بعض رصد خانوں کا پتہ ملتا ہے جن میں سے سب سے زیادہ مشہور راجہ بکر راجہ جیت کا رصد خانہ ہے،
 مسلمانوں میں رصد خانے کی بنیاد تیسری صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے، جب امامون اعظم
 سرکار نے خلافت تھا، اسلامی رصد خانے کی تاریخ سے پہلے اسلامی آلات رصد کے متعلق ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں،
 مسلمانوں نے آلات رصد کا بنانا مصلحتوں سے کیا، صابیون کا مشہور شہر حران اسلامی
 مفتوحات میں غالب ہو چکا تھا، وہاں آلات رصد نہایت کثرت سے بنتے تھے، جاسیہ کے زمانے میں علوم
 و فنون کے ساتھ آلات ساری کو بھی ترقی و اشاعت ہوئی، امامون نے جب رصد خانہ قائم کر لیا، تو ان
 خلیفہ ہدی نے ذات الحلق (رصد کا ایک مشہور آلہ) بنایا جو چوتھی صدی تک بغداد کے بعض علما
 کے پاس محفوظ تھا،

علامہ ابن زیم نے جو چوتھی صدی میں تھے اپنے زمانے تک ماہرین آلات رصد کے یہ نام بتائے
 ہیں: ابو جعفر محمد بن زعفرانی، ابن خلف کا غلام علی بن حبیب، علی بن حبیب کے غلام احمد بن خلف اور
 علی بن خلف، احمد بن اسحاق حرانی، ربیع بن فراس حرانی، خیف کے غلام قسطوس، اور علی بن احمد، محمد
 بن علی بلدی، علی بن عمرو حرانی، بطولس کے غلام شجاع اور علی بن علی بن عبد بن علی، جابر بن نان حرانی، نان
 بن علی حرانی، فراس بن حسن حرانی، علی بن احمد کا غلام عبد بن علی، ابن نجیب حسین البوقی،
 ان ناموں کی طویل فہرست یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ابتدائی صدیوں میں مسلمانوں میں

عہدِ نبیؐ کا عالمگیر شوق تھا، حسین محدث، مردِ غلام، آقا، سب مادی حصہ لیتے تھے، ابتدا میں زمانے میں نبوتِ اکرامِ رسد کے سب سے زیادہ مشہور صنایع تھے، ابوجامہ صافانی المتوفی ۱۸۳۰ء ہجری ۱۲۵۰ء کے بنانے میں کمال رکھتا تھا،

چوتھی صدی کے بعد سب سے بڑا ہر آلات، خازن مزی المتوفی ۱۸۳۰ء ہجری ۱۲۵۰ء کا دن کی ایک ایک حصہ اور اندلس میں باہر اور علم نور کی لئے تحقیق کی ہر آلات رسد کے بیان اور ساخت میں احسن ایک مستقل سال لکھا، ہر بیرون صدی عیسوی میں ابنِ اہل بھی ایک مشہور آلات ساز گذر رہا اور اس کی تصنیف جو آلات سازی کے متعلق ۱۸۳۰ء میں فرینچ میں ترجمہ ہو کر پیرس میں مجلدوں میں بھیجی گئی

ابن النبی جو ابتدائی گیا، بیرون صدی عیسوی میں تھا، ایک مشہور آلات رسد بنانے والا تھا، مصر کے شاہی کتب خانے کی جب فہرست کی جانے لگی، تو ابو القاسم علی وزیر مصر کے حکم سے کتب ہیئت اور آلات رسد کی فہرست اس کی مرتب کی تھی، ابن النبی ۱۸۳۰ء میں مصر میں موجود تھا،

خلیفہ مصر شمس کے زمانے میں بیچ اسطریلابی مشہور آلات ساز تھا، جس نے آلات سازی کی ابتدا بنیاد دولت جمع کی تھی، ۱۸۳۰ء ہجری میں اس نے وفات پائی،

اندلس کے مسلمانوں نے ہیئت میں جو ترقی کی، اس کی بہت کم یادگار باقی ہے، ایسے صورت اس کی افسوس نہیں ہے، کہ اندلس کے مسلمان شاید بے گئے بلکہ سب سے زیادہ افسوس اس کا ہر گاہ کی تصنیف کا انداز ان کی علمی یادگار میں بھی مشاوری گئیں، ایسے اندلس کے آلات رسد اور رسد خانوں کے متعلق بہت کم معلوم ہے۔

گیا، بیرون صدی عیسوی کے اختتام پر زرقال اندلس کا ایک مشہور آلات ہیئت بنانے والا تھا

۱۸۳۰ء، اکتوبر، صفحہ ۱۹۹

۱۸۳۰ء، اکتوبر، صفحہ ۱۹۹

عقبتانہ و خلاطہ کے لیے ایک طرلاب بنایا تھا اور ایشیائے عرب میں ابن جبار کے نام سے آلاتِ مہیات کے
 مطلق ایک کتاب التلویح کی، جس کا نام عبادیر کھا، علمِ مہیات میں اس کی بہت سی جدید تحقیقات ہیں
 مسلمانوں کی بڑی بڑی جامع مسجدوں میں ایک عمدہ موقت کا ہوتا تھا، جس پر شمسِ مہیات میں
 امور کی جلتے تھے، موقت کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ نماز کے صحیح وقت موزن کو بتا کر تاکھا، غرناطہ کی جامع مسجد
 کا موقت ابن باطنہ سلی تھا، یہ آلات رصد ایسے مضبوط اور خوبصورت بناتے تھے کہ لوگ ان کو بڑی بڑی
 قیمتوں میں خریدتے تھے، ابن باطنہ نے آلات سازی کا فن اپنے والد "حسن" سے سیکھا تھا جو اس
 فن میں نہایت استاد تھا،

قطنیہ میں شیخ غریب الدین احمد التوفی^{۱۱۹۰} ہجری علمِ مہیات کے مشہور آلات ساز تھے، تمام
 آلات رصد خود اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، اس زمانے تک علما کا ہاتھ تلوار سے آشنا تھا، سلطان مصر
 پچھترہویں جب جنگ یحییٰ توشیح غریب الدین اس جنگ میں شریک پڑے،
 ہندوستان میں علامہ تفضل حسین خاں التوفی^{۱۲۱۵} ہجری اور ان کے شاگرد دیرالذکر ابو جعفر الدین
 التوفی^{۱۲۲۲} ہجری علمِ مہیات اور آلات رصد میں نہایت کمال رکھتے تھے، "بیمالہ" کے چھوٹے بیٹے نواب
 ابن العابدین جرنقیل اور رصد کے ہر قسم کے آلات کو مصطلاب، ذات الحقیقین، ذات الحلق، ربیع حبیب،
 لیلون وغیرہ اپنے ہاتھ سے نہایت خوب بناتے تھے چنانچہ انکا وہ کردہ جو میں یہ آلات رکھے جاتے تھے ایک
 صدیقاً معلوم ہوتا تھا،

ابن بزرگون کے علاوہ نصیر طوسی، علی برجندی، ابن شاطر تقی الدین، غیاث الدین جمشید

۱۔ الإسطول بانجا رفر ص ۸۵

۲۔ التلویح النماذیر جلد ۲ - صفحہ ۱۳۶

۳۔ صفحہ ۹۵-۹۶

غلام حسین بن خوری وغیرہ آلات سازی میں نہایت کامل الفن شام تھے، جبکی گراموفون کی پہلی ایجاد وہ ہی تھے۔
 ہرگز تاریخ اور انکی تصنیفات خود اسکی شاہرہ میں، مسلمانانِ اندلس کے بنائے ہوئے بعض آلات اب تک یعنی
 یورپ میں موجود ہیں، جن میں سے ایک وہ کردہ ہر جوڈر سیڈن کے عجائب خانہ میں سکونیامین دھنسی منظور
 اسی سلسلہ میں ہکوان آلات رصد کا بھی تذکرہ کرنا چاہیے، جنکو خاص مسلمانوں نے ایجاد کیا ہے اور
 وہ پہلے متعلق تھے، ہم اس قسم کے آلات کا حال ذیل کے بیان میں لکھتے ہیں،

لبنہ

یہ الافیرالدین طوسی المتوفی ۱۱۸۶ھ ہجری کی ایجاد ہے، اس سے میل کئی، عرض البلد اور ستاروں کا
 بعد دریافت کیا جاتا ہے، سب سے پہلے افاد کی رصد گاہ میں اسکا استعمال ہوا، نمبر ایک نقشہ سے
 اسکی صورت ذہن نشین ہو جائیگی،

ذات منکلاوتار

اس آلہ کے ذریعہ سے تحویل اعتدالی اور تحویل میل یافت کی جاتی ہے، اس آلہ کے موجد علامہ تقی الدین تہی
 ہیں، جو سلطان ملوک کے زمانہ میں موجود تھے، سندہ مستندی الافارسیات اور آلات رصد کے بیان میں علامہ تقی الدین کی
 ایک لطیف تصنیف ہے،

ذات استار تفلع

یہ ایک نصف دائرہ کا حلقہ ہوتا ہے، جسکا قطر ایک مشابہت لسطوح، اسطرح کی ایک سطر ہے،

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اگر ارتفاع ظاہر ہوتا ہو، علامہ تقی الدین نے اس قدر میں لکھا ہے کہ یہ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

مشبہ بالنطاق

یہ آلہ بہت سے مفرد آلات سے مرکب ہوتا ہے، اس سے دو اشاروں کے درمیان کا بعد درجہ

دیکھا جاتا ہے، اگر بھی علامہ تقی کا نتیجہ نکلے ہو،

ربع تام

ربع تام، ابن شاطر المتوفی ۷۶۰ھ ہجری کی ایجاد ہے، ابن شاطر دمشق میں موقت تھا، اسے نے اپنے

ہمسایہ النفع العام میں جو کہ ربع تام کے بیان میں ہے، لکھا ہے کہ چونکہ میرے نزدیک اکثر آلات صناعات ہیں

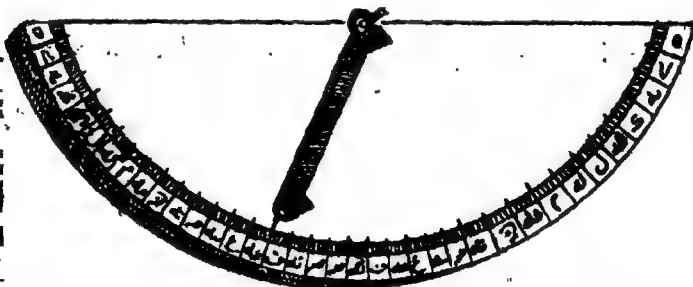
اس لیے میں نے یہ آلہ بنا لیا جو تمام آلوں سے زیادہ مکمل ہے، مگر اس ایک آلہ سے تمام اعمال صدی کا

ہو تمام پر اخراج ہو سکتا ہے۔

سدس فخری

برنجی حلقہ سے بنا ہوا، ایک آلہ ہوتا ہے جس سے میل کی اور عرض بلد دریافت ہوتا ہے، یہ آلہ فخر الدین

کے زمانے میں ایجاد ہوا ہے، اسی مناسب سے اسکو سدس فخری کہتے ہیں، نیز ہر دو کے نقشے سے اسکی صورت ظاہر ہوگی



تفصیل الطول جلد اول صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ میں ان آلات کا بیان دیکھو،

۵۰۶ جامع جہاد خان صفحہ ۵۰۶

عصایا صطراب خطی

قدیم ہیأت کے طاقات سے ہر ستارہ کی گوشہ دار کے شکل میں تھی، ایسے ستاروں کے مددگار کے لیے ایک گول کرہ بنایا جاتا ہے، جو سپر ستاروں کے مدار اور ستاروں کی حرکت سے جو دائرے وغیرہ پیدا ہوتے ہیں منعقد ہوتے ہیں، بطلمیوس سے پہلے ہدایات و دوائر مجسم کروں میں بنتے تھے، بطلمیوس نے اس مقصد کے صطراب میں صرف چند سطحوں سے پورا کر دیا،

صطراب یونانی لفظ ہے جس کے معنی میزان الشمس یا ترانے آفتاب کے ہیں، صطر کے معنی ستار کے ہیں، اسرافونی جس کے معنی علم ہیأت کے ہیں، اسی صطر سے مشتق ہے، مسلمانوں میں صطراب کا استعمال ارباب کے عہد سے شروع ہوا، اس سے پہلے صطراب ابراہیم بن جبب فزاری نے طیار گیارہ ہندوستان میں صطراب کا رواج ہمایون نے دیا، ہمایون علم ہیأت میں نہایت ماہر تھا اس نے ایک خاص طرز کا صطرب بنایا، جس کا صطراب ہمایونی کہتے ہیں چنانچہ وہ اس کے کتب خانہ میں جو ایک قدیم صطراب ہے اس پر عبارت کتبہ ہے: "عمل فیہ الدین محمد بن قائم محمد بن ملا عیسیٰ بن شیخ الہدای صطرابی ہمایونی لاہوری فی ثلث لعمری" بطلمیوس سے لیکر پانچویں صدی ہجری تک کر اور صطراب کا کام صرف جسم اسطح ہی سے لیا جاتا پانچویں صدی کے اخیر میں شیخ شرف الدین طوسی پیدا ہوئے جو ہندوہ وہیات میں امام فن تھے، شیخ محمود یخیال پیدا کیا اگر مجسمہ صطراب اسطح کا کام ایک خط سے بھی لیا جاسکتا ہے، اور اس خیال کی بنا پر ایک صطراب ایجاد کیا جس کا نام عصایا صطراب خطی رکھا، جس سے صطراب اسطح کے تمام کام لیے جاسکتے تھے، بعد معلوم ہے کہ ہر ایجاد پہلے ناکمل ہوتی ہے، اس صما میں بھی بعض غلطیاں رہ گئی تھیں، جسکی اصلاح شیخ کے شاگرد رشید علامہ کمال الدین المنوفی ۶۲۹ لیسری نے کی، لیکن علی صورت تین اس کا محقق طوسی استعمال کیا۔

ابن مذکورہ بالا بیانات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمانوں نے آلات رصد کے بنانے میں کس قدر
 کوشش کی، اور اسکی بڑی دلیل ان عظیم الشان رصد خانوں سے ملتی ہے جو اسلامی ملکوں میں وقتاً فوقتاً
 تعمیر ہوتے رہے، سب پہلا اسلامی رصد خانہ جیسا کہ عام طور سے معلوم ہے، رصد مامونی ہے،

رصد مامونی بغداد

مامون جب تخت نشین ہوا اور تمام دنیا کے اہل کمال سمٹ کر بغداد میں آ گئے، اور طلبیوں کی مجلس
 کا ترجمہ ہوا تو مامون نے اس رصد خانے کے بنانے کا حکم دیا، بغداد کے قریب ایک جگہ شامسیہ جو وہاں کی
 زمین اس رصد خانے کے لیے منتخب کی گئی، اور اسلئے ہم جہی میں یہ رصد خانہ بنکر طیار ہوا، لیکن اسلئے ہم جہی میں
 مامون کا انتقال ہو گیا، اسکا جانشین معتصم ایک سپاہی آدمی تھا، اسلئے یہاں کی تحقیقات کا سلسلہ صرف
 چند سالوں تک جاری رہا۔

یہی بن ابی منصور اس رصد خانے کا افسر تھا جسکا تخت عباس بن سعید جو ہری ہند بن علی حبیش
 ابن عبداللہ مروزی، عمر بن محمد مروزی وغیرہ کام کرتے تھے اس رصد خانے میں ان لوگوں نے جو تحقیقاتیں کیں
 وہ بیچ مامون کے نام سے چند کتابوں میں جمع کر دی گئی ہیں، ان میں سے چند مسائل ہیں،

(۱) معدل اور نقطۃ البروج کے تقاطع سے جو زاویہ پیدا ہوا ہے اسکو اعوجاج منقطۃ البروج کہتے
 ہیں اس رصد خانہ میں اعوجاج منقطۃ البروج تیس درجہ تینتیس دقیقہ اور باون ثانیہ دریافت کیا گیا تھا جو
 موجودہ تحقیقات کے نہایت قریب ہے موجودہ تحقیقات کی دوسری زاویہ تیس درجہ تاسیس دقیقہ ہے،

(۲) وہ دو نقطے جہاں معدل النہار اور نقطۃ البروج کا تقاطع ہوتا ہے، نقطۃ اعتدال کہلاتے ہیں

ابن خلدون اور ابن الخضر (۱۲۸۸ء)

ابن خلدون صفحہ ۲۴۲-۲۴۵-۲۴۶

نقطہ اعتدال کی تحقیق سے شمسی سال کے دنوں کی تعداد تقریباً نہایت صحیح کے ساتھ دریافت کی گئی۔
 (۳۴) نقطہ اعتدال کی نسبت اگرچہ فرض کیا گیا ہو کہ وہ اپنی ایک جگہ پر قائم رہتے ہیں، لیکن درحقیقت
 یہ ہر سال پچاس انیہ آگے بڑھ جاتے ہیں اس حرکت کا استقبال اعتدالین ہے۔ اس صد خانے میں استقبال
 اعتدالین بھی دریافت کیا گیا تھا،

(۳۵) آفتاب کے مقامات اوج اور مقدار میل و خروج مرکز بھی یہیں تحقیق کی گئی،

(۵) قزاق اور سیاروں کے بعض حالات بھی بیان دریافت ہوئے،

رصد مامونی دمشق

حقیقات رصدیہ کی تصحیح کے لیے عموماً مختلف مقامات پر چند صد خانے بنائے جاتے ہیں، مگر اگر کل
 رصد خانوں کا کسی ایک تحقیق پر اتفاق ہو جائے تو وہ مسئلہ نہایت صحیح تسلیم کر لیا جائیگا۔ بغداد کے رصد خانہ
 کی تصحیح کے لیے دمشق میں کوہ قاسیون کے دامن میں بھی مامون نے ایک رصد خانہ بنوایا تھا، غالباً اس کا
 تعمیر بھی بغداد کے رصد خانے کے موافق ہوگا۔

رصد دینوری

علامہ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری، تیسری صدی میں، ادب، تاریخ، ہندسہ، جبر و مقابلہ، اہم مباحث
 کے نام تھے، تاریخ میں الانبار، الطوال، انکی مشہور تصنیف ہے، ہندسہ اور ادب میں بھی انکی بعض تصنیفات ہیں
 ۲۳۵ھ ہجری میں ابو حنیفہ نے صہبان میں ایک رصد خانہ قائم کیا، اس رصد خانہ میں ابو حنیفہ نے جو تحقیقات
 کی، ماسکوا ایک کچ کی صورت میں مرتب کر دیا، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ابو حنیفہ نے یزید بن رکن اللہ دلاوی کے

ہم پر کچھ بھی لکھیں۔ بالکل غلط ہے، کیونکہ دلیلیں کا شمار تادم چوتھی صدی میں ۳۰۰ ہجری کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اور جدید کا انتقال اس سے پالیس برس پہلے ۱۰۰ ہجری میں ہو چکا تھا۔

رصد بتانی

محمد بن جابر بتانی المتوفی ۱۰۰ ہجری کا شمار دنیا کے ان عیس علماء ہیأت میں ہو چکی نسبت پسلم
ہو گیا ہے کہ انھوں نے علم ہیأت کی سب سے زیادہ خدمت کی ہے، اس زمانے میں رقعہ اور انطاکیہ میں دو
پڑھنے والے رصد خانے تھے، بتانی نے انھیں دونوں خانوں میں ۱۰۰ ہجری سے ۲۰۰ ہجری تک پالیس
برس تک سادون کا مطالعہ کیا ہے، بتانی نے اپنے اکتشافات کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے،
یہ کتاب لاطینی میں ترجمہ ہو کر ۱۰۰۰ء میں نور میرگ سے شائع ہو چکی ہے، ان صد خانوں میں بتانی
نے جو جدید اکتشافات کیے وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) بطلمیوس نے جسطرح آفتاب کے لیے جملہ ارضین کا لے تھے اسی طرح بتانی نے چاند کے لیے بھی
معاذتین ثابت کیے،

(۲) مار کا جو نقطہ آفتاب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اسکو نقطہ الاراس کہتے ہیں اور جو سب سے
زیادہ دور ہوتا ہے اسکو نقطہ الذنب کہتے ہیں، بتانی نے جدید اکتشاف یہ کیا کہ یہ نقطے ایک جگہ نہیں رہتے
بلکہ ہر شے جلتے جھپٹتے ہیں،

(۳) قیہ مبادرة الاحدالین کی اصلاح کی،

(۴) دائرة معدل النهار پر دائرة البروج کی قیمت میل کی تصحیح کی،

(۵) ۱۰۰۰ شمسی سال ۳۶۵-۵ دن ۵ گھنٹے ۴۶-۵ منٹ کا قرار دیا ہے،

رصد بوزجانی

بوزجان ہرات اور نیشاپور کے درمیان ایک چھوٹا سا شہر ہے محمد بن محمد بوزجانی دین کا ہے اہل
تھا، تمام مسلمان علماء ہیات میں سے زیادہ مشہور ہے شمسہ ہجری میں پیدا ہوا اولاد شمسہ ہجری میں قائم
پائی، بوزجانی کے رصد خانے کی نسبت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کہاں قائم تھا مگر یہ معلوم ہے کہ وہ ایک مشہور
اپنے اور چند ساتھیوں کے ساتھ رصد خانے میں تحقیقات کرتا رہا ہے جیسا کہ کتاب چلی کی اس جگہ سے ظاہر ہوتا ہے
ابن الشامہ للشیخ ابی الوفا محمد بن احمد البون جانی | زین العابدین شیخ ابو الوفا محمد بن احمد بوزجانی کی تصنیف ہے
صحیحہ الشیخ المذکور صاحبہ بار ماساد | جسکی تصنیف شیخ موصوف نے اپنے اور چند ساتھیوں کے ساتھ اپنے
مستوالیہ و امتحانات صدرت منہم بعد | متواتر تجربوں اور رصدوں سے کی ہے جو حکم رصدانوں کے بعد
مد بعد المامون حل ۱۵ ج ۲ | انھوں نے جاری کیا،

بوزجانی کی اس بھیج کی شرح جسکی تصنیف اُس نے اپنے رصد خانے میں کی تھی، سید علاء الدین قوشی المتوفی
شمسہ ہجری کی ہے یہ شرح قلمی مندر کے کتب خانہ خدیوی میں محفوظ ہے

بوزجانی کے اس رصد خانے میں بہت اچھے اچھے آلات رصد تھے، اسنے احوال منقذہ الخ
کو ایک ربع دائرہ کے ذریعہ سے دریافت کیا تھا جسکا من نصف قطرات گز کا تھا یا مانتاب میں علامہ
جسکی وجہ سے مانتاب کی حرکت گھٹی بڑھی رہتی ہے، اسی رصد خانے میں دریافت ہوا تھا،

رصد ابن علم

علی بن حسن جرابن علم کے نام سے زیادہ مشہور ہے جو قلمی رصدی میں عضد الدولہ کی کتاب
کا ایک نامور مفسر تھا، عضد الدولہ کے بعد مصمم الدولہ اسکے بیٹے نے ابن علم کی کچھ زیادتی کی

نہایت الارب فی فنون الادب

تین صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتدا پر جب عربین خلافت کی سلطنت تھی سلطان محمد ملائکہ نے کتب خانہ
 وزیر کی بنیاد رکھی، علامہ زبیری کا نام و نسب ہے، شہاب الدین احمد بن عبدالوہاب، بن محمد بن عبداللہ ام کبریٰ تھیں قرشی تھیں
 سلطنت مصر کے علاوہ بین ایک مقام ہے جہاں علامہ زبیری پیدا ہوئے تھے۔ ۱۱۔ رمضان ۳۳۵ھ ہجری کو وفات پائی۔
 نہایت الارب علامہ زبیری کی ایک مشہور تصنیف ہے جو تین جلدوں میں ختم ہوئی ہے، اور جامعہ کے علاوہ ہر قسم کے
 علوم و فنون کا مجموعہ ہے، فن کے لحاظ سے اس کتاب کے حسب ذیل پنج حصے ہیں،

فن اول۔ فلکیات، الارض و منصرات،

فن دوم۔ انسان اور اس کے تعلقات،

فن سوم۔ حیوانات،

فن چارم۔ نباتات (اسی میں طب و خواص ادویہ کا بھی بیان ہے)

فن پنجم۔ تاریخ،

ہر حصہ چار ابواب و تفصیل پر تقسیم ہے، بیس جلدوں میں نام اسلامی تاریخ کا ذکر ہے اور دس جلدوں میں فقہی مسائل پر

بجھل جلدوں میں جب مسلمانوں کی علمی عقلیت سے انکی صدمہ علمی یادگارین کے کتب خانوں سے مدد گزرتی ہے کہ کتاب

انکے کتب خانے سے تقریباً سترہ سو گزری، مصنف کا وطن مصر تھا، مقام تصنیف مصر ہی ہے، مصر کے کتب خانوں میں

کتب خانہ خدیوی میں اس کتاب کی تیس جلدوں میں صرف نو سو بیس جلد موجود ہیں، حسین امین، نویری اور دیگر عربی علماء

میں خدیوی نسخہ کی نشانی پر جو عبارت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے لاہوری میں نسخہ مصطفیٰ جوت نامی مصر کا کتب خانہ

اس کتاب کی موجودہ کج شکل سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ مسلمانانِ حجاز نے اس کتاب کی شکل کی شکل

اس کتاب کی شہرت عام ہو چکی تھی عربی مصر میں اس کی نقلیں کی گئی تھیں، اور خود مصنف کے ہاتھ لکھا ہوا نسخہ موجود ہے

یہ صوفیہ کتبیں لکھیں اور سجدوں میں تمنا کیں جس کا نام اس سے ہوا کہ اس کے نام سے اور ولید بن قسطنطین اور
 سیکندر شہزاد اور کتب خانوں میں اس کا ذکر آتا ہے۔

مصر کے کتب خانوں میں اس کتاب کا ایک کمال خوش حال کتب خانہ کا تاجران سے لکھا یا تھا چنانچہ وہ ایک
 کتب خانہ میں موجود ہے لیکن چونکہ وہ نہایت جلدی میں مختلف کتابوں سے لکھا یا گیا تھا، اس لیے بہت بڑھ چکا ہے اور اس کی

شکریہ مصر کے موجودہ مصر قسطنطین، روسیہ، الدار برلین، بیڈون، سیڈو، واکسفورڈ کے کتب خانوں کی اس کتاب
 کے بارے میں کچھ باتیں آتے ہیں جو اس کتاب کے بعد آتے ہیں اس کتاب کی جلد اول اور جلد دوم ملی ہو چکی

تھیں جس کا حوالہ دیا ہے جلد تیسری کی کاپی ہوئی ہے اور محمد غنی صاحب غنیہ، صدر اعظم کے خط میں،
 بہت سی اسلامی تصنیفات جسکی آج ہم نہایت عظمت کرتے ہیں، ان کا اخذ نایاب الارب ہو، جو کہ الیون نے

اس کتاب میں جمع کرائی ہے، لیکن ان تاریخ قرالین کتبیں ان سب کتابوں کی بنیاد نایاب الارب پر قائم کی گئی ہے اور
 انہی پر تمام تصنیفات کی گئی ہیں لہذا اس کے مستحبات بھی لکھے گئے ہیں، کتب خانہ پیرس میں (۱۵۷۵) نمبر پر ایک حصہ مختصر

کی ذمہ داری الارب کا موجود ہے، لیکن انوس پر کو صاحب انصاف نے اپنا نام سترہ نہیں لکھا، اس حصہ میں محدثین
 اس کا تذکرہ ہے، واکسفورڈ میں (۱۴۱۳) اور (۱۴۱۵) نمبر پر دو عربی کتابیں ہیں جس پر دو تصنیفات کا نام ہے جو تصنیفات کا

تاریخ لکھا ہے اور ان کتابوں کے مصنفین کا اخذ علامہ ذہری کی نہایت الارب کتب خانہ مصر جو ذہری نے شفا، اخیلیں میں بھی
 لکھا ہے، اگرچہ اس کتاب میں انوس پر کو کا نام خط لکھا ہے شاید اس سے اس کتاب کی کم شدگی کا بھی دامن ہو،

لیکن یہ شکر ہے کہ اس کتاب کا ایک کمال خوش حال کتب خانہ ایک صدی سے اسلامی کتب خانوں سے محفوظ ہے اور
 اس کی کاپی کے محفوظ ہونے کا بھی علم نہیں یورپ میں میسون علامہ تاریخ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور

ان تصنیفات کا بڑا حصہ صرف ایک کتب خانہ میں موجود ہے اس کی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ اس کتاب کے معرفت تاریخی
 حقائق کی کتنی سی شکوہ تازین کتب میں ہیں،

یہ کتاب (۱۵۷۵) نمبر پر (۱۴۱۳) اور (۱۴۱۵) نمبر پر دو عربی کتابیں ہیں جس پر دو تصنیفات کا نام ہے جو تصنیفات کا

اسلامی فتوحات کی تاریخ لکھی

(۲) جولینڈ کے مشہور عالم البرٹ شیوٹر *Albert Schultze* التوفی ۱۹۰۷ء کے قدیم

بشمودن کی تاریخ اسی کتاب کی سند سے لکھی جو البرٹ ذریعہ کے قدیم آثار پر ایک کتاب لکھی تھی جس میں بھی اس نے
نہایت الارب سے غائر دیکھا یا ہو

(۳) برمن کے پروفیسر ایک *Reuss* التوفی ۱۹۰۷ء نے ابو الفدا کے اسی باب کو لاطینی میں

ترجمہ کیا جو تاریخ شام کے تعلق تھے اس ترجمہ کے ساتھ ایک اور رسالہ شائع کیا جس میں کشف الطغون پر کمال پڑھا
نہایت الارب کے مضامین کی فہرست اور خلاصہ تھا

(۴) ڈنارک کے پروفیسر اس میون *Reuss* التوفی ۱۹۰۷ء نے لاطینی زبان میں تاریخ

طغافے اسلام لکھی اور اسکے ساتھ ایک اور رسالہ شائع کیا جس میں عرب قبل از اسلام کی تاریخ تھی، اس نے پانچ
المصنفات کا اخذ نہایت الارب قرار دیا ہے

(۵) گری گوری روزیو *Manasse* التوفی ۱۹۰۷ء نے طلیانی زبان میں جوہر عقیدہ سسلی کی

اس وقت کی تاریخ لکھی جو عرب سلمان اُس پر قابض تھے یہ تاریخ عربی حرم نہایت الارب کی تاریخ عقیدہ کا ترجمہ جوہر
اسلام سسلی کے دار السلطنت پر مبنی پچھتا تھا

(۶) جرمن پروفیسر اشہورن *Eichhorn* التوفی ۱۹۰۷ء نے نہایت الارب سے عرب قبل از اسلام کا

لاطینی زبان میں شائع کیا

(۷) فریخ پروفیسر کاسن *Cassini de Pire* التوفی ۱۹۰۷ء نے نہایت الارب سے عرب کی تاریخ لکھی

(۸) فرانس کے مشہور شرقی پروفیسر برن لوٹروٹیسی *Bernard de Saugy* التوفی ۱۹۰۷ء

نے فریخ میں قدیموں کی جو فصل تاریخ لکھی پر اسکا اکثر حصہ اسی نہایت الارب سے اخذ ہے

(۹) برمن پروفیسر نامر گسل *Hammer* التوفی ۱۹۰۷ء نے نہایت الارب سے عرب

شذرات

نقشہ داران معلوم نامہ میں کو شاید معلوم ہوگا، کہ دارالمعلوم مذہب کی تعمیر کا کام انیسویں
 ویرجیس میں ہو سکا تھا، کہ عمارت کا نقشہ بنکر طیار نہیں جھانکا، یہی نقشہ کو خان بہادر سید
 حسن حسین صاحب نے ہوا انجیری کے فن میں غیر معمولی شہرت حاصل کر چکے ہیں، نقشہ طیار کو گے
 جلسہ انتظامیہ میں پیش کیا، یہ نقشہ اس قدر خوبصورت اور جامع حقیقت ہے کہ تمام
 حاضرین نے بے ساختہ داد دی، بیچ کا کر اس قدر اچھا لگا کہ ایک ہزار روپے میں کی
 خریدی ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ ۳۱، وسیع اور عمدہ ہے، اس میں اعلیٰ درجہ کی ضروریات
 کے ہیں، سید صاحب موصوف نے اس کے ساتھ ۱۰ صوفیہ کے ساتھ پورٹ بھی لگہ کر دی ہے، جو بین
 عمارت کے ہر پہلو پر بحث کی ہو، اور لاگت کا اس قدر صحیح سمجھ اسٹ متعین کر دیا ہے کہ ایک
 پینے بھی باقی نہیں رہی، فن انجیری کے جو دقائق نقشے میں طوائف کے ہیں، ان کا اندازہ صرف
 حاضرین کو ملتا ہے، لیکن ایک ظاہرین اس قدر سمجھ سکتا ہے، کہ جب یہ عمارت طیار ہوگی، تو خوشی
 و رنظر فوری کی تصویر ہوگی، اس بنا پر جلسہ انتظامیہ میں جسے جوش کے ساتھ ان کے شکریہ کا
 اظہار کیا گیا، عمارت اب فوراً شروع ہو جائے گی،

سید صاحب موصوف نے موقع کو دوبارہ دیکھ کر دارالاقامت (پورٹنگ) کا خاکہ بھی
 کر لیا ہے، اور بہت جلد اس کا نقشہ طیار کر کے مسجدین گے، تاکہ تعمیر شروع ہو جائے اور جن
 عمارت دارالاقامت کے کمرے کے لیے روئے ہوئے ہیں، ان کے نام نامی جلد تر

دارالعلوم کا جدید اسٹاف، اور درجہ تکمیل دارالعلوم میں، علم ادب اور انگریزی اور یا ہنسی کے لیے جدید اسٹاف کا تقرر ہو گیا، ادب کے لیے مولوی سید محمد صاحب بشارت صاحب مقرر کیے گئے، نائب ادیب کے عہدہ پر سید سلیمان کا تقرر ہوا، انگریزی کی ہیڈ ماسٹری پر جناب محمد حسین صاحب ایم اے، منبر رائل اینشیا لک سوسائٹی جو اپنے علمی مضامین کی وجہ سے کسی حد تک وشناس ہو چکے ہیں، مقرر کیے گئے تین اور انگریزی ماسٹروں کا اور ایک ہنسی کا تقرر درجہ تکمیل، نذرہ کا اصلی مقصد درجہ تکمیل کا کھولنا تھا، یعنی وہ درجہ جس میں فارغ التحصیل طلباء صرف ایک فن کو لے کر دہریس تک اس فن کو پڑھیں اور اس میں کمال پیدا کریں، چنانچہ درست علم کلام اور فن ادب کے متعلق درجہ تکمیل کھول دیا گیا،

کرنل عبد المجید خان صاحب نے نذرہ کے استحکام اور ترقی میں جو کوششیں کیں اس کی بنا پر اب کی جلسہ انتظامیہ نے حامی نذرہ کا معزز عہدہ ان کے لیے تجویز کیا، اور نذرہ کے لٹرچر میں اب ان کا نام ہمیشہ اسی خطاب کے ساتھ لیا جائے گا،

اضلاع سرحدی کا مختصر دورہ "مولوی غلام محمد صاحب شملوی فکیل نذرہ بشارت میں، مقاصد نذرہ کی اشاعت کے لیے گئے تھے، وہاں کے لوگوں نے خواہش رکھی کہ خاکسار، اور مولانا شاہ سلیمان صاحب کی زبان سے یہ مقاصد زیادہ دلنشین ہوں گے، تحریک پر ۲۲ مارچ ۱۹۵۹ء کو ہم لوگ لکھنؤ سے روانہ ہوئے، اور ۲۴-۲۵ کی صبح کو پشاور پہنچے اگرچہ ٹرین وہاں کسی تھکرات پہنچتی ہے، تاہم اکثر معززین اسٹیشن پر موجود تھے، جن حاجی کوٹ بخش صاحب سیٹھی تاجر اعظم اور مسٹر عبدالعزیز ایم اے اسسٹنٹ ریونیو کٹرہ

حضرات بھی تھے،

حاجی کریم بخش صاحب بہت بڑے تاجر ہیں، اور حیرت یہ کہ دولت مند ہونے کے ساتھ عالم بھی ہیں، گویا مسلمانوں میں بھی علم اور دولت کا ساتھ ہو سکتا ہے، ہم لوگ انھیں کے مہمان ہوئے اور انھوں نے جس محبت اور فیاضی سے میزبانی کی ان کے شایان شان تھا،

نواب سرکرئل اسلم خان صاحب کی، سی، آئی، اسی، اور صاحبزادہ عبدالقیوم صاحب سی آئی، اسی، کے ہاں دعوتیں ہوئیں محمدن کلب کے ممبروں نے ڈنر دیا، ان سب صحبتوں میں مددہ کے تذکرے رہے خصوصاً ڈنر کے بعد جب نواب اسلم خان صاحب میرے شکریہ کی تحریک کی، تو میں نے جواب میں مددہ کے متعلق مفصل تقریر کی، اس ڈنر میں سرحد کے بعض بڑے بڑے سردار شریک تھے،

حسن اتفاق یہ کہ انھیں دنوں میں وہاں کے چیف کشترنے جو یہاں کے لفٹنٹ گورنر کے ہمبرتہ میں بڑا دربار کیا تھا جس میں سرحد کے تمام رؤسا اور خوانین شریک ہوئے تھے اسکے ساتھ گارڈن پارٹی بھی تھی جس میں ہم لوگ بھی مدعو کیے گئے تھے،

چیف کشتن صاحب سے میں مکان پر بھی ملا، ان کی ملاقات کا ڈھنگ تمام ہندوستان کے حکام انگریزی سے الگ ہے، ملاقاتیوں کے لیے ایک خاص کمرہ ہے، جس میں پرنکلف کرسیاں، کوچین، میز وغیرہ ہیں، جو شخص آتا ہے پہلے وہاں بٹھایا جاتا ہے، اور اسکے سامنے چائے، حقہ، سگریٹ، سوڈا، المنیڈ، پیش کیا جاتا ہے، لوگ خوب حقے اٹاتے ہیں، چائے پیتے ہیں اور باہم گلچن کرتے ہیں، نماز کا وقت آجائے اور کوئی نماز پڑھنی چاہے تو وضو کے لیے پانی اور جاناڑ بھی موجود رہتی ہے، چیف کشتن صاحب نہایت خوش اخلاق ہیں، ملاقات کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں، چلتے ہوئے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، رخصت ہونے کے وقت کہا کہ مددہ آپ کو دیر تک

ذمہ اور سلاست رکھے اور غالباً یہ فقرہ کے لیے مبذول ہے:

محمد انکلب ہال میں، وعظا، اور لکچرون کے متعدد جلسے ہوئے اور نہایت کثرت سے لوگوں کا
اجماع ہوتا تھا، و داعی جلہ میں میں نے صرف ندوہ کے مقاصد پر تقریر کی، اور لوگوں پر خاص اثر ہوا فقہ
کے بعد لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ یہاں بھی معین الدہ یعنی ندوہ کے موبد ایک انجمن قائم کی جائے
چنانچہ بزرگان ذیل نے خود اپنے نام پیش کیے،

جناب سردار میر عالم خان صاحب اکسٹرا سٹنٹ پشاور، پریسبیڈنٹ،

جناب میر جمیل احمد صاحب ناظر چیف کشتنر صاحب صوبہ سرحدی، سکرٹری،

جناب میان عبدالعزیز صاحب اکسٹرا سٹنٹ کشتنر پشاور، ممبر،

جناب راجہ سراج الدین صاحب تحصیلدار،

جناب سیان عنوان الدین صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پشاور،

جناب محمد عظیم خان صاحب اسٹنٹ سرجن پشاور،

جناب قاضی محمد اکبر جان صاحب جاگیر دار پشاور،

جناب محمد اکرم خان صاحب بی، اے، چار سدھ ضلع پشاور،

جناب قلی خان صاحب نائب تحصیلدار چار سدھ،

جناب مولوی محمد سعید صاحب اسٹنٹ انجنیر پشاور،

جناب میرزا غلام صدیقی صاحب سپرنٹنڈنٹ ریونیو کشتنر صاحب صاحب ہاڈ صوبہ سرحدی، ممبر،

جناب محمد عظیم خان صاحب تحصیلدار ایٹ آبل ضلع ہزارہ،

جناب میان محمد قسیم خان صاحب ٹھیکہ دار پشاور،

جناب میان بدر الدین صاحب ہڈ کلرک دفتر ریونیو کشتنر صاحب،

جناب بیان وسیع الدین صاحب آرکیولا جیکل سوی پرنٹل اسٹنٹ جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب
جناب مفتی محمد شریف صاحب سب انسپکٹر پولیس صدر تہانہ پشاور،

جناب بابونر محمد صاحب وٹرنری اسٹنٹ چھاؤنی پشاور،

جناب مفتی محمد حسین صاحب ناظر محکمہ جوڈیشل کٹرنر صاحب بہادر صوبہ سرحدی،

اگرچہ پشاور کے بزرگوں نے پہلے ہی مولوی غلام محمد صاحب شملوی کے جانے کے وقت وہ

کے لیے چندہ کی ایک رقم فراہم کر کے بھیج دی تھی تاہم میر جمیل احمد صاحب نے چاہا کہ جیسا کہ زندہ

کے سالانہ اجلاس میں قرار پایا ہو کہ دارالاقامت (دہلی) کا ایک ایک کمرہ، ایک ایک شہر کے

مسلمانوں کی طرف سے بنوایا جائے، اور اس کمرہ کی پیشانی پر اس شہر کا نام کندہ کیا جائے اس نچوڑ

کے موافق پشاور کی طرف سے بھی ایک کمرہ بنوایا جائے چنانچہ اسکی کارروائی شروع ہو گئی اور اس

ہو کہ عنقریب ایک ہزار کی رقم میاں ہو جائے، اس رقم میں سے سو روپے ہمارے پاس چاک کے ذریعہ

سے ابھی گئے ہیں جو میان محمد تقیم صاحب نے عنایت فرمائے ہیں،

پشاور میں جن بزرگوں نے زندہ کے ساتھ نہایت ہمدردی اور سرگرمی ظاہر کی ان میں

میر جمیل احمد صاحب، میان عبدالعزیز صاحب، ڈاکٹر عظیم الدین صاحب شیخ غلام محمد صاحب

ڈسٹرکٹ انسپکٹر کا نام خصوصیت کے ساتھ لینے کے قابل ہے، ہمارے میزبان حاجی کرم بخش صاحب

کو خدا نے اس قدر قدرت دی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اکیلے زندہ کا دارالاقامت بنا سکتے ہیں، لیکن

وہ اسلئے زندہ سے کسی قدر کشیدہ ہیں کہ زندہ میں اگر بڑی کیونٹنٹ چالی جاتی ہے، تاہم انھوں نے

وس روپے ہانہ زندہ کے لیے مقرر کیا ہے، رخصت کے وقت مجھ کو سو روپے اور مولوی شملوی صاحب

کو میں روپے رخصتانہ دیے، ہم لوگوں نے بہت کہا کہ ہم لوگ رخصتانہ اور نذرانہ نہیں لیتے، لیکن

انھوں نے سخت اصرار کیا، بالآخر ہم نے وہ رقم لیکر زندہ میں داخل کر دی، حسن الخلق یہ

لہذا ہمارے عزیز دوست خواجہ سجاد حسین صاحب بی، اے (فرزند مولانا حالی) صوبہ سرحد کی افسر تعلیمات میں، انھوں نے پچاس روپے میری دعوت خشاک کے مدین پیش کیے، میان عبدالرشید صاحب نے بھی پچاس روپے دعوت کے لیے، یہ سب رقمیں مدوہ میں بھیج دی گئیں،

پشاور، کابل، لاہور، کراچی، اکثر لوگ بلند بالا، تنومند سرخ و سفید، اور قوی الجثہ ہوتے ہیں، لیکن افسوس یہ کہ شہر میں مختلف پارٹیاں ہیں اور باہم اتحاد نہیں ایک اسلامیہ اسکول ہر جسکی اساتذ میں ایک بھی گریجویٹ نہیں، وہیں ہندوؤں کا اسکول ہر جو نہایت اعلیٰ درجے کا اسکول ہر اسلامیہ اسکول کے متعلق عمارت پچپن ہزار روپے پر گروہر، حالانکہ عمارت کسی لاکھ کی ہر، ہر حال میں عین قصہ درازت بہ پایاں کہ رساند،

پشاور سے شاہ سلیمان صاحب حیدر آباد چلے گئے اور میں راول پنڈی آیا، یہاں بھی ایک اسلامیہ اسکول ہر اور بہ نسبت پشاور کے اچھی حالت میں ہر، اسکے مال میں میں نے مدوہ کے مقاصد پر لکچر دیا، خاص دعوام ہر قسم کے لوگ نہایت کثرت سے تھے جلسہ کا اہتمام محاضری سراج الدین صاحب بیرسٹر، سیٹھ آدم جی صاحب مشہور تاجر، شیخ فضل الہی صاحب اور عبد المجید خان صاحب بیرسٹر کی طرف سے تھا، مدوہ سے لوگوں نے نہایت دلچسپی ظاہر کی میں نے یہاں سے بھی ایک کرہ بننے کی تحریک کی تھی، اور لوگوں نے نہایت خوشی سے منظور کی، مدوہ بھی قائم ہوئی، لیکن ابھی تک ممبروں کے نام میرے پاس نہیں آئے،

میں راولپنڈی ہی میں تھا کہ مولوی محمد اشرف صاحب مکمل کوھاٹ یہاں آئے اور کہا کہ مسلمانان کوھاٹ نے مجھ کو آپ کے بلائے کے لیے بھیجا ہر، میں مولوی غلام محمد صاحب شملوی کے ساتھ اپریل ۱۹ صبح کے وقت کوھاٹ پہونچا۔ اسٹیشن پر تمام اکابر کوھاٹ تشریف لائے تھے یہاں کے لوگ جس جوش اور محبت کے ساتھ ہم لوگوں سے ملتے تھے، میں اسکا اثر اتنا تک دلیں

ہا ہوں، یہ مشہور بات ہے کہ سر بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن + لیکن بخلات اور مقامات کے یہاں کے علماء اور قضاہ، ہمارے ساتھ اس گرجو نشی کے ساتھ پیش آئے کہ برادرانہ محبت کا لطف آتا تھا، اسلامی حکومت کے زمانے میں جو عہدے تھے ان میں سے بعض کے نام باقی رہ گئے ہیں اور بعضوں کا تو نام بھی نہیں رہا، مثلاً محتسب کا عہدہ جسکو ہندوستان میں عالمگیر نے زندہ کیا تھا لیکن یہاں ایک خاندانی محتسب صاحب بھی ہیں اور اسی نام سے پکائے جاتے ہیں ان کو اس عہدے کے معاوضہ میں جو زمین ملی تھی، اب تک ان کے قبضے میں ہے، حکام انگریزی نے بھی ان کا یلقب قائم رکھا ہے، ان کے پاس چپڑے کا ایک بیٹہ خاندانی میراث میں چلا آتا ہے، لیکن ان کو بلکہ خود ہم کو بھی اس بات کا افسوس ہے کہ غریب کو اپنی خدمت کے انجام دینے کی اجازت نہیں، پکڑے کا ایک غلام ہے جس میں وہ اپنی افسردہ زندگی بھر کر رہا ہے، محتسب صاحب کو اپنے عہدہ کے لحاظ سے، جابر اور تہذیب مزاج ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اس قدر نکسر المزاج ہیں کہ اتنا کسا کہ تو میں بھی پسند نہیں کرتا،

اس شہر میں ایک اسلامی انجمن ہے جسکے سکریٹری خان بہادر سید سکندر شاہ صاحب ایک معزز خاندانی رئیس ہیں اسٹنٹ سکریٹری مولوی سید اشرف صاحب ڈیکلرین اور سچ یہ ہے کہ کوہاٹ میں جو کچھ قومی زندگی ہے انھیں کے دم سے ہے،

سید سکندر شاہ صاحب کے اہتمام سے لکچر کا جلسہ منعقد ہوا، پہلے دن مولوی غلام محمد صاحب شملوی نے تقریر کی، اور گویا کوہاٹ کو مسخر کر لیا، دوسرے دن دیاہہ اہتمام ہوا، اور کئی کئی سیل سے لوگ آئے شاید کوہاٹ میں آج تک، اس جمعیت اور افتادہ کار کوئی جلسہ نہ ہوا ہوگا، میں نے اسلام کی جامعیت اور مذہب کے مقاصد پر تقریر کی، اکثر مند و اور آریہ صاحب بھی تشریف لائے تھے و داعی جلسہ انجمن کے ہال میں منعقد ہوا، جس میں میں نے معین اللہ وہ کے قائم کرنے کی

محراب کی بائیں طرف کے تمام رکازوں نے جبکی تعداد کا وٹا لیا تو پورا ہوا اور اس کی تفصیل آئندہ چھپے گی، ہمارا
 نام ہوا چندے بھی لکھوائے جسکی تعداد سینتالیس پورا ہوا اور اس کی تفصیل آئندہ چھپے گی، ہمارا
 چندے اگرچہ کم وصول ہوئے ہیں لیکن بزرگان کو حاکم کی نسبت اس قسم کی بگلانی نہیں کیجا سکتی
 کوہاٹ کے لوگ نہایت سادہ، نیک، دل، عقیدت کیش، اور مذہب اسلام تھے لیکن
 تعلیم نہیں، نہ کوئی ایسا مقتدا، نہ جو ان کو ٹھیک راستہ پر چلائے چند رہمیں ان میں جاری
 ہیں جنکے مصارف ان کو پامال کیے ڈالتے ہیں لیکن وہ اسکے پنچہ سے چھوٹ نہیں سکتے،
 رخصت کرنے کے وقت تمام بزرگان کو حاکم، اسٹیشن پر تشریف لائے، اور نہایت
 بخش اور محبت کے ساتھ ہرکو رخصت کیا،
 بزرگان کو حاکم نے بھی ایک کمرہ کی تعمیر کا دم لیا، اور اسکی پہلی قسط ایک سو سات
 روپے نقد عنایت کی، اس میں ڈاکٹر عبدالقادر صاحب نے سو روپیہ دینا منظور کیا،

شبلی نعمانی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

المدوہ

شذرات

جناب مولوی سید عبدالحی صاحب معتمد مراسلات نے پچھلے کچھ مہینے میں جو مضمون، نصاب تعلیم پر مورخانہ اور تحقیقاً لکھا تھا، ہلکے خوشی ہو کر ارباب علم نے اسکو قدر کی نگاہ سے دیکھا، حافظ احمد علی صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ ریاست ام پور ایک خط میں لکھتے ہیں کہ یہ مضمون پسند کیا گیا، مدرسہ عالیہ میں بھی ترمیم نصاب (قدیم) پر غور ہو چکا ہے۔

ہم نہایت خوشی سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مدراس سے فواب محمود خان صاحب امارت فواب عظیم جاہ بہادر مرحوم پرنس اراکٹ نے جو اس وقت سلطنت ایران کے عمدہ سفارت پر ممتاز ہیں، دارالعلوم المدوہ کی تعلیم اور تربیت کی خوبی کی تحسین کی، اور سطور و پودینی تعلیم پر صرف کرنے کے لیے بھیجے ہیں،

دارالعلوم کی عمارت کے شروع ہونے میں جو دیر ہو رہی ہے اسنے لوگوں کو کبھی قدر بے صبر کر دیا ہے، لیکن حالات یہ ہیں کہ پہلا نقشہ جو طیار ہو کر آیا تھا، خان بہادر سید جعفر حسین صاحب انجینئر نے اس میں ترمیم فرمائی

تربیت کیں اور انھوں نے اب اپنا کام ختم کر دیا ہے، منشی احتشام علی صاحب عتد مال اور کن صیغہ تفسیر
ایک دنیا تعلیم یافتہ انجینئر کو ان کے پاس بھیجا ہے کہ نقشے کو پورا کر کے لائے، امید ہے کہ بہت جلد
یہ کام انجام پا جائے گا اور تعمیر شروع ہو جائے گی

ہم کو علم ادب کے زوال پر رونا آگیا جب ہم نے یہ دیکھا کہ نہ وہ کے عربی اڈریس پر بعض لوگوں نے
نحو صرف اور عربیت کی سوسے غلطیاں نکالی ہیں، افسوس اب ملک کے حالات کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ لوگ
اپنے کم علمی کی اوجاڑتے ہیں آج تمام ہندوستان میں سید ابوبکر شہاب الدینی سے بڑھ کر کوئی شخص
نہیں، وہ دین کے سچے سچے ہیں، اور حیدر آباد کے دارالعلوم میں (جو یونیورسٹی ہونے والا ہے) ادب کے
پروفیسر ہیں، عربی احادیث، مصروفیات، اہل کے مضامین کو فخر سے سچ کرتے ہیں، آجکل جب میں حیدر آباد گیا تھا
تو اتفاق سے یہ اڈریس ان کی نظر سے گذرا، انھوں نے پڑھ کر کہا کہ مجھ کو معلوم نہ تھا کہ ہندوستان میں اس
کی جہالت کوئی شخص کھ سکتا ہے، لہذا کاڈیٹر شید صاحب ہی ادیب ہے اس نے ہماری غریب کی بغیر ایک غلطی کے ساتھ تعلیم
لوڈیشا نے کوہلو لوی محمد فاروق صاحب چریا کوئی مشہور ادیب نے، اس اڈریس کو نہایت پسند کیا تھا، حقیقت
یہ کہ جن لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے، ان کو اپنی مبلغ علم کے لحاظ سے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا،

مصر میں جو یونیورسٹی جامعہ کے نام سے قائم ہوئی ہے، اس میں پروفیسر جو لکھتے ہیں وہ ایک
رسالہ کے ذریعہ سے شائع کیے جاتے ہیں جس کا نام جامعہ ہے، ہم نے ان لکچروں کو دیکھا اور ہکو افسوس ہوا
یہ لکچر ان ملکوں کے لیے مفید ہیں جہاں ضروری تعلیم کے سامان میا ہو چکے ہوں، صرف خیالی تحقیقات اور
تاذک خیالیان باقی رو گئی ہوں، مصر میں ابھی تک سائنس کے اوسط درجے کی تعلیم بھی نہیں، یہ دور ان کا
مباحثہ دہان کس کام کے ہیں،

مولوی غلام محمد صاحب ملوی وکیل ندوہ کی کوشش سے پشاور کے بزرگوں نے ندوہ کی طرف
نہایت توجہ ظاہر کی چنانچہ بزرگان ذیل نے حسب ذیل چندہ دینا منظور فرمایا، اور جناب مولوی عبد الرحیم صاحب
ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائے اسکول پشاور نے پچاس روپے اپنے اسکول سے چندہ کر کے بھیجے،

- (۱) جناب خان صاحب حاجی کریم بخش صاحب (۵) جناب حافظ دین العابدین صاحب
سیٹھی رئیس پشاور۔ سے ماہوار انسپکٹر پولیس پشاور۔ لاہور
(۲) جناب بیٹھ کریم بخش صاحب رئیس (۶) جناب سید لعل بادشاہ صاحب
ملا باگل چین پشاور۔ سے ماہوار ملا باگل چین پشاور۔ لاہور
(۳) جناب بیان بشیر احمد خان صاحب خٹک (۷) جناب میر جمیل احمد صاحب ناظر محکمہ
جناب میر احمد صاحب سیٹھی رئیس پشاور۔ سے ماہوار لاہور
(۴) جناب منشی سید عالم صاحب (۸) جناب ڈاکٹر محمد عظیم خان صاحب
انسپکٹر پولیس پشاور۔ سے ماہوار اسٹنٹ پشاور۔ لاہور

ایرانی شاعری

کا

دورِ خسرو

ایران میں تیموری خاندان کا اخیر فرمان روا، سلطان حسین میرزا تھا اسکے آخری زمانے میں
سلطنت صفویہ کا آغاز ہوا، جسکی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ شیخ صفی الدین آردبیلی، ایک مشہور خاندان بادشاہ کے

لے ماخوذ از مسودہ شعرایم حسد مصنفہ شہلی نعمانی،

سہا، ایشین تھے، ان کی اولاد میں سلطان حمید ایک بزرگ پیدا ہوئے جسکے مرید قمری رنگ کی بارہ گونہ کی
توپ پست تھے اور اس بنا سب سے قزلباش کہلاتے تھے جسکا لفظی ترجمہ سرخ سر ہے، وہ ایک معرکہ میں
شہید ہوئے، انکے صاحبزائے شاہ اسماعیل نے محمد شہسہجری میں ستر آدمیوں کے ساتھ آذربائیجان
پر چڑھائی کی، دو دفعہ رفتہ اپنی جماعت، سدر بڑھائی کہ شروان پر حملہ آور ہو کر وہاں کے فرمان والا کو شکست
دی، انھوں نے ۲۵۰ برس کی مدت میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی، وہ حکومت صفویہ کی بنیاد
ڈالی، ۹۲۰ شہسہجری میں اسکا انتقال ہو گیا،

انکے بعد انکے بیٹے طہماسپ نے سلطنت کو اور زیادہ ترقی دی، چنانچہ فوج کی تعداد ایک لاکھ
چودہ ہزار تک پہنچی اور دور دورہ تک کے صوبے فتح کر لیے، ۵۵۰ برس حکومت کر کے ۹۵۰ شہسہجری میں
وفات پائی، انکے بعد اسکا بیٹا اسماعیل چڑھا اور پھر اسکے بعد اسکا بھائی محمد اور اسکے بعد اسکا بیٹا شاہ عباس
۹۹۵ شہسہجری میں قزوین و اہواز شاہ عباس مسمت حکومت اور انتظامات ملکی میں دوسرا اکبر بادشاہ جہان تھا
اسنے ایران کو اس سرے سے اُس سرے تک زیر نگین کیا، اُردکون سے خراسان چھینا، آرمینیا پر فتح
حاصل کی، عراق عرب کو سخر کیا، ترکوں سے برابر کی صلح کی، غرض خراسان سے لیکر عراق تک اس کی
حد و حکومت میں آگیا، اُس نے ملک کی امن و امان آبادی اور سرسبزی کے لیے جو جو کام کیے،
ہندوستان کا تیموری خاندان بھی نہ کر سکا، ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک کاروان امن
بنوا میں، جنہیں مسافروں کے لیے سلطنت کی طرف سے تمام چیزیں مہیا رہتی تھیں، والد غسانی
اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے،

جميع عمارات معظم ايران بنا کردہ آن شهر بارست، چندیں شهر

دراوندان و خراسان و عراق و آذربایجان ساخته است خصوصاً صفهان ۱۱

کرشک جهان نودہ، تانہ نے محبت ہمانداری مسافران بھویر بستہ بود کہ در جمیع

فراصل و منازل از یک ہزار و از ہزار تا دہ ہزار از غریب و تو اگر از رعیت و
سپاہ کہ از بومی و غریب ہر کس و ہر قدر بودند، در کار و ان سلاہاک ساختہ است
ہر گاہ واردی شدہ، ہمان لحظہ بایحتاج حتی بستر و فراش درخور ہر کس ملازمان
شاہی کہ باین کار گماشتہ بودند، حاضری کردند و ظروف در کمال تکلف از صینی
و غوری و غیرہ در ہر منزل و مکان آن قدر بودہ کہ ہمہ سافران کفایت ہی کرد
و باز بہ تخیل داران مکان سپردہ می شد و این امر بیشتر از عراق تا نازندان بودہ و
در طرف و بلاد دیگر نیز رواج داشتہ لیکن نہایت مبہم نہ لوط.

شاہ عباس نے ۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۰ ہجری میں وفات پائی، اسکے بعد
شاہ صفی اور اسکے بعد شاہ عباس ثانی تخت نشین ہوا اور ۳۰ ہجری میں وفات پائی،
اس خاندان نے اگرچہ سنی مذہب کو نہایت ظلم اور برہنہ اور سفاکی کے ساتھ ایران سے
معدوم کر دیا لیکن جو لوگ شیعہ مذہب قبول نہ کرتے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے، چنانچہ آثار الامراء
وغیرہ میں اسکی متعدد داستانیں نقل کی ہیں،

لیکن بہر حال تمام ملک میں یکسوئی پیدا ہو گئی، آنا بڑا وسیع ملک جھگڑوں سے
پاک ہو گیا، تمدن و تہذیب کو نہایت ترقی ہوئی، ہر چیز میں حد سے زیادہ نفاس و تکلف
شروع ہوا، اسکا اثر شاعری پر بھی پڑا، اور ایسے شاعری میں نہایت لطافت اور زراکت پیدا ہو گئی،
صفوی خاندان خود صاحب علم و فضل اور سخن سنج اور سخن شناس تھا، ایسے
شعر کی نہایت قدر و منزلت کی،

شاہ عباس ایک دفعہ کو کتبہ شاہی کے ساتھ جا رہا تھا کہ اُدھر سے حکیم شفا فی مشہر
شاعر آ رہا تھا، شاہ عباس نے سواری سے اُتر جانا چاہا، شفا فی نے بڑے اصرار سے روکا

۴۴ سال حکومت کرنے کے بعد ۳۰ ہجری میں وفات پائی، اسکے بعد شاہ صفی اور اسکے بعد شاہ عباس ثانی تخت نشین ہوا اور ۳۰ ہجری میں وفات پائی، اس خاندان نے اگرچہ سنی مذہب کو نہایت ظلم اور برہنہ اور سفاکی کے ساتھ ایران سے معدوم کر دیا لیکن جو لوگ شیعہ مذہب قبول نہ کرتے تھے وہ قتل کر دیے جاتے تھے، چنانچہ آثار الامراء وغیرہ میں اسکی متعدد داستانیں نقل کی ہیں، لیکن بہر حال تمام ملک میں یکسوئی پیدا ہو گئی، آنا بڑا وسیع ملک جھگڑوں سے پاک ہو گیا، تمدن و تہذیب کو نہایت ترقی ہوئی، ہر چیز میں حد سے زیادہ نفاس و تکلف شروع ہوا، اسکا اثر شاعری پر بھی پڑا، اور ایسے شاعری میں نہایت لطافت اور زراکت پیدا ہو گئی، صفوی خاندان خود صاحب علم و فضل اور سخن سنج اور سخن شناس تھا، ایسے شعر کی نہایت قدر و منزلت کی، شاہ عباس ایک دفعہ کو کتبہ شاہی کے ساتھ جا رہا تھا کہ اُدھر سے حکیم شفا فی مشہر شاعر آ رہا تھا، شاہ عباس نے سواری سے اُتر جانا چاہا، شفا فی نے بڑے اصرار سے روکا

ناجم امرا اور باری گھوٹ سے اتر گئے، شاہ عباس اکثر شرح کاشی کے گھر آئے لے جایا کرتا تھا۔
 چونکہ اسی زمانے میں ہندوستان میں تیموری خاندان شامانہ فیاضیوں کا دریا بہا رہا تھا
 اور ایران کے شعراء و کتب کی کثرت سے ادھر کچھ چلے آئے تھے، اسلئے صفوی خاندان اور بھی
 رقیبہ حوصلہ مندیوں پر مجبور ہوتا تھا، لیکن ایران سے اس معرکین آخر ہندوستان
 ہی نے بازی جیتی،

ہندوستان میں اگرچہ شاعری باہر کے ساتھ آئی، چنانچہ آتش فذہاری جسکا مطلع مشہور ہے
 سر شکم رفتہ رفتہ بے تو دریا شد تماشا گن بیا درستی چشم شین و سیر دریا گن
 باہر کے ساتھ ہندوستان میں آیا، لیکن شاعری کی تربیت بیرم خان خاندان سے شروع
 ہوئی، وہ خود پنجاب کا شاعر تھا اور مکی قزاقی دو دنوں زبانوں میں کہتا تھا، اکثر شعرا اسکے دربار میں
 ملازم تھے، نظیری سمرقندی نے اسکے اشارہ سے شاہنامہ ہایونی لکھنا شروع کیا تھا، اور کئی
 داستانیں نظم کیں، چنانچہ جب سکندری کا معرکہ نظم کر کے سنایا تو بیرم خان خاندان نے اسپر نکتہ چینی
 کی، نظیری نے بیرم خان کی اصلاح اور ہدایت کے موافق ایک ات مین چار سو شعر لکھ کر سنائے اور
 بیش بہا صلہ حاصل کیا، بدایونی نے بعض اشعار نقل بھی کیے ہیں،

اکبر گرامی تھا لیکن نہایت خوش ذوق اور قدردان سخن تھا، اسنے ملک الشعراء کا خاص
 عہدہ قائم کیا، جس پر سب پہلے غزالی مامور ہوا، اکبر کی فیاضیان دیکھ کر ایران کے تمام شعراء ہندوستان
 میں آئے، اکبری شعرا کی فہرست جو ابوالفضل نے آئین اکبری میں درج کی ہے حسب ذیل ہے،
 حکیم سنائی، غزالی، عرقی، نظیری نیشاپوری، حزنی صفہانی، ماسم کاشی، سلی شہری

۱۔ سرود آداد،

۲۔ بدایونی جلد سوم صفحہ ۱۸۰،

شہر یک توہنی، خااج حسین مروی، جانی گیلانی، شکبئی صفابانی، انیسٹی شامو، صامی ہروی، جانی
 ہدانی، صرٹی سادی، قراری گیلانی، حجابی خفی، ملاصوفی انزندراتی، جدائی مزی، وقوئی نیشاپوری
 خسروی قانی، وفائی سپاہانی، شیخ مائی، رفیعی کاشانی، غیرتی شیرازی، حالتی، سحرکاشی، جدتی
 کشیدی کاشی، اشکی قبی، اسیری رازی، فہمی رازی، قیدی شیرازی، پیرودی ساجی، کامی ہزفاری
 پیامی، سید محمد ہروی، قدسی کرملائی، حیدری تبریزی، سامی، قوی شاپوری، فوئی شیرازی، نادری
 ترشیزی، نوعی شہدی، بابا طالب صفہانی، سردی صفہانی، ذیل صفہانی، قاسم ارسلان شہدی
 خیردی، حصاری، قاسمی باندراتی، رنجی نیشاپوری،

یہ وہ لوگ ہیں جو دربار میں پہنچے،

ابو الفضل ان ناموں کو لکھ کر لکھتا ہے: "وَأَمَّا كِتَابُ سَعَادَتٍ بَارِئًا فَمِنْ دَوْرٍ دَسْتِهَا كَيْتِي

خداوند راستا لشکر، بس انبوه، چون قاسم گونا بادی، ضمیری سپاہانی، وحشی بافقی، محشم کاشی
 ملک فی ظہوری ترشیزی، ولی دشت بیاضی، نیکی، مبرری، نگاری، حضوری، قاضی نوری صانی
 ملونی تبریزی، رشکی ہدانی، ان میں سے بھی بجز دو تین کے سب ہندوستان میں آئے تھے،
 اکبر اور جہانگیر وغیرہ سلاطین، خود صاحب مذاق اور ذمہ سنج تھے اسلئے عرفان شہر میں ترقی
 کرنے کی کوشش کرتے تھے، اسکے ساتھ چونکہ تقرب حاصل کرنے کی غرض سے ہر شاعر دوسرے
 سے بڑھ جانا چاہتا تھا، اسلئے خود بخود ان سخن سنجوں کے کلام میں زور پیدا ہوتا جاتا تھا، اور
 ہر ایک اپنے کلام میں کوئی نہ کوئی جدت پیدا کرتا تھا،

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر قابل تذکرہ جینیاں کیں، اور نقادان فن نے اسکی
 تنقید کی داد دی، ایک دفعہ کسی نے فغانی کا یہ شعر پڑھا،

سیحایا رخسرخ ہر کاب ہم غمان عیسیٰ فغانے آفتاب من بین اعزاز می آید

اکبر نے بڑے مصراع ہی مصراع
 فغاے شہسوار من بدین اعزاز می آید
 جہاگیر کا ذوق شاعری اس قدر صحیح تھا جس قدر ایک بچہ نقاد فن کا ہو سکتا ہے، جس شاعر کی
 نسبت اسے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھ کر اس کے متعلق ریویونیٹین کیا جاسکتا، طالب علمی ایک
 مدت تک اس کے دربار میں شاعری کرتا رہا، لیکن اس نے ملک شاعرانی کا خطاب اسکو اس وقت واجب
 وہ حقیقت اس منصب کے قابل ہوا چنانچہ خود لکھتا ہے

درین تاریخ تخت نشینی کے چودھویں سال، طالب علمی خطاب،

ملک شعر انعت اختیار پوشیدہ چون رتبہ بخش از ہنگام در گذشت در

سلک شعراء پای تخت منظم گشت، این چند بیت از دست،

پھر چند شعر طالب کے انتخاب کیے ہیں کہ خود طالب اس سے اچھا انتخاب نہیں کر سکتا تھا
 ایک دفعہ خانخاناں نے یہ غزل طرح کی، ع۔ بہر یک گل نہ سمت ہر خار می باید کشید

مراد صفوی اور میرزا مراد نے بھی اس طرح میں غزلیں لکھیں، طرح کا مصرع چونکہ نہایت شگفتہ تھا
 جہاگیر نے فی البدیہہ مطلع کہا،

ساغرے بر رخ گلزار می باید کشید ابر بسیارست سے بسیاری باید کشید

طرح کا مصرع جامی کی غزل کا ہے، جہاگیر نے پوری غزل نکلوا کر دیکھی، لیکن چونکہ یہ ایک
 مصرع کام کا تھا، ترک میں لکھتا ہے،

این مصرع ظاہر شد کہ از مولانا عبد الرحمن جامی مست غزل او تمام

بنظر در آمد، غیر از ان مصرع کہ بطریق مثل زبان زاد رودگار شدہ دیگر کا سے

منساختہ بغایت سادہ و ہموار گفتم

۱۔ ہر رخ گلزار سے باغ کے سامنے، ۲۔ ترک جہاگیری مطبوعہ علی گڑھ، صفحہ ۳۳۳،

ایک نعرہ دربار میں امیر الامرا کا یہ شعر پڑھا گیا،
 یک زندہ کردن تو بعد خون برابرست
 جاگیر کے انشا سے پہلے اسپر غزلین لکھیں، جاگیر نے ملا احمد مہرکن کا شعر پسند کیا
 چنانچہ یہ تمام واقعہ خود ترک میں لکھا ہی جو حسب ذیل ہے،

بقریب یہ این میو امیر الامرا خواندہ شد، ہم بگذاشتیم از سر لکھنا عشق
 چون طبع من ہو زدن ست گاہے بہ اختیار دگاہے
 بے اختیار مصرعے و رباعی بابتہ در خاطر سر سبزندان بیت بر زبان گذشت
 از من متابع کو نیم بے تو یک نفس یک دل شکستن تو بعد خون برابرست
 چون خواندہ شد ہر کس کطیع نظم دہشت درین پسینہ بیتے گفتہ گذرید
 علی احمد مہرکن کا حوالہ دے پیش ازین گذشت، بدہ گفتہ بود،

ای محنت دگر یہ پیر یغان ترس یک خم شکستن تو بعد خون برابرست
فرہنگ جاگیر جب جاگیر کے سامنے اس کے مصنف نے پیش کی تو جاگیر نے
 نہایت تہدروانی کی چنانچہ لکھتا ہے،

بر عہد الدولہ اگر آمدہ ملازمت نمود، فرہنگ کے کہد لغت ترتیب
 دادہ بہ نظر آورد، الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع
 لغات از اشعار علماء قدما مستفہد آوردہ، درین فن کتابے مثل این ہی باشد،
 ایک دفعہ ایک شاعر نے جاگیر کی بیچ میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا، طبع کا پہلا مصرع یہ تھا ع
 ای تاج دولت بر سر از ابتدا تا انتہا،

۱۰ ترک جاگیر ہی نحو۔ ۱۱ ترک جاگیر ہی نحو۔ ۱۲ ترک جاگیر ہی نحو۔ ۱۳ ترک جاگیر ہی نحو۔

جہانگیر نے کہا تم عرض بھی جانتے ہو، شاعر نے کہا نہیں، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا ورنہ تمھارا
قتل کا حکم دینا، پھر صبح کی تقطیع کر کے بتایا کہ دو سر ارکن یون آتا ہو، رات برست ہاور سخت بے ادبی ہو
اس زمانے میں ملکی، شخص ایک شاعر تھا جو قوم کا کمال تھا، کلا لون کی قوم شاہی دربار میں
دربانی اور چاوشی کے لیے مخصوص تھی، مئی نے شاعری کی تقریب نور جہان بیگم کے ذریعے سے جہانگیر
کے دربار میں رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا ان لوگوں کا کام چاوشی اور سواری کا اہتمام ہے
ان کو شاعری سے کیا مناسبت، لیکن چونکہ نور جہان کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی مئی نے شعر پڑھا
مئی گریہ سرب داروے نصیحت گر کنارہ گیر کہ امروز و ز طوفان ست
جہانگیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشے کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نور جہان بیگم نے
تقریب کی مئی نے مطلع پڑھا،

من یروم و برق زمان شعلہ آہم لے ہنفسان در شویا ز سر آہم
جہانگیر نے ہنس کر کہا وہ اثر کہاں جاسکتا ہے،

سلسلہ سخن میں ہم کہاں سے کہاں نکل آئے، جہانگیر کی لائف لکھنی مقصود نہیں، لیکن
یہ دکھانا ہے کہ ان سلاطین کے دربار میں شعر و شاعری کو جو ترقی ہوئی وہ صرف اس لیے نہ تھی کہ شاعری
دولت ہاتھ آتی تھی بلکہ زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ یہ سلاطین خود موزون طبع تھے، نقاد فن تھے، اچھے نئے
کی تمیز رکھتے تھے، موقع بہ موقع شعر اگوں کہتے بہتے تھے، ان کو صحیح داؤ دیتے تھے، اس لیے ان کے دربار
حقیقت میں شاعری کی تعلیم گاہ تھے،

دکن میں ابراہیم عادل شاہ کی قدردانی اور فیاضی نے سچا پور کو ایران کا مرکز بنادیا تھا
طہوری اور ملک قلی اسکے دربار کے ملازم تھے اور اکبری کشش بھی ان کو دلتی اور اگر وہ بھنچ سکا براہمن
لے: کرہ سرخوش ذکر می،

خاتم شاہجسری گویا اس فن کامر بی تھا، ظہوری نے ساقی نامہ ایک شان میں کہا ہے جسکا ہر شہر
صلہ عطا ہوا تھا،

ہندوستان کی یہی فیاضیان تھیں جنکی بنا پر تمام ایران ادھر کھینچا چلا آتا تھا، خود شعرا کی
زبان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے

میر و اصحاب

ہمچو عزم سفر مہند کہ در ہر دل ہست قص سوئے تو در ہیج سرے نیست کہ نیست

ابوطالب کلیم

اسیر مہندم وزین رفتن بیجا پشیمانم کجا خواہد ساندن پر فشانی مرغ بسمل را
بر ایران میرود نالان کلیم از شوق ہماہان پیاسہ دیگران ہجون جرس طو کردہ منزل را
از شوق مہندزان سان خیم حسرت بر قہارم کہ رو ہم گیراہ آرم نمی بسیم مست ابل را

علی قلی سلیم

نہست در ایران زمین سامان تحصیل کمال تانیاہ سے ہندستان خازنیں نہ

دانش شہدی

راہ دور مہند پابست وطن دار دروا چون خاشاب در میان رفتن ہندستان خوش است

ہندوستان کی تو کوشش اس زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، ہمیشہ سے اسکی

قدردانی کے شہرے ایرانیوں کے لیے دام تغیر تھے، خواجہ حافظ کو بادشاہ بغداد نے بار بار بلایا

لیکن جگہ سے شہے شیرازی میں بیٹھے بیٹھے غزلین لکھ کر بھیج دین، لیکن دکن سے تحریک ہوئی

تو ہجاز میں سوار ہو کر ہرمز تک آئے جامی ایران میں تھے، لیکن قصیدہ ہندوستان میں بھیجتے تھے

حاجہ اشعار دلاؤ بہت خیر و لطیف رہش احب بود ز مرغہ تار شاہ

ہندو قافلہ ہندوستان کن کر سدا _____ شرف عز قبول از ملک التجار شرف

علی نقی کرہ نے ۳۵۔ شعرون کا قصیدہ فیضی کی طرح میں لکھ کر بھیجا حسین کہتا ہے،

مرا افغانہ نظم اور مہر پر فیضی ابو الفیض آن گزین کبر و شیخ کبیر من

ہندوستان میں، سلاطین اور شہزادوں کے علاوہ امرا اکثر سخن فہم اور قدردان تھے، انہیں

ابو الفتح گیلانی اور عبد الرحیم خان خاناں نے حقیقت شاعری کی اکاڈمی (دبیت العلماء قائم کی

جسکی بدولت شعرانے اس فن میں نہایت ترقی کی، ابو الفتح ایک خط میں خان خاناں کو لکھتا ہے،

قصائے کیا ران آن جائے گفتہ بردنہ شعرے ابن جاسے فرمودند

بنام نامی شاہر گاہ بہ اتسام می رسد بہ ملازمت فرستادہ خواہ شد مداعرفی و

ملا ساقی بسیار ترقی کردہ اند،

عبدالباقی آثار رحیمی میں لکھتا ہے،

اکثرے از اعیان دولت دارکان سلطنت بادشاہ مرحوم (کبیر)

دست گرفتہ و تربیت کردہ مے (حکیم ابو الفتح) اند و ہر کہ تازہ از ولایت آمدہ

بنگہ و مصاحبت ایشان اختیاری نمودہ، چنانچہ خواجہ حسین ثنائی وزیر تعلیم

و عربی شیرازی، و حیاتی گیلانی، و سایر مستعدان در خدمت آلودہ اند،

شعری تاریخی زندگی میں یہ واقعہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اگر فارسی شاعری نے

ایک خاص جدت اختیار کی جسکی تفصیل ہم کسی آئندہ موقع پر لکھیں گے، یہ جدت حکیم ابو الفتح

کی تعلیم کا اثر تھا، آثار رحیمی میں ہے،

و مستعدان و شعر سخاں این زمان را اعتقاد آن ست کہ تازہ گوئی کہ

لہ چار باغ یعنی مکاتیب حکیم ابو الفتح،

دین دمان دریا نہ شعر استحسن ست و شیخ نفعی، و مولانا معنی شیرازی
 وغیرہ۔ ان روش حرون زدہ اندہ اشارہ و تعلیم ایشان (حکیم ابو اسحق) بودہ
 (آخر جمعی، تذکرہ حکیم ہادق)

اسی طرح خانخانان کی شاہانہ فیاضیوں اور شاعرانہ نکتہ سنجیوں نے شعر و شاعری کے
 حق میں ابر کرم کا کام دیا۔ خانخانان نے احمد آباد میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا جس میں ہر فن
 کی نہایت نادر کتابیں جمع کیں، ایک عجیب خصوصیت اس کتب خانگی یہ تھی کہ جب قدر مشہور شعرا اس کے
 دربار میں تھے، ان کے دیوان خود ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کتب خانہ میں محفوظ تھے، اکثر شعرا اس
 کتب خانہ کی خدمت پر مامور تھے، یہیں غزلوں کی طرحین دیجاتی تھیں، شعرا مشاعرے کرتے تھے
 خانخانان خود بھی شریک صحبت ہوتا تھا، اور قدردانی سے دلی بڑھاتا تھا، خود بھی ان طرحوں
 میں غزلین کہتا تھا،

رسمی قلندر ایک ایرانی درویش شاعر تھا، اس نے خانخانان کی تربیت شعر و شاعر کا ذکر
 ایک قصیدہ میں تفصیل سے کیا ہے، چنانچہ خانخانان کو مخاطب کر کے کہتا ہے،

زمین موج تو آن نکتہ سنج شیرازی بطر تازہ ز بدج کوشنا گردید ز فیض نام تو فیضی گرفت چون خمر در زیره چینی خوانت نظیر می شاعر کنند بہر یکیش قصیدہ انشا سواد شعر شکیبی چو کل صفایان	رسید صیت کلامش بروم از خاور چو رے خوب کراید زما شطہ زبور بہ تیغ ہند ہی تسلیم سبہ ایکسر رسیدہ است بجائے کہ شاعران اگر کہ خون رشک چکد از دل سخن پروہ بہ تھفہ سوے خراسان بزد اہل نظر
--	--

۱۔ اکتساب کا حال، آثار جمہ کے مختلف مقامات میں مذکور ہے،

بے مقوی طبع عرض بود جوہر	زہدت و حیاتی حیات دیگر یافت
چو زندہ اند بہج تو تادم محشر	حدیث نوعی و کفوی بیاچی سازم
کہ یافت میر معرزی ز نعمت سہر	ز نعمت تو نوعی رسید آن مایہ

خانخانان اس بے کاسخن سنج تھا کہ اگر وہ شاعری میں پڑتا، تو عرفی اور نظیری کا ہمسرہ بناتا۔
اس طرح میں چند دست، ہندست، فرزندست تمام مشہور شعرا نے زور آزمائیاں کی ہیں، نظیری
اور خانخانان کی غزل ہم بالمقابل درج کرتے ہیں، دونوں کا خود موازنہ کرو۔

نظیری	خانخانان
بجرت اہل غرض قرب و بعدا بندست	شماره شوق نہ انستہ ام کہ تا چندست
دل شکستہ مارا ہزار پیوندست	جزین قدر کہ دلم سخت آرزو مندست
از ان دم کہ بحسرت فگندہ دیدن او	بکیش صدق صفا حق عہد بیکایت
نکہ بگوشت چشم منور در بندست	نگاہ اہل محبت تمام سونگندست
نظر دلیر شد تا مزہ پیش آمد	نہ دام دامن و نہ دان این مست دامنم
حجاب اگر پر کاهست کوہ الوہدست	کہ پائے تابش بر چہرست در بندست
دو چشم ساکن بیت الحزن بن گریہ	مرا فروخت محبت لے لے لے لے
کہ من سیر عشق و تم اور فرزندست	کہ مشتری چہ کسست بہا کس چندست
دراز دستی حسن کہ گل چشم نخت	اے حق محبت عنایتی است دوست
کہ تا بہ انم از جیب در شکر خندست	و گرنہ خاطر عاشق بیچ خرمندست
بکینہ جوئی افلاک عشق می بازم	از ان خوشم بخنہاے دلکش تو محم
کہ نہ کہ دشمن ہا باشند دست ماتم دست	کہ انکے کہ ادا مالے عشق ہاندست

نظیری اور توجان کندن ست لکٹاشی

+

باین قدر کہ گوئی بمیر خرسندست

+

دونوں غزلوں کے موازنہ کرنے کا یہ موقع نہیں لیکن صاحبِ ذوق سمجھ سکتا ہے کہ خانخانا

کے کلام میں جو صفائی، ہشتگی، دلاویزی، اور سوز و گداز ہے، نظیری کی غزل اس سے بالکل خالی ہے

خانخانا کی فیاضی اور قدردانی سے جو شعر اور اہل کمال اسکے دربار میں جمع ہو گئے، سلاطین کو بھی

یہ بات نصیب نہیں ہوئی، اکثر رحیمی میں ان تمام شعر کا مفصل تذکرہ ہے، غنی نے جب یہ تصدیق پیش کیا

سے ہشتہ در سایہ ہم تیغ و مسلم را تو ایک لاکھ روپہ در دلوئے

عرفی خانخانا کی مدح میں خصوصیت کے ساتھ اپنے کمال سخن کی داد چاہتا ہے کہ نہ کہ جاتا

ہے کہ وہ خود اس فن کا حریف ہے، چنانچہ کہتا ہے،

سخن شناسا دیدی و دیدہ باشی ہم علویا یہ من در مقام سبحانی

فلان مربی و من تربیت پذیر این بس ز فضل خود چہ ز غم لات ہاے طولانی

مربیان سخن کے سلسلہ میں علی قلی خان، خان زمان، خان اعظم کو گلٹاش ظفر خان، اور

غازی خان، کا نام بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خان زمان اکبری دربار کے امرے کبار میں سے

تھا، جو بالآخر حریفِ سلطنت بن کر راجا گیا، وہ خود شاعر اور قدردانِ سخن تھا، سلطان تخلص کرتا تھا،

چنانچہ بدایونی نے شعر کے ذیل میں اس کا حال لکھا ہے، اکثر شعر اسکے دربار میں ملازم تھے، ایک

دفعہ اس نے جب یہ غزل لکھی،

باریک چوئے ست میا نے کہ تو داری گویا سر آن موسیٰ دہا نے کہ تو داری

تو اکثر شعر انے اس کا نتیجہ کیا ایک شاعر نے یہ مطلع لکھا

لہ کلمات الشعر سرخوش ذکر خانخانا،

الغفر کہ گمانے ست رہا ہے کہ تو داری گفتا کہ یقین ست گمانے کہ تو داری
غزالی جب ایران سے دکن میں آیا اور حسبِ دلخواہ اسکی قدردانی نہیں ہوئی تو
تھان زمان نے ہزار روپڑا اور چند گھوڑے بھیجو کر بلایا اور یہ قطعہ لکھ کر بھیجا،

سے غزالی بخت شاہ بخت کہ سوے بندگان بیچون آسے
چونکہ بے دست و گشتہ آسنا سرخو دگیر و زود بیرون آسے
سرخو دگیر سے ہزار روپڑا کا کنا یہ تھا کیونکہ غزالی کا پہلا حرف غ ہر جسکے عدد ہزار میں
غزالی دکن سے جون پور میں آیا اور جب تک خان زمان زندہ رہا اسنے اور کسی دربار کی طرف
رج نہیں کیا، چونکہ پور میں آکر اسنے ایک مثنوی نقش بدیع لکھ کر پیش کی جس میں ایک ہزار شعر تھے
خان زمان نے وہ سلا دیاجو سلطان محمود نے سکاتھار فی شعر ایک اشرفی، اس مثنوی کے چند شعر
اس کاٹھ سے نقل کرتا ہوں کہ ناظرین خان زمان کی صحیح المذاقی کا اندازہ کر سکیں،

خاک دل آن روز کہ نمی خمیتند شبنم از عشق برور خمیتند
دل کہ بہ آن رشخہ غممانہ و دشد بود کبابے کہ نمک سود شد
بے اثر مہرچہ آب و چہ گل بے نمک عشق چہ سنگ و چہ گل
ذوق جنون از سر دیوانہ پرس لذت سوز از دل پروانہ پرس
خان زمان کے مرنے کے بعد غزالی اکبر کے دربار میں آیا اور ملک الشعراء کے
خطاب سے منتخب ہوا خاندان تیموریہ میں یہ پہلا شخص تھا جو اس منصب پر ممتاز ہوا، الفتی یزدی
تھان زمان ہی کے دربار میں ملازم تھا،

۱۵ خزانہ عامرہ ذکر غزالی،

۱۶ بہ ایوانی جلد سوم ذکر الفتی صفحہ ۱۸،

خان عظم کو کلتاش اکبر کا رضاعی بھائی تھا اور اسکے ساتھ کا کھیلا تھا اکبر اسکی ناز و داریاں کرتا تھا، اور کہتا تھا، چہ کنم در میان من و خان عظم دریائے شیر حاصل ست، خان عظم نہایت قابل نہایت مکملہ منہج اور بہت بڑا مورخ تھا، جہاں گیر اسکی نسبت کہتا ہے،

در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت و در تحریر و تقریر بے نظیر بود
و در مدعا نویسی بد طولی داشت، و در لطیف گوئی کبے مثل بود و شعر ہمواری

این رباعی از واردات اوست،

عشق آمد و از جنون برونمدم کرد وارستہ ز صحبت خرم برونمدم کرد
آزاد بدمدین و دانش گشتم ہمسلسلہ زلفت کسے بدمدم کرد

ملا سے بایونی اسکی نسبت لکھتے ہیں، "بہ انواع فضائل و بہر موصوفت ست و نفہم عالی
وادر اک بلند او کسے دیگر را از امر انشان نمی دہند، ملا صاحب نے اسکا ذکر شعر کے ذیل میں کیا ہے،
اور اسکے اشعار بھی نقل کیے ہیں، ایک مطلع سننے کے قابل ہے،

گشت بیمار دل از پنج و غم تنہائی اے طبیب دل بیمار چہ می فرمائی

خان عظم نے اکثر شعر کی تربیت کی جن میں سے جعفر ہروی، سہمی، دما می بدخشی، مقیمی
سبز داری کا ذکر بایونی نے اپنی تاریخ میں کیا ہے،

میرزا غازی قندھار کا صوبہ دار تھا ایران کے شعر اچا بل اور قندھار کی راہ
سے ایران میں آتے تھے، پہلے میرزا غازی ہی کے خان کرم سے فیضیاب ہوتے تھے،

ظفر خان صوبہ دار کشمیر اس تہ کا شخص تھا کہ کلیم اور میرزا صاحب کو اسکی استادی
اور مربی گری کا اعتراف ہے، صاحب ایک مدت تک اسکے دربار میں رہا اور اسکی بدلت شاعری میں
سلاح ترک بجاگیری

ترقی کی، ظفرخان اسکے کلام میں موقع موقع دخل اور تصرف کرتا تھا، صائب نے اپنے دیوان کی تئیں بھی
اسکے اشارہ سے کی، چنانچہ صائب ان باتوں کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرتا ہے،

منفوق ترقیت را کہ در ترقی باد زبان بکاست کہ در حضرت فروغ نم
از جان زد قتل بجا مصرع مرادادی تو در مضاحت دادی خطاب سبحانم
زدقت تو بمعنی شدم چنان باریک کہ می توان بد دل مور کرد پنهانم
چو زلف سنبل ابیات من پریشان بود نہ داشت طرہ شیرازہ سے دیونم
توغیچ ساختی اوراق با بدردہ من وگر نہ خار نے ماند از گلستانم
صاحب آثار الامر ظفرخان کے حال میں لکھتے ہیں،

در ہا بردم ایران می داد خصوصاً در حق شعرا طربدل و کرم می فرمود
سخنوران صاحب استعداد دل از او طمان برداشتہ روی امید بہر گاہش
می گذشتند، وہ منتہائے تمنا پر سید نصیح المناخرین میرزا صاحب تبریزی چون
از ایران بکابل سید از گرجوشی و دریا بخشی او دل بستہ محبتش گردیدہ،

ظفرخان نے ایک عجیب موقع طیار کر لیا تھا جو آج اگر بات آتا، تو لا کھون رو پو کو اندازن
تھا، یعنی ایک بیاض تیار کر لائی تھی، جس میں ہر شاعر اپنا منتخب کلام خود اپنے ہات سے لکھتا تھا
ظفرخان کا نام الحسن اللہ خان اور احسن تخلص ہے، ظفرخان کا باپ خواجہ ابوالحسن علیہ السلام ہے، جو کبک کا وزیر عظم
مقرر ہوا اور کابل کی حکومت ترقی ملی، ظفرخان باپ کی نایب میں کابل کھنڈا رہا، گویا شاہ جہان ابوالحسن علیہ السلام کی بیٹی کا صاحبہ بنا کر لیا جو
اسی میں انتقال کر گیا تو ظفرخان کبک کے قتل حاکم مقرر ہوا، ظفرخان نے اپنی اہم حکومت میں تبت کو فتح کیا، اور حسن علیہ السلام
میں وفات پائی، ظفرخان صاحب دیوان ہے، ذیل کے شعر سے اسکی حسن طبیعت کا اندازہ ہوگا،

شعر

دل کمبے تو امید دارے آید نگاہ دار کہ ورنے بکارے آید

اور صفحہ کی پشت پر اسکی تصویر ہوتی تھی،

اس زمانے میں شاعری کی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مشاعرہ کا رواج قائم ہوا اس سے پہلے شعر البود خود، اساتذہ کی غزلوں پر غزل لکھتے تھے، اب (یعنی فغانی کے زمانے سے) یہ طریقہ قائم ہوا کہ کسی امیر یا صاحب خان کے مکان پر شعرا جمع ہوتے تھے، پہلے سے کوئی طرح دیدی جاتی تھی، سب اس طرح میں غزلین لکھ کر لاتے تھے اور پڑھتے تھے کبھی کبھی برسر محفل برابر کے دعویداروں میں چوٹ، چل جاتی تھی، سوال و جواب ہوتے تھے، اور اس طرح مسابقت اور حریت پیشگی شاعری کو ترقی دیتے جاتے تھے،

ان تمام مجموعی حالات نے شاعری پر جو اثر کیا، اور جو خصوصیتیں پیدا کیں حسب ذیل ہیں،
(۱) غزل کی ترقی،

اگرچہ اس زمانے میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی، ان تمام اصناف سخن کا بہت بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا، لیکن حقیقت یہ عہد غزل کی ترقی کا عہد ہے، غزل میں مختلف اشایل (طرز) قائم ہوئے جسکی تفصیل یہ ہے،

واقعہ گوئی یا عالم بندی یعنی اُن واقعات اور معاملات کا ادا کرنا جو عشق و عاشقی میں پیش آتے

ہیں، ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ واقعہ گوئی کے موجد سعدی ہیں، اور امیر خسرو نے اس پر بعد میں اضافہ کیا لیکن اس عہد میں یہ ایک مستقل صنف ہو گئی، جسکا بانی اول میرزا اشرف جہان قزوینی ہے،
چھ شاہ طہماسپ صفوی کا وزیر تھا، مولوی غلام علی آزاد خزانہ عامرہ میں لکھتے ہیں،

چون ذرت سخن سنجی بہرِ بیزاشراف جہان رسید طبع اوبایل توج

گوئی بسیار افتاد و این طرز را بحد کثرت رسانید،

سلاہ آثار الامراء ۱۰ خزائن عامرہ صفحہ ۲۶،

شرف جہان کا دیوان ہمارے کتب خانے میں جرم اس سے اس کتاب کے چوتھے حصے
میں کام لیں گے، یہاں ہم اسکے بعض اشعار اس غرض سے نقل کرتے ہیں، کہ وقوع گوئی کا مفہوم
سمجھ میں آسکے،

باہر کہ نیش چو بہ پرسم کہ گیت این گوید کہ این ز عذت دیم آشنای ماست
نہان از وہر خشن دہشتم تاشائی نظر بجانب من کرد و شر سار شدم
چنان گوید جواب من کران گرد در قیب آگم مجلس گرم بیدل از و حر نے نہان پرسم

شرف جہان نے ۶۲ھ ہجری میں وفات پائی،

اس طرز کو جن لوگوں نے اپنا خاص موضوع بنالیا وہ وحشی یزدی، علی قلی ملی اور علی نقی
ہیں، وحشی یزدی چونکہ زند اور آباش مزاج تھا اور بازاری معشوقوں سے اسکو زیادہ سروکار رہا
اسلئے اس طرز کو اسنے کسی قدر اعتدال سے بڑھادیا واسوخت کی ابتداء بھی اسی نے کی اور
اسی پر اس کا خاتمہ بھی ہو گیا،

غزل میں فلسفہ کی آمیزش عرفی نے خاص طور پر کی، لیکن اس طرز کو بہت ترقی نہیں ہوئی
اسکے ہم عصر اور ابعد کے شعرا نے بہت کم اس طرز میں کہا،

مثالیہ، یعنی کوئی دعویٰ کرنا اور اس پر شاعرانہ دلیل پیش کرنا، اس طرز کے بانی کلیم، علی قلی سلیم
میرزا صاحب، اور غنی ہیں، یہ طرز نہایت مقبول ہوا یہاں تک کہ شاعری کے خاتمہ تک قائم رہا،

غزل تغزل سے یہ مراد ہو کہ عشق اور عاشقی کے جذبات موثر الفاظ میں ادا کیے جائیں، یہ صفت
اگرچہ لازم غزل ہو لیکن نظیری نیشاپوری، حکیم شغائی اور علی نقی نے اسکو زیادہ نمایاں کیا ان لوگوں

میں اور وقوع گوئیوں میں یہ فرق ہو کہ وقوع گوئی شعر اہوس پرست اور بازاری معشوقوں کے عاشق ہوتے
ہیں، اور اسے قسم کے واقعات اور حالات اسکے متغلیہ کا معنی و آثار بازاری

اور نہ انکا عشق متبدل اور ابدانہ ہوتا ہے،

یہ وصف نام متاخرین میں ہے لیکن اس طرز خاص کا نایاب کرنے والا جلال اس پر ہے

خیال بندی
مضمون آفرینی

جو شاہ جهان کا عصر، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ وغیرہ نے اس کو زیادہ ترقی دی

اور ہمارے ہندوستان کے شعرا بیدل اور ناصر علی وغیرہ اسی گرداب کے حیراک ہیں،

قصیدہ قصیدہ کا ایک خاص طرز عرفی نے قائم کیا جسکی کوئی تقلید نہ کر سکا ظہوری، طالب آملی حسین ثنائی نے بھی اس صنف کو کچھ کم ترقی نہیں دی،

مثنوی مثنوی بالکل اپنے درجے سے گر گئی (فیضی اس سے مستثنیٰ ہے) مثنوی میں عموماً تاریخی

واقعات یا اخلاقی مضامین ادا کیے جاتے ہیں، لیکن ان مضامین کے لیے سادگی اور پختگی درکار ہے مثلاً

ہر بات میں رنگینی کے عادی ہو گئے تھے، ایسے مثنوی مثنوی نہیں رہی، بلکہ غزل، بنگلی، کلم، کا

شاہجان نامہ پڑھو رزم لکھتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ رزم نشاط میں گانا ہو رہا ہے،

رباعی یہ زمانہ اس امتیاز پر ناز کر سکتا ہے کہ رباعی نے فلسفہ کے تمام مسائل ادا کر دیے، سحابی

استرا بادی جو اکبر کا ہم عصر اور رجب میں متکلف تھا، اسنے کم از کم سترہ ہزار رباعیاں لکھیں پوچھتا ہے

فلسفہ سے ملو ہیں، اس کا ایک انتخاب حسین سات ہزار رباعیاں ہیں ہمارے پاس ہے اور ہم شاعر محرم

کے چوتھے حصے میں جہان طفیانہ شاعری پر بحث کریں گے، اسکے کلام کا انتخاب پیش کریں گے

یہ تمام تفصیل خاص خاص انواع شاعری کے متعلق تھی، عام طور پر طرز ادا اور اسلوب بیان میں جو حد میں

پیدا ہوئیں، انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) قدا اور متوسلین کسی خیال کو پیچیدگی سے نہیں ادا کرتے تھے، متاخرین کا یہ خاص

امراز ہے کہ حوالت کہتے ہیں پیچ دیکر کہتے ہیں، یہ پیچیدگی زیادہ تر اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ خیال

اکہم شعر و ن میں ادا کر سکتا تھا، اسکو ایک شعر میں ادا کرتے ہیں، مثلاً قدا سی کہتا ہے،

عیش این باغ باندا بہک تنگ دل است کاش گل غنچہ شود تادل ابک شاید

مطلب یہ ہے کہ دنیا کا باغ ایک نہایت مختصر باغ ہے، اس میں اس قدر

سعادت ہے کہ صرف ایک تنگ دل آدمی خوش ہوئے، ایسے یہ نہیں ہو سکتا کہ میرا

دل بھی شگفتہ ہوا اور پھول کی گل بھی کھل سکے، اس بنا پر آدمی کو کرنا ہے کہ کاش

پھول گل ہی بن جائے، تاکہ میرے دل کی شگفتگی کی گنجائش نکل سکے، اس معنوں

کو فلسفیانہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ خیال ادا کرنا مقصود ہے کہ دنیا میں جب کسی کو

فائدہ پہونچتا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں، کہ دوسرے کو نقصان پہونچا کسی بادشاہ

نے ملک فتح کیا یعنی دوسرے کو شکست ہوئی،

یہ خیال کسی حیثیت سے دیکھا جائے ایک شعر میں سامنے کے قابل نہ تھا، ایسے جب ایک ہی

شعر میں کولو کرنا چاہا تو خواہ مخواہ پیچیدگی پیدا ہو گئی،

کبھی یہ پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کہ کوئی مبالغہ، یا استعارہ یا تشبیہ نہایت دور

از کار ہوتی ہے، ایسے سننے والے کا ذہن آسانی سے اس کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا، مثلاً

شوکت بخاری کہتا ہے،

گوش ہارا آتشیان مرغ آتش خوارہ کرد برق عالم سوز دینے شعلہ مغولے میں

شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں نے جو آپہن کین اس خدا گرم تھین کا اس

شعلے نکلے یہ شعلہ لوگوں کے کانوں میں پہونچے، یہاں تک کہ لوگوں کے

کانوں میں بھر گئی، اس بنا پر مرغ آتش خوارے جس کی غذا آگ ہے کانوں میں اپنا

گھونسلانا لیا کہ ہر وقت غذا ملتی رہے گی،

یہاں شعر کے الفاظ ہیں: گوش ہارا آتشیان مرغ آتش خوارہ کرد برق عالم سوز دینے شعلہ مغولے میں

اسیے مضمون آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا،

(۲) اس زمانے کے اکثر مضامین کی بنیاد الفاظ پر اور صنعت ایہام پر ہے، یعنی لفظ کے

لغوی معنی کو ایک حقیقی بات قرار دے کر اس پر مضمون کی بنیاد قائم کرتے ہیں، مثلاً،

امروز نیم شہرہ عالم در ضعیفے عمرے ست کہ از ضعف قدام زبانا

بر زبان افادن کے اصطلاحی معنی مشہور رہتا ہے، لیکن لغوی معنی

”زبان پر پڑنا ہے“ مضمون کی بنیاد اسی لغوی معنی پر ہے یعنی کہتا ہے کہ کمزوری

اور ضعف میں میں کچھ آج سے مشہور زمین ایک تہہ کہ میں زبانوں پر چڑھ گیا ہوں

زبان پر پڑنے کے معنی چونکہ اصطلاح میں مشہور ہوئے کے ہیں، اسیلے

یہ دعویٰ صحیح ہے لیکن شاعر لغوی معنی لے کر ضعف کو یوں ثابت کرتا ہے کہ میں اس قدر

ضعیف ہوں کہ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ گیا ہوں،

متاخرین کی شاعری سے اگر ایہام کو الگ کر دیا جائے، تو انکی شاعری کا بہت

بڑا حصہ دفعہ برباد ہو جائے گا،

(۳) اس دور کا بڑا امتیازی وصف، استعارات کی نزاکت اور حدت تشبیہ ہے، تمدن

کی ترقی میں جس طرح تمام اسباب معاشرت و تمدن میں تکلفات پیدا ہو جاتے ہیں اسی طرح زبان اور

خیالات میں بھی نزاکت اور تکلفات پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً ”آنکھیں فرسراہ ہیں“ ”گو بجائے خود

چھا استعارہ ہے، لیکن نظیری کہتا ہے،

می خواست بوسہ رخت قامت بگستر از فرش چہ راہ بران خاک کو نہ بود

بوسہ چاہتا تھا کہ بستر اٹالے لیکن اسکی گلی میں اس قدر پیشانیوں کا

فرش بچھا ہوا تھا کہ جگہ نہ تھی،

یا مثلاً شانی کہتا ہے،

شانے دست کچ کلہان اُلست باز این لالہ را بطون کلاہ کہ میسنی

سننے لے شانی تیرا دل، کچ کلہا ہوں پر اُل جو رہا ہے اس پھول کو

کسکی ٹوپی میں لگا اچا جتا ہے،

استعارات کی جدت و نزاکت، متاخرین کا عام انداز ہے، لیکن اس خاص مصنف میں

طالب آملی سے زیادہ متاخر ہے،

(۴۷) اس زمانے میں لفاظ کی نئی تراشیں اور نئی نئی ترکیبیں کثرت سے

پیدا ہوئیں، مثلاً پہلے میکہ، آتشکدہ وغیرہ مستعمل تھے، اب نشترکدہ، مریم کدہ، وغیرہ ترکیبیں پیدا

ہوئیں، یا مثلاً پہلے ایک گلشن گل یک چمن گل کہتے تھے، اب یک خندہ لب یک

آغوش گل، ایک دیدہ نگاہ وغیرہ کہنے لگے، اس قسم کی ترکیبیں عرفی، فیضی، نوعی نے

کثرت سے پیدا کیں، ان ترکیبوں سے اکثر جگہ مضمون کا اثر بڑھ جاتا ہے، مثلاً

ع مشکن بروی شکن خم بروی خم چنید

ع موج بروی شکستم چو بہمان رستم

ع بہر یک لب خندہ نتوان منت شادی کشید

ع بے برے محسن کن دست بدست نازدہ،

اس سے زیادہ یہ کہ ایک بڑا خیال ایک چھوٹے سے لفظ سے ادا ہو جائے

ہر مثلاً یہ شعر،

بدور گردی من از غردری خندد حریف سخت کمانے کہ در کین ارم

کناہ تھا کہ میں معشوق سے محبت کرتا ہوں لیکن الگ الگ

دہتا ہوں کہ تیر عشق کا گھائل ہو جاؤں لیکن معشوق میرے پس کتر لے پھرنے
پر ہنستا ہوں کہ میری زسجے بھلے کمان جائے گا، اس خیال کے ادا کرنے کے لیے

دور گردی کا لفظ نہ تو ایک شعر میں یہ مطلب ادا نہیں ہو سکتا تھا،

چونکہ ان تمام خصوصیات کی زیادہ تفصیل اُن شعر کے کلام کی ذیل میں آئے گی،

جس کے ہاں یہ خصوصیات زیادہ پائے جاتے ہیں، اس لیے اس موقع پر ہم اس گرہ کو
زیادہ نہیں کھولتے،

شبلی نعمانی

عَنْزَل

وین چو افسانہ نہ باشد کہ وفا نیز کم کنند	نیکوان، جو رِیُوژ رُند و جفا نیز کم کنند
این شگون، از گروہ بند قبا نیز کم کنند	حال وصل ارچہ بگیرند ز آغوش و کنار
باورم بہت بہ شرطے کہ بہ مانیز کم کنند	این کہ گویند، بنان را کرے نیز بود
کہ کہ این کار بہ آئین حیا نیز کم کنند	حرف انکار ز خوبان، ہمہ اول نبود
التفانے کہ براحوال گدائیز کم کنند	گاہ گاہے بہ من خستہ بیدل وارد

شبلیا! انا بلد کو چہ عشقیم و سہلے
دوستان تہمت این شیوہ بہ مانیز کم کنند

رہبانیت

اسلام

دنیا کے تمام مذاہب میں اگرچہ عقائد و احکام کے لحاظ سے سخت اختلاف ہوتا ہے مگر رہبانیت ایک ایسی عام اور مشترک چیز ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب اس سے مستثنیٰ ہو نہ سکا۔ دعویٰ نہیں کر سکتا، ہندو میں مچھی کی اور سنیا ہی یوگیوں میں جہان۔ نصاریٰ میں قیس وغیرہ کا فرقہ اسی مشترک کی بنا پر پیدا ہوا۔ آج اگرچہ تمدن بہت کچھ ترقی کر گیا ہے مگر اب بھی یہ حالت ہے کہ جو دیورپ میں جو موجودہ تمدن تہذیب کا شرمیہ ہر لاکھوں منکاف رومن عورتیں موجود ہیں اور اس گروہ کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ یہ خیال اس وسعت کے ساتھ پھیلا۔ اور پھیلتا جاتا ہے کہ اسلام نے اگرچہ رہبانیت کو بالکل مٹا دیا تاہم خود مسلمانوں کے نزدیک بھی علماء کے فرقہ میں ہی شخص جمع عام اور مذہبی پیشوا خیال کیا جاتا ہے۔ جو بالکل نقشہ فناء زندگی بسر کرے لیکن تعجب یہ کہ ایک ایسی برہمی غلطی تمام دنیا میں تمام مذاہب میں، تمام قوموں میں، ایک تک قائم رہی، اور آج بھی انا اسکو نہ مٹا سکا، تعجب پر تعجب یہ کہ رہبانیت کا خیال حقیقت فلسفہ اخلاق کی ایک اصولی غلطی سے پیدا ہوا، لیکن جو حکماء یونان بھی جو فلسفہ اخلاق کے موجد تھے، اس فالگظیل سے بچ سکے چنانچہ مانج سے ثابت ہے کہ ارسطو کے سوا قریب قریب تمام حکماء یونان اسیانہ زندگی بسر کرتے تھے اس بنا پر اس میں ہم اس غلطی کو ظاہر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام نے کس اصول کی بنا پر رہبانیت کو مٹایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اخلاق ایک کیفیت ہے جو نفس انسانی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، فلسفہ اخلاق کی اصل غلطی یہ ہے کہ اسی کیفیت کو لکڑی اسخہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن کسی شخص کے خوش اخلاق ہونے کے لیے صرف اس کیفیت کا وجود کافی نہیں، بلکہ علانیہ اس کے اظہار کی بھی ضرورت ہے، اسکی محسوس اور بدیہی مثال یہ ہے کہ کھڑکھڑاسن بنا کر کہا جاتا ہے کہ اس میں ایک خاص کیفیت موجود ہے جو تمام بزم کو مہل کر دیتی ہے، لیکن اسکی خوشبو پھیلنے کے لیے صرف یہ کافی نہیں کہ

حسین کو کیفیت موجود ہو، بلکہ اسکے ساتھ اس کی بھی ضرورت ہو کہ اس کو بار بار ملایا جائے، چنانچہ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ
ہو لیس کر رہے تھے، اس بنا پر جو اخلاق وہی شخص کہا جاسکتا ہے، حسین تمام اخلاقی محاسن پر موجود ہوں اور
اس کے ساتھ ساتھ عاقل اور پراگما انظار ہو،

اس صحیح اصول کی بنا پر سوال یہ ہو کہ جو لوگ تمام عزیز و اقارب اہل و عیال سے الگ ہو کر پہاڑوں میں جنگجو
میں غاروں میں، زندگی بسر کرتے ہیں، انہیں یہ اخلاقی کیفیت موجود ہو، فرض کرو کہ ایک شخص پہاڑ پر پیدا ہوا، اسکے پیار
ہونے کے ساتھ اس کے باپ ملن مر گئے، یہ اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا تھا، اسکے بھائی میں بھی موجود نہیں، پہاڑ پر اسکے باپان
کے سوا کوئی خاندان یا قبیلہ آباد نہ تھا۔ ایسے ایسے شخص کے بلیں محبت، حمیت، غیرت، صلہ رحم، غرض تمام اخلاقی محاسن
کیونکہ یہ لہو سکتے ہیں اور اگر ان تمام چیزوں کو نظری تسلیم کیا جائے تو ان کے انظار کی کیا صورت ہو؟ وہ محبت کرنا چاہتا ہو
لیکن کس سے کہے؟ وہ غیرت مند بنا چاہتا ہو لیکن کس سے غیرت کرے؟ وہ صلہ رحم کرنا چاہتا ہو لیکن اقارب
کہاں؟ غرض ان تمام چیزوں کے انظار کا کوئی ذریعہ اسکے پاس موجود نہیں، ایسے اصول متذکرہ بالا کی بنا پر اس
شخص کو خوش اخلاق قرار نہیں دیا جاسکتا، رہبانوں کی بھی یہی حالت ہو ایسے انکو مذہبی آدمی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ
مذہب کا جزو اعظم اخلاق ہو، اور انہیں یہ جوہر موجود نہیں اور اگر ہو تو اسکا انظار نہیں ہو سکتا،

اس صحیح اصول سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، لیکن آج تک تمام دنیا اس اصول کے متعلق اسی
غلط فہمی میں مبتلا رہی، حسین اور امین یورپ کے اتباع مبتلا ہیں، مثلاً امین کا صرف اس قدر دعویٰ تھا کہ "مادہ
سوا ہو کسی چیز کا علم نہیں ہے" ایسے اس سے خدا کے وجود کا انکار نہیں لازم آتا، کیونکہ اگر خدا کے وجود کا علم نہیں ہو
تو اس سے خدا کے عدم کا علم کیونکر ہو سکتا ہو، لان عدم العلم لا يستلزم علمه لعدم لیکن باوجود اس کے آج امین
کا ایک فرقہ خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے، بعینہ یہی شہرہ اخلاق کے متعلق بھی پیدا ہوا، مثلاً غفل، سخاوت، و متضاد و صفا
ہیں، ایسے سخی باجواد اس شخص کو کہہ سکتے ہیں، جو غفل نہ ہو لیکن غفل نہ ہو، انظار اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ اپنی
مال و دولت کا ایک حصہ صرف کرے، لیکن ایک ایسا ہب دنیا سے بالکل الگ ہو، ایسے وہ اپنی دولت کسی میں

صرف نہیں کر سکتا، ایسے اسکو سختی نہیں کہتے۔ اسی طرح اسکو غفل بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ غفل اس وقت کہہ سکتے تھے جب اسکو سرخ کرنے کا موقع حاصل ہوا اور اس موقع پر صوف نہ کرے، اس مثال سے ثابت ہوا کہ غفل اور اس کے علاوہ جتنی برائیات بیان ہیں انکے عدم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے مقابل دشمنات وغیرہ کا وجود بھی ثابت ہو جائے لیکن عموماً لوگوں پر عدم اور وجود کے احکام مشتبه ہو جاتے ہیں، ایسے جب انکو نظر آتا ہے کہ مہربانوں میں بخشش و منکرات موجود نہیں ہیں، تو وہ انکو تمام فضائل و محاسن کا مجموعہ قرار دے لیتے ہیں، حالانکہ اس سے صحت یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ اگر ان میں عجب نہیں تو ہر بھی نہیں، یہی غلطی ہے جسکی بنا پر دنیا میں ہدایت کا خیال عام طور پر بھید یا چنانچہ علامہ ابن مسکویہ کتاب الطہارۃ میں لکھا ہے،

والا یحتاج ان الانسان مد فی الطبع ای هو محتاج لامتنع	مکہ کا قول کہ انسان فی الطبع بڑی پاکیزہ شے ہے کہ محتاج حسین
فیہا خلوق کثیر لیس لہ السہ ادواء الاستیة ککل انسان	ہر انسان میں جوہر ہیں نہ کہ اسکی صاف کمالیہ میں جوہر ایسے ہیں طبعاً
والطبع وبالضرر یحتاج الی غیر ہوا ذلک مضطرب الی	دوسرے حالت محتاج ہر اس بنا پر کہ لوگوں کی دوستی یا انکی نفرت محبت اور کد
الصفاۃ الناس موعظۃ محمد العشر المیلہ و محبتہم المحبۃ	سچی محبت کرنے پر مجبور ہو کر کہ وہ لوگ اسکی اذات کو کمال کرتے ہیں
تھادقہ و غیرہ کثرت ذلک یقینی السلیۃ و هو ایضاً مضطرب	اسکی انسانیت کو پر کر کے ہیں بارہ بھی گئے لیے اسباب میں کڑا ہوا
مضطرب لہذا کان ذلک بالطبع وبالضرر کفیف یوثر	پس جب طبعی بات تھری تو ایک مقل انسان کیونکہ تنہائی کی طرف غشی
انسان العاقل العار و نفسہ النفر و الضلع و عیادہ و الفضلۃ	کہ اختیار کر سکتا ہو اس ثابت ہوا کہ جو قوم فضیلت کا انحصار من
من غیرہ فلذلک انفعم الذین رأوا الفضلۃ فی الزہد و ترک	دہ قطع تعلق، و تنہائی میں سمجھتی ہو اس طور پر کہ پہلا صفت کا حارہ ان
مخالفتہ الناس نفع و اعنہم ما بلا لزمہ للعادات فی العیال	میں شیعہ جائے، یا سید انون میں جوہر کی بنا ٹولے، یا شہر میں کی حسیا
و ما یلزم الصواعق و المظہور و اما السیاحۃ فی البلدان	میں مصروف ہے مگر کوئی فضیلت نہیں حاصل ہوتی بلکہ وہ تنہا
توی فی الفضائل ان الالاسۃ عینہا و ذلک ان	یہی نہیں حاصل ہوتی جسکو پہنچتا ہوا دیر اسکی جو شخص لوگوں کے
حلالہ الناس لیساکتہ فی اللان لا یظہر فیہ العفۃ الخیر	قطع تعلق کر لیتا ہو اور انکے ساتھ نہیں جتا جس سے ہوا

والاعفاء والاعفائه بالانصاف والاعفائه بالانصاف
وكنت فيهم باطله لا خلاصه لا تنوجه الى غير الا الى شئ
فلا اطلعت لم يظهر في حاله الخاصه بحاصلها وبغيره
الاجل ان اولي من الناس في ذلك انهم يظنون
ويعتقون انهم اعفاء وليسوا باعفاء وانهم
عدول وليسوا باعدول وكذلك في سائر الفضائل التي
انما هي فيهم من غير انهم اعداء هذه التي هي شر وذن
فيهم الناس انهم افاض وليسوا بفاضل انما
هي في حال اعداءهم يظنون عند مشاهدتهم الناس
ومساكنهم في معاملات وضرور الاجتماعات

سقاوت و عدالت کوئی چیز نہیں ظاہر ہو سکتی، بلکہ اس کے قوی و کما
فطری پر کاربہ جاتے ہیں، اور ان کا رخ خیر و شکر کی طرف نہیں ہوتا
اس لیے جب وہ باطل ہو گئے اور ان کے افعال خاصہ کا طو نہیں رہا
تو وہ لوگ بمنزہ جلالت یا مودوں کے ہیں، کیونکہ وہ لوگ خیال
کرتے ہیں اور عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ پاکدامن ہیں،
حالانکہ وہ پاکدامن نہیں، اور یہ کہ وہ عدول ہیں حالانکہ عدول
نہیں، یہی تمام فضائل کا حال ہے، یعنی جب ان کی اس طرح برائیاں
نہیں پیدا ہوتیں تو لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ کامل ہیں حالانکہ
فضائل عدمی خیر نہیں، بلکہ وہ افعال و اعمال ہیں بجا طو نہ
معاملات اور عام اجتماعی حالتوں میں رکے سامنے ہوتا ہے،
اور اصول کی تلقین کی اور یہ بتایا کہ اخلاق نہ صرف ایک مجموعی

کیفیت کا نام ہے، بلکہ وہ ایک فطرتی چیز ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے،

حیث کا نام ہی بلند و اعلیٰ سر پر پڑا ہے
 ان اباء یقولوا لعنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 یقول جل اللہ الرحمة فی ما یتجدد فہمک عندہ
 تسعة وتسعين جزاً و انزل فی الارض جزاً واحداً
 فمن قال لعن الخبیث عیتر الخلق حتی ترفع الفرج من اہل
 عن ولدها خشية ان تصیبها۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے
 اپنی رحمت کے سوا کچھ دیا ہے۔ ان میں تنانے کھڑے اپنے پاس کو
 لیے اور ایک ٹکڑا زمین میں اٹھایا ہے۔ نتیجہ یہ کہ اگر ہم مہربانی
 کرتے ہیں یہاں تک کہ گھوڑا اپنے پیچے سے اپنے گھوڑا ٹھالتا ہو
 کہ اسکو صدمہ نہ پہنچ جائے۔

لیکن صرف اس کیفیت کا وجود کافی نہ تھا، اس لیے رب کے پہلے تمام عبادات کو اجمالی طور پر اسکے اظہار کا محض ذریعہ بنایا۔ لیکن بعض اور عبادت کے لیے زکوٰۃ فرض کی، حج و جماعت کو حسن صحبت اور حق بافتادہ کرنے کا بہترین وسیعہ قرار دیا۔

اس کا علم شہادت اور ہتھافا کے لیے ایک مہینہ کے وقت غرض کیے اس کے بعد تفصیل کے ساتھ محاسن اخلاق کے تمام
نظام پر تائید کے ساتھ دیتے دیتے قائم کیے، اور ہر درجہ کے لیے مناسب احکام جاری کیے،

انسان کے تعلقات کی ابتدا باپ، ماں، بھائی، بہن، بی بی، اولاد سے ہوتی ہے اسی بنا پر ہر منزل فلسفہ اخلاق کی
اس مستقل شاخ پر لگائی ہے، ان تمام تعلقات کے پرہیزوں کے مختلف اسباب ہیں، ماں باپ کا تعلق محض تربیت اور پرورش کی بنا
پر پیدا ہوا ہے، ایسے انسان کا فرض ہے کہ اس کا معاملہ حسن و حسن محبت کا کرے، چنانچہ جناب اساتذہ نے سنی فرمایا
جلد اول المصالح فیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال | ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ یا رسول میری صحبت کا
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابی بنی قل ملک قال نعم | سچ کون ہے، آپ نے فرمایا تھا میں ان سے کہا پھر کون؟ آپ نے کہا تھا کہ
قال ملک قال نعم | قال ملک قال نعم | قال ابو لؤی | ان سے کہا پھر کون؟ آپ نے کہا تھا میں ان سے کہا پھر کون؟ آپ نے کہا تھا کہ
جناب اساتذہ کے زمانے میں جہاد فی سبیل اللہ خیال کیا جاتا تھا، لیکن جب ایک صحابی نے آپ جہاد کی اجازت
چاہی تو آپ نے فرمایا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ ان سے کہا ہاں، آپ نے فرمایا انھیں فجاہد یعنی انھیں کی خدمت میں جہاد کرو
عورتوں اور بچوں کی فطرتی کمزوری، ان کا طبعی ضعف ان کے ساتھ حسن مراعات کی سفارش کرتا ہے، ایسے
ان کے متعلق یہ الفاظ فرمائے،

شیخون (عورتوں) کے ساتھ نرمی کرو،

رفقا بالقواریر۔

عن ابو ہریرۃ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ملوۃ | حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عورت شل سلی کی عمر
کا صلح الیہم اکسرا وارسلوہم یسقطوا وھیما | اگر یہ عورتیں قوت نہ لگیں اور اگر نہ لگیں تو انھیں بچاؤ تو اس کی ساتھ نہ لگے
بچوں کی نسبت فرمایا،

لیس منہا من لویہم صغیرا ولم یوقر کبیرا | وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بچہ نہ بچوں پر رحم اور بڑوں کی عزت کرے،
یتیموں اور یتیموں کی حالت اس سے بھی زیادہ لطیف مراعات کی توقع ہے، ایسے اگلی حالت پر اوردوزیا،
انا وکافل الیتیم کالمین فی الجنة | میں اور یتیم کا کفیل جنت میں ان دونوں کا کفیل کی طرح متصل ہوں گے

انوالساحی علی الامل علمین فی الجنتہ

میں پروردگار کا نفع رسان شخص جنت میں لے جائیگا کی طرح قریب ہو

عمر قن پر چون کے ساتھ جو تعلقات انسان کو پیدا ہو جاتے ہیں وہ اگرچہ نہایت نازک ہیں لیکن اس میں شہ نہیں کہ

محاسن اخلاق کے اظہار کا سبب بنادور یہ ہیں اس بنا پر اسلام نے خواہش اور لاد و نکاح کو مسلمانوں کی خاص امتیازی

والذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا

مسلمان وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو ہماری

وزدیت ناقہ عین

بھائی کو بھائی کے ساتھ جو تعلق پیدا ہوتا ہے وہ اگرچہ رجمی تعلقات کی بنا پر فطرۃ پیدا ہوتا ہے لیکن

اسلام نے اس دائرہ کو اس قدر وسیع کیا کہ غیروں نے غیروں سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ مہاجرین انصاری

میں مواعات کا سلسلہ اسی بنا پر قائم ہوا

یہ تمام تعلقات اگرچہ محاسن اخلاق کے بہترین مظاہر ہیں تاہم چونکہ فطرتی ہیں اس لیے ہر صحیح فطرت

شخص ان کو خوشگوار کی کے ساتھ قائم رکھنا چاہتا ہے ان میں اسلام کا کارنامہ صرف اس قدر کہ اسے اصلی فطرت

کو ابھار دیا ہے لیکن تمدن کی وسعت سے چند عارضی تعلقات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں فطرتی جذبات کو

کچھ دخل نہیں ہوتا صرف اخلاقی حیثیت سے انکی پابندی ضروری ہوتی ہے خادم کا مخدوم کے ساتھ، مہسایہ کا مہسایہ کے

ساتھ، بادشاہ کا رعایا کے ساتھ، مہتمم کا مسافر کے ساتھ جو تعلق پیدا ہو جاتا ہے وہ اسی قسم کا ہے لیکن اسلام نے ان عارضی

تعلقات کو اس قدر خوشگوار اور مستحکم بنایا ہے جسکی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں مل سکتی

خادم و مخدوم میں جو تعلقات ہوتے ہیں انکی نسبت یہ امر خاص طور پر قابلِ بحال ہے کہ ایک امت کی

ذلت اور مسکنت نے خود خادموں اور غلاموں کو یقین لادیا ہے کہ انکا درجہ اسی غیر مساویانہ و براؤ کا مقتضی ہے ہر تنگ

کر رفتہ رفتہ یہ حالت طبیعت ثانیہ ہو گئی، اور اگر کوئی شخص اپنے خادم یا غلام کے ساتھ مساوات کا براؤ نہ کرے تو

انکو کوئی مشکابیت نہیں پیدا ہوتی جیسا کہ ہم اسے زمانے کے امر کرتے ہیں لیکن درحقیقت یہ فطرت نہیں ہے

حقیقی فطرت یہ ہے کہ انسان سب سے اعلیٰ تر ہو یا کم از کم مساوات کا درجہ رکھتا ہو اسلام نے یہ تمام امور جو تعلق

پیدا کیے ہیں ان میں اسی فطرت کا طاف رکھا ہو،

عن ابن ذی قیل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

انوار اللہ علیہم اللہ فقیہ تحت ایدیہم فحق کان حق

تحت یدہم فلیطعم من طعمہم ولیلبس من لبسہم

ولا یکلفوا یغلبون کلفہم فایغلب فلیعندہ

ہمایہ کے متعلق نہ فرمایا،

عن عائشۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال

جبریل... یوحییٰ بالجار حق غننت اندہ سبورثہ

اس پاکیزہ تعلیم کا اثر تھا کہ صحابہ کرام ہمایہ کی کے حقوق ادا کرنے میں کفر اور اسلام کی تفریق نہیں کرتے تھے

عن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب فی اہل غلام

قال اہدیتہم لہا رانا الیہوی اہدیتہم لہا رانا الیہوی صحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اما زال جبریل الخ

مقیم کہ مسافر کے ساتھ محض ماضی اور چند روزہ تعلق پیدا ہو جائے تو یہاں تک کہ وہ کافر ہو

فرار دیا اور ان کی ممانداری کو شرط ایمان ٹھہرایا،

عن ابن عمر الکعبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

من کان ذوقہ باللہ والیوم الآخر فلیکرم مصیفہ

بادشاہ اور رعایا کے درمیان جو وسیع تعلقات پیدا ہوتے ہیں ان کی تشریح شخصی سلطنت کے ذمہ دارین کی یہ کہانی ہے

کہ بادشاہ پیش مجسم ہوا اور رعایا کا مال دولت اُس کے سامان آبائش میں مروج کیا جائے اسلام کے زمانہ تک اطراف

الہ ضعیفہ کا لفظ بین مسافروں کے لیے مخصوص ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب

جنگل کے درختوں کا گدا ہے پس اگر کسی بھائی درختوں کے پتوں میں

نہ اسکو اپنا کھانا کھائے نہ اپنا لباس پہنے نہ دارو لے سکے

زیادہ اسکو تکلیف کام کی نہ ہے دارو لے نہ تو اسکی مدد کرے

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جبریل مجھ کو بھیجتا ہے

کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ اُسے بھی اسکو روایت میں لے کر آئے

مجاہد سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر کے گھر میں ایک کبریا نکھڑی ہوئی جبریل آئے

تو فرمایا میرے بیوی بچوں کو بھیجنا میرے بیوی بچوں کو بھیجنا میرے بیوی بچوں کو بھیجنا

لکھتے سنا کہ جبریل نے کہا کہ میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں اسکو روایت میں لے کر آئے

مقیم کہ مسافر کے ساتھ محض ماضی اور چند روزہ تعلق پیدا ہو جائے تو یہاں تک کہ وہ کافر ہو

فرار دیا اور ان کی ممانداری کو شرط ایمان ٹھہرایا،

عن ابن عمر الکعبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

من کان ذوقہ باللہ والیوم الآخر فلیکرم مصیفہ

بادشاہ اور رعایا کے درمیان جو وسیع تعلقات پیدا ہوتے ہیں ان کی تشریح شخصی سلطنت کے ذمہ دارین کی یہ کہانی ہے

کہ بادشاہ پیش مجسم ہوا اور رعایا کا مال دولت اُس کے سامان آبائش میں مروج کیا جائے اسلام کے زمانہ تک اطراف

الہ ضعیفہ کا لفظ بین مسافروں کے لیے مخصوص ہے

حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب

جنگل کے درختوں کا گدا ہے پس اگر کسی بھائی درختوں کے پتوں میں

نہ اسکو اپنا کھانا کھائے نہ اپنا لباس پہنے نہ دارو لے سکے

زیادہ اسکو تکلیف کام کی نہ ہے دارو لے نہ تو اسکی مدد کرے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

النَّدْو

شذرات

دارالاقامہ کے کمرون کی طیاری

دارالعلوم کی عمارت بنی شروع ہو گئی اسکے آس پاس جو تعلیمی عمارتیں گورنمنٹ اور تعلقہ داران اور وہ کی طرف سے بن رہی ہیں یعنی صنعتی کالج اور کیننگ کالج کا پور ڈنگ، ان عمارتوں نے دارالعلوم کے منظر کو اور خوبصورت بنا دیا جس اتفاق سے چونکہ دارالعلوم کی زمین بلند اور نمایاں واقع ہوئی ہے اس لیے اسکے پہلو کی عمارتیں پہلو کی عمارتوں میں معلوم ہوتی ہیں، ہندوستان میں یہ پہلا موقع ہے کہ جدید علوم اور قدیم علوم کی درس گاہیں پہلو پہلو بن رہی ہیں اور مذہب کا مقصد بھی ہی ہر طرح ڈانڈا ملادیا، ہر امر سے تیار کیا،

لیکن دارالعلوم کی عمارت اس وقت تک معطل پڑی رہی جب تک اسکے ساتھ کا پور ڈنگ دارالاقامہ بھی زمین جائے، یہ جعفر حسین صاحب نے دارالاقامہ کے کمرون کا خاکہ اور صحیح نمینہ موقع زمین دیکھ کر قائم کیا ہے اس کی کمروں سات سو دو ہزار لاکھ آگئی اور ہر کمرے میں تین طالب العلم رہ سکیں گے ان کمرون کی طیاری کے لیے

مختلف تجویزین قرار دی گئی ہیں،

(۱) چونکہ دارالعلوم کی عمارت کی لاگت ایک ستر خاتون نے عنایت کی ہے، اسلئے دارالافتا

بھی خاتون کی طرف سے طیار کرایا جائے۔ ایک ایک کروہ، ایک ایک خاتون کے نام سے بنے اور عمارت

کی پیشانی پر اٹھانام کندہ کرایا جائے، جو بزرگ، اپنی مستورات کی یادگار میں ایسے کمرے تعمیر کرانا چاہیں، وہ بھی

اس چندے میں شریک ہو سکیں گے۔ دارالافتا کے اس سلسلے کا کوئی موزون نام آئندہ تجویز کیا جائے گا،

(۲) معزز اشخاص کی طرف سے کمرے طیار کر لئے جائیں،

(۳) ہر شہر کے مسلمانوں کے مجموعی چندے سے ایک ایک کروہ طیار کرایا جائے،

تینوں قسم کے چندہ دینے والوں کے نام اس وقت تک جو ہمارے پاس آگئے ہیں، ہم ذیل میں راج کرتے

ہیں لیکن ابھی تک تین وصول نہیں ہوئی ہیں کیونکہ ابھی تک ان بزرگوں سے رقعین طلب نہیں کی گئی تھیں

لیکن اب اس فذ کا علیحدہ حساب بنگال بنک میں کھول دیا گیا ہے، اسلئے درخواست ہو کہ لوگ اپنا چندہ اس میں

جناب ہرماننس ذاب بیگم صاحبہ، ریاست چیخوہ علاقہ بمبئی، ایک ہزار روپیہ رقم وصول ہو سکی،

جناب بیگم صاحبہ نواب علی حسن خان صاحب بھوپال،

جناب مولوی حبیب الرحمن خان صاحب، رئیس مھیکن پور علی گڑھ، بیادگار المیہ مرحومہ میں کمر

جناب حافظ عبد الحلیم صاحب رئیس کانپور،

جناب مسٹر محمد اسحاق صاحب وکیل ہائی کورٹ آلہ آباد، بیادگار المیہ مرحومہ خود،

جناب شیخ جان محمد صاحب رئیس ہوشیار پور پنجاب، پانسو روپے وصول ہو چکے ہیں،

جناب فضل حق صاحب کا کاخیل جاگیر امرہ ضلع پشاور، تحفہ ایک ہزار روپے قیمت زیورات بھیجے ہیں

جناب حاجی شیخ نذیر حسین صاحب تعلقہ دارگہ ضلع بارہ بنگی،

مسلمانان پشاور مفت جناب مولوی حیل احمد صاحب چپک شہر ہوشیار پور، چھ سو روپے بھیجے ہیں

جناب مولوی سید احمد صاحب امام جامع مسجد ملی از جانب مسلمانان ملی
مسلمانان کوہاٹ،

مسلمانان داس معرفت جناب الامام عبد الجبار صاحب تلخیص علم راس ایک ہزار سو سے زائد رقم وصول ہو چکی ہے
جناب اجد نواز علی خان صاحب لکھنؤ،

جناب فتح محمد صاحب سٹور کسپر جالندھر، پانسور و پڑ وصول ہو چکے ہیں
جناب مولوی حکیم محمد ولی صاحب کسمندوی ستر نڈٹ سنٹرل جیل گلبرگ دکن، تین سو روپے،

مستور کے لیے ایک قابل تقلید مثال

ابھی تھوڑے دن ہوئے جناب حکیم صاحبہ نواب نور الحسن خان صاحب بھوپال دخلت اکبر جناب نے
صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے اپنے صاحبزادوں کی تقریب میں پچاس روپہ نہ وہ کو غایت فرمائے تھے، اب
انھوں نے ایک ایسی فیاضی اور روشن ضمیری کا اظہار کیا ہے جس کی تقلید اگر تمام عمل سرائون میں کی جائے تو ہماری
مذہبی تعلیم کا کافی انتظام ہو جائے، انھوں نے اپنے گھر میں ایک ہزار فنڈ دار العلوم فنڈ کے نام سے کھولا
ہو چنانچہ چونکہ اس کی رقم سولہ روپہ دفتر میں بھیج دی ہے اور آئندہ یہ رقم جاری رہے گی یہ عموماً مسلم ہر کشور میں
فیاض طبع اور نیک دل ہوتے ہیں لیکن ان کی فیاضیان زیادہ تر لغو رسم و رواج میں صرف ہوتی ہیں، ان کا
صحیح مصرف غیر کی طرف مائل ہونا قوم کے حق میں نہایت عمدہ حال ہے۔

پشاور کے مسلمانوں نے ایک کمرے کی تعمیر کے لیے پچیس سو روپہ سے زائد کی رقم بھیج دی تھی
لیکن ان کو گوارا نہ تھا کہ انہیں بڑے اسلامی شہر کی طرف سے صرف ایک کمرہ تعمیر ہو چنانچہ حال میں جناب
مصلح حق صاحب کا خلیل نے قریباً ایک ہزار روپہ قیمت کے زیورات، ایک لاکھ کی تعمیر کے لیے بھیج دی ہیں

مولوی محمد علی صاحب پروفیسر زعفر کاچی ریاست کپور تھلہ نے وکیل کمپنی امرتسر کے لیے ایک کتاب کا ترجمہ کیا تھا کمپنی نے مذکورہ کتاب کے معاوضہ میں دیے، مولوی صاحب مصروفیت سے وہ رقم مذکور کے پاس بھجوا دی، ہم مترجم صاحب کے ساتھ اڈیٹر صاحب وکیل کے بھی مشکور ہیں جن کی تحریک بھی اس فیاض میں شامل تھی۔

شافیہ خاتون (راقم کی حقیقی بیوی) نے پچاس روپے اس غرض سے بھیجے ہیں کہ اس رقم سے ایک مغلہ اس طالب العلم کو دیا جائے جو درجہ تکمیل میں نہایت اعلیٰ درجے کے نمبروں کے ساتھ کامیابی حاصل کرے۔ اس مغلہ کا نام اگر ارکان مذکورہ منظور فرمائیں، شافیہ دارالعلوم ٹڈل ہوگا،

جناب مولانا عبد الباقی صاحب مدراس، مذکورہ کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں اسکا شکریہ ہمیں ادا ہو سکتا، ماہواری چندہ جو ان کے ذریعے سے وہاں مقرر ہوا ہے برابر وصول ہو رہا ہے جو حال میں انھوں نے لوگوں سے وصول کر کے دارالافتاء کے لیے ایک ہزار روپے کی رقم بھیجی ہے جسکی تفصیل علیحدہ پیکی کل دو ہزار آٹھ سو روپے وہ اب تک بھیج چکے ہیں،

مصر کی یونیورسٹی

ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ مصر کی قومی یونیورسٹی جس کا نام جامع مصر ہے، اسکو قائم ہونا صرف ایک سال کی مدت ہوئی تھے تھوڑے سے زمانے میں اسنے نہایت ترقی کی اور اسکی ترقی کی رفتار روز بروز بڑھتی جاتی ہے، یورپ کی سلطنتوں نے اسکی تائید و اعانت پر آمادگی ظاہر کی ہے چنانچہ اٹلی نے اطلاع دی ہے کہ کمیسٹری کا جو کارخانہ یونیورسٹی میں قائم کیا جائے گا، اسکے تمام آلات اور مسلمان اٹلی کی

سلطنت، ہر سال کرنگی، حال میں احمد توفیق راقب نے ساٹھ سات ہزار روپے یونیورسٹی فنڈ میں عطیات کیے ہیں،

یونیورسٹی کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ اپنے یہاں کے طلباء کو، خاص خاص علوم و فنون کی تکمیل کے لیے یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھیجتے ہیں اس سے پہلے ایک جماعت جاچکی ہے، اور اب دوسری جماعت عنقریب روانہ ہوگی، تاحہ یہ ہے کہ جو طلباء اس غرض کے لیے طیارہ جاتے ہیں، اُن کا مختلف علوم و فنون میں ایک خاص امتحان لیا جاتا ہے، چنانچہ علم ادب کے چند سوالات ہم اس غرض سے المودت سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں کے علما اندازہ کر سکیں کہ اب علم ادب پر کن حیثیوں سے نگاہ ڈالی جاتی ہے اور فن ادب کے کمال کے لیے کس قسم کے معلومات ضروری ہیں۔

(۱) سب سے پہلے حلقہ کے ہر قصیدہ میں جو شعر سب سے اچھا ہے اس کو لکھو اور اس کی ترجیح کے وجہ بتاؤ، قصیدہ

کا موضوع کیا ہے اور اس سے اہل عرب کے کن اخلاق اور عادات کا ثبوت ہوتا ہے،

(۲) بتاؤ کہ ایران اور روم کی انشا پردازی کا اثر عرب کی زبان پر کیا پڑا، اثر کن لوگوں نے پیدا

کیا، مثالوں اور سندوں سے اس کا ثبوت دو،

(۳) بصرہ اور کوفہ کی حالت، اس حیثیت سے لکھو کہ وہ علوم و جہت کی تربیت کا ماحہ،

(۴) عرب میں فن موسیقی کی تاریخ لکھو، اور بتاؤ کہ عرب کے تمدن اور فن ادب پر اس کا کیا اثر ہوا،

(۵) کیا دولت عباسیہ اور امویہ میں ایسے شعرا بھی پائے جاتے ہیں جو عرب تھے لیکن علم ادب

میں امام فن سمجھے جاتے تھے ان میں سے بعضوں کے نام اور ان کے حالات لکھو،

حیدر آباد کا دارالعلوم

جناب مولوی حمید مرزا صاحب نے ہمارے اطلع دی ہے کہ حیدر آباد کے دارالعلوم کا نصاب ہے

سرکار سے منظور ہو گیا، اور اب اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا

درجہ تکمیل کے لیے وظائف

مبندہ وستان میں سیکڑوں عربی مدرسے ہیں، لیکن ان سے کامل الفہن اشخاص نہیں پیدا ہوتے جسکی وجہ یہ ہے کہ ان میں کوئی درجہ تکمیل نہیں قائم کیا گیا ہے یعنی یہ کہ طالب علم کتب درسیہ کو ختم کر کے صرف ایک فن کو لے لے، اور دو برس تک ایسی تعلیم حاصل کرے، اور اس میں ہمارے ہم پوچھنے نہ دہنے اور ان میں یہ شاخ اس سال سے کھول دی، لیکن ضروری کہ اس شاخ کے لیے وظائف قائم کیے جائیں جن کی تعداد فی الحال دس قرار دی گئی ہے

ہم کو امید ہے کہ عالی حمت حضرات، ایک ایک فطیفہ اپنے نام سے قائم کریں گے تاکہ اس شاخ میں طلباء کی تعداد زیادہ نظر آئے، نہ وہ اگر مفید ہو سکتا ہے، تو اسی صورت میں کہ طلباء، درجہ تکمیل میں تعلیم پا کر تکمیل حاصل کر کے ان وظائف کا قائم کرنا نہ وہ کاسب مقدم کام ہے

ہم کو نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ کلکتہ کے مدرسہ عالیہ میں ایسے امتحانات قائم کرنے کی تجویز ہے جن میں جدید علوم و فنون عربی زبان میں پڑھائے جائیں، اور اسکے ساتھ انگریزی زبان اعلیٰ درجہ تکمیل حاصل کر لیں، یہ امتحانات، الف، اے، اور بی، اے، کے برابر سمجھے جائیں گے اور ان سرکاری نوکریاں مل سکیں گی

صوفیان مستند، وزاہد بے خبر ادا کہ پرہیز من ربیعہ خانہ را
ہم اے رفائروں نے جب جدید تعلیم کی بنیاد رکھنی چاہی تو ضروری سمجھا کہ پہلے قدیم ہمارے
ڈھاکر سطح ہوا اور درست کر لیا ہے، ہم نے اسکو منظور کیا، پڑائی تعلیم جس قدر ہم سے ہو سکا ہے

شاہی گلی، باد چوک، خطہ تھا کہ قدامت پرست لوگ مندرم شدہ عمارت سے سر سے داغنا میں ایسے ضرور
شہر کہ دونوں سے بھی اسکی عظمت کا نقش شاہی اجلائے اس بنا پر ہم نے اسکو "افسانہ باریں، تعلیم کمین،
عضو شل، آب جام، وغیرہ مختلف خطابات دیئے اور اسطرح بار بار دہرایا کہ قدیم تعلیم بھی بول اٹھی کہ
یہ من چستان گنہ، از بدگمانی می کند نسبت کہ من ہم در گمان افتادہ پسندارم گنہ گارم
تیس برس کا راز نگہ کیا، قدیم تعلیم مٹلی، نئی تعلیم طیار ہوئیں، ہزاروں بی لے، نکلے، سیکڑوں
سے ایم، لے کی گریان لین، یہ سب کچھ ہوا، لیکن نتیجہ؟

کیا کوئی علمی جماعت پیدا ہوئی؟ کوئی مسلہ حل ہوا؟ کسی نے کچھ اجتہاد کیا؟ کوئی مصنف پیدا ہوا؟
قومی مہر پر کوئی خطیب نظر آیا، کسی کے قلم نے انشا پر ادبی کی معرکے فتح کیے؟

تم کہو گے کہ یہ ہماری نا انصافی ہے، ایک نو عمر گروہ سے ایسے فتوحات عظیمہ کی توقع خود ہماری
خام خیالی ہے، بے شبہ تم سچ کہتے ہو، سوالات مذکورہ کو یوں بدل دینا چاہیے،

کیا علمی مذاق کا کوئی گروہ پیدا ہوا؟ یورپ کی کسی فلسفی کتاب کا ترجمہ ہوا؟ علوم جدیدہ کے کچھ مسائل
قوم کی زبان میں شائع ہوئے، کوئی علمی پرچہ نکلا؟ اسلام پر یورپ نے جو سیکڑوں ناورد تصنیفات لکھیں
لکھے اسمین سے کچھ اردو زبان میں آیا؟ تم کہو گے کہ سوالات مذکورہ کا معیار اور گھٹانا پچاسیم اسکو بھی تسلیم
کر لیتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ یورپ نے مذہب اسلام پر، اسلامی الشریعہ پر، عربی اور فارسی شاعری پر
عرب کے جغرافیہ پر فلسفہ اسلام پر، مسلمانوں کی تاریخ پر، سیکڑوں ناورد کتابیں اور رسالے لکھنے شروع کر دیے
ان میں سے کس قدر معلوم ہے؟ مسلمانوں کی سیکڑوں عجیب و غریب ناورد تصنیفات کو یورپ نے شائع
کیا ہے، ان کی ان لوگوں کو خبر ہے؟ جرمن میں، مسلمانوں کی خاص علوم و فنون پر جو انسائیکلو پیڈیا لکھی جا رہی
ہو، کیا اس سے ان کو واقفیت ہے؟ پروفیسر روزی نے دو ضخیم جلدوں میں، تمام عربی مولد الفاظ کی لٹری
پچاس برس کی محنت میں لکھی، کیا ان لوگوں نے اسکو دیکھا ہے، کب ممو ریل سیرن جن کے مذہب سے ہم

عربی اور فارسی قدیم ہارکتا میں شائع کی جا رہی ہیں، اُس سے ان کو واقفیت ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے علوم اپنے فنون، اپنی تاریخ، اپنا تمدن، سب کچھ فرو دے کر ایک فکری بیخود
گروہ پیدا کیا ہے اور ناز ان میں کس عفرنج بالاکن کہ ارزا لنی ہنوز ہے،

لیکن ان سب حالات کے ساتھ سوال یہ ہے کہ چارہ کار کیا ہے؟ کیا ہم کو اس درد کا علاج پُرانے
طریقے کے مدارس میں ڈھونڈنا چاہیے؟ کیا وہاں کچھ تحقیق کا پرتو نظر آئے گا؟ کوئی مشکل حل ہوگی؟
لفظوں کے گو نگہ دھندے کے سوا اور کچھ بات آئے گا؟ کیا کی تحقیقات کا نشان ملیگا؟ ابن سبتیم نے فن مناظر
پر جو اضافہ کیا، فارابی نے فن موسیقی میں جو ترقیاں کیں، ختایم نے جبر و مقابلہ پر جو کچھ لکھا، ابن مسکویہ نے جو
تاریخی تحقیقات کیں، ان میں سے کسی چیز کا پتہ لگے گا؟ نہیں کچھ بھی نہیں، ہمارے مولویوں کے تو کان بھی
ان سوالوں سے آشنا نہ ہوں گے،

غرض موجودہ حالات کے ساتھ، تو ان وہ نون گروہوں میں سے کوئی گروہ ہمارے کام کا نہیں،
لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کونسا گروہ کوشش کرنے سے کام کا بن سکتا ہے،
ہر قوم جب ترقی کرتی ہے تو اس میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں،

ایک وہ جو دنیوی علوم سیکھتا ہے، سرکاری خدمتیں حاصل کرتا ہے، انتظامات ملکی میں شریکیت کرتا ہے،
پالیٹیکس میں دخل دیتا ہے، یہ گروہ علم و فن سے بے بہرہ نہیں ہوتا، لیکن علم اس کا مقصد زندگی نہیں ہوتا، ہمارا
زمانہ نہیں یہ گروہ وہی ہے جس کو ہم جدید تعلیم یافتہ گروہ کہتے ہیں،

دوسرا گروہ علمی گروہ ہوتا ہے، اسکی غرض وفایت، محض علم ہوتی ہے، وہ تھوڑی سی
معاش پر اکتفا کرتا ہے اور صرف علمی خدمت، کو اپنا منتہا مقصد قرار دیتا ہے، یہ گروہ اگرچہ حقیقت کج کل
منفرد ہے لیکن اس گروہ کے جو کار اور خواص ہیں، وہ عربی خزانہ گروہ میں پائے جاتے ہیں، عربی خوان گروہ
اطالیہ جانتا ہے کہ عربی علوم کچھ حصے سے معاش نہیں حاصل ہو سکتی، اور زمانے کی نظروں میں ان علوم کو

کچھ نہیں تاہم گروہ نہایت حویت، شوق اور تحقیقی سے علوم عربی کی تحصیل میں مصروف ہوں اسلئے
 کلاس نے اپنا مقصد تحصیل دنیا میں، بلکہ تحصیل علم قرار دیا ہے جو کچھ کی چیز ہو کہ وہ جس خیر کو علم سمجھ ہے بن
 وہ علم کے نہایت ابتدائی مراتب ہیں۔

عربی میں جو علوم و فنون پڑھائے جاتے ہیں درمیانیات کو چھوڑ کر ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کو
 یورپ نے اس قدر ترقی دی ہے کہ ان کی تحقیقات کے سامنے پچھلے کا زلے، باز پچھ اطفال سے زیادہ نہیں رہے
 سینہ ہی اور صدرا کی طبیعیات کو آج کل کی طبیعیات سے کیا نسبت ہے، عربی ادب کے متعلق یورپ نے عربی کی وہ
 قدیم نادر تصنیفات، ہم پر پچائیں چکی ہمارے علما کو خبر تک نہیں، غرض یہی عربی خوان گروہ اگر یورپ کی کسی
 زبان، اور یورپ کی تحقیقات سے آشنا ہو جائے تو وہ گروہ بن جائے گا جسکو ہم علمی گروہ کہتے ہیں اور جسکے بغیر
 قوم کی قوم ع خوبست و خوشست و بوندارو۔

بے شکہ آج تک عربی خوان گروہ نے انگریزی زبان اور انگریزی علوم و فنون سے اختیار کیا، لیکن کوئی
 ایسے نہیں کہ ان کے نزدیک انگریزی پڑھنا کفر ہے، بلکہ ایسے کہ ان کو غلط خیال ہے کہ انگریزی میں علوم و فنون نہیں
 صرف علمی اور عامیانات ہیں، یہ اعتقاد اس قدر راسخ ہو گیا ہے کہ ہم خود مدعوہ میں برسوں سے اس اعتقاد
 کو دائل کرنا چاہتے ہیں، لیکن کسی شخص پر کچھ اثر نہیں ہوا جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے علما یورپ کے علوم و فنون
 کا اندازہ انگریزی خوانوں سے کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس گروہ سے یورپ کی علمی تحقیقات و تدقیقات کا
 اندازہ نہیں ہو سکتا،

مسلمانوں میں علمی گروہ وہی بن سکتا ہے جو اسلامی علوم کے ساتھ تحقیقات حال سے بھی نا آشنا ہوں
 چنانچہ بلاد اسلامیہ نے مدت کے تجزیہ کے بعد اس نکتہ کو سمجھا، اور اسی بنا پر قاصدہ میں ایک یونیورسٹی قائم
 کی گئی جسکا نام جامع مصر ہے تاہم اس یونیورسٹی میں یہی ہے کہ اس میں خالص شہبی علوم یعنی تفسیر و
 وغیرہ نہیں پڑھائے جاتے، اس خبر کی تلافی کی اگر امید ہو سکتی ہے تو حیدر آباد سے ہو سکتی ہے جس سے

دارالعلوم کو وسیع بنانے پر قائم کرنا چاہا ہے، نہ وہ کے تھی ماہ دارالعلوم نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا تھا اور اب اس کے کامیابی کے نہایت ابتدائی آثار نظر آنے لگے ہیں،

ڈاکٹر برٹن

۱۔ مضمون کے سلسلے میں ہم ڈاکٹر برٹن کا ذکر اس لحاظ سے کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں جس قسم کے علمی گرد و کی ضرورت ہے، اس کا کوئی نمونہ پیش کیا جائے،

ڈاکٹر برٹن جرمن کا مشہور فاضل ہے، وہ کثرت سے مختلف زبانیں جانتا ہے، اس نے تین یونیورسٹیوں سے فلسفہ کی ڈگری حاصل کی ہے، اور اب یون کی یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں اور اسلامی فلسفہ کی تعلیم کا پروفیسر ہے، چار برس سے اس نے اپنی زندگی صرف عربی فلسفہ کی تحقیقات پر وقف کر دی ہے، یورپ میں سیکڑوں فضلاء میں جو اسلامی علوم کی تحقیقات میں مصروف ہیں، لیکن ڈاکٹر برٹن کا کمال اس قدر مسلم ہو گیا ہے کہ اس خاص مضمون کے متعلق وہ مزاج عام بن گیا ہے، تمام اطراف یورپ سے اس کے پاس اسلامی فلسفہ کے متعلق استفسارات آتے ہیں، اور وہ تسلی بخش جواب دیتا ہے،

فلسفہ اسلام کے متعلق اس کی دو تصنیفیں جرمنی زبان میں شائع ہو چکی ہیں، ایک کا نام *الطبیعیۃ* ہے، یہ کتاب اصل میں شیخ بوعلی سینا کی کتاب *الطبیعیۃ* کا ترجمہ ہے، لیکن ترجمہ کے ساتھ اس نے ایک مقدمہ لکھا ہے، جس میں یہ بتایا ہے کہ بوعلی سینا نے یونان اور اہل مغرب میں ارسطو کے فلسفہ پر کیا اضافہ کیا؟

مسلمانوں میں بوعلی سینا کی تصنیفات اور فلسفہ کو جو رواج ہوا، اور جس عظمت سے اس کا نام لیا جاتا ہے، کسی اور فلسفی کا نام نہیں لیا گیا، لیکن اگر یہ جانتا چاہیں کہ کسے یونان کے فلسفہ پر کیا اضافہ کیا تو اس کا کوئی سامان نہیں، یہاں تک کہ عام اہل یافان ہو گئی کہ بوعلی سینا صرف ارسطو کا شاگرد تھا، ایک یورپین مورخ نے اسی بنا پر لکھ دیا کہ سامان، کسی فلسفہ کے باقی نہیں اور ارسطو کی گاڑی کھینچنے والے قلمی ہیں،

ڈاکٹر موصوف کی دوسری کتاب خاص فلسفہ اسلام کی تاریخ پر ہے، اس شخص کتاب کا نام درجات
فلسفہ فی الاسلام رکھا ہے، اور فلسفہ اسلام کے چار دور قائم کیے ہیں،

- ۱- حکیمین
- ۲- فلاسفہ
- ۳- طبیبین
- ۴- صوفیہ

اسی طرح فلسفہ کے چار دور قائم کیے ہیں،

دور اول ششہ سے نہ تک یہ ہارون اور ہامون کا دور ہے اس مورخین ارسطو، فلاطون

سکندر افروسی، تاسطیوس کی کتابوں کا ترجمہ ہوا،

اس دوزمین فلسفہ اسلام، زیادہ تر یونان کا فلسفہ تھا جو اس بات کو ماننے سے تھک چکا تھا کہ خدا کو کوئی ارادہ ہے۔

اختیار زمین ہر ملک اس سے تمام افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جس طرح آفتاب سے روشنی،

دور دوم: شاعر نے ایک اس دور میں متکلمین کے فلسفہ زمان پر نکتہ چینی شروع کی

اور اس فریب کو باطل کیا کہ خدا سے مجبوراً افعال صادر ہوتے ہیں،

دور سوم: ہفتہ ۱۰ سے ۱۸ تک اس دور میں ارمی کا مہم کا نتیجہ تھا کہ

محمد الدین ابھی، دوڑانی پیدا ہوئے،

دو چہارم موجودہ دور جو دراصل یورپ کے فلسفہ کا دور ہے اور جس کی تقلید مصر وغیرہ میں جاری ہے
 دوسرے کی نسبت انکے لوگوں کا خیال تھا کہ اس حمد کی تصنیفات مستقل تصنیفات نہیں، بلکہ یہ ہمہ گمان
 کی شرحیں اور حاشیہ ہیں، لیکن ڈاکٹر مرٹن نے دعویٰ کیا کہ فلسفہ کی تاریخ میں یہی سب اہم باشندے ہیں
 ڈاکٹر صاحب نے نہایت توضیح کے ساتھ ان فلسفیانہ مباحث کا ذکر کیا ہے جنہیں اس دور کے علمائے
 یونانیوں کی غلطیاں نکالیں، اور بہت سے جدید مسئلے ایجاد کیے،

ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب جزئی زبان میں ہے، محمد مدرجوئن کی یونیورسٹی میں تعلیم پائے ہے
 ہیں ڈاکٹر صاحب موصوف کے شاگرد ہیں، انھوں نے ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات کے متعلق ایک نکل
 المید مورخہ ۲۲- بیع الاثنی عشرۃ جہری میں لکھا ہے: "ہمارے مضمون، اسی شکل سے ماخوذ ہے، لیکن ان میں
 اور نئی فہموں کے کتبہ صاحب نے عمل جات تھے ہی چھوڑ دی ڈاکٹر صاحب موصوف نے جہاں دور سوم کی تحقیقات
 اور ایجادات پر بحث کی ہے، اسکی نسبت وہ لکھتے ہیں،

وقد بحث الدكتور في هذا الموضوع بحثاً عظيماً
 فلسفياً لا يسم مقال في هذا البحث فيه ولا
 يأنس به الفروق الأعظم من القراء-
 ڈاکٹر صاحب نے اس موضوع پر فلسفیانہ علمی بحث کی ہے، لیکن ہمارے
 اس شکل میں اسکی گنجائش نہیں، اور ہمارے ناظرین میں سے
 اکثر ان کو اس سے کچھ دلچسپی نہ ہوگی،

مصر میں لوگوں کو اس مضمون سے دلچسپی نہ ہو تو نہ ہو، لیکن ہندوستان میں خصوصاً اندوہ کے
 ہم مذاق لوگوں کی نسبت تو ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف اسی بحث کو دلچسپی کی نظر سے دیکھنا چاہتے
 باقی باتیں تو اور بھی بارہا سنی اور دیکھی ہیں،

جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا وہی پر، گر پر ڈاکو تر، کا

تجارب الامم ابن مسلوہ گب موریل سیرنیر

یورپ کی علمی فیاضیوں کا ذکر ہم نے استقبایا کیا ہے اس عنوان پر ہم اگر کچھ اور کہنا چاہیں تو
لگ کر فرما بول اٹھیں گے کہ عین آں فناء نیست کہ صد بار گفتہ شد،

لیکن اگر ہر نئے احسان کا نیا شکرا واجب ہو تو یہ ذکر نہایت بے گناہ و بار بار کرنا پڑے گا،
انصاف کرو مسلمان، دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم
ہیں، اپنے علوم و فنون کی قدر دانی کا جس قدر ان کو دعویٰ ہو شاید کسی قوم کو نہ ہوگا، لیکن کیا یورپ نے
اس کی زبان کی جو خدمت کی ہے، اس کا ہر دار و لہجہ بھی، آج اسلام کی وسیع دنیا کر سکتی ہے، یورپ نے جس
قسم کی ناوار و زبانیاب عربی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیدا کیں، کیا ایک بھی اس قسم کی کتاب مسلمانوں نے
شائع کی؟ بمعجم البلدان، بلاذری، طبری، یعقوبی، ابن بیعہ، ہدانی، تاریخ الخلفاء، طبقات ابن سعد،
انساب الاشراف، معارف، (اور اس قسم کی سیکڑوں کتابوں) کو کس نے دنیا میں روشناس کیا؟ اور
سچ تو یہ کہ اب بھی کتنے مسلمان، ان کتابوں سے واقف ہیں،

یورپ کی علمی فیاضی کی داستان نہایت طویل ہے، یہاں ہر کو اس میں سے صرف گب سیرنیر
کا تذکرہ کرنا ہی جو ہائے مضمون کی دوسری سرخی ہے، گب ایک دولت مند اگر یہ تھا جس نے کئی لاکھ روپیہ
صرف ایسے وقت کر دیا کہ اس سے عربی اور فارسی زبان کی زبانیاب تصنیفات ڈھونڈ کر شائع کیجائیں
چنانچہ اس وقت تک جو کتابیں اس سلسلہ میں شائع ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں،
بایزنامہ، یعنی تزک بابری جس میں بایز شاہ نے خود اپنے حالات لکھے ہیں،

ترجمہ تاریخ طبرستان، ادا سفندیار،

تاریخ خاندان رسولیہ منی، از خرزجی،

سفارہ بن حمیر اندلسی،

معجم الادب یا قوت جموی، نہایت نایاب تھی، قسطنطنیہ میں ایک ناتمام نسخہ تھا اب تک اس کتاب کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں،

تجارب الامم ابن مسکویہ، اسکی مفصل کیفیت، آگے آتی ہے۔

یہ دو کتابیں ہیں جو شایع ہو چکیں اور جو کتابیں اس سلسلہ میں زیر طبع ہیں، یا جن کا چھاپنا

مقصود ہے، وہ حسب ذیل ہیں،

معجم فی معیار اشعار العجم، فن عروض میں ہے، اسکا مصنف، شیخ سعدی کا معاصر تھا، کتاب کا سنہ تصنیف ۸۸۵ ہجری ہے، اسکا قلمی نسخہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے،

تاریخ مغول از رشید الدین فضل اللہ

ترجمہ تاریخ سیستان،

حصہ جغرافیہ از کتاب نزہۃ القلوب حمد اللہ مستوفی،

چار مقالہ عروضی سمرقندی،

مرزبان نامہ،

فتح مصر و المغرب والاندلس، از ابوالقاسم عبدالرحمن،

تاریخ مصر، از کندی، نہایت قدیم تاریخ ہے،

قابوس نامہ

انساب سمعانی، نہایت مستند اور نامور کتاب ہے،

کتاب الروی علی اہل البدع والاہواء، للسنفی،

ان کے علاوہ اور چند کتابیں ہیں جکا ذکر چند ان ضروری نہیں،
اس سلسلہ کا نام گب ممو ریل سیرنیر ہوا اور اس میں سے ہم اس وقت تجارب الامم سے بحث
کرنی چاہتے ہیں جو پہلے مضمون کا پہلا عنوان ہے:

اس کتاب کا مصنف علامہ ابن مسکویہ ہے جو مشہور حکیم اور فلاسف تھا اس کی کتاب طیارۃ
جس سے امام غزالی نے امیاء العلوم میں اکثر موقعوں پر فائدہ اٹھایا ہے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، البیات
میں اس کی کتاب فوز الاصفر نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے اور جس قدر اسلامی تصنیفات اس موضوع
پر ہماری نظر سے گذر چکی ہیں، ان میں سے ایک بھی اس کی ہم سہی کا دعویٰ نہیں کر سکتی، ابن مسکویہ
عضد الدولہ اور اسکے جانشینوں کے دربار میں نہایت معزز منصب پر ممتاز تھا اس نے مسند ہجری
میں وفات پائی،

اس کتاب کا نسخہ جو یورپ نے ہم پہنچایا مشہور ہجری کا لکھا ہوا ہے، خرید اعتبار سے کیلے
یورپ نے اصل نسخہ کو نوٹو کے ذریعہ سے شائع کیا لیکن اس سے یہ نقصان ہوا کہ چونکہ قدیم زمانے کا خط
ہے اس لیے کہیں کہیں پڑھا نہیں جاتا۔ بجا بجا حرف بھی اُٹ گئے ہیں، اور سیاہی مٹ چلی ہے، اوڈیٹر نے
مختصر سا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے اور ایک نہایت مفصل فہرست اسما اور مقامات کی شاس کی ہے کتاب
بہ مقام لیڈن ۱۹۱۹ء میں چھاپی گئی ہے،

اس کتاب پر ہم مختلف حیثیتوں سے روبرو کرنا چاہتے ہیں،
(۱) پہلے بیان علوم کی جو دو قسمیں معقول و منقول قرار دی گئیں اسکے متعلق ایک
سخن غلطی یہ ہوئی کہ بعض علوم میں دو نوعیتیں جمع تھیں، صرف ان میں ایک حیثیت کا لحاظ ہوا،
مثلاً تاریخ و روایت کا فن محض منقولات میں شمار کیا گیا جس سے نتائج ذیل پیدا ہوئے،
(۱) جو لوگ صرف منقولات کو اپنا ایذا سمجھتے تھے یعنی حکما اور فلاسف انھوں نے اس

فن کی طرف متعلق توجہ نہیں کی۔ ایسلے یہ فن فلسفیاً نکتہ آفرینوں سے محروم رہ گیا یہی وجہ ہے کہ بوعلی سینا
قارانی، محقق علوم، امام رازی، قطب الدین شیرازی، جلال الدین دوانی، کی کوئی تصنیف، اس
فن میں موجود نہیں،

(۲) چونکہ اس فن کی نسبت عام یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اسکو عقل و درایت سے تعلق نہیں،
ایسلے مورخین اور اہل وایت نے خود بھی عقل اور درایت سے کام نہیں لیا، ان کو صرف اس سے غرض
تھی کہ واقعہ کا بیان کرنے والا ثقہ ہو یا نہیں؟ اگر ثقہ ہو تو وہ جو واقعہ بیان کرتا ہے، اُن کے نزدیک
قابل اعتبار ہے، حالانکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ راوی ثقہ ہو، اور واقعہ کے بیان میں اس سے غلطیاں وقوع
میں آئیں، غرض اس خیال کی وجہ سے تاریخ کا فن اس رتبہ پر نہ پہنچا جس پر اسکو پہنچنا چاہیے تھا،
اس عالم میں ابن مسکویہ ایک ششٹی شخص نظر آتا ہے جس نے فلسفی اور حکیم ہونے کے ساتھ فن
تاریخ پر بھی توجہ کی، ابن مسکویہ کے نام سے ہر شخص کو امید پیدا ہو سکتی ہے کہ اسکی تاریخ عام شاہ راہ سے
الگ ہوگی اور ہم خوش ہوں گے کہ یہ امید نا کامیاب نہیں ہوئی، ابن مسکویہ نے کتاب کے دیباچہ میں تاریخ
کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس فن کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور اسکو کس
انداز سے لکھنا چاہتا ہے،

یورپ میں آج کل فن تاریخ کو استقدر ترقی ہوئی ہے کہ کبھی نہ ہوئی ہوگی، تاریخی واقعات
کے ساتھ استقدر اعتنا کیا جاتا ہے کہ ایک ایک جزئی واقعہ، اور ہر واقعہ کی ہر قسم کی جزئی خصوصیات کا
استقرار کیا جاتا ہے، لیکن اہل فلسفہ کے نزدیک یہ ایک علمی بے اعتدالی ہے، تاریخ کا مقصد اُن مقاصد
کا پتہ لگانا ہے جن سے خاص نتائج پیدا ہوتے ہیں اور جن سے علت و معلول کا اسطرح سلسلہ قائم ہوتا ہے
کہ جب اسی قسم کے واقعات پیش آئیں تو فوراً پیشین گوئی کی جاسکے کہ اسی قسم کے نتائج پیش آئیں گے
اس سے زیادہ جو کچھ ہو ویا قصہ ہی بایکار واقعات میں چنانچہ ہر برٹ اسپنسر نے تفصیل کے ساتھ

اس نکتہ کو لکھا ہے،

ہمارا فلسفی مورخ (ابن مسکویہ) بھی تاریخ کو اسی نظر سے دیکھتا ہے، وہ دیباچہ میں لکھتا ہے،

انی لما تصفحت اخبار الامم وسيل الملوك
وقرعت اخبار البلدان وكتب التواريخ
وجدت فيها ما يستفاد منه تجربة في
امور لا تزال تتكرر مثلها ويتطوحد
مثلها - فان امور الدنيا متشابهة
واحوالها مناسبة -
اور میں نے جب قوموں کے حالات اور سلاطین کے تذکرے بخور
دیکھے اور شہروں کے حالات اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں تو میں نے
ان میں ہمارے بائیں چین کے امور کے متعلق تجربہ حاصل ہوا ہے
جسے ہر حال میں اوقات عموماً پیش آیا کرتے ہیں اور ان کے پیش آنے کو
توقع ہوتی ہے کیونکہ دنیا کے اوقات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں
اور ایک اوقات میں باہم مناسب ہے،

اس کے بعد لکھتا ہے،

وجدت هذا النمط من الاخبار معمورا
بالاخبار التي تجرى مجرى الاسمارو
الخرافات التي لا فائدة فيها غير استجلاب
النوم بها والاستمتاع بأشئ مستطوف منها -
اور میں نے دیکھا کہ اس قسم کے واقعات ان باتوں کے ساتھ رل
گئے ہیں جو محض قصہ درخانات کے کام کے ہیں جن سے بھر
اس کے کہی نامہ نہیں کہ ان کے سننے سے فائدہ آتی ہے بلکہ ان کے
اعوجہ زائد واقعات سے طعن آتا ہے،

ابن مسکویہ نے اس کا سخت افسوس کیا ہے کہ تاریخ کا فن اپنے اصلی مرکز سے ہٹ گیا ہے
اور لوگوں کی توجہ عموماً ان واقعات کی طرف ہے جو محض معلول کے سلسلہ قائم کرنے میں کچھ مدد نہیں دیتے
اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو نتیجہ انجیز واقعات تھے ان کی طرف خاص نگاہ نہیں پڑتی، اور وہ بھی انھیں عام اور بے نتیجہ
واقعات میں شامل ہو کر بیکار ہو جاتے ہیں "چنانچہ لکھتا ہے،

حق ضاع بينها وبتده في اثنا بها فبطل
الاتفاع بها ولا يرتصل لسمعه وقاريه
یہا تک کہ اصل واقعات ان لغو واقعات میں لک کر رہ گئے
اور اس لیے ان سے فائدہ اٹھانا نہیں سکا اور نہ ہی اس سے فائدہ

انصلا یسربط بعضہ بعضا۔

ان واقعات میں ایسا سلسلہ نہیں ملتا جس سے تمام واقعات،
ایک دوسرے سے مربوط ہو جائیں،

اسکے بعد لکھتا ہے،

فلن لا یجمع هذا الکتاب و اکثر الناس
انتفاعا به و اکبرهم حظا منه و لو فهم قسما من
الدنیا کا لو زوا و اصحاب الجیوش سوا سالدان
اسیے میں نے یہ کتاب معلوم کی، اور اس کتاب سے زیادہ تر فائدہ وہ
لوگ اٹھا سکتے ہیں جن کو دنیوی معاملات سے زیادہ تر تعلق ہے، مثلاً
وزرا اور فوجی افسر اور دہریہ ملک،

مصنف نے تمام کتاب میں اس مقصد کو پیش نظر رکھا ہے، اور جو واقعات، اس مقصد سے تعلق
نہیں رکھتے ان کو عموماً نظر انداز کرنا چاہا ہے،

اس مقصد کو اس نے اس قدر پیش نظر رکھا ہے کہ انبیاء کے حالات میں معجزات کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ
اسکے نزدیک معجزات، علت و معلول کے سلسلے سے الگ ہیں چنانچہ لکھتا ہے،

ولهذا بسبب بعینہ لم تتعرض لذكر معجزات الانبياء
صلوات الله عليهم لان اهل زماننا
لا يستفيدون منها تجوید فیما یتقبلونہ من صوم
الامکان و مما لا بدیر فیہ الا یقدرن بکلا عمارہ
اور اسی سبب میں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ذکر نہیں کیا
کیونکہ آج کل کے لوگ ان سے آئندہ واقعات کی نسبت کوئی تجویز
نہیں حاصل کر سکتے، البتہ وہ واقعات میں نے لکھے ہیں جو دنیا سے
انسانی تہذیب کی حیثیت سے وقوع میں آئے ہیں جنہیں معجزہ کی حد تک نہیں پہنچتا

(۲) ایران کی تاریخ میں، دور از کار واقعات کثرت سے ہیں، اور فرووسی کی شاعریوں کی مدد سے
نے تو تاریخ کو ناول بنا دیا، ابن سکویہ ان وہمی افسانوں کی نسبت ہر گز تصریحات کرتا جاتا ہے کہ ایرانوں کی
خرافات ہیں اور بعض جگہ بتاتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا، اور الفاظ کے غلط استعمال اور لوگوں کی وہم و چہمتی سے
اسکی صورت بدل گئی، مثلاً ایک موقع پر لکھتا ہے،

ظفر من ههنا خرافات و متزعمان | اور ایرانی اس موقع پر بہت خرافات بیان کرتے ہیں، اور خیال

ان الشیاطین کانت مسخرة لکلیہ اوس۔ کرتہ بن کر شیاطین کیا اس کے مسخرے،

ضحاک کی نسبت تمام ایران اریخون بن مذکور کہ اسکے کاشے پر دوساںپ تھے جنکی غذا

اودی کا درغ تھا، ابن مسکویہ اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہے،

وکان علی منکبہ سلسلعتان حیدر کھما اور اُس کے شان پر دو درختے جو کہ جب پاتا تھا، حرکت

الاشیاء کما یجری علیہ وہ فاذن فی انہما حیثان دیکھتا تھا جس طرح اپنے اذن کو حرکت دیکھتا تھا، ضحاک نے

تھویرا علی ضعفاء الناس و اذنیائهم ظاہر کیا کہ وہ دونوں سانپ ہیں جس سے اسکا مقصد عوام اور

وکان یسخرہما بشیابہ۔ احمقوں کو مڑو بکرتا تھا، اور وہ ان کو راستہ اندر چھانکھتا تھا

طہورث کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ شیطان اور جن اسکے مسخرے اور اُس کے یہاں عمارت

غیرہ کا کام کرتے تھے، ابن مسکویہ اس واقعہ کی حقیقت اس طرح ظاہر کرتا ہے،

وطلب الدعار و نفی الشیاطین اھنی کا شراہ اسنے برین لگوں کو بلایا اور شیاطین نے بے ہوشوں کو کھستے کھال دیا

والرسم من غلبہ من اھل الفساد و الشیاطین کا عمل اور اس نے منہ دیا اور شیطانوں کو سخت کا سون پرانہ لگا

الصعۃ و اذلھم بقطع الجھار و العنود من الجبال اور ان کو سنگ تاشی کے کام پر لگایا،

(۳) ایران کے اکثر چین بعض چیزیں ایسی تھیں جو دنیا کی بہترین یادگار سمجھی جاتی تھیں، مثلاً

نوشیر و ان کا کا نامہ جو خود لے لکھا تھا یا اردو شیر کا عہد نامہ جو مورخین عرب منجمد ان

چار کتابوں کے شمار کرتے ہیں جو بے مثل تسلیم کی گئی ہیں ابن مسکویہ نے ان چیزوں کی پوری تہذیب

کی یہ چنانچہ ان دونوں کا ایک ایک حزن (عربی ترجمہ کے ذریعہ سے) نقل کیا ہے، نوشیر ان کا ایک

جملے تمام امر اور خواص عوام کے مجمع میں دیا تھا اور حسین انتظامات ملی کے تمام نکتے بتائے ہیں

اسکا بھی پورا ترجمہ کیا ہے

(۴) ابن مسکویہ نے اکثر اوقات شاہ نامہ کے خلاف لکھے ہیں اور اکثر ان واقعات کا مکرر

فکر نہیں کیا ہر جو شاہ نامہ کے مشہور معرکے میں، مثلاً رستم و سہراب کی داستان، رستم و اسفندیار کی جنگ،
سینہ و خیمہ کا واقعہ، شاہ نامہ میں لکھا ہر کہ گیناؤں کو شاہ باؤندران نے گرفتار کر لیا تھا، لیکن ابن مسکویہ
نے اس واقعہ کے بجائے لکھا ہر کہ گیناؤں جب میں پر عطا اور ہوا تو والاہ غار بادشاہ میں نے اسکو شکست
دی اور ایک کنوئین میں قید کر دیا، بالآخر رستم گیا اور اسکو چھڑا لایا،

ان واقعات کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ابن مسکویہ اور فردوسی دونوں میں سے کس کا بیان
صحیح ہے، لیکن مجھ سے پوچھا جائے تو میں فردوسی کو ایران کی تاریخ کا زیادہ حق دار سمجھتا ہوں،

(۵) ابن مسکویہ کی کتاب میں بڑا نقص ہے کہ آنحضرتؐ، اور خلفائے راشدین کے حالات
نہایت نامام اور جستہ جستہ لکھے ہیں، اور اسکی معذرت یہ کہ ہر کہ میری کتاب کا مقصد، ایسے حالات بیان
کرنا ہے جو ظاہری باب سے تعلق رکھتے ہوں اور جن سے قواعد کلیہ قائم ہو سکیں، لیکن خلفائے فتوحات
محض تائید الہی ہیں، ان کو سلسلہ علت و معلول سے تعلق نہیں ابن مسکویہ کے خاص الفاظ یہ ہیں،

والمجد فی ثلاث الخواب والوقعات مع عظمتها
وشدتها مومن حيلة ولا موقع تدبير يتفاد منه
بقوة الايسر ماسند ذكره و باقية كل جهاد من
القوم ونصر من الله واجتهاد من المسلمين
وكان شرطان اول الكتاب الاثبت من الاخبار
الما فيه تدبير نافع في المستقبل الخ۔
میں نے ان لواہیوں میں باوجود اسکے کہ وہ عظیم الشان اور سخت
لڑائیاں ہیں کوئی سیدھا اور تدبیر کی بات نہیں پائی جس سے کوئی تجویز
پیدا ہو جو چند مختصر واقعات کے جنگوں میں آگے نہ کر دے گا، اور یہ تمام
لڑائیاں، لڑائیاں نہیں، بلکہ قوم کا جہاد اور خدا کی تائید ہیں، اور ہم
ابتداء کتاب میں شواہد رکھے ہیں کہ مرتبہ وہ واقعات لکھیں گے جن سے
آئندہ واقعات میں کوئی تہمید حاصل ہو،

لیکن یہ کس قدر غلط خیال ہے، بے شبہ عہد نبوت، اور خلافت کے واقعات تائید الہی ہیں لیکن کون
کہہ سکتا ہے کہ سلسلہ اسباب سے الگ ہیں، جو چاہی، جو غلوں، جو جوش، جو راست کرداری، جو عدل
و انصاف، جو حق پرستی، ان معرکوں میں مرتب کی گئی، جب کبھی صرف کیجا نیگی بعینہ یہی نتیجہ ظاہر ہوئے

اگر ان لڑائیوں میں اسباب و علل کو دخل نہ ہوتا، تو جنگ اُحد میں شکست کیوں ہوتی؟ حنین میں اکثر لوگوں کے پاؤں کیوں اکٹھے جاتے؟ واقعہ جسرین ہزاروں مسلمان کیوں شہید ہوتے؟ واقعہ یرموک میں مسلمانوں کو مفتوحہ مقامات سے ہٹ آنا کیوں پڑتا،

خدا نے فرمایا اور سچ فرمایا انا کل شیء خلقناہ بقدرہ۔

شبلی نعمانی

۲ جون ۱۹۷۷ء - اردو کلکتہ

سود

اور

صحف انبیاء

سود جسکو انگریزی میں انگریٹ کہتے ہیں عرب اسکو رباکتہ میں عربی میں بکے معنی زیادتی اور اضافہ کہتے ہیں اسی بنا پر بیس قرض کے اصل اس المال سے جو زیادہ وصول کیا جائے اسکو رباکتہ میں جواز سود کی کوشش جن اسلام کے ایک نادان و دھوکے بازی مفسد کی طرف سے کی گئی تھی جو کہ قرآن اہل میں چونکہ قرآن مجید پر اہل تھا اسلئے مسلمانوں نے جگہ رباکتہ پر باطل اور زور اصلی انکار کیا تھا جو ماسی مصدر ربوہ کے مشتق ہے جسکے معنی چھیننا اور بھینٹنے کے ہیں اس بنا پر اصل قرآن مجید نے سود کو حرام نہیں کیا ہے جیسا عالم اسلام سمجھتے ہیں بلکہ اس مال کو حرام کیا ہے جو چھین چھین کر حاصل کیا جائے، ہم اس تحقیق کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں،

صیاد تو پھیر کن، چیرے کہ نہ خواہدہ تو فیر کن

ایک دوسرے مضمون نگار کا جواز سود پر بڑا استدلال ہے، (ادد و اخبار ج ۱ صفحہ ۱۹۷)

ہمارے ساتھ ہوا۔ مثال یہ کہ سود بہت پہلے زمانے سے تمام قوموں میں رائج ہو رہا تھا۔ قومیں کے باوجود سود
 لیتے ہیں اور اس نے ان میں ایسے گھبرائے ہوئے انبیاء اور رسول جوت ہوئے کہ کسی نے سود کو ناجائز قرار نہیں دیا یہی ہم
 ہرگز مسلمانوں کے رسول اور قومیں جیسے یہود و نصاریٰ سود حلال نہیں سمجھتے ہیں۔۔۔
 اور چونکہ ان کے مذہب نے ہر قسم کے نفع اٹھانے کی اجازت دی ہے اس لیے وہ کوشش کرتے ہیں۔

اس بنا پر سوال یہ کہ کیا وہ حقیقت گذشتہ قوموں میں ہوا نبیاء اور رسول جوت ہوئے ان میں سے کسی نے سود کو ناجائز
 قرار نہیں دیا؟ بلاشبہ سودی اور عیسائی قوموں کی موجودہ سوخواری کو دیکھ کر ایک کوتاہ نظر شخص یہی نتیجہ نکالے گا کہ گذشتہ
 انبیاء نے سود کو ناجائز نہیں قرار دیا، لیکن جب اس قدم پر نظر کھجائے کہ کسی قوم کے اعمال و افعال سے اس کے مذہبی احکام کا اندازہ نہیں
 کیا جاسکتا تو یقیناً اسکو صحیح انبیاء کی طرف توجہ کرنی پڑے گی، گو مسلمان موجودہ صحیح انبیاء کو تعریف و مسخ سے بہت کم محفوظ
 مانتے ہیں لیکن ہم اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مدت سود پر تمام کتب سادی بالاجماع متفق ہیں اور ان کے انبیاء نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے تو کیا کل
 واضح ہو جائے کہ قرآن مجید صحت سابق کی تصدیق کرتا ہے، جیسا کہ اُسے بار بار اسکا دعویٰ کیا ہے، سود کا درجہ دنیا میں اور نظر رکھنا
 ہر ایمانوں کی طرح نہایت ابتداء سے ہر اہل مصلحت کا دانی، اور فیئینشین کے بعد سب سے قدیم تمدن یونانی قوم ہونے میں سود کا رواج تھا،
 لیکن اس سے جو اخلاقی نقصانات پیدا ہوئے ہیں ان سے بھی لوگ واقف تھے، یونان کا ارسطو گوئی نہ تھا لیکن قوم کا خلاصہ
 مصلح تھا اُس نے ایک عام اصول قائم کر دیا،

”Money does not produce money“

یونان کے بعد روم کا راجہ ہوا، روم میں سود کا نہایت عام رواج تھا، اور یہ کونین معلوم کہ روم میں کسی حکیم مصلح قوم نے
 اس ناجائز منافع کے مسئلے کی کوشش کی یا نہ کی، لیکن ہم اس سے واقف ہیں کہ اس ظالمانہ طریق معاش سے ہر جانوں کے سوا اور
 تمام لوگ تھکے، مگر مفتوحہ اقوام سے چھین چھین کر خاص روم میں دولت کا بہت کچھ جمع ہو گیا تھا لیکن دار الحکومت کے
 علاوہ تمام صوبے خالی تھے، روم میں یہ ممکن تھا کہ چار یا پانچ فی صدی پر سود لیا جائے، لیکن اسی صدی میں بارہ فی صدی سے کم پر کوئی سود نہیں

لے سکتا تھا۔ اگر اس پولیٹیکل اکنامی بیان میں دیوڑھی لادو

مل سکتا تھا۔ ایسے ہاجن وید سے ادنیٰ خرچ سود پر روپہ لیتے تھے اور وہ لوگ بین گران قدر منافع پر لوگوں کو دیتے تھے، اگر قصداً
یہ کار پر اصل مع سود داکر دیتا تو ہاجن نہایت بری طرح روپہ وصول کرتے تھے،

ایشیہ کے بعض شہروں نے کسی جنگ کے موقع پر شہر میں روپہ کی ایک نئی رقم فرض لی چونکہ سالوں کے بعد شہر میں
سودا اصل سے چھ گنا زیادہ ہو گیا، ہاجنوں نے اس نقد سے روپہ وصول کرنا شروع کیا کہ جو سودا لوگوں کو اپنی اولاد میں بیچ کر روپہ
داکر دیتا تھا اس قاعدہ کے چند ہی سال کے بعد بروٹس نے جو ایک مشہور دفتری حکیم (اسٹیشنر) تھا اس نے قبر میں سلاست
کے لیے ۴۰۰ فی صدی پر ایک رقم فرض لی، کچھ مدت کے بعد جب اصل مع سود کا تقاضا کیا گیا تو شہر سلاستہ اتنی بڑی کثیر رقم داکر سکا
تو آخر قرضخواہوں نے فوجی طاقت سے سلاستہ کے پارلیمنٹ ہوس کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ اتنی تک قائم رہا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹوں نے
قورات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں جو قرضدار وقت پر سود اصل نہیں داکر سکتے تھے، قرضخواہ اگلی نما
جائداد پر قبضہ کر لیتے تھے اور انکو غلام بنالیتے تھے، ان گھنڈین بھی لوگ سودی کاروبار کرتے تھے لیکن حکومت کی طرف اسکی اجازت
نہی، گورنمنٹ نے ۱۷۷۰ء میں یہ قاعدہ جاری کیا کہ دس فی صدی تک دیا جاسکتا ہے، اڈورڈ ششم کے عہد میں یہ حکم پھر منسوخ ہو گیا
اور نتیجتاً پانچ عہد میں سودی معاملہ کو جائز کر دیا اور رفتہ رفتہ پانچ فی صدی کی شرح سود قائم ہو گئی،

اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ موجودہ ایشیائی سلطنتیں روپہ کے بیچوں میں صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر ہیں لیکن
کے سود سے کبھی نجات نہیں مل سکتی ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو کہ یورپ کے بنک بعض ایشیا کے سود پر جیتے ہیں، ہندوستان کے
اکثر اہل جاہت صرف ایسٹ انڈیا کمپنی سے کہ وہ قرضوں کا سود زمین داکر سکتے،

ان تمام مذکورہ بالا واقعات کی بنا پر شخص کہ سکتا کہ سو سے حسبِ خیال یا اس پر ہوتی ہیں جن سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں،

(۱) پولیکل انکم کی وجہ سے اسکے روپیہ عام ملک میں پھیل کر سرسبز پیدا کر کے صرف چند اشخاص میں محدود ہو جاتا ہے،

(۲) اس قوم میں کالی دسرتی کا مادہ پیدا ہوتا ہے جو کہ کچھ اسکے دھوکے میں لے کر کئی سوکھے مسکاد پر پیکر کا کام کرتا ہے،

(۳) سود سے اخلاقی حالت کو نہایت سخت نقصان پہنچتا ہے اور جنت شفقت کی روح عدم ہوجاتی ہے انسان کو مذکور

اور ستم و ستم حال ہو،

(۴) انسان بلا تحقیق و بصیرت چاہے کتنا ہی عاقل ہو، جس کی عقل پرستی و ایمان کے بغیر، اس کی ممانعت کی یہ فرمایا ہو،

لَا تَقْلَقُوا وَلَا تَحْزَنُوا ۝ | | نہ تم کسی دوسرے پر غم کرو نہ تیر کوئی دوسرا غم کرے،

ان تمام وجوہ کی بنا پر کہ جو مسکاتھا کاجس چیز سے انسانی روح کو اس قدر مدد پہنچے انبیاء علیہم السلام اپنے پیروں کی اس بارز ہمت کا کلمہ فرماتے، چنانچہ ہم تورات، زبور اور انجیل کے حوالوں کی تاب کیوں کر ہم کر لیں؟ علیہم السلام نے بھی ہمدی کی سخت ممانعت کی ہو،

تورات سے پہلے اولین کتب آسمانی (تورات، میں حضرت موسیٰ کی معرفت یہ لکھا گیا،

”اگر تو میرے لوگوں میں جس کسی کو جو تیرے کچھ فرض لے تو اس بہت نقصان کا اور اس

سود و مرگ اور اگر تو اپنے ہمسائے کے کچھ لے تو چاہے کہ تو سوئے ہوئے اُسے پہنچا دے۔“

اور اجار تین حربہ ذیل حکم دیا گیا،

”۱۔ اگر تمھارا بھائی تمھاری بیعت میں محتاج اور تیرے دست بھائے تو اس کی شکریہ کرنا خواہ وہ جی ہو خواہ ایمان

نہ کہ تیرے ساتھ زندگی بسر کرے، تو اُس سے **سود** اور نفع مت لے اور اپنے خدائے ذرا کا تیرا بھائی تھے

ساتھ زندگی بسر کرے تو اُسے **سود** اور پیر فرض مت لے، اُسے نفع کے لیے کھانا کھلا میں خدا اور تمھارا

ضامن جو تم کو زمین مصر سے نکال لایا، اگر تمھیں کھان کی زمین دن اور تمھارا خدا ہوں۔“

استثنا میں ان الفاظ میں یہ حکم دہرایا گیا،

”اور تو اپنے بھائی کو **سود** اور پیر اور **سود** طعام یا اور کوئی چیز **سود** عاریت اور فرض نہ دے

تو سدا کہ **سود** فرض نہ لے سکتا، پر اپنے بھائی کو **سود** فرض مت دے، تاکہ خداوند تیرا خدا اُس پر زمین میں

جس کا تو راہ دشمن ہونے جانا ہو جس میں کام میں تو دوست انداز ہو تجھے برکت دے دیتے۔“

لے خروج باب ۲۲ اور ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ اور ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷،

ذکورہ بالا عبارت پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت پر سوسے میں دینی سرکاریل سے سود لینا یقینی جائز تھا مگر فریق دوم دسافر سے
بنی اسرائیل سود لے سکتے تھے اگر اجار کے بعد دس ہم اور نقل کرتے ہیں دھار کا جنسی ہو یا سامان ان سے ہر قسم کے سود لینے کی ممانعت
مستحب نہیں ہے، لیکن یہودیوں نے ان احکام پر بہت کم عمل کیا، نہایت عام طریقہ سے سود لیتے تھے اور نہایت سختی سے وصول کرتے تھے
مگر وہ یہ فرض دار سود مع مل ادا کرتا تھا اسکی تمام جائیداد ضبط کر لیتے تھے، اور اس کے تمام خزانہ کو نہایت اسی غلام بنالیتے تھے چنانچہ
ان کے مانتے تھے کہ دیکھ کر تمھیں انہی سے انکو حسب ذیل عبارت میں سود لینے سے روکا۔

”اور کہنے کہتے تھے کہ ہم نے اپنے کھیتوں اور انگورستانوں کو گروہ لکھ کر دے پر قرض لیا ہے کہ بادشاہ کے لیے
مالگداری اور کرن اور ہائے جسم تو ہائے بھائیوں کے جسم میں اور ہائے بال بچہ لکھنے بال بچوں کے مانند
ہیں اور دیکھ ضرور کہ ہم اپنے بیٹے اور بیٹیاں غلامی میں ہیں اور ہماری بیٹیوں میں سے کتنی بڑیاں ہیں
ہیں اور ہم لاچار اور زیر دست ہیں کیونکہ ہمارے کھیت اور انگورستان اور لوگوں کے میں جب میں نے انکی فریاد
اور یہ باتیں سنیں تو میں بہت بخجید ہوا اور میں نے اپنے من میں بجا اور رؤسوں اور شخصوں سے بھگاڑ کیا اور
انھیں کہا تم سود و خور ہو کہ ہر ایک اپنے اپنے بھائی پر ظلم کرتے ہو اور میں نے ایک ٹی جامعہ لکھ کر بھائی
پیدا کیا..... میں بھی اور بھائی میرے اور جو ان میرے انکو نقدی اور تاج قرض چکے ہیں ہوا اور سب کسب
ہم پر قرض بخشن گئے ان کے کھیت اور ان کے باغ انگور کے اور زمینوں اور ان کے مکان اور سوان حصہ نقدی کا اور تاج او
دین اور تیل کا جو تم نے ان سے سود و خوری کر کے لیا ہے انھیں آج پھر دیجیے۔“

اس کے بعد یہودیوں میں پھر سود رائج ہوا جس سے حزقیال نبی نے ذیل کے فقرات میں یہودیوں کو روکا۔

”بلکہ اگر کوئی آدمی ٹھیکہ کا اور وہ کرتا ہے جو شریعت میں ہوا اور ٹھیکہ ہے..... اور اپنے مسو پر زمین
دیلا اور نہ نفع لیا اور اپنا ماتھا انسانی سے اٹھایا اور انسانوں کے درمیان حد جاری کیا، اور میری شریعتوں
پر چلا..... وہ یقیناً جیسے گا میرا خدا کا تائب ہو، (ترجمہ انگریزی ایڈیشن)“

اس ماجار زمار کے متعلق پھر آگے چل کر فرم ہو:

وہ اور وہ جو ان فرائض میں سے کوئی انجام نہیں دیتا..... اور سو ویرا اور نفع لیا کیا
وہ زندہ رہیگا؟ نہیں زندہ رہیگا، جسے نام پیکان کی ہیں، وہ یقیناً مر جائیگا، اسکا خون کسی گڑن
پر ہوگا، ترجمہ انگریزی حوالہ باب ۱۸-۱۱-۱۳

پھر اس پر اصحاب میں چند فقہوں کے بعد:

”جسے غیر سے اپنا ہاتھ اٹھالیا اور جسے سو ویرا اور نفع لیا بلکہ میری شریعت جاری کی او
میرے احکام پر چلا وہ اپنے باپ کے گناہ سے زمرہ کیا وہ یعنی زندہ رہیگا“ (حدود ۱۰۷)

ان منقولہ فقہوں سے بالکل صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہودیوں کے تمام انبیاء نے سو کو ناجائز قرار دیا اور اپنے صحیفوں
میں بطور حکم واجب کے اسکی مخالفت لکھ دی،

سود کے متعلق زبور میں حضرت داؤدؑ کی معرفت لکھا گیا،

”اے خدا ترے یہ مجھے میں کون رہیگا، ترے کوہ مقدس پر کون سکونت کریگا وہ جو سیدھی
چال چلتا ہو اور صدقہ کا کام کرتا ہو اور اپنے دل سے سچ بولتا ہو، وہ جو اپنی زبان سے جھوٹی باتیں نہ کہتا ہو
بہا سے بدی نہیں کرتا اور اپنے پرہیزی پر عیب نہیں لگاتا، وہ جسکی نظر میں نکما آدمی خوار ہو پر وہ انھیں جو
خدا دے دے تیرے میں عزت دیتا ہو، وہ جو اپنے ضرر پر قسم کھاتا ہو اور بدلتا نہیں، وہ جو سو ویرا کے لیے
قرض نہیں دیتا، اور گناہوں کے ستارے کے لیے رشوت نہیں لیتا، وہ جو یہ کہتا ہو کبھی نہیں نیٹا“

موجودہ انجیل میں جو کچھ نصاب کے سوا احکام گویا بالکل نہیں ہیں ایسے سود کی حرمت کے متعلق اسیں کوئی
فرد درج نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی ایک تمثیل سے جہیں سود کا بیان آیا ہو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے عہد
میں بھی سود رائج ہو گیا تھا،

لے زبور سام ۱۱

..... اُس کے خاندان نے جواب دیکے اُس سے کہا اسے شیراز در مسکت نوکر تو نے جااگ مین

کا تباہیوں جو نہیں ہوا اور جمع کرنا ہوں جو نہیں چھٹیا، پس تجھے مناسب تھا کہ میرا نقد صرفانوں کو دیتا

کہ میں آجے سود سمیت پانادستی باب ۲۵ در ۲۶ و ۲۷

لیکن پولوس (پال) کے خطوط سے جو عیسائوں کے نزدیک تقریباً اخیل کا درجہ رکھتے ہیں، سود کی حرمت ثابت ہوتی ہے

پولوس نے تھائوس (ٹیوٹھی) کے نام پر پہلا خط لکھا ہے اُس میں حسب ذیل فقرہ ہے،

”اسی طرح مددگار بھی معتبر ہو مین نہ کہ در زبان یا شرابی، یا مار و النفع لینے والے۔“

تورات و زبور اور پال کے اس حکم کی بنا پر عیسائی بھی سود کو ناجائز سمجھتے ہیں، عیسائیوں کے لاہوت ادبی

(فقہ) نے سود کی حلت و حرمت کی حسب ذیل تشریح کی ہے،

نقرے سے، لینا یا اُس قسم کے مال پر سود لینا جو بعینہ استعمال کیا جاتا ہے اور وہ پہلے ہی استعمال سے صرف ہو جائے

(مثلاً آٹا، قطعاً حرام ہے نیز اب ثروت سے اگر قصداً انصاف سے زیادہ سود لیا جائے تو وہ بھی حرام ہے لیکن مندرجہ ذیل پنج صورتیں

حرمت ربائے مستثنیٰ ہیں، گویا ان مستثنیٰ صورتوں کا بیان ملائے لاہوت کے اجتہاد کے سوا کتب مقدس میں کہیں نہ کہ نہیں ہے

(۱) فرض دینے سے فرخو اور کسی خطو کا خوف ہو،

(۲) فرض میں جو مال یا گیا ہو وہ اس قسم کا ہو کہ فرخو اُس کو اپنے پاس رکھ کر کسی فائدہ میں لے سکتا تھا

(۳) اصل اس المال (فرض) کے ڈوب جانے کا خوف ہو،

(۴) وقت معین پر قرضدار روپیہ نہ ادا کرے،

(۵) ملکی قانون کی بنا پر سود کی کوئی ایسی مقدار مقرر کر دی جائے جو قصداً انصاف سے خارج ہو،

تین پہلی مستثنیٰ صورتوں پر تمام ملائے لاہوت کا اتفاق ہے، لیکن چوتھی اور پانچویں صورتوں میں بعض حکما

لاہوت نے اختلاف کیا لیکن فتویٰ اکثریت اسے برہم ہوا،

قرآن مجید عرب میں یہودی توہین کثرت آباد تھیں اردو نہایت عام طریقہ سے سودیتی تھیں جیسا کہ اس کے غامض ہونا

جو لوگ یہودی ہیں ان پر جو اسکے کہہ ظلم کرتے ہیں اور خدا کے راستے سے لوگوں کو ہٹ دکتے ہیں اور سود لیتے ہیں میں نے ان کے لیے وہ پاک چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں حرام کر دیں حالانکہ وہ اس سے روک گئے تھے،

يَتْلُوهُمُ الَّذِينَ هَادُوا حَزَمْنَا عَلَيْهِمُ
حَظِيكَ اُحْلَتْ لَهُمْ وَبَصَدْتَهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
كَثِيرًا وَاَخَذْنَاهُمُ اسْتَرْبُوا وَكَذَّبُوهُ
عَمَّا نُكَلِّمُ (پارہ ۶، سورہ نسا، رکوع ۲۴)

یہودیوں کے اثر سے عرب میں بھی سود کا رواج پیدا ہو گیا تھا چنانچہ حضرت عباس بن عبد المطلب اس قسم کا سود کیا کرتے تھے جب یہ لوگ ایمان لائے تو ان آیتوں میں خدا نے اس ناجائز منافع سے روکا،

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اُس شخص کی طرح
اٹھیں گے جسکو شیطان نے جنون سے غیبت کر دیا ہو اور یا اس لیے
کہ انھوں نے کہا کہ بیع بھی رہا یہی کسٹل ہے اور خدا نے بیع کو
جائز کیا اور سود کو حرام کیا، تو جسکو خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ
(سود سے) روک گیا اسکو صرف اس المال لینا چاہیے،

الَّذِينَ يَكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ اَلَا كَمَا يَقُومُ
الَّذِي يَخْضِبُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكِ بَانُهُمْ
قَالُوا اِنَّا الْبَرِيَّةُ مِثْلَ الرِّبَا وَاَحْلَاهُ اللَّهُ السَّيْعِ
وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ
فَاتَّهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ (پارہ ۳، سورہ بقرہ)

سورہ بقرہ میں پھر دوسری جگہ ارشاد ہوا،
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا
اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَاْذَنْوْا بِعَرْبِ
مِنْ اِهْ وَرَسُولُهُ وَاِنْ تَبْتَدُّوا فَلَکُمْ رُءُوسُ
اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ -

مسلمانو! لوگوں کے ذمے تمہارا جو سود باقی رہ گیا ہے اگر تم ایمان
ہو تو چھوڑ دو، اور اگر ایسا نہ کرو، تو خدا اور رسول سے جنگ کے لیے
تیار ہو جاؤ اور اگر تم بار آور تو صرف اس المال تمہارا سود تمہاری
ظلم کرو اور تم پر کوئی ظلم کرے،

جو لوگ اصل اس المال سے دوگنا اور چوگنا سود وصول کرتے تھے انکی شان میں یہ آیت نازل ہوئی،

والذين آمنوا والآلاف الذين آمنوا

مسلمانوں! دو گونہ سہ گونہ سود نہ کھاؤ، اور خدا سے ڈرو

ماہنامہ شریعت و فطرت (یاروہہ - آل عمران رکوع ۱۴)

تہا کہ تم کا عیاب ہو،

اگر لوگ اس خیال سے سودیتے ہیں کہ ملکی دولت و ثروت میں اضافہ ہو لیکن خدا کے نزدیک کھیت، طہارت اور روحانیت کے اس میں کچھ ترقی نہیں ہوتی تو جیسا کہ اس آیت پاک کا معنی ہے،

وما انتقم من ربا ليربوا في اموال الناس

جو تم نے سو ڈیا کہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھتا ہے تو وہ خدا

قلوبہم واعند اللہ (پارہ ۲۱ - سورہ روم رکوع ۴)

کے نزدیک نہیں بڑھتا،

تصريحات بالا سے آتا ہے شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہودی، عیسائی، مسلمان اور بعض دیگر قرون میں فقہانہ مودھام کو روکا

پیڈیمان

اسلامی غزوات

از احمد کی ماں

اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی جنگی مہمات اس امر کا ثبوت ہیں کہ اسلام نے محض تلوار کے
سایہ میں اشاعت پائی ہے، لیکن ہر ایک نفع نگر شخص ان اڑائیوں کی صحیح تاریخ پڑھنے سے معلوم کر سکتا ہے کہ ان تمام غزوات اور فتوحات
کا اصل سبب اشاعت اسلام کا جوش نہ تھا بلکہ ان سے غرض محض انصاف یا انتقام یا مسلمانوں کے جان مال کی حفاظت تھی چنانچہ
جو حسب ذیل اڑائیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانے میں ہوئیں ان کے مفصل ذیل اسباب غور کرنے سے شخص اس کی تصدیق کر سکتا ہے
(۱) غزوات قریش: یہ غزوہ تمام اڑائیاں جو مسلمانوں کو قریش سے لڑنی پڑیں ان کے متعلق یہ ظاہر ہو کہ قریش

(۱) غزوات قریش، اپنے دو نام لڑائیاں جو مسلمانوں کو قریش سے لڑنی پڑیں، پہلے قریش، ظاہر ہو کر قریش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس حد تک تکلیف دیتے تھے، مسلمانوں کو کس حد رازہ اپنی بناتے تھے، انشاء اللہ میں نے کچھ بتا دیا۔

جنگ کی وجہ انہوں نے اُنکی طرف سے جہودی تھی۔ مدینہ پر اُنکا حملہ تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ جناب رسالت کے قتل کا بار بار ارادہ کر چکے تھے۔
ایسے مجبوراً مسلمانوں کو قریش کے قابضے میں تیار دیکھائی پڑی،

(۲) غزوہ بنی قنیقاع، بنو قنیقاع مدینہ کے یہودی تھے، مسلمانوں میں اور مدینہ کے یہودیوں میں معاہدہ تھا یہودیوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا، ایک انصاری شریف اُن کی ہتھکڑی کی، ایسے بنو قنیقاع کی تادیب ضروری تھی،

(۳) غزوہ بنی غطفان، جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ بنو غطفان اور غطفان، دشمنوں معاہدہ کی باختمی میں مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، تو مسلمانوں نے اُنکی تادیب مناسب سمجھی،

(۴) بنو حنظلہ بن ثابت، انصاری، حنظلہ بن ثابت نے پیچھے مسلمانوں کے ساتھ نہ کیا تھا،

(۵) بنو نضیر بن عمر، بنو نضیر بن عمر کی ایک جماعت تھی جسکو عام بن الک اپنے ساتھ اپنی قوم میں ایسے لایا تھا کہ وہ اس جماعت کی تعلیم و ہدایت سے اسلام لائے، لیکن اُن کے گھار قوم نے مسلمانوں کی اس طویل جماعت پر حملہ کر دیا مسلمانوں نے جنگ حفاظت کی اور ایک ایک کر کے شہید ہوئے،

(۶) غزوہ بنی نضیر، بنو نضیر مدینہ کے یہودی تھے جنہوں نے خلافت عہد کیا تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ہتھکڑیاں پہنائیں، ایسے مسلمانوں نے اُنکو اسکی سزا دی،

(۷) غزوہ دومتہ الجندل، دومتہ الجندل ایک مقام کا نام ہے، جب مسلمانوں کو یہ حال معلوم ہوا کہ مقام دومتہ الجندل میں دہقان عربوں کی ایک جماعت ہے جو مسافروں کو لوٹتی ہے، اُنکا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنا ہے تو مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا،

(۸) غزوہ بنی مصطلق، بنو مصطلق نے حدیبیہ کی طرف قریش کی امداد کی تھی اور اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مدینہ پر بھی حملہ کر لیا تھا،

(۹) غزوہ خندق، مسلمان اس جنگ میں اُن کفار سے لڑے تھے جنہوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا،

(۱۰) غزوہ بنی قریظہ، بنو قریظہ مدینہ کے یہودی تھے جنہوں نے خلافت معاہدہ غزوہ خندق میں دشمنوں کی مدد کی تھی،

(۱۱) غزوہ بنی لحيان، بنو لحيان نے حاصم بن ثابت اور اُنکے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا جسکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت غم دیا تھا ایسے اُنکی تادیب کے لیے یہ لڑائی ہوئی،

(۱۲) غزوۃ الغابہ، اس لڑائی کا واقعہ یہ کہ حنیفہ بن حصین چالیس سواروں کے ساتھ رسول اللہ کی دشمنان

کاہ سے لوٹ لے گیا تھا،

(۱۳) سرہ محمد بن مسلمہ، مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انکی جو مویشیان مقام ہنیفہ میں چرتی ہیں کچھ لوگ چاہتے

ہے کہ ان کو لوٹ لیجائیں،

(۱۴) سرہ زید بن حارثہ، بنو سلیم نے غزوہ خندق میں کفار کی مدد کی تھی، ایسے مسلمانوں کو انہوں نے قتل کیا تھا

(۱۵) سرہ زید بنو غلبہ نے محمد بن مسلمہ کے ساتھیوں کو قتل کر دیا تھا اس جنگ سے مسلمانوں نے اپنے انعام لیا،

(۱۶) سرہ زید بنو غزافہ نے حضرت زید کی فوج سے شرارت کی تھی ایسے انکی تادیب کی،

(۱۷) سرہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ہوازن کی ایک جماعت ان سے بالاعلان عداوت

کر رہی ہے اس لیے انکی تادیب کی گئی،

(۱۸) سرہ بشیر بن سعد، مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ عتبہ بن حصین اور بنو غطفان نے مدینہ پر حملہ

لے گا پس میں حمد کیا ہے،

(۱۹) سرہ غالب لیشی، مذکورین بنو مرہ نے بشیر بن سعد کی فوج کو چھوڑا تھا،

(۲۰) غزوہ مؤتہ، حارث بن عمر ازدی رسول اللہ کی طرف سے مامور ہو کر امیر یثرب کی کے پاس جا پہنچے، یثرب میں

نسائی نے انکو راستہ میں مار ڈالا ایسے یہ فوج کشی کی گئی،

(۲۱) سرہ عمر بن العاص، مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انشاء وادی قحی میں مجتمع ہو کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں،

(۲۲) سرہ علی بن ابی طالب، بنو سعد بن کلابی فوج بنو نجہ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے دے رہے تھے،

(۲۳) غزوہ خیبر، غزوہ خندق میں حبشین کفار نے مذہب کا محاصرہ کر لیا تھا ایمان غیر کا سبب بڑا اشارہ تھا،

(۲۴) سرہ عبداللہ بن رواحہ، ابن زرارہ یہودیوں کا سردار تھا انہوں نے تمام عرب کو مسلمانوں

کا لغت پر آمادہ کیا تھا،

(۲۵) سر عمر بن امیہ صمری، ارسفیان سے ایک شخص کو بھیجا تھا کہ رسول اللہ کو قتل کر دے۔

یہ فوج بغرض تارک بھیج گئی۔

(۲۶) جنگ عراق، رسول اللہ نے کسریٰ کو جب دعوت اسلام دی اس نے نامہ مبارک پھاڑا اور کہا:

میں اپنے گورنر کو خط لکھا کہ محمد معلوم ہے جسے کہ میں اعلان نبوت کیا ہے اگر اذیت دے گا اس سے میرے پاس جو وہ مال ہے کسریٰ ایک خاصہ کے ساتھ کہ بھیج دیا جسے رسول اللہ کو پہنچا دیا کہ در شاہ یمن کو شہنشاہ نے یہ حکم دیا ہے کہ کسریٰ کو بھیج کر انکو گرفتار کر کے لیجائے اگر تم نے انکار کیا تو تم خود بھی برباد ہو گئے اور اپنے ساتھ اپنی قوم و ملک کو بھی برباد کر دے گا۔ کیا اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کو فارس سے اغراض کرنا چاہیے تھا؟

(۲۷) غزوہ تبوک، مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ وہ یمن نے بہت سی فوج جمع کی ہے اور ان کا قصد

ہے کہ عرب پر حملہ کریں، اور اس کے بعد کی شام، ہما، فتوحات ثلاثہ کے لیے تھیں بلکہ توسیع اقتدار کے لیے تھیں۔ مسلمانوں کو بھی خبر ہوئی تو مومن کا خطرہ (ریاست پر)۔

کیا ان افواج کے بعد بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت تک اپنے گورنروں کو بھیجا تھا کہ ان کو جو غرض تھی وہ بھیج دے۔

دول العرب عربی زبان میں ابتدائے اسلام کی ایک تاریخ جو حکمرانوں کے حالات و واقعات، جب تک عمری و برائی اور ان کی سبائشی نے

تصنیف کیا ہے اس کتاب میں تاریخ عرب قبل از اسلام، ہمزاد عرب، عرب کے پرچم و سیاح کے حالات، شاہان عرب، شہزادے، عرب و روم و عداوت

کے متعلق اربابین، ابتدائے نبوت، سوانح جناب سالک، اسباب قیام اسلام، اخلاق نبوی، زمانہ خلافت، تاریخ قرآن و احکام و عادات و عیادت

مصر و اسکا پہلا الایشن تمام ہو گیا تھا اس لیے وہ نے ہندوستان میں اسکا دوسرا الایشن شائع کیا ہے، قیمت ایک روپیہ۔

سوانح مولانا روم، بیخوش شمس علیہ السلام، انشائیہ انماں کی تصنیف، حسین آباد کی علامت اور ان کے تصنیف و تالیف پر مشتمل

مباحثہ، انکی شہرہ پر ایک بیضا تصویر پہلا الایشن، قرب ختم ہوا، انکی قیمت چار روپے، بیخوش شمس علیہ السلام، مولانا روم کی تصنیف

منہج السند

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لہندون

شذرات

خدا کا شکر ہے کہ تین سو برس کا گزرا ہوا اعلیٰ مذاق، اب کسی قدر ست ہو رہا ہے، اب مصر و شام کے لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ کس قسم کی کتابیں، علم و فن کی اصلی کتابیں ہیں، اور کون سی صرف فضول و بیکار حشاک کی صنعت گریاں ہیں، اب میرزا بہ قاضی، الماحسن کا بازار سر دھونے لگا ہے، اور قدما کی تصنیفات ان کی لبتی جاتی ہیں، ادب میں ایسی نادر تصنیفات کا سراپہ مہیا ہوتا جاتا ہے، اگر گویا جاحظ اور ابن مقفع کا دور واپس آگیا ہے، ابھی حال میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان میں سے چند کتابیں حسب ذیل ہیں، جن میں سے کتاب فن ادب کی جان ہے، لیکن ہمارے ہندوستان کے علمائین سے کسی نے ان کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔

کتاب العمدۃ ابن خلیق القیری وانی، تین روپے سات آنے قیمت ہے، اور دفتر الادب سے مل سکتی ہے۔

الکوف اللادینیہ، یعنی مجموعہ فیض اللہ مطلب مع شرح از ہروی۔ و ذیل از موافق الدین بغدادی، و کتاب

مطلب المزاج، و تباری اللغۃ للاسکانی مع شرح ابیات و کتاب الماحسن لابن درید از دی، و کتاب

میس لابن خالویہ، و کتاب الفاخر للفضل بن سلمہ و کتاب غایۃ الارباب و کتاب المقصور و الحمد و لابن ولاد

نعمی و کتاب شہاب العین مع شرح،

کتاب الامالی طسیدہ مرقی علم الہدی، یہ کتاب پہلے ایران میں چھپی تھی لیکن نہایت غلط نسخہ تھی، اب مصر میں چھپی ہے، آٹھ سو صفحوں میں ہے،
 کتاب خاص الخاص للخالصی، دو سو چالیس صفحوں میں ہے،

قدیم زمانے میں مسلمانوں نے یونان، مصر، ایران، ہندوستان کی جو کتابیں اور تصنیفات ترجمہ کیں، عموماً علوم و فنون کی کتابیں تھیں، ناول اور قصوں کو انھوں نے ہاتھ نہیں لگایا، لیکن ہمارے زمانے میں اہل قلم نے اس کی تلافی کر دی یعنی ناول، اور ڈراموں کے سوا، اور کسی چیز کی طرف اکتفا کر بھی نہ دیکھیں، یہ بین تفاوت رہا از کجاست، تا بہ کجا،

اس سلسلہ میں یہ امر کسی قدر تعجب کے قابل ہے کہ ہمارے ایک دست یعنی نثری احمد علی صاحب مرحوم نے ایک نہایت دقیق اور تصنیف کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کیا اور اس خوبی سے کیا کہ گویا اصل کتاب اردو ہی میں لکھی گئی تھی، یہ کتاب بکمل صاحب کی مہٹری آف سویلینریشن ہے جس کا ایک حصہ چھپ چکا ہے، ہمارا ہواورنشی واحد علی صاحب، اس پر آباد لکھنؤ سے مل سکتا ہے قیمت باختلاف کاغذ و جلد ۴ روپے ۶۰ و ۵ روپے ۶۰

خوشی کی بات ہے کہ وقت اولاد کی کارروائی نہایت وسعت کے ساتھ جاری ہے، ملک کے ہر حصہ سے لوگ اس تحریک کی اعانت کے لیے آمادہ ہیں، ہر ٹاک میں کثرت سے خطوط کا غلات وقت اور غارم کی طلبی میں آتے ہیں، اور ہر جگہ کثرت سے دستخط کر لئے جاتے ہیں امید ہے کہ تمام شے بڑے صلاح میں، انجمن وقت کی شاخیں قائم ہو جائیں، اور سطح کام کو اور بھی وسعت اور استحکام حاصل ہو،

دھاکہ میں مشرقی بنگال کے لیے جدید طرز پر جو عربی مدرسہ قائم کیا جا رہا ہے اس مدرسے کے
مہتمم مدرس اعلیٰ مولانا حفیظ اللہ صاحب اُسکے پروفیسر مقرر ہوئے ہیں اور وہ اسی غرض سے ایک طویل
رحلت پر دارالعلوم سے تشریف لینگے، انھوں نے ایک عرصہ دراز تک جس سکون، وقار اور خودداری
سے مدرسہ میں اپنا کام انجام دیا، اُسے تمام طلباء و مدرسین کو اُنکا گریہ و بنا لیا تھا، طلباء، مدرسین اور اساتذہ
کی طرف سے اُنکے لیے یہ جصلت مولوی محمد نسیم صاحب وکیل ایک نہایت پریشان و داعی جلسہ کیا گیا جس میں
ہیوننگ پارٹی ترتیب دی گئی اور طلباء و مدرسین دارالعلوم کی طرف نصیح عربی زبان میں مذہب کا غرپ چاندی کی
کشتی میں بایں پس پیش کیا گیا، طلباء نے عربی اور انگریزی اور بھاکھا زبانوں میں عمدہ تقریریں کیں اور مولانا
کی اس مدت کے دراز کے احسانات کا شکریہ ادا کیا، اس موقع پر لوکل ارکان کے سواراجہ نوشاد علی خان،
مولوی نظام الدین صاحب، خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم مفتی محمد یوسف صاحب نرنگی محلی وغیرہ
اکثر عائد شہر موجود تھے لوگ عربی خوان طلباء کی اس خوش اسلوبی، انتظام اور سب سے زیادہ اُنکی مختلف
محمد تقی ورن سے نہایت متاثر و متفوق ہوئے

اس جلسہ کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ مذکورہ کو جن حضرات کی شرکت کی مدت سے آرزو تھی، وہ اس جلسہ میں
شریک ہوئے اور اُنکو دارالعلوم کی تعلیم و تربیت کا چشم خود معائنہ کرنے کا موقع ملا اور دارالعلوم کی ضرورت کا اعتراف
کیا اور بخوشی مذکورہ کی ممبری قبول فرمائی چنانچہ مفتی محمد یوسف صاحب نرنگی محلی داماد مولانا عبدالحی صاحب
حرم لکھنوی نے اس جلسہ سے متاثر ہو کر سب کو حسب ذیل خط لکھا ہے:

”جناب مولانا مولوی استاذی محمد حفیظ اللہ صاحب کی رخصتی کے جلسہ میں آپ حضرات نے مجھے
بھی شرکت کا موقع دیا اور میں بھی شریک ہوا اُس روز کے جلسہ نے خصوصاً طلباء کی مختلف زبانوں میں تقریریں
نے کچھ ایسا اثر دلایا کہ خواہ مخواہ جینینی کے ساتھ یہ خواہش دلیں پیدا ہوئی کہ میں بھی حضرات کے ساتھ

شکر یک ہون یعنی دارالعلوم کی عمری کا فخر حاصل کروں اگرچہ اس وقت تک میں ایک حد تک مخالفت دارالعلوم کا نہ تھا اور نہ کوئی وجہ مخالفت کی تھی۔ کیونکہ تعلیم کی مخالفت میں ایک بے معنی سی بات ہو کر اب اس وقت یہ دل چاہتا ہو کہ ممبر ہو کر اسے فیس کے ذریعے سے کچھ مالی امداد بھی اس مفید کام میں پہنچاؤں۔۔۔۔۔
ہم مفتی صاحب موصوف کا نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں،

امید ہو کہ دارالعلوم میں ادبِ اول کے عہدہ پر مولوی محمد فاروق صاحب چریا کوٹی کا تقرر ہو گا، ہندوستان میں مولانا علم ادب کے مسلم الثبوت استاد ہیں،

صحابہ کی تعداد و طبقات ایت

لفظ صحابہ، صحابہ کی تعداد و طبقات پر غور کرنے سے پہلے ہمارے اسکی تحقیق کرنی چاہیے کہ صحابی کیسے کہتے ہیں؟ عام خیال یہ ہے کہ جس مسلمان نے رسول اللہ پر ایک نظر بھی ڈال لی وہ صحابی ہو، علامہ ابو مظفر رحمانی مروزی نے عام محدثین کی اصطلاح یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ سے ایک لفظ بھی سننے یا روایت کرے وہ صحابی ہے بعض محدثین نے تو یہاں تک فیاضی کی ہے کہ جو رسول اللہ کو خواب میں بھی دیکھ لے وہ بھی صحابی ہے، غالباً انکے استدلال کی عمارت اس حدیث پر قائم ہے کہ میں دانی فقد دانی اللہ حسنہ مجھ کو خواب میں بھی دیکھا ہے مجھ کو دیکھ لیا اور جس نے رسول اللہ کو دیکھ لیا اسکے صحابی ہونے میں کیا عذر ہو، لیکن یہ کس قدر ضیعت استدلال ہے، اول تو یہ حدیث خود محتاج صحت ہے، دوسرے پوری حدیث کے ماننے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کا مطلب صحیح ہمارے مطلب سے کس قدر دور ہے،

سعید بن المسیب جو ایک بڑے جلیل القدر تابعی ہیں مانگی لے ہے کہ صحابی وہ ہے جس کا ایک ایک سال رسول اللہ کی صحبت اٹھائی ہو اور ایک دلائل میں رسول اللہ کے ساتھ ہو، لیکن اس

حضرت جریر بن عبداللہ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکو نہ رسول اللہ کے ساتھ ایک سال رہنے کا موقع ملا نہ کسی غزوہ میں شریک ہونے کا حالانکہ عام طور سے انکا صحابہ میں شمار ہر عام اصولی میں صحابی ہونے کے لئے ہر ایک امت تک رسول اللہ کی شرف صحبت مستفیض ہوا ہو۔

ہمارے خیال میں ہر کو اس مسئلہ میں زیادہ کاوش کی حاجت نہیں صحابی کوئی علمی صلاح نہیں ہو، جسکے فیصلے کے لئے ائمہ فن کے اقوال کی ضرورت ہو، یہ عربی علم ادب کا ایک لفظ ہے جسکی تشریح کے لئے وقت کی شہادتیں کافی ہیں عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی لفظ کسی جمعیت کے معنی کو شامل ہوتا ہو اور اس جمعیت کے اسکا ایک فرد داخل ہوتا ہو تو اس لفظ کے آخر سے زائد الفاظ حذف کر کے (اگر ہوں) یا بڑھا دیتے ہیں یہ مادہ اصل یا نسبت ہوتی ہو جس سے یہ بتا یا مقصود ہوتا ہے کہ یہ فرد بھی اسی جماعت کے طبقہ منسوب ہو انسان اور جن، عربی میں کسی ایک خاص انسان یا جن کو نہیں کہتے، بلکہ نوع انسان اور نوع جن کے مقابلہ میں یہ لفظ مستقل ہیں ان الفاظ سے جب کوئی ایک انسان یا جن مقصود ہوگا، تو انسی اور جنی کہیں گے خارجی، قسیمی، ہنسی، شافعی، حنفی، صحابی، اعرابی، یہ تمام الفاظ اسی قسم کے ہیں،

غواہ ایک جماعت کو کہتے ہیں مذکورہ لفظ قواعد کی بنا پر اس جماعت کے ہر ایک ممبر کو صحابی کہیں گے اور لفظ صحابہ صحبت سے مشتق ہوا سیلے اتنا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صحابی صرف اسی شخص کو کہہ سکیں گے جسے رسول اللہ کی صحبت اٹھائی ہو، اس صحبت کی کوئی مدت متعین نہیں کیا جاسکتی، اس معنی کی تائید حضرت انس کے ذیل کے قول سے بھی ہوتی ہے:

حضرت انس سے ایک شخص نے پوچھا کہ اب کوئی صحابی باقی ہے یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ دیہات کے چند اعرابی البتہ باقی ہیں جنھوں نے رسول اللہ کی زیارت کی ہے لیکن اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے جسے رسول اللہ کی صحبت اٹھائی ہو۔

صحابہ کی تعداد رسول اللہ کے زمانے میں کتنے لوگ مسلمان ہوئے اور صحابہ کی کیا تعداد تھی دکنے پنچاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سنی اور انکی رعایت کی ؟ اسکا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا،

ابو زرہ عمیرہ تیسری صدی کے محدث ہیں انکا بیان ہے کہ رسول اللہ کے انتقال کے وقت قریباً ایک لاکھ
چودہ ہزار صحابہ ایسے تھے جنھوں نے رسول اللہ سے حدیثیں سنی تھیں لیکن یہ بالکل مبالغہ ہے رسول اللہ
کے زمانے میں مسلمانوں کا سب سے بڑا مجمع غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع میں ہوا ورنہ دونوں تھوڑے صحابہ کی تعداد
اس سے کہیں تھی علامہ ابن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ نے لکھا ہے کہ تبوک کی لڑائی میں ستر ہزار صحابہ رسول اللہ
کے ساتھ تھے حجۃ الوداع میں جسکے ایک سال کے بعد رسول اللہ نے انتقال فرمایا اور جس میں تمام مسلمانوں
کے جمع ہونے کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا تھا، چالیس ہزار مسلمان تھے، علامہ عبد الرحیم اثیری نے
الغنیۃ میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد چار ہزار لوگ اور مسلمان ہوئے، اس لحاظ سے رسول اللہ کے انتقال
کے وقت پچھتر ہزار سے زیادہ مسلمان نہ تھے، امام شافعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ کا جب انتقال ہوا تو
ساتھ ہزار مسلمان تھے، تیس ہزار خاص مدینہ میں تھے اور تیس ہزار مدینہ سے باہر اور مقامات میں ملے تھے
حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بڑے بڑے امیر کہ جو وہاں آئیں بینا تیس ہزار سے زیادہ مسلمان تھے، تاہم صحابہ
کی کثرت کا اس سے اندازہ ہوگا کہ ابن سعد، ابن مندہ، ابو موسیٰ، ابو نعیم، ابن عبد البر، ابن اثیر
نہ ہی ابن حجر وغیرہ نے متعدد ضخیم جلدوں میں صحابہ کے حالات لکھے ہیں اور پھر بھی یہ کتابیں تمام صحابہ کے
حالات کی جامع نہیں ہیں بہت ایسے صحابہ ہوں گے جنھوں نے رسول اللہ ہی کے سامنے وفات پائی ہوں گی
سیکڑوں صحابہ ایسے دور دراز مقامات میں پہنچ گئے ہوں گے جنکی روایتیں ہم تک پہنچ سکی ہوں گی یہی وہ
صحابہ ایسے ہوں گے جنھوں نے بعض غیر مفید احادیث کی روایت نہ کی ہوگی، سیکڑوں ایسے ہوں گے کہ منصفین کو
انکے حالات نہیں معلوم ہوئے ہوں گے انھیں جو سے ہزاروں صحابہ کے نام ہو گئے ہوں گے اور ہزاروں

۴
تاریخین ان کے حالات سے محروم ہیں،

حاکم نیشاپوری جو ایک مشہور محدث ہے اس نے لکھا ہے کہ رسول اللہ سے چار ہزار آدمیوں نے

روایتیں کی ہیں ابن عبد البر نے استیعاب میں مین ہزار پانچ سو چالیس صحابہ کے نام لیے ہیں اسد الغابہ جو

صحابہ کے حالات میں چھٹی صدی کی ایک مبسوط تصنیف ہے، اس میں تقریباً سات ہزار پانچ سو چوبیس صحابہ کے

حالات ہیں، علامہ ذہبی کو بڑا ادعا ہے کہ مین نے تقریباً سارے صحابہ میں اسد الغابہ پر بہت صحابہ کے حالات کا

اضافہ کیا ہے وہ بھی چار ہزار دوسو سولہ تعداد زیادہ نہ بڑھا سکے، تعجب ہے امام بخاری نے اسے تصنیف میں

تعداد صحابہ سے کوئی کجبت نہیں کی،

علامہ ذہبی نے طبقات حفاظ میں جن صحابیوں کا تذکرہ کیا ہے اور جنکی نسبت یہ لکھا ہے کہ صحابہ میں

ان سے صدیقین مروی ہیں وہ صرف ایک سو پانچ صحابہ ہیں لیکن انھیں سے اور صحابہ کے نام کا اس پر اضافہ ہو سکتا ہے

پانچ سو ہم نے بہت سے نام بڑھائے ہیں، اسناد الو دواؤ و طبالیسی جو دوسری صدی کے اختتام پر تصنیف

ہوئی ہے اس میں تقریباً ڈھائی سو صحابہ سے روایتیں ہیں لیکن یہ صحابہ ایسے ہیں جو درحقیقت صحابہ ہیں، بعض

یہ وہ لوگ ہیں جن میں ہر ایک باتشنا ہے چند ہمیشہ سفر و حضر میں رسول اللہ کے ساتھ رہا اور جنگی کوشش سے

آج علم حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے پاس موجود ہے،

صحابہ کے طبقات [علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایک سو پانچ صحابیوں میں سے اٹھائیس صحابہ

ایسے ہیں جنکے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں، ان اٹھائیس صحابیوں میں سے عام حدیث میں

انکی تفصیل کے مطابق چھ صحابہ سب سے زیادہ کثیر الروایت ہیں، اور علم حدیث میں نصف سے زیادہ

صرف انھیں کی روایتیں ہیں، اور چونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس نے کم از کم چالیس حدیثیں بھی سیریامت کی

پونچائیں اس کا حشر عطا کے ساتھ ہوگا، اس لیے حدیث میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جنگی روایتیں چالیس سے کم

۱۰ تجربہ سارے صحابہ جلد اول صفحہ ۲۰۳،

جوئی وہ قلیل الروایت شمار کیے جائیں گے، اس بنا پر قلت و کثرت روایت کی حیثیت سے محدثین کے حوالہ کے چار طبقے قرار دیے ہیں۔

- (۱) اول طبقہ، یعنی وہ صحابہ جنکی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں،
 - (۲) دوسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جنکی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں،
 - (۳) تیسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جنکی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ ہیں،
 - (۴) چوتھا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جنکی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں،
- لیکن چونکہ پانچ سو سے چالیس تک کے رواۃ زیادہ ہیں، اسلئے ہم نے اسکے دو حصے کر دیے ہیں سو سے پانچ سو تک ایک طبقہ، اور چالیس سے سو تک دوسرا طبقہ، اس تفصیل کی رو سے ہم نے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیے ہیں،

- (۱) وہ صحابہ جنکی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں،
- (۲) وہ صحابہ جنکی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں مگر ہزار سے کم،
- (۳) وہ صحابہ جنکی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم،
- (۴) وہ صحابہ جنکی روایتیں چالیس یا چالیس سے زیادہ مگر سو سے کم،
- (۵) وہ صحابہ جنکی روایتیں چالیس سے کم ہیں،

عام محدثین پہلے طبقے میں صرف چھ صحابہ کو داخل کرتے ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ۔

اوپر ہم بیان کر لے ہیں کہ اتفاق عام محدثین کثیر الروایت صحابہ چھ ہیں، لیکن شاہ ولی اللہ صاحب سب کے خلاف ایک اور آراء بلند کرتے ہیں جسکو وہ جمہور محدثین کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ کثیر الروایت صحابہ آٹھ ہیں، چنانچہ از الہ النخاین لکھتے ہیں،

وصاحب رمضان الطبرسی صاحب اکثر تصانیف روایت حدیث بہرہا طبقاً

کثیرین کہ روایات ایشان ہزار حدیث فصاحداً یا زیادہ و مشہورین کہ روایات ایشان را

پانصد حدیث فصاحداً باشد مثل ابو موسی و جابر بن عبد اللہ روایات ایشان چل

حدیث باشد فصاحداً تاسع صد و پچاس حدیث و حدیث شریف آحاد است

من حفظہوا متقی الدین حنیفاً جس نے میری امت تک کا لیس حدیث پہنچائے

حشر مع العلم لو (او کما قال) وہ ملائکہ ساتھ عشرہ ہزار سطح پر بیٹھ کر پڑھیں

و تقبل کہ روایات ایشان تا چل غی رسد، جمہور محدثین گفتہ اند کہ کثیر الروایہ کہ کثیرین از

صحابہ بہت کس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے جو حدیث میں پچاس روایت

و عبید اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، و انس رضی اللہ عنہ، و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (مجموعہ ۳۱ تفصیلاً)

لیکن شاہ صاحب کا یہ ادعا محدثین کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے علامہ ابن صلاح نے لکھا ہے

عن احمد بن حنبل قال سئل من احسن النبیؐ امام ابو حنبل نے فرمایا کہ کچھ صحابہ کثیر الروایت ہیں، اور

اکثر الروایۃ عنہ عمرؓ ابو ہریرہؓ و ابن عمرؓ و عائشہؓ جنہوں نے تطویل عمر پائی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ

و جابر بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (۱۴۹) جابر رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ

علامہ عبد الرحیم اثری الفیہ عراتی میں لکھتے ہیں،

فی فتنۃ و الملک اکثر من ستۃ کثیر الروایۃ صحابہ چھ ہیں،

انس و ابن عمر الصمد یقینہ انس رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عائشہ یقینہ

البحر جابر، ابو ہریرہؓ ابن عباس رضی اللہ عنہ جابر رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

اکثرہ و البحر فی الصحیفۃ ابو ہریرہؓ سب زیادہ ہیں اور در حقیقت دریا ہیں،

علامہ مثنیٰ حنفی عائشہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں،

وحدث واحد السنة الذي هم اكثر الصحابة رواية حضرت عائشة عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم في حديثه
 لكن اصله في كل عام محدثين في حضرت ابو سعيد خدری کا نام کثیر الروایت صحابہ میں نہیں داخل کیا
 حالانکہ ابو سعید خدری کی روایات ایک ہزار سے زیادہ ہیں، شاہ صاحب عبداللہ بن عمرو بن العاص کا طبقہ
 اول میں داخل کرتے ہیں حالانکہ انکی روایتوں کی تعداد صرف سات سو ہے، ایسے کثیر الروایت صحابہ جن کا نام
 طبقہ اول میں لیا جاسکتا ہے سات ہیں، ابو ہریرہ رضی، عائشہ رضی، عبداللہ بن عمرو رضی، عبداللہ بن
 عباس رضی، جابر بن عبداللہ رضی، انس بن مالک رضی، ابو سعید خدری رضی،
 شاہ صاحب نے دوسرے طبقہ میں، براہ بن عازب رضی اور ابو موسیٰ اشعری رضی کا نام لیا ہے حالانکہ
 ان دونوں کی حدیثیں پانچ سو سے کم ہیں ایسے براہ بن عازب رضی اور ابو موسیٰ اشعری رضی دوسرے طبقہ
 میں نہیں بلکہ تیسرے طبقہ میں ہیں،

ان تمام تحقیقات کی تفصیل یہ کہ کثرت روایات کی بنا پر صحابہ کے پانچ طبقہ میں جن کے
 حسب ذیل نام و تعداد روایات کتب اسرار الرجال کی تفتیش سے ہکھوٹے ہیں،

طبقہ اول یعنی وہ صحابہ جنکی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں، اس طبقہ میں سات شخص ہیں

نمبر	نام مبارک	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام مبارک	تعداد احادیث مرویہ
(۱)	ابو ہریرہ رضی	۵۳۷۴	(۲)	عبداللہ بن عباس رضی	۲۶۶۰
(۳)	عائشہ صدیقہ رضی	۲۲۱۰	(۴)	عبداللہ بن عمرو رضی	۱۶۳۰
(۵)	جابر بن عبداللہ انصاری رضی	۱۵۴۰	(۶)	انس بن مالک انصاری رضی	۱۲۸۶
(۷)	ابو سعید خدری رضی	۱۱۷۰			

خلاصہ مزید یہ کہ ان کی صفحہ (۱۳) علامہ ذہیب رحمہ اللہ نے ایک ال صفحہ (۸) پر

محمد القازی جلد اول صفحہ (۱۱)

طبقہ دوم، یعنی وہ صحابہ کی روایتیں یا نحو یا یا نحو سے لاگت میں، اس طبقہ میں چھ ہیں

نمبر	نام مبارک	تعداد احادیث مرویہ	نمبر	نام مبارک	تعداد احادیث مرویہ
(۱)	عبد اللہ بن مسعود رضی	۸۴۸	(۲)	عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی	۷۰۰
(۳)	علی بن ابی طالب رضی	۵۸۶	(۴)	محمد بن خطاب رضی	۵۳۹

طبقہ سوم یعنی وہ صحابہ جسکے روایات سو یا سو سے زیادہ ہیں، مگر یا نحو سے کم ہیں،

اس طبقہ میں چھ ہیں صحابہ ہیں،

(۱)	ام المومنین ام سلمہ رضی	۲۷۸	(۲)	ابو موسیٰ اشعری رضی	۳۶۰
(۳)	برابر بن عازب رضی	۳۰۵	(۴)	ابو ذر غفاری رضی	۲۰۸۱
(۵)	سعد بن ابی وقاص رضی	۲۱۵	(۶)	سہل بن سعد انصاری رضی	۱۸۸
(۷)	عبادہ بن صامت رضی	۱۸۱	(۸)	ابو ذر دوزخ رضی	۱۷۹
(۹)	ابو قتادہ انصاری رضی	۱۷۰	(۱۰)	ابی بن کعب رضی	۱۶۴
(۱۱)	بہیدہ بن حبیب رضی	۱۶۴	(۱۲)	معاذ بن جبل رضی	۱۵۷
(۱۳)	ابو ایوب انصاری رضی	۱۵۰	(۱۴)	عثمان بن عفان رضی	۱۴۶
(۱۵)	جابر بن سمرہ رضی	۱۴۶	(۱۶)	ابو بکر صدیق رضی	۱۴۲
(۱۷)	مغیرہ بن شعبہ رضی	۱۳۶	(۱۸)	ابو بکرہ رضی	۱۳۶
(۱۹)	عمران بن حصین رضی	۱۳۰	(۲۰)	معاویہ بن ابی سفیان رضی	۱۳۰
(۲۱)	ثوبان بن مولیٰ النبی رضی	۱۲۷	(۲۲)	اسامہ بن زید رضی	۱۲۸
(۲۳)	نعمان بن بشیر رضی	۱۲۴	(۲۴)	سموہ بن جندب خزازی رضی	۱۲۳
(۲۵)	ابو سعید خضیب بن عمرو رضی	۱۰۲	(۲۶)	جبریل بن عبد اللہ بن ابی بکر رضی	۱۰۹

طبقه چهارم یعنی هجدهواچکنی تعداد روایت چالیس ستونک هر اس طبقه بین اشخاص بین

نمبر	نام مبارک	تعداد حدیث برویه	نمبر	نام مبارک	تعداد حدیث مرویه
(۱)	عبدالله بن ابی اوفی رض	۹۵	(۲)	زید بن ثابت رض	۹۲
(۲)	ابوطاهر زید بن سهل رض	۹۲	(۳)	زید بن ارقم رض	۹۰
(۳)	زید بن خالد جهمی رض	۸۱	(۴)	کعب بن لک سلی رض	۸۰
(۴)	رافع بن خدیج رض	۷۸	(۵)	سلمه بن اکوع	۷۷
(۵)	ابورافع قطبی رض	۶۸	(۶)	عون بن لک اشجعی رض	۶۷
(۶)	صدی بن ابی حاتم طائی رض	۶۶	(۷)	عبد الرحمن بن ابی اوفی رض	۶۵
(۷)	ام المؤمنین حمیده بنت ابی سفیان رض	۶۵	(۸)	عمار بن یاسر رض	۶۲
(۸)	سلمان فارسی رض	۶۴	(۹)	ام المؤمنین خنصه بنت عمر رض	۶۰
(۹)	جابر بن مسلم قرشی رض	۶۰	(۱۰)	اسماء بنت ابی بکر رض	۵۶
(۱۰)	فاطمه بنت اسحاق کتانی رض	۵۶	(۱۱)	عقبة بن عامر حنی رض	۵۵
(۱۱)	فضال بن عبد نصاری رض	۵۰	(۱۲)	عمرو بن عتبة رض	۴۸
(۱۲)	کعب بن عمرو انصاری رض	۴۷	(۱۳)	فضله بن عبید سلی رض	۴۶
(۱۳)	ام المؤمنین سمیه رض	۴۶	(۱۴)	اسمانی بنت ابی طالب رض	۴۶
(۱۴)	ابو جعفر بن سب سوادی رض	۴۵	(۱۵)	بلال بن رباح تمیمی رض	۴۴
(۱۵)	عبدالله بن منفل رض	۴۳	(۱۶)	مقداد بن اسد کوفی رض	۴۲
(۱۶)	ام عطیه انصاریه رض	۴۱	(۱۷)	حکیم بن جردام لندی رض	۴۰
(۱۷)	سلمه بن جعفر انصاری رض	۴۰			

تصوف

ایرانی شاعری کا عنصر عظیم تصوف ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایرانی شاعری میں جس قدر حقیقت طرازی یا گرمی تاخیر جو صرف تصوف کا اثر ہے، ایران میں شاعری، مداحی کے کوچے سے آئی، ایسے بے اثری اس کا ایک ضروری نتیجہ تھا، یہ ایک اتفاقیہ بات تھی کہ واقعہ گاری کے عالم میں فردوسی پیدا ہو گیا نہ نہ عرصہ دنیا کو رزم گاہ بنا دیا اور ایک نکتہ تک ایران کا افق سرکہ جنگ کے نعروں سے گونجا گیا، شاعرانہ جذبات کے اشتعال کا سب سے بڑا ذریعہ عشق و محبت ہے لیکن ایران میں ابتدائی شاعری کے تین سو برس بعد ہی کے دہانے تک، عشق کا نام ہی نام تھا شعرا، ذوالفرض شاعری کی حیثیت سے اس سہ سے کہا جاتا ہے تھے، دل میں کچھ دھوا تھا، دفعۃً تصوف نے اگر ایک آگ لگا دی جسکی شرفشانیاں دودھ تک پہنچیں اور آج شاعری میں جو سوز و گداز اور آتش انگیزی ہے، سب اسی کا صدقہ ہے، اس بنا پر شاعری کی تاریخ میں تصوف سب پر مقدم ہے، اور ایسے اس مضمون کو سب سے زیادہ پھیلا کر لکھنا چاہیے،

صوفیانہ شاعری کی اجمالی تاریخ

غالباً صوفیانہ خیالات کو سب سے پہلے جس نے شاعری سے آشنا کیا وہ حضرت سلطان ابو سعید ابوالخیر بن جوشی بطلی سینا کے معاصر تھے، وہ فطرتاً شاعر تھے، اسکے ساتھ تصوف نے نہ صرف محبت و رشتہ کر دیا تھا، وہی اشعار بن کر زبان سے نکلے، کلام کا نمونہ ہے،

راہ تو بہرست دم گویند خوش است وصل تو بہر سبب کہ جویند خوش است
رے تو بہر دیدہ کہ شد نکوست نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

ایک شعر کا نام ہے

خاغل کشته عشق چاهل ترا دوست
این کشته دشمن ست و آن کشته دوست

خانری به ره شهادت باندنگ پوست
در روز قیامت این به آن کے منشا

جز محنت و درد تو نہ جوید ہرگز
تا مہر کے دگر نہ روید ہرگز

دل بزرہ عشق تو نہ پوید ہرگز
صحرای دلم عشق تو شورستان کرو

در بزم وصال خود مرا جادادی
عاشق کردی و سر بسجود ادا دی

در کوئے خود منزل وادای دادی
القصہ بعد کز شہد و ناز مرا

بر ہم زخم ارسود و زبان منہ رانی
بر خیزم اگر از سر جان منہ رانی

بر دارم دل گرا از جهان منہ رانی
بنشینم اگر بر سر آتش گوئی

سرفتنہ بر بزم و بادہ نخیم کردے
باز بچہ کو دکان کویم کردے

لا اہر بودم ترا نہ گویم کردے
سجادہ نشین باد قاعے بودم

خسار نگار چارہ سالہ پرست
خورشید پرست شونہ کو سالہ پرست

لے بر ہمیں آں طارض چون لالہ پرست
گر خیم خصلے بین نہ داری بارے

راہان عیدہ جوی تہ عوی ترسم

پیوستہ از ان سلسلہ موسی ترسم

ترسیدن ہر گز ہست از چشم بدست بیچارہ من از چشم گوی برستم

شب خیز کہ عاشقان بشب را کنند گرد سب کوے یار پروا دکنند
ہر جا کہے بود بہ شب در بندہ الا در عاشقان کہ شب باز دکنند
ان اشعار کو مختلف حقیقوں سے دیکھو۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہی اشعار عشقیہ شاعری کے مایہ نغیر ہیں، عشق کا نام نہ
سے لیتے آتے تھے، لیکن چونکہ دل میں کچھ نہ تھا، ایسے شاعری بانگ بے اثر تھی سلطان ابوسعید عشق حقیقی
کے نقشہ میں چور تھا ایسے ایک ایک لفظ سے اثر ٹپکتا ہی رہی مہولی تھا جسے سعدی خسرو، اور حسن کے
زمانے میں غزل کی صورتیں پیدا کیں۔

اس وقت تک تصوف میں سے صرف عشق و محبت کا سراپہ شاعری کو ملا تھا، حکیم سنائی نے
تصوف کے بقیہ تمام مراتب لیے اور شاعری میں داخل کیے حدیقہ ایک مستقل منظوم تصوف میں لکھی اور
اور اکثر قصائد میں بھی یہی خیالات ہیں۔

حکیم سنائی نے یہ مذاق عام کر دیا اور ان کے بہت سے اتباع اور پیرو پیدا ہو گئے اسی زمانے
کے قریب اوصالدین کرمانی جنھوں نے سنائی کے مرنے کے بعد گیارہ برس بعد ۳۳۵ھ ہجری میں دفات
پائی مصلح الارواح نام ایک منظوم تصوف میں لکھی، اس میں بہت سے اسرار اور حقائق بیان کیے
زبان نہایت صاف اور شیریں اور بجز نہایت موردن اور دلاویز کلام اور غالباً پہلی منظوم ہر جسمین و زوج حجت
کوثر و طوبیٰ حور و عثمان، آدم و شیطان وغیرہ کی حقیقت، معتقدات عام کے خلاف بیان کی ہر چنانچہ کہتے ہیں

آدم ذم روح بردبارست	ابلیس دل ستیز کارست
تین مار تہ جان بہشت تلبیس	گفتند نہ کردہ سجدہ ابلیس

آدم نہ بلیس، جان و دل دید
 ابلیس را آدم آب و گل دید
 اورا نگل و خاک تیر و پنداشت
 مغفیش کہ نور بود بگذاشت
 در آئینہ عکس خویش تن دید
 نور دل و جان نہ میا تن دید
 چون دور زد دولت خرد بود
 پنداشت کہ آدم هست، خود بود
 چون دور عزت دل دور بین بود
 در مہتی خویش تن لعین بود
 آدم زد و چپہ شد مصور
 ابلیس یکے ست رزان و دو گوہر
 تا ہست تن تو، ہست ابلیس
 اندر رگ تو چو خون بہ تبلیس
 گرمی جوئی را دیو پر ہمیز
 لاجول کن ز خویش بگریز
 نفس امارہ، نفس مطمئنہ، نفس مضیہ، ان سب کے حقائق اور مقامات بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ عارف کیونکر ان منزلوں کو طے کرتا ہے اور پھر کس طرح مقام فنا میں پہنچ جاتا ہے چنانچہ خاتمہ کا بند یہ ہے،

پس ہش یقین کہ نسبت واحد
 موجود حقیقیہ سوے اللہ
 اوحدا الدین کرمانی سے جن لوگوں نے فیض اٹھایا، ان میں اوحدی کرمانی بھی تھے انھوں نے حدیقہ کے طرز پر جامِ جم شہور مشنوی ابو سعید خان کے نام پر لکھی خیالات وہی حدیقہ کے ہیں لیکن زبان زیادہ صاف ہے، نمونہ یہ ہے،

باشدار عشق، قوت مردان
 آب و نان چیت و قوت بیدان
 اصل نزدیک واصل در یکے ست
 ما ہمہ سایہ ایم، نور یکے ست
 با دآن ہا کہ پیش انور اند
 از حقیقت چو سایہ مجور اند
 چون نہاد تو آسمانی شد
 صورت سر بر معانی شد
 نامہ ایزدی تو سر بستہ
 باد کن، پسند نامہ بستہ

غوثیتن رائی شناسی سے در بے بس محکم کسی اچھی سے
صنع را برترین نمونہ توئی خطا بچون و بے چگونہ توئی
بیش ازین گرد و حرت بر خوانی ترست بے چہ کہ سبحانی

دیوان بھی تہا ستر تصوف سے بھرا ہوا ہے یہ مشہور شعر انھیں کا ہے،

خاکسارانِ جهان را بے حقارت نگر توجہ دانی کہ دین گرد سوار می باشد
حکیم سنائی کے مشہور رائیہ قصیدہ کا جواب، اسی انداز میں لکھا ہے،

ہم سے نیست تا بگویم راز خلوتے نیست تا بگویم راز
مظہر پر دہا ہی سارو کہ دوران پر وہ نیست کس ابار
ہمستان درآمد بہ ہوش مست ما خود نمی شود ہوشیار
چیت این تالہ و فغان و دشر چیت این شور و فتنہ و بار بار
ہم در جستجوی داود غافل ہمہ در گفت گویا و بیزار
آب و آئینہ پیش گریوہ بین کیلے چون دومی شود ہر شمار
تا بدانی کہ نیست جو یک نور وان دگر سایہ در و دیوار
ہمہ عالم نشان صورت اوست باز جوئید یا اولی الا بصار

اوحدی نے ششہجری میں افعال کیا،

ابھی تک تصوف کی شاعری میں، شاعر کو خاص شاعری پر نظر نہیں ہوتی تھی، وہ اپنے خیالات
صاف صاف بے تکلف ادا کرتا تھا، لیکن نظامی نے جو اسی زمانے کے قریب قریب پیدا ہوئے، جب
تصوف اور شاعری میں قدم رکھا تو چونکہ طبیعت میں شاعرانہ ذور حد سے بڑھا ہوا تھا شاعری کا رنگ اصل
خیالات بہ غالب آگیا، مخزن اسرار میں تصوف کے مقالات کیلے لیکن پڑھنے والے پر یہ اثر نہیں ہوتا کہ

تصوف کی کتاب چھ۔ باہر بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بلند طبع شاعر اپنے زور کلام سے صفت آرائی کر رہا ہے،
پرکے ساتھ مراقبہ کی جو غلطی ہوئیں ہیں، ان کو لکھتے ہیں اور اتنے سہائے سے کہ صبح کا وقت
تھا اس داستان کو یوں ادا کرتے ہیں

فوسلہ یافتہ میدان منہا	سایہ روی را بصبادادہ شاخ
بارگزیہ دل بخورشید را	شازدہ باد سحر بید را
سایہ نور از علم شاخار	رقص گنگان بر طر جویار
گردن گل، مہر بلبل شن	دلف بنفشہ کمر گل شن
مرغ زداؤد خوش آواز تر	گل زلف نامی شکر انداز تر

لطف یہ کہ اسی تہذیب میں ساری داستان ختم ہو جاتی ہے، مطلب کی باتیں یوں کی یوں ہی
رہ گئیں ۲۰ مقالوں میں کتاب ختم کی ہے جس میں تصوف کا صرف وہ حصہ لیا ہے جو حقیقت اخلاقی مسائل میں
حقائق اور معارف سے ان کو تعلق نہیں،

نظامی کے خمسہ کا جواب اکثر انہوں نے لکھا لیکن سب زیادہ اسی مثنوی کی تتبع میں لگوں
نے مثنویان لکھیں، چنانچہ ان کی تعداد ۶۰ سے متجاوز ہے، لیکن اس تمام لٹریچر کو اخلاقی لٹریچر سمجھنا چاہیے
اور ہم اسے موقع پر اسکو تفصیل سے لکھیں گے،

عین اسی زمانے میں خواجہ فرید الدین عطار نے اس ذخیرہ میں بے انتہا اضافہ کیا، کم و بیش ایک
لاکھ شعر لکھے جو تمام تر تصوف سے لبریز ہیں، زبان میں بھی وہ سلاست روانی اور شیرینی پیدا کی ہے جو
اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی،

تاہم اس وقت تک تصوف کے سرسری مسائل شعر میں آئے تھے، حقائق اور دقیق مسائل تھے
مولانا روم نے مثنوی لکھ کر ایک نیا عالم پیدا کر دیا، مولانا تصوف سے آگے بڑھ کر فلسفہ کی حد میں

پہنچ گئے اور سچ یہ کہ ان کی فنی پر تصوف اور فلسفہ برابر کے دھویا رہیں اس وقت تک صوفیاء و شاعری
عام شاعری سے علائقہ ممتاز تھی یعنی غزلوں میں عشق اور محبت کی وادعات بھی بیان کرتے تھے تو عشقِ حقیقی
کا رنگ اس قدر غالب ہوتا تھا کہ مجاز کا دھوکا نہیں ہو سکتا تھا اب ایک نیا دور شروع ہوا یعنی حضرت امیر خسرو
اور حسن دہلوی نے عشقیہ شاعری میں مجاز کا پہلو اس قدر بڑھا دیا کہ تصوف اور تغزل کی حد مائل ہو گئی
اگر امیر خسرو کے ذاتی حالات اور ان کا فقر و تصوف پیش نظر ہو یا ان کے اشعار کسی اور کی طرف منسوب
کر دیے جائیں تو ہر شخص کہہ سکا کہ ان خیالات کو تصوف سے واسطہ نہیں خواجہ حافظ نے اور بھی اس خصوصیت
کو مٹا دیا، لوگوں نے حسن اعتقاد سے یہ سمجھا کہ ان کے الفاظ صوفیاء اصطلاحیں ہیں مثلاً

الفاظ	معنی اصطلاحی
ذلت	مراتب اسکانیہ
غزوہ و بوسہ و کنار	فیوضات مستلبی
خال	وحدت ذات
ساغر و صراحی	دل

اس سے یا تو تصوف کے لٹریچر میں وسعت پیدا ہو گئی کہ ایک نڈشاہ باز بھی جو کچھ کہتا ہے تصوف
کے اسرار بنجاتے ہیں یا حقیقت صوفیاء شاعری کو زوال شروع ہوا کیونکہ عرفا و کاملین بھی حقیقت کے
جو اسرار کہتے تھے اس انداز سے کہتے تھے کہ تصوف پر تغزل کا پردہ پڑ جاتا تھا،

تاہم بعض بعض بزرگ تصوف کے مرکز سے الگ ہوئے جن میں سے عراقی و مغربی کا نام خاص
استیاد رکھتا ہے اور سچ یہ کہ غزل میں عشق حقیقی کا خالص رنگ اگر نظر آتا ہے تو انھیں دونوں بزرگوں کے یہاں نظر
آتا ہے، ورنہ مولانا روم تک معرفت کے راز کہتے کہتے ترک بچوں کے خال و خط کا بیان کرنے لگتے ہیں،
عراقی نے حضرت جمال الدین و کریم الدین سے تعلیم پائی تھی مشائخ عریضین بنیامین شمس الدین

انتقال هوا کلام گایه اندازد

عشق شور و درنا دانهاد	جان مادر بون کسودانهاد
گفتگوئی در زبان افکند	جستجوئی در درون مانهاد
دم بدم در هر لباس رخ نمود	لحظه لحظه پاسبی و دیگر پانهاد
بر مثال خویشستن حرفی نوشت	نام آن حرف آدم و حوا نهاد
حسن خود بر دیده خود جلوه داد	تیمت بر چشم نابینا نهاد
ناکال علماء ظاهر شود	این همه سر بر سر نهاد

نخستین باد کانه در جام کردند	دختم مست ساقی، وام کردند
بگیتی هر کجا دروغ بود	بهم کردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند راز خویشتن پیش	عراقی را چو ابد نام کردند

باماشقان شیدا سلطان کجا بر آید	دیش آشنايان بگایه چه سنجید
از صد هزار خرمن یک دانست عالم	با صد هزار عالم پس دانچه سنجید

بقمارخانه رقم همه پاکباز دیدم	چو بصره رسیدم همه یا نعم دغانی
به دین چو سجده کردم در زمین ندا بر آید	که در خواب کردی توبه سجده ریائی
چو کعبه رخ نمودم، به حرم زهم ندانم	که برون در چه کردی که درون خانه آئی

عراقی طالب دوست و آن ہم
بہشت کن کدرا نش تو باشی
مغربی کا کلام دیا دوزخ کا تار و حدت وجود سے لبریز ہو میان تک کہ ان کے دیوان سے
بھی مل جاتا ہے کہ ایک ہی بات کو کہاں تک سنتے جائیے چنانچہ شاعر یہ ہیں

لے از دو جهان نہان عیان گیت
وے عین عیان ہیں این نہان گیت
گفتے کہ ہمیشہ من خموشم
گویا شدہ پس بہ زبان گیت
گفتے کہ نہ ایسم و نہ آنم
پس آن کہ ہم این ہو ہم آن گیت

عراقی نے سلسلہ مہین و فات پائی اور انھیں پر گویا صوفیانہ شاعری کا خاتمہ ہو گیا، ان کے بعد
اگر کسی کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ مولانا جامی ہیں، جامی نے خاص تصوف پر بہت کچھ لکھا، سلسلہ الذہاب
تختہ الاحرار وغیرہ اسی سلسلہ کی کتابیں ہیں، رباعیات کا ایک سلسلہ ہے، جنہیں محدث وجود کے متعلق ایک ایک
سلسلہ کی تفصیل کی ہے لیکن غرض ان میں وہی عام انداز ہے جو تصوف سے برلے نام تعلق رکھتا ہے،
جامی کے بعد تقائی نے غزل کا رنگ بولا، اسی ناز نے میں صغویہ کے جبر سے تمام ایران اس
سر سے اُس سر تک شیوع ہو گیا،

شیعی مذہب کو تصوف سے سخت بیگانگی ہے، ایسے صوفیانہ شاعری بالکل فنا ہو گئی، لیکن جو کچھ
تصوف کا لقب اسرار و حقیقت مشہور ہو گیا تھا، ایسے بعض شعراء اس معز لقب حاصل کرنے کے لیے
دہرستی اس کو چہ میں در آئے مثلاً شفقائی، بھائی عالمی، حزمین وغیرہ، لیکن صاف نظر آتا ہے کہ کافروں کے
پھول میں، عباس کچھ نہیں، تاہم جو کماں میں بعض بعض صاحب علم و فن تھے، ایسے علمی حیثیت سے
سورت کے مسائل بخوبی سے اشعار میں اکیس شفقائی نے حقیقہ کے طرز پر نمکدان حقیقت ایک
مثنوی لکھی اسکا یہ انداز ہے،

ہر کہ دانہ بخت و جنت موجود
ہست مشرک بکیش اہل شہد

وحدت قائمہ شود این ست	معنی وحدت وجود این ست
بر حدت بت بے کم و چه و چون	ز اعتبارات دہمی ست مصون
آن کہ از غمت بار برست جنت	متصف می شود بہ ہر صفت
پہلو آفتاب خود فاش است	بے نصیب گناہ خفاش است
و بہ از آفتاب پر سازی	چشم خفاش گر بندازی
چون نہ اری نشانہ از ذات	می شوی گم در اثر دھام صفات
تو نظن کن حسن و زشتی	من گر بر لباس گوناگون

اس دور میں ہندوستان میں اگرچہ شاعری نے بہت ترقی کی، سلطنت کا مذہب بھی سنی تھا، لیکن شاعری ایران سے آئی تھی اسکے ساتھ دربار تمام ایرانیوں سے بھرا ہوا تھا، ایسے صوفیاء شاعری کو نشوونما نہ ہو سکا، فیضی اور عرفی جس چیز کو قصود سمجھ کر کہتے ہیں، وہ فلسفہ ہر تصوف نہیں،

شبلی نعمانی

انگلینڈ میں تعلیم کی جو دعوت ہو اسکا اندازہ ذیل کے معلوما سے کروہیو سیٹی کے باشندے سکولوں میں ۱۸۵۲ء اور ملکی مدارس میں ۱۸۵۹ء طالب علم پڑھتے ہیں ۱۹۰۷ء کے دوران میں اول الذکر مدارس میں کل ۱۳۱۹۹۰۵۰ اور ملکی مدارس میں ۲۸۴۲۵۴ طالب العلم اعلیٰ ہوئے ان اس پر اس سال ۱۳۲۳۳۴۲۴ گنتی صرف ہوئی حسین ۱۰۰۲۲۲۰۰ گنتی گورنمنٹ کا علی تھا اور ۱۳۰۰۶۰۰ گنتی مینو سیٹی کا صرف تھا، اسٹریلیا میں وکٹوریہ ایک صوبہ جو وہاں کی کل آبادی ساٹھ لاکھ ۶۰ ہزار وہاں کی تعلیم کا سالانہ صرف دو کروڑ رنگ ہوا اسکے مقابل میں سوال یہ کہ ہندوستان تعلیم پر کتنا صرف کرتا ہو اور ہندوستان میں خصوصاً مسلمان تعلیم پر کتنا صرف کرتے ہیں۔

قانون

یا

لا

(ترجمہ از دائرۃ المعارف)

قانون کی تعریف قانون ان مجموعہ قواعد و اصول کا نام ہے، جو حکومت کی طرف سے بغرض حفاظت حقوق و

بقا و امن عام و انتظام سلطنت شائع کیے گئے ہوں اور جنکی پابندی رعایا پر لازم ہے،

قانون کی ابتدا قانون یا آئین ماحصول بین جنین تمدن کی حمایت انسانی حقوق کی رعایت امن و امان کی

حفاظت کی جاتی ہے تو اس کی ابتدا و ترقی ایک تدریجی اور فطری چیز ہے اور ہر قوم میں جدید صورت اور نئے

پیکر میں جلوہ گر ہوتا ہے، قانون یا آئین کی دو قسمیں ہیں،

(۱) بعض قانون بالکل فطری ہیں جو کہ تمام ہی نوع انسان میں یکساں طور سے ودیعت رکھے گئے ہیں

جیسے عالم سے مظلوم کے لیے انتقام لینا، چوری پر سزا دینا وغیرہ

(۲) بعض قوانین ایسے ہیں جو مذہب کے آوردہ یا تمدن قوموں کی مجلسوں کی ساختہ و پرداختہ ہیں

پہلی قسم تمام نوع انسانی میں مشترک ہے اور ہر قوم کے حالات میں اسکی جھلک نظر آتی ہے، اسی کا نام

دوسری مفلون میں اخلاقی اصول ہے، اور یہی اخلاقی اصول اس مصنوعی قانون کی سنگ بنیاد ہیں جن پر بہت سی

حکومتوں کی عالیشان عمارتیں قائم ہیں، ہر چیز اپنی ابتدا میں چھوٹی ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ ایک عظیم الشان

چیز ہو جاتی ہے، قانون کی ابتدا خود ہمارے گھر سے ہوتی ہے، گھر سے محلہ اور محلہ سے شہر شہر سے ملک تک اسکی

توبت پر پختہ ہوتی ہے، فرض کر دیک شخص کے گھر میں ایک بیوی ہے اور دو تین اور چھوٹے بیٹے بچے ہیں، تو یہ

شخص اس وقت پانچ آدمیوں پر حکومت کر رہا ہے، اگر بیوی شوہر کے زیر حکومت گھر کا انتظام نہ کرے، بچے اپنی

ان کا کہنا مانیں، تو کراٹک کی فراہم کردہ کرپشن نوکیلا گھ کا انتظام ٹھیک ہو سکتا ہے، کیا ایسے گھ کا نظم و نسق درست ہو سکتا ہے؟ اب آگے بڑھتے ہیں۔ ایسا عملہ فرض کیجیے جس میں شلائس بائیس گھزادہ ہیں، لیکن ان کا کوئی سرگروہ نہیں تو اس محل کی یہ اجتماعی الت کبتک ہسنگی؟ صرف تھوٹے دن تک کیونکر ظلم کریں گے؟ دادخواہ ہو گئے مگر کوئی دادرس ہوگا، اورین گے مگر کوئی فیصلہ کرنے والا ہوگا، اسی کو وسعت دیکر شہر اور ملک کی حالت فرض کریں گے، انذاریات بالکل ظاہر ہیں کہ انسان انسانیت کے ساتھ قانون اور تمدن جیسا نہ ہو بلکہ چاروں ملک اجراء قانون کے لیے قوت و سطوت کی ضرورت ہے، ایسے حکومت اس معجون کا جزو و غظم اور اس کمی کی پورا کرنے والی سمجھی جاتی ہے، ہمیشہ اس قانون کی رتی ہوئی جسکی حکومت نے حمایت اور اعانت کی ابتداء تمدن عالم میں بادشاہی کے انتخابات ہوتے تھے اور یہ اصول تھا کہ جو خاندان شاہی میں بڑا ہو وہ سلطنت کا مالک ہو بلکہ کسی قبیلہ یا شہر میں جو بڑا دیر بہت ہوتا تھا وہ اپنے قبیلہ اور اپنے شہر پر حکومت کرتا تھا، اور وہ اپنی اصولوں کو اپنا دستور عمل بناتا تھا جو کہ فطرتی تھا اور اپنے شخصی یا قومی مصالح کے لحاظ سے اپنے اصول خود بنا لیتا تھا اس کے بعد کے آنے والے اس سے ان اصولوں کو سیکھتے تھے اور ان کے بعد کے آنے والے اپنے اسی طرح نسخہ بعد نسل یہ قواعد و اصول منقول ہوتے چلے گئے اور آخر میں اس قوم کی عادت و رسم میں شمار ہونے لگے اسی طرح رفتہ رفتہ جب بڑی بڑی حکومتیں قائم ہو گئیں، اور اب بجائے کسی خاص جماعت کے شہر پر حکومت کرنے کے بعد بڑے بڑے ملکوں پر حکومت ہونے لگی، تو وہ قواعد و اصول جو کسی جماعت خاص پر حکومت کرتے وقت پر تے جاتے تھے ان بہت سے شہروں پر حکومت کرنے میں بھی پر تے جانے لگے، اور مقتضائے وقت کے لحاظ سے ان قوانین میں مناسب تغیر بھی ہوتا رہا،

مذکورہ بالا بیان سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حکومت اور قانون میں کس قسم کا تعلق ہے اور کس درجہ ایک کو دوسرے کے ساتھ ارتباط ہے، اس واسطے یہ کہا جاسکتا ہے کہ قوم کے عادات و تمدن اور حکومت کا طرز عمل قانون اور آئین ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قانون کے نتائج سے بحث کرتے ہوئے

علم نہیں تو مومن کے نتائج سے بحث کی جائے اور انہی طرز حکومت پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے لیکن
 پہلے موجودہ مضمون کا دائرہ بحث اس قدر وسیع نہیں ہے اس وقت ان قوانین سے بحث پہ لفظی اور ذہنی
 سوچ سے کتابی صورت میں لپکتے ہیں، اور اس خاص قسم میں سے بھی صرف ان قوموں کے قانون کے
 ایسی بحث متعلق ہوگی جنکے قانون موجودہ قانون کے سنگ بنیاد ہیں،

دنیا میں ان قوانین کی بقا اور حفاظت میں نہایت سختی سے کوشش کی گئی جنکے متعلق منزل
 من اللہ ہونے کا کسی قوم کو اعتقاد ہو اور ایسے قانون کا اثر عملاً اس وقت تک باقی رہا جب تک اس قوم میں
 خدا پرستی اور مذہبی پابندی باقی رہی اور ان کے مٹ جانے کے بعد بھی وہ اپنے اس مذہبی قانون کے
 قواعد ضرور عامی رہے، دنیا میں مختلف المذاہب تو ہیں آباد ہیں، ہر قوم اپنے مذہبی قوانین کے خلاف کمر بستہ
 تمام سمجھتی ہے، مسلمان قرآن کے خلاف کرنا، عیسائی انجیل کے خلاف کرنا، یہودی تورات کے خلاف کرنا اگر کسی
 سمجھتے ہیں اس قسم کی قوموں میں جنکے پاس کوئی مذہبی قانون ہو یہودی سب سے زیادہ قدیم ہیں،

عبرانی قانون

عبرانی قانون سے وہ اصول مراد ہیں جن پر عبرانی یعنی یہودی قوم کا عمل آتا تھا، عبرانی قانون

کی تین قسمیں ہیں،

(۱) عبرانی قانون جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اس قوم میں رائج تھا،

(۲) وہ احکام جو کہ طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے،

(۳) قلمرو،

قبائل کا رواج اس وقت تک اس قوم میں رہا جب تک وہ فرعون مصر کے قید ظلم میں رہے، اور

اس کے بعد متروک ہو گیا، نیز وہم کے احکام وہ ہیں جو حضرت موسیٰ کو طور سے لائے تھے وہ دس حکم میں

ہو تو ریت میں مذکور ہیں، نمبر سوم ان مجبور احکام کا نام ہے جو دوسری حدی عیسوی میں رب کیے گئے اور یسوع حکام و س نے اسکی اور مشنہ کے نام سے مشہور ہوئے، نمبر اول کے احکام کی تفصیل بہن دستیاب نہیں ہوئی، اسواسطے ہم اسوقت عبرانی قانون کی قسم دوم و سوم یعنی صرف شریعت موسوی کے احکام بیان کرتے ہیں، شریعت موسیٰ میں دو قسم کے احکام تھے،

(۱) وہ قوانین جو لوہوں میں لکھے ہوئے گوہ طور پر خدا کی طرف سے عطا ہوئے،

(۲) وہ قوانین جو حضرت موسیٰ سنہ پرکھڑے ہو کر تلقین فرمایا کرتے تھے، لوح میں جو احکام تھے وہ بہت مشہور ہیں، اسواسطے ہم انہیں چھوڑ کر ان احکام کو بیان کرنا چاہتے ہیں جنکی تلقین خود حضرت عیسیٰؑ کیا کرتے تھے اور وہ شریعت موسوی میں ہمیت کا مرتبہ رکھتے ہیں۔ یہ شہادت اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت کافی اور اسوقت کے تمدن کے لیے نہایت موزوں تھی، اس میں عبادت کے علاوہ قانون کی اور شاخوں کے متعلق ایک عمدہ حصہ میں احکام موجود تھے، جو کہ آج قانونی دنیا میں اسہمت کا مرتبہ رکھتے ہیں،

پرنسپل قوانین عبرانی کی حکومت تبدیلہ دار تھی جو آجکل کی جمہوری حکومت سے بہت لگ بھگ کھاتی ہوئی تھی، شروع شروع میں دام سلطنت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں تھی، مگر آخرین ریخت انکے ہاتھ سے نکل گئی، مگر انکے مذہبی اقتدار میں کوئی فرق نہیں آیا،

ملک جیشیت سے حقوق عبرانی شریعت میں ادنیٰ داعلی مایر و غریب سب یکساں سمجھے جاتے تھے اور سب کو ایک مرتبہ حاصل تھا، سب پر یکساں ٹیکس تھا اور اگر کسی سے جنگ چھڑ جاتی تھی تو ہر شخص کو حاضر ہونا پڑتا تھا، غیر عبرانیوں کو اسوقت عبرانی ملکوں میں داخل ہونے کی اجازت دی جاتی تھی، جب وہ عبرانی مذہب قبول کر لیتا تھا غلامی جائزہ تھی مگر غلام کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا جاتا تھا، غلام غلامی کے ساتویں برس کے بعد آزاد ہو جاتا تھا اور اگر اس درمیان سال یوبیل کے جس میں ہر قسم کے جرائم وغیرہ معاف ہو جاتے تھے، آجاتا تو حسب بھی غلام آزاد ہو جاتا، نکلہم مثل معاملہ خرید و فروخت سمجھا جاتا تھا اور لڑکی کی قیمت دہر اسکے ماں کے

وہ بھائی تھی، تعدد ازواج جائز تھا، صرف مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل تھا، تمام حقوق میں عورت کا مرتبہ مرد سے کم سمجھا جاتا تھا، نکاح اصول و فروع میں جائز تھا، عبرانی کا یہ فرض تھا کہ اپنی بھانج کے لئے ہونے کے بعد اس سے نکاح کرنے اور نہ کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، سن شعور سے پہلے لو کا مان باپ کے تحت تصرف ہوتا تھا، اسکے ذمہ والدین کی اطاعت فرض ہوتی تھی، اور والدین کی نافرمانی کی سزا سنگسار کرنا تھی، سن شعور کے بعد وہ خود مختار ہوتا تھا، مستثنیٰ کرنا جائز نہ تھا،

وراثت کا سلسلہ انکے یہاں یہ تھا کہ مورث کے مرنے کے بعد سب سے پہلے انکی اولاد ذکور و وارث ہوتی تھی اسکے بعد اثاثہ اور اگر دونوں نہ ہوں تو پھر بھائی اور اور اسکے بعد الاقرب فالاقرب کا سلسلہ چلتا تھا مگر لڑکی لڑکے ہوتے تھے تو پوٹھے لڑکے کا حق زیادہ ہوتا تھا، یہ حق عورتوں کو نہ تھا، اگر ترکہ میں بڑا بیٹا نہ ہو تو عورت اسکی وارث ہوتی تھی اسکے لیے رضوری تھا کہ وہ اپنے ہی خاندان میں سے کسی کے ساتھ شادی کرے تاکہ خاندانی جائیداد منتقل نہ ہو جائے اور اگر مورث کے نوادے ہوتے تو چچاؤں کو کچھ نہ ملتا مورث کے سچے بیٹے اور کون کی موجودگی میں غیر صحیح النسب لڑکوں کو کچھ نہ ملتا، وصیت جائز تھی تاکہ وارثوں کی حق تلفی نہ ہو،

تقسیم سلطنت و فرض سود عبرانی شریعت میں سلطنت تقسیم ہو جاتی تھی چنانچہ مصر سے بکھلنے کے بعد فلسطین میں آئے تو خود فلسطین اور اسکے گرد و نواح کی سلطنت گیارہ قبیلوں پر تقسیم ہو گئی تھی، قاعدہ سے بارہ ہونی چاہیے تھی، مگر چونکہ بارہواں قبیلہ راہبون اور مذہبی مقتداؤں کا تھا اس واسطے وہ دنیاوی کاروبار سے بچتا تھا اور اسکی معاش اسی خراج پر تھی جو کہ سلطنت کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا، سلطنت کا بیچنا جائز تھا، مگر سال یویل میں ہر اصلی مالک اپنی چیز کا پھر مالک ہو جاتا سوائے ان مکانوں کے جو شہر میں ہوتے تھے، فرض لینا جائز تھا، مگر سود حرام تھا، سال یویل میں تمام فرض معاف ہو جاتے تھے

جرائم کی سزا و شہادت عبرانی شریعت میں سزا کی چار قسمیں تھیں،

(۱) قصاص یعنی جسکو قصاص نقصان ہو جائے اس نقصان کو بخانے دلے سے واپس

بدل لیا جائے، مثلاً اگر کسی نے دانت توڑا ہے تو اس کا بھی دانت توڑ ڈالا جائے،

(۲) نفس زریہ،

(۳) جبریاۃ،

(۴) جائداد وغیرہ کا ضبط کر لینا،

(۱) قصاص کے بارے میں یہ حکم تھا کہ جان کے بدلے میں جان، آنکھ کے بدلے میں آنکھ، دانت کے بدلے میں دانت، ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ اسی طرح تمام اعضاء کے بارے میں حکم تھا، علاوہ قتل سکے اور بہت سی صورتوں میں قتل کی سزا دی جاتی تھی بت پرستی میں سزائے موت ہی تھی، زنا، فسق، والدین کی نافرمانی میں، اور ایسے زخم میں جب کا انتہائی نتیجہ موت ہو سزائے موت مقرر تھی، لیکن حضرت موسیٰ نے اپنے ذاتی جرم کی وجہ سے علاوہ قتل کے اور صورتوں میں بجائے قصاص دلوانے کے مال بھی لیا اور قتل میں بدیت لینا قطعاً جائز نہ تھا،

سزائے موت کئی طرح سے دی جاتی تھی،

(۱) سنگ سار کرنا،

(۲) آگ میں جلادینا،

(۳) گرم لوہے سے داغ دیکر مار ڈالنا،

(۴) گردن مارنا،

(۵) گلا گھونٹنا،

(۲) نفس زریہ میں حاکم کے سامنے چالیس کوڑے تک مارے جاتے تھے، اگر مجرم جبرانیہ قصاص

کے بدلے میں مالی تاوان دانیس کر سکتا تھا تو وہ خود بیچ ڈالا جاتا اور اس کی قیمت سے جبرانیہ یا وہ مالی تاوان لیا جاتا تھا، عبرانی شریعت میں قید کی سزا تھی بلکہ صرف تاوان تحقیق مقدمہ مجرم نظر بند رکھا جاتا تھا اور

عبرانی شریعت میں لائے تھے، یہاں کے دو طریقے تھے، (۱) سال یویل کا آجاتا، (۲) کسی ایسے شہر میں بھاگ جاتا جہاں سے مجرم بکڑ کر نہ لایا جاتا ہو، شہر ات کم سے کم دو آدمیوں کی مقبول ہوتی تھی جو شہر حکومت کے اور کوئی طریقہ دعویٰ کے ثبوت کا نہ تھا،

یونانی قانون

یونانی قانون کی ابتدا یونانی قانون کی بھی ابتدا اور تمام قوموں کے قانون کی طرح ہوئی یعنی شروع میں چند قواعد تھے جو کسی قصبہ وں میں منقوض تھے، چون چون یونانی قوم نے تمدن میں ترقی کی اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کے قانون نے بھی ترقی کی، میگورکس نامی ایک شخص نے ان قصبہ وں سے دو قانون جمع کیے اور مشہور مقنن سولن نے ۶۲۷ء قبل مسیح انکی باقاعدہ ترتیب کی اور لکڑی کے تختوں پر کھدوا کر کروڑوں دانسپاٹا میں ایک مکان پر، میں باحفاظت تمام رکھے گئے،

یونانی مقننات اتھینز اپنے انتظامی اور قضائی حیثیت سے چار حصوں پر منقسم تھا، اور ہر حصہ چند قصبوں اور ہر قصبہ چند محلوں اور پھر ہر محلہ کے بھی کئی حصے ہوا کرتے تھے اور ہر ایک حصہ کا ایک حاکم ہوتا تھا، جس کے متعلق انتظام اور مقدمات کے فیصلہ کا کام ہوتا تھا، حاکموں کی تعداد نو تھی جو یونانی زبان میں رخنڈس کہلاتے تھے،

انتظامی کونسلین یونان میں ایک سب سے بڑی کونسل یا مجلس تھی سیینیٹ کہلاتی تھی، اس مجلس کے پانچ سو ارکان ہوتے تھے جو تمام قبائل سے منتخب کیے جاتے تھے، اس مجلس کا یہ کام تھا کہ تمام یونان کے انتظامی معاملات میں غور کرے اور ان کے لیے قانون وضع کرے، ایک حکم عدالت ابتدائی تھا جس میں تمام کے مقدمات فیصلہ ہوا کرتے تھے، ایک عدالت عالیہ جس میں عدالت ابتدائی کے فیصلہ کردہ مقدمات کی اپیل ہوا کرتی تھی، عدالت عالیہ میں پانچ حاکم ہوتے تھے، عدالت ابتدائی میں (۶۰۰) چھ ہزار حاکم ہوتے تھے

اس محلہ کا جلاس خاص مکان میں ہوا کرتا تھا، جو دیہات کے نام سے مشہور تھا، دیہات کے سنے یونانی زبان میں آفتاب کے ہین چکر آفتاب بھلہ زبان کے اور معبودوں کے تھا اس واسطے تبرکات کے نام سے اس مکان کا نام دیہات رکھا گیا ان کے علاوہ ایک مجلس اور تھی جس کا نام اریوفا کسٹر تھا، اس کا یہ کام تھا کہ وہ انظامات اور قانون کی نگرانی کرے، اس کے اختیار عوام بہت وسیع تھے اور خصوصاً مذہبی معاملات بالکل اسکے ہاتھ میں تھے،

باشندوں کی تقسیم
اور اسکے حقوق

یونانی باشندے تین قسم کے سمجھے جاتے تھے، (۱) خاص اپنے ملک کے رہنے والے، (۲) غیر ملکوں کے رہنے والے جو اس وقت بیان قیام پذیر تھے، (۳) غلام، بائیان شہر کے خاندانوں کو بعض خاص پولیکیل حقوق حاصل تھے، خاص باشندگان شہر میں داخل ہونے کی تین صورتیں تھیں (۱) اپنے شہر میں پیدا ہونا، (۲) شہر کی کوئی عظیم الشان خدمت کرنا، (۳) اپنا وطن چھوڑ کر اس شہر میں کثرت اختیار کر لینا، پر دیسیوں کا مرتبہ دیسیوں سے کم ہوتا تھا، پر دیسیوں کو دیسی عورت سے شادی کرنا بھی حاصل تھا اور نہ وہ کسی جائیداد یا غلام کے مالک ہو سکتے تھے عدالت میں کوئی مقدمہ بغیر دیسی شخص کی واسطہ کے پیش کر سکتے تھے، یونانی غلاموں کی حالت نسبت دوسرے قوموں کے غلاموں کے کسی قدر اچھی تھی غلام کو اس بات کا اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی ملکائی کی پس انداز شدہ رقم سے اپنے آپ کو خرید لے

نکاح و طلاق
نکاح ایک منہم الشان اور بڑا کام سمجھا جاتا، دیسی صرف دیسی ہی سے نکاح کر سکتے تھے یا ان پر دیسیوں سے جنکو اس کی اجازت مل چکی ہو، تعدد و ازدواج قانوناً جائز تھا مگر اس کا رواج نہ تھا، شرع میں سولے اصول اور ذریعہ کے اور سب سے نکاح جائز تھا مگر آخرین بھائی بنوں میں بھی نکاح ناجائز ہو گیا تھا نکاح بھی اور معاملات کی طرح ایک قسم کا معاملہ سمجھا جاتا تھا، زر مہر پہلے باپ کو دیا جاتا تھا اور اسکے ہونے کی صورت میں اسکے اوپر قرب کے رشتہ داروں کو دیا جاتا تھا، شوہر کو اجازت تھی کہ اگر اپنی بیوی کو مبتلاے نفل شنیع دیکھے تو اسے قتل کر دے، ورنہ اسکو طلاق دینا ضروری تھا اور اگر طلاق نہ تو اسکے وہ تمام حقوق خفیہ ہو جاتے جو شوہر کو جو اس شہر میں رہنے کے حاصل تھے، طلاق رضامندی طرفین پر موقوف تھی،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الندوة

بے تعصبی کی ایک حیرت انگیز مثال

آج جب کہ ہر طرف مذہبی تعصب کی آگ بھڑک رہی ہے، جب کہ ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کی تہذیب و قومین کے لیے ہر قسم کی رنگ آمیزیوں اور طمع کاریوں سے کام لے رہے ہیں، جب کہ آدی پرکاش اور البشیر کی نسبت فیصلہ کن آزمائش ہو چکی ہے، کہ دونوں میں زیادہ پر جوش و تیز زبان کون ہے؟ تو یہ واقعہ حیرت سے سنا جائے گا کہ گولھا پور کی ریاست نے جو ایک ہندو ریاست ہے، ایک مسلمان طالب علم کو اپنے مدرسے سے نذر و قول علما کے دارالعلوم میں اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ یہاں رہ کر مذہبی تعلیم پائے، ریاست نیکو کے انسر تعلیم لال صاحب دیوالی ایم بی بی پر فیس راجا رام کلے کو لھا پور کا جو خط اسکے متعلق لکھا ہے اس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

یکمہ دن ہوئے مفاخرت نامہ الاشراف صدر ولایا تھا موقع پا کر وہ حضور ہمارا صاحب دام کلذی خدمت میں پیش کیا گیا حضور مدوح اسکا مضمون شکر بہت سہو رہے اور فرمایا اکرم اللہ علیہ وسلم کو ہان مار کیا جائے، امید ہے کہ یہ نوجوان جناب کے دارالعلوم سے آتماذنیہ و علوم کا لیکر واپس آئے گا کہ کل گپہ و نواح کے مسلمان اس پر فخر کریں گے۔

موجودہ دنیا میں یہ سقد عجیب آواز ہے، لیکن درحقیقت یہ اس عجیب غریب تعصب کی تہذیب و گارین ہیں جو ہندو یوں نے ہندوستان میں غیور ہندوؤں کے ساتھ برتی تھیں، تیماریوں نے کیا کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی اخلاعات سے امید ہے کہ اس مضمون کو اپنے انجانات میں مدد فرمائیں گے، شبلی نعمانی،

بکھلی تاریخوں نے بار بار دیا لیکن مخالفوں کو تسلی نہیں ہوئی، اس لیے ان کو زندہ مثالوں کی طرف نظر اٹھائی
 چاہیے ان کو حیدر آباد جانا چاہیے جہاں لائین لاکھ روپے صرف شیوا لون، مندرون اور بت خانوں کی تعمیر
 اور مرمت پر صرف کیا جاتا ہے، ان نے خود اپنے زمانہ قیام میں دیکھا کہ ایک گاؤں کے ہندوؤں نے درخت
 کی کہہ جاتے آس پاس کوئی شیوا لائین ہر جسمین ہم لوگ اپنی مذہبی عبادت بجالائیں اس درخواست
 پر ریاست سے چھ ہزار روپہ عطا ہوا،

گیا میں جو بودہ مت کا سب سے بڑا مندر ہے، اسکے پاس آج بھی سلاطین تیموریہ کے ۱۲ افراد
 موجود ہیں (میں نے خود جا کر ان کو دیکھا ہے) جن میں جاتریوں اور پوجاریوں کے مصارف کے لیے زمین
 اور جاگیریں عطا کی گئی ہیں،

ریاست پٹیا لہ ایک سکھ ریاست ہے میں نے خود وہاں جا کر معلوم کیا ہے کہ جب کوئی مسجد
 تعمیر کی جاتی ہے تو ریاست کی طرف سے ایک معین رقم اس کام کے لیے ملتی ہے، اور یہ قاعدہ مت سے چلا آتا ہے
 یہ وہی مسلمانوں کی بے تعصبی کی تقلید ہے ورنہ یہی ہندو ایک زمانے میں مسلمانوں کو لچھکتے تھے اور مسلمان جان
 کہیں میں پریشید جاتا تھا اس جگہ کو پانی سے دھوا دیتے تھے جیسا کہ پانچویں صدی میں علامہ ابوریحان بیرونی
 کو اسکا تجربہ ہوا تھا جسکو اسنے اپنی کتاب الهند میں تفصیل سے لکھا ہے آج یہ یادگار بنی ہوئی جاتی ہیں اور اگر
 اسکی کوئی جھلک نظر آ جاتی ہے تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں،

عالم زمانہ و زرافغان باہرست شد عند لب خاک و چمن از نو بہرست

جناب سعید الدین احمد خان صاحب سور پور دارالعلوم کی مسجد کی تعمیر کے لیے ارسال فرمائے ہیں،
 مدوہ میں سنسکرت اور بھاشا کی تعلیم کی ایک شاخ کھول دی گئی جسمین چند لوگ تعلیم پاتے ہیں،
 مولوی علی الدین حسن خان صاحب ناظم اورنگ آباد دکن، اور مولوی نواب علی صاحب ایم اے
 برہمپور رٹوہ کالج نے خاص اس شاخ کے لیے پانچ، پانچ روپہ ہمارے مقرر فرمائے ہیں،

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر

کسی غیر قوم کا کسی غیر ملک پر قبضہ کرنا، کوئی جرم نہیں، ورنہ دنیا کی سب سے بڑے فاتح سب سے بڑے مجرم ہوں گے لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ فاتح قوم نے ملک کی تہذیب و تمدن پر کیا اثر پیدا کیا؟ چنگیز خان، دستو حات کے لحاظ سے دنیا کا فاتح عظیم ہے لیکن اس کی داستان کا ایک ایک حزن خون سے رنگین ہر دم رشتے ایک زمانے میں تمام ہندوستان پر چھا گئے لیکن اس طرح کا مذہبی کی طرح اٹھے تو ماما راجہ جتھ دھول کا اور نکل گئے، بجلان اس کے متحمل قوم جب کسی ملک پر قبضہ کرتی ہے تو وہاں کی تہذیب و تمدن دفعتاً بدل جاتی ہے سفر کے وسائل رہنے سہنے کا طور رکھانے پینے کے طریقے، وضع و لباس کا انداز، مکانوں کی جگہ گھر وں کی صفائی، تجارت کے سامان، صنعت و حرفت کی حالت ہر چیز پر ایک نیا عالم نظر آتا ہے اور گو مفتوح قوم ہند سے اسان : مانے لیکن جو دیوار سے شکر گرداری کی صدائیں آتی ہیں،

اسی معیار سے ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مسلمان جو ہندوستان میں آئے کس شان سے آئے اور ملک پر ان کا کیا اثر ہوا لیکن اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب و تمدن کی حالت کیا تھی، چونکہ ہم اس مضمون میں صرف تیموری حکومت کے دور سے بحث کرنی چاہتے ہیں اس لیے ہی زمانے سے پہلے کی حالت دکھانا کافی ہوگا۔

اگرچہ یہ ظاہر ہو کہ اس سے قبل کی اسلامی حکومتوں نے بھی ہندوستان کی تہذیب و تمدن کو کچھ نہ کچھ ضرورتی دی تھی تاہم بابر نے ترکستان سے اگر ہندوستان کو جس حالت میں لکھا اس کی تصویر کیے لفظوں میں ہے اس پر خوب نے، گوشت خوب نے، انگوڑی خربزہ و میوہ آہ ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں اچھا گوشت نہیں انگوڑی نہیں

اب بابر نے اپنے حالات ترکستان میں لکھے تھے جو ترک بابر کے نام سے موسوم ہے، عبدالرحیم خان خاناں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے جو بھی میں چھپ گیا ہے اور یہ عبارت فارسی ترجمہ کی ہے،

خوب نے، پنج قاب سرونے، ۱۰ جام و در سے نے، شمع نہیں برتن نہیں، آب سرو نہیں، عام نہیں، در سے نہیں
و شعل نے، شمع دان نے، شمع نہیں، شعل نہیں، شمع دان نہیں،

بجائے شمع، شعل و جمع کثیر چھ کھینے می باشد دیوئی میگویند شمع کے بجائے دیوٹ ہوتا ہے، یہ میں نے کہا ہوتا ہے، ایک
در دست چپ خود سے پایہ خوشے را گرفتہ اند کہ ازین سیلہ پایہ میں چراغ دان کے سٹھ کے شعل کا ایک لڑا
دکنار یک پایشل سر شمع دان یک آہنے را چوب لکڑی میں وصل کر کے لگا دیتے ہیں، ایک دھمی ہی
یہ ہمیں سے پایہ مضبوط کردہ اند، یک قبیلہ شستی را بنی دوسرے پاسے میں لگی ہوتی ہے، داسٹے ہا صوم
کہ برابر زانشت بودہ باشد، چوب آہن دار پایہ دیگر قبیلہ میں کہ دکی ایک تو بنی ہوتی ہے، جسکا سولخ ننگ
در دست راست ایشان یک کدے مت کہ سورخ ہوتا ہے، ایسی را منٹے تیل کی پتلی سی و ہا رگرتی
آن را تنگ گذاشتہ اند کہ روغن از ان جا باریک شدہ ہے، راجون اور مہراجون کرات کے وقت روشنی
می ریزد، بادشاہان و امراء ایشان شب ہا اگر کاری کا جب کچھ کام پڑتا ہے تو ذکر جا کر بھی کثیف
کہ احتیاج بہ شمع داشتہ باشند ہمیں دیوٹ ہاے چرکین دیوٹ لیکمان کے پاس کھڑے ہوتے
ایں چراغ آوردہ نزدیک گرفتہ می ایستند۔ ہیں۔

در باغ و عمارت ہا آب ہاے روان نے، در عمارات باغون اور عمارتون میں، آب روان نہیں،
و صفا و ہوا و اندام و سیاق نے رعیت و موم ریزہ عمارتون میں نہ صفائی ہو، نہ موزونی نہ ہوا نہ
تمام پاسے برہنہ می گردند۔ لنگوٹ گفتہ یک چیز می بندند تا سب عام آدمی ننگے پاٹون ایک لنگوٹی لگائے
ذنان آن ہا خود یک ننگے بستہ اند نصف آن را در کر پھرتے ہیں، عورتیں ننگی باندھتی ہیں، جسکا آؤہا
بستہ اند و نصف دیگر را بر سر خود انداختہ اند، حصہ کہ سے لپیٹ لیتی ہیں اور کو حاسر پڑال لیتی ہیں
تذکرہ بابری صفحہ ۲۰۳

بابر کو قریباً چار سو برس ہوئے لیکن آج بھی ہندوستان اس کے بیان کی عینی شہادت

دینے کو موجود ہے،

اب دیکھو تیموریوں نے ہندوستان میں اگر تہذیب و تمدن کو کہاں سے کہاں پہنچایا
تہذیب و تمدن کی سیکڑوں جوئیات ہیں، ان میں سے مختصر اہم بعض بعض کی تفصیل لکھتے ہیں،

زمین کی بیدار ہندوستان اگرچہ ذرا عتی ملک ہوا سیلے بنا ع اور ثرات کی قسم سے تمام چیزیں یہاں
پیدا ہونی چاہیے تھیں، لیکن ہندو چونکہ ملک سے کبھی نکلتے نہ تھے، اس لیے ان کو دنیا کے ثرات اور
غزوات کی خبر نہ تھی اسکے سوا ان کی قناعت پسند طبیعت کے لیے، بڑھل، کھل اور پھوٹ کیا کم تھی،
تیموریوں نے یہاں آنے کے ساتھ اس طرف توجہ کی، اور ایران و خراسان کے لطیف پھول اور پھل لاکر
تمام ہندوستان میں پھیلائیے، قلم اور پیوند لگانے سے ہندو مطلقاً واقف نہ تھے سب پہلے اکبر کے زمانے
میں محمد علی افشار نے جو کشمیر میں داروغہ باغات تھا کابل سے شاہ اولنگو اکرو پیوند لگایا، اور پھر عام رواج ہو گیا
اہم اکبر کے زمانے تک آم کی قلم نہیں لگ سکتی تھی، خانی خان واقات سنہ ۱۵۷۲ ہجری (صفحہ ۳۸) میں لکھتا ہے،

پیوند دادن اشجار میوہ دار در کشمیر و تمام ہندوستان نہ بود محمد علی افشار

داروغہ باغات کشمیر و بعد عرش آشیانی اول ہمال شاہ اکو را کابل طلبیدہ پیوند نمود

بآب و ہولے آن جاموانق اعد از ان ایام رواج یافت و سال بسال در ہمد بلاد

ہندوستان ازمین پیوند میوہاے شاداب و شیرین بالمیدہ گردیدند، الادریخت

اندر پیوند نمودن مستند نمود،

اسی زمانے میں اور بہت سے میوے، ولایت سے آئے انسان بھی اُسی زمانے میں یورپ
سے آیا جہاں گیسر تک میں لکھتا ہے، (صفحہ ۳)

در ایام دولہ حضرت عرش آشیانی (یعنی اکبر) اکثر میوہاے ولایت کند

ہندو بہت سید، انعام اکو را از صلبے دختہ و کششہ و شہر ایام شائع گشت

از جزئیو یا میوه ایست که آن را ناس می نامند و بنا بر رنگ می خورد و غایت
خوشبوئی و راست و ده گشت، در باغ گل افشان اگر هر سال چندین هزار ری آید
درختان سرو و صنوبر، و چنار و سفیدار، و بیدموله که هرگز درختستان
نیال نکرده بود، به هم سیده و بسیار شده و درخت صندل که خاصه چنار بود در
باغ نشو و نمایافته ..

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں صندل کے درخت عموماً باغوں میں ہوتے تھے حالانکہ
آج اس ترقی کے زمانے میں بھی یہاں صندل کا نام و نشان نہیں، پستہ بھی آج کل ہندوستان میں پیدا
نہیں ہوتا لیکن اکبر کے زمانے میں پستہ کا درخت بویا گیا اور بار آور ہوا، آئین اکبری میں ہے،
ہیچان تر جزو شکار و بادام و پستہ و آرد و جزآن پیداے گرفت
پھول، ہندوستان میں یوں بھی کثرت سے تھے یہاں تک کہ جہانگیر جب کشمیر گیا تو اس وقت
کو جو شاہی مصور تھا حکم دیا کہ خاص کشمیر کے پھولوں کی تصویر کھینچے چنانچہ سو سے زیادہ پھولوں کی
تصویریں لی گئیں، ترک میں جہانگیر خود لکھتا ہے،

اچھا دیکھو اُستاد منصور نقاش شبیہ کشیدہ از یک حد گل متجاوزست،

لیکن تیموریوں کی خوش مذاقی نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ ایران اور توران کے پھول منگوا کر
ہندوستان کو ایران کا چمن زار بنادیا، آئین اکبری میں ہے،

و گھماے ایرانی و تورانی ادکل منہج و رنگس و نقشہ و یاسمن کبود و سوسن

و ریحان و رعنا و یابا و شقائق و تاج خروس و طغ و افزان و ظلی و جزآن بسیار خود،

ہندوستان کے گنوار مالی، باغ میں یوں ہی بے ترتیب درخت لگاتے تھے، چمن بندی
خیابان، جدول، تختہ بندی کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا، باغوں میں کسی قسم کی عمارت اور آبشار

ہوتے تھے باپ پر نے ہندوستان میں اگر ان چیزوں کو رواج دیا، ابو الفضل لکھتا ہے،

پیشرو در بیان ہمارم ہی کشتند، اذان باز کہ قدم فردوس مکانی ریا بر

ہندوستان رافزع افود، خیابان ہندی و طح آرائی پدید آمد و عمارت ہای دلگشا

و انبشار ہای ساعدہ افزو ز دیدہ و ران آفاق را بنگفت آورد،

صنعتیہ و صنوعات تیموریوں نے سیکڑوں قسم کی صنعتیں جاری کیں جن سے یہاں کے اصلی باشندے

نامواقف تھے، ان سب کی تفصیل خرمیہ ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، ہم صرف بعض کے نام اور مختصر

کیفیت لکھتے ہیں،

پارچہجات، ہندو ہمیشہ سے نہایت سادہ لباس پہنتے تھے، اور غالباً ان کو گڑی گاڑ

کے سوا اور کچھ نہ بناتا تھا، اکبر نے دلی، لاہور، آگرہ، فتح پور، احمد آباد، گجرات میں پارچہ جانی کے بڑے بڑے

کارخانے جاری کیے اور ایران، فرنگستان، چین سے کارگر بلوا کر ہر قسم کے قیمتی کپڑے طیار کر اسے

ابو الفضل لکھتا ہے،

از نوچ گیتی نہادند گو نگون تماش چہرہ برافروخت و ایرانی و فرنگی خطائی

فردان شد و استادان کا پردار و ہنرمندان مادہ آئین آمدہ ہنگامہ امور شہر ہم ساقند

در شہکچہ حضور و شہر لاہور و فتح پور و احمد آباد و گجرات کا زامہا پدید آمد۔ گو نگون تصویر

د نقش دیگرہ و شکرت طح ہار و اپنی گرفت و عالم نوردان کا لاشناس بنگفت افتادند۔

از قدردانی، نادر کاران زو دیاب این برز نیز آموختند،

ابو الفضل نے ان میں سے جن کپڑوں کے نام اور ان کی قیمتیں لکھی ہیں، ان میں سے بعض کی

تفصیل حسب ذیل ہے،

مخل نہفت، بزرگی، گجراتی، کشمی، ہڑوی، طاس، گجراتی، داماشی، مقیش، شروائی

مستور شرمی، بیاباے رنگی، دیباے بڑی، خار، اطلال، خطائی، نوا، خطائی، حشر،
تعلل، رنگی، خاق، شہزاد، قطعی، کسان، رنگی، آفت، انبری، مطبق.

یہ سب ریشمی کپڑوں کے نام ہیں۔ سوئی کپڑوں کی تفصیل حسب ذیل ہے،
چتر، مل، نیشک، سری، نمات، انگٹا، مل، بھرون، سالور، بہادر شاہی
گر، سوئی، خیل، دکنی، ہرمل، سمن، جیونہ، اساولی، محمودی، پنجولیہ، جبولہ،
چھینٹ، غمبیر، وغیرہ۔

شال جو کشمیر میں بنتی تھی اکبر نے اسکو بھی بہت ترقی دی، پہلے صرف تین چار رنگ کی شالیں
ہوتی تھیں۔ اکبر نے طرح طرح کے نئے رنگ ایجاد کیے مثلاً نارنجی، برنجی، قرمزی، کاہی، ادغواقی، عنبائی،
سلی، سوسنی، جگری، زمردی وغیرہ وغیرہ پوری تفصیل آئین اکبری میں ہے، اسکے علاوہ پہلے سادی شال
بنتی تھی، اکبر نے اور بہت سی قسمیں ایجاد کیں، ابو الفضل لکھتا ہے،
دیزر، زردوزی، وکلا، ہون، کشیدہ، وطفہ، بامدھنوں، چھینٹ

و اُلچہ و پردار، از دغ خاطر دالات،

پہلے شال کا کارخانہ صرف کشمیر میں تھا، اکبر کے زمانے میں خاص لاہور میں ہزاروں سے زیادہ
کارخانے جاری ہو گئے،

ہندوؤں کے زمانے میں تشخیص مالگداری کا صرف طریقہ تھا کہ ہل پیچھے کچھ رقم مقرر کر دیتے تھے
زمین کی پیمائش اور مختلف لیاقتوں کے لحاظ سے جمع کی تشخیص نہیں جانتے تھے،
خانی خان لکھتا ہے،

مختی نامہ کو ولایت پُرسویش صورت دکن ما ز قدیم ملک بود ز خیر سیر حال

کہ دستور تشخیص جمع مال بر سر گیارہ شمار و ہندوؤں زمین پر حریب و تقسیم غلاموہ گرفتار

و میان بنو، چنان مقرر ہو کہ ہر گز دو عاقین و مزارعان کہ یہ ایک قلم و ایک جفت کا
 انہی ترانت، کشت کاری نمود و ہر جنسے از مہربان و بقولات کمی خواست کی گشت
 بر شرطہ، تیلے، اختلاط با دو پرگنات در سرکاری داد، باز پرس کیت ہم رسیدن غلط
 وغیرہ در بیان نمی آید،

خانی خان نے دکن کے ذکر کی خصوصیت کی وجہ سے دکن کا نام لیا، اور نہ کل ہندوستان کا یہی
 حاصل تھا، سب سے پہلے اکبر کے عہد سٹہ جلوس شاہی میں راجہ ٹوڈرل نے زمین کی پیمائش کرائی، اسکے
 مختلف حصے قائم کیے، اور اختلاف درجات کے لحاظ سے مختلف شرحیں مقرر کیں، لیکن دکن میں اب تک
 وہی قدیم طریقہ جاری تھا، شاہ جہان کے عہد میں مرشد قلی خاں جردکن کا صوبہ دار تھا حسب ذیل انتظامات کیے
 (۱) زمین کی پیمائش کرائی،

(۲) قابل زراعت، اور ناقابل زراعت کی تفریق کی،

(۳) تقاویٰ دینے کا قاعدہ جاری کیا،

(۴) تشخیص جمع کے متعدد طریقے مقرر کیے،

(۱) بٹائی اسمین زمین کی تین قسمیں کیں، بارانی اسمین نصف بٹائی مقرر کی یعنی جس قدر غلہ

پیدا ہو، اسمین آدھا، سرکاری حق ہو،

چاہی، یعنی وہ زمین جو آب پاشی کے ذریعہ سے کام میں لائی جائے، اسمین صرف ایک

بٹائی سرکار کا حق تھا، ایکو انگور، کیلہ، پوست، زیرہ، اسپغول، ان چیزوں میں نوین حصے سے لیکر چارم
 تک سرکاری مالگداری میں داخل ہوتا تھا،

۱۰ خانی خان صفحہ (۴۳۱)۔

۱۱ خانی خان صفحہ ۴۳۲ و ۴۳۳ میں تفصیل ہے، میں نے اُسی کا ترجمہ کر دیا ہے،

نہری، یعنی وہ زمین جس میں نہروں سے آب پاشی کی جاتی تھی،

(۲) جریب، اس طریقہ میں فی ہیکہ، چوتھائی پیداوار لی جاتی تھی،

شاید ایک نیکہ پھین بول اٹھے کہ زمین کا بندوبست وغیرہ جو کچھ کیا تھا، ٹوڈرل نے کیا تھا جو

تھا لیکن یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہر سلطنت میں دوسری قوموں سے بھی کام لیا جاتا ہے لیکن سلطنت

ہی کے کارناموں میں محبوب ہوتا ہے، اسکے علاوہ یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ ٹوڈرل کے اکثر کاموں

میں امیر فتح اللہ شیرازی کی شرکت تھی جس کے فضل نکال کا تمام ہندوستان اور ایران میں جواب تھا ابو الفضل

اسکی نسبت کہا کرتا تھا اگر گرن نامہ ہائے دانش مفقود نہ ہوتا تو اس نوربند،

سنتہ جلوس اکبری میں وہ امین الملک مستدر ہوا اور حکم ہوا کہ راجہ ٹوڈرل اس کے

مشورہ سے ملے اور مالی کاموں کو انجام دے، چنانچہ مآثر الامار میں ہے،

حکم شد کہ راجہ ٹوڈرل ہمت ملی و مالی بصلاح دیدار امیر و براہ کھود کن

معاملا کا از ان طفران تشخیص یافتہ بہ انجام رساند امیر فاضل چند کہ متغیر کفایت کیا

در قاعدہ عایانہ و برگذار، پذیرفتہ شد (صفحہ ۱۰۱-جلد اول)

کسی ملک کے تمدن کی ترقی کا ایک بڑا لازمہ یہ ہے کہ غیر ملک کے حیوانات کی نسلیں اصناف

کیجاؤں میں، ملکی جانوروں کے نسلوں کی ترقی و تربیت، اور وسعت کا انتظام کیا جائے

تیموریوں نے اس صیغہ کو بے انتہا ترقی دی،

اؤنٹ اس ملک میں بالکل نہیں ہوتے تھے، ضرورت کے لیے باہر سے منگوائے جاتے تھے

اور اس وجہ سے ہر شخص کو میسر نہیں آ سکتے تھے اکبر نے اسکے لیے ایک خاص مویشی خانہ قائم کیا اور چند

میں نہایت عمدہ نسلیں طیار ہو گئیں، ابو الفضل امین اکبری میں لکھا ہے،

وہ شاہی خواہش اپنان تلج برگرفتہ کا اذعان بختیان برگذشت (صفحہ جلد دوم جلد اول)

ابن حزم جو دہ پور، ناگور، بیجاپور، جلیہ، بھند، امین گٹ سے حسین بن علی بن ابی اسحاق نے کھا کر
ایک ایک شخص کے پاس دس دس ہزار اونٹ تک ہوتے تھے،

ہندوستان کے اصلی گھوڑے پست قد ہوتے تھے جنکو اس زمانے میں گوٹ یا ناگن کہتے تھے، اکبر کے زمانے
میں، سوداگر عراق، عرب، روم، ترکستان، بدخشان، تبت وغیرہ سے گھوڑے لاتے تھے، لیکن اکبر نے نئی
مسلمان کے پیدا کرنے کا نظام کیلئے ورنہایت اعلیٰ درجے کے گھوڑوں کی تسلیں ملیار ہو گئیں جہاں تک
ترک بن لکھا ہے،

پیش از مدد دولت حضرت عرش آسمانی (یعنی اکبر) دار سوادى مردم این جابر
گوٹ بود، اسپ کلان منی، داشتند گراز خارج اسپ عراقی و ترکی رسم خدمت حکم اور
گوٹ عبارت از ابوبیست چار شاہ بردمین نزدیک در سائر کوہستان ہند و روان
می باشد لیکن اذان کر این گلشن خدا آفرین بر تائید دولت ولین تربیت خاقان سکندر
آئین رونق جاوید یافت، لیکن از ایامات رادرین صوبہ جاگیر محنت فرمودہ گلہ
اسپ عراقی و ترکی حوالہ شد کہ کرہ دچھیر (بگیرند) در اندک فرصت اسپان
ہم رسیدہ، (صفحہ ۱۳۰)

ابو الفضل امین اکبری بن لکھا ہے،

کار شناسان دیدہ و در نتائج این ہوش برآدی خود دل بستند، در اندک
فرصت ہندوستان با جستان عرب آمد و لیکن اسے از عربی و عراقی جدا نموند کرد،
(جلد اول صفحہ ۹۴)

اسکے بعد گھوڑوں کی خرید و فروخت اور ترقی اور نمائش کے لیے اکبر نے جو نظامات کیے تھے
اسکو ابو الفضل نے تفصیل لکھا ہے،

غیر مت بچھلی کے علاقہ میں جوتے تھے، لیکن سواری کے قابل نہیں ہوتے تھے اور لوگ اسکی سواری کو گدھے کی طرح ننگ سمجھتے تھے اکبر نے اسکی نسل کو اسقدر ترقی دی کہ ہزار روپیہ تک اسکی قیمت بیوی بچی اور لوگوں کو اسکی سواری سے عاری نہ رہا۔

اکثر جانور ایسے ہیں جو جنگل کے سوا، پتے نہیں جنتے، مثلاً ہاتی، شیر، چیتے، چکور، سارن وغیرہ لیکن تربیت کے ذریعے سے اسقدوان کے اخلاق اور عادات میں تغیر پیدا کیا گیا، گھروں میں ان سے بچھاؤ اشیاء پیدا ہوئے، اکبر نے ایک ٹانے میں ہزار چیتوں کو بیک جلا کیا اور چاہا کہ نرمادہ سے جفت ہو لیکن ناکام آیا، ہونی، جہانگیر کے عہد میں اسقدر تغیر ہوا کہ ہاتی اور چیتے، مادہ سے جفت ہوئے اور بچھنے، جہانگیر تک میں لکھا ہے،

یوز قراست کو در غیر جا سائے کمی باشد برادہ خود جفت نمی شود چنانچہ والد بزرگوار
 ایک شے نامہ راز یوز جمع کردہ بود بسیار خوان آن بودند کہ آن ہا بایک دگر جفت شوند اصلاً
 نمی شد و بار ہا یوز ہائے نرمادہ در باغات قلاوہ برآوردہ سردادند در انجا ہم نشد درین
 ایام یوز نئے قلاوہ خود را سچھتہ بر سر مادہ یوزے میروود جفت می شود، بعد از دو نیم ماہ
 بچہ زائید و خان شد،

جہانگیر نے فخریہ لکھا ہے کہ میرے زمانے میں مھرائے جانور اسقدر رام ہو گئے ہیں کہ شیر اور چیتے قطار در قطار بے قید و زنجیر شہر میں چھوٹے پھرتے ہیں اور کسی کو نہیں سناتے، مہنتی، شیرنی، چکور کے بچہ جسنے اور انٹے دینے کا حال، جہانگیر نے ترک میں لکھا ہے،

جہانگیر نے ایک عظیم الشان جانور خانہ طیار کرایا تھا، اسکو حیوانات کا اسقدر شوق تھا کہ اپنے اینجنٹوں کو در دراز مقامات پر نئے نئے جانوروں کے ہیا کرنے کے لیے بھیجتا تھا، ایک دفعہ مقرر خان کو

لوگو! میں بھیجا کہ وہاں سے یورپ وغیرہ کے نادر جانور خرید کر کے لائے مغرب خان ہینار روپیہ خرچ کر کے
بہت سے عجیب و غریب جانور لایا، انھیں مین پیرو بھی تھا جس کو انگریزی مرغی کہتے ہیں، چنانچہ اس
واقعہ کو جانگیر نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اسکا اقتباس یہ ہے،

جانور

حسب حکم با استعداد تمام یہ گوشت و آفت و مئے دران جالبہ، نقالی ہے کہ دران بند
بہت افتاد اصلائے زرنید، بہر قیستہ کہ فرنگیان خاصند زردادہ گرفت، ہار ہر جنس
چیز و تحفہ داشت ازان جلد جانورے چند آورہ بود بسیار عجیب و غریب چنانچہ
تاحال ندیدہ بودم بلکہ نام اورا کسے نمی دانست،

جہاں گیر نے ان تمام جانوروں کی تصویریں بھی کھینچیں چنانچہ تفصیل اسکی آگے آئے گی
ان میں سے ایک جانور کا حال ان لفظوں میں لکھا ہے،

میمونے آورہ بود بہیأت غریب، دست و پا گوش و سرا و بعینہ میمون است
درے او چہ رویہ مایمانہ، رنگ چشمہاے او بزنگ چشمہاے لیکن چشمہاے او نیم باز
کمان ترست از سرا و تاسر دم یک مربع معمول بودہ است، از میمون است تر و از وہ
بلند ترست، چشمہاے او بطریق چشمہاے گوسفند و رنگ آن خاکستری است، ادبنا گوش نازخ
سرخ ست می گون، و گاہے آوازے از وظاہری شود بطریق آواز آہو برہ، مہملہ
خیلے غرائب دارد،

جانوروں کی پرورش، پرداخت، تربیت، علاج وغیرہ کے متعلق اسقدر سامان فراہم کیے گئے
تھے کہ انکی تفصیل اس مضمون میں نہیں آسکتی، انکے کبری اور خشک جہاں گیر نے کھینی چاہیے،
۱۶۳۳ء ہجری میں ولایت زیر باد سے ایک عجیب و غریب پرندہ چڑیا خانہ میں داخل ہوا جسکی
کیفیت جہاں گیر نے ان الفاظ میں لکھی ہے،

یکہ از خصوصیات این جانورانست کہ تمام شب پائے خود را بر سر شاخ درخت و یا چوبی
کہ او را بر آن نشاندہ باشند بند کردہ خود را مشرب (الک) می سازد و با خود زخم می کند،
آب مطلق نمی خورد و طبیعت او کارزہری کند، با آن کہ قبای حیوانات بہ آب است،

رناہ عام کے کام اس محکمہ کو تیموریوں نے بے انتہا ترقی دی، لیکن انصاف یہ ہو کہ سنگ نیا شیر شاہ
عمارت اور نوک وغیرہ نے رکھا تھا، تیموری اسکے مقلد تھے، شیر شاہ نے بنگالہ سے اگرہ، ماندو، اور سوہیت
جنگ استہ بین مسجدین پختہ کنوئین اور سرانین بنوائین اور حکم دیا کہ ہندو اور مسلمان سب کے لیے سراؤن میں
کھانا مہیا ہے، ہر کون کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگائے چنانچہ خانی خان اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا

اور
نورین
سرایین

بامین راہ بنگالہ تا اکبر آباد و ماندو و نبت، اکسافٹ بعیدست برای مسافران
مسجد و جاہ پختہ ساختہ، و در ساجد موزان جارد بکش بہمد و ظیفہ مقرر نمود، و در سرا
طعام پختہ و خام برای مسافرن و متردین مسلمین و ہندو قرار دادہ بہت پختہ کن غلامان
و نوکران نگاہ داشتہ بود، گویند آتش چزاں سراہاے ہند کہ بہ بھٹیاری زبان زد
مردم ہند گردیدہ انداز اولاد جهان ہاندا ماندو مقرر نمودن اسپان بر کار در سرا بامین و
رسیدن انجا از شغلہ رو دگار بہ دربار بہ طریق ڈاک از اخترع اوست، و بامین راہ ہا اشجار
میوہ دار و درختان سایہ دار برای آرام مسافران نشانند،

جہا نگیرنے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اس محکمہ کی طرف توجہ کی، چنانچہ احکام دازد گاہ
میں سے دوسرا حکم یہ تھا کہ راستوں میں مسجدین کنوئین، اور سرانین طیار کیجا میں، اسکے ساتھ حکم دیا
کہ جو شخص لاوارث مے اسکی متروکہ سے مسجدین اور سرانین کنوئین اور تالاب تعمیر کیے جائیں اور پلوں کی

۱۵ ترک جہانگیری صفحہ (۱۳۳)

۱۶ خانی خان جلد اول صفحہ ۲۱، واقعات ششم جری،

مرمت کرائی جائے انھیں احکام دوازدہ گانہ میں یہ بھی تھا کہ تمام شہرے شہروں میں اسپتال بنائے جائیں
 جس میں سرکاری طبیب علاج کے لیے مقرر ہوں، اور دوا وغیرہ کا صرف سرکاری دکان سے دیا جائے،
 سال اول جلوس میں جہانگیر نے حکم دیا کہ تمام شہروں میں غلخانے قائم کیے جائیں جہاں
 راہبروں اور مسافروں کو کھانا تقسیم کیا جائے چنانچہ ترک میں لکھتا ہے،

اتمام مالک محروسہ خواہ در حال خالصہ و خواہ جاگیردار حکم فرمود کہ غلور خانہ ہا
 ترتیب دادہ بہ جهت فقر و غریب گنجائش آن محل طعام و رویش از طبع می نمودہ باشند تا
 مجاوران و مسافران فیض رشند

شہر جہری میں اس صیغہ کو اور وسعت دی یعنی عام طور پر فقر کے لیے لنگر خانے بنوائے
 چنانچہ ترک میں لکھتا ہے،

ہندو ہم ذی قعدہ حکم کرد کہ در شہر ہائے کلان مالک محروسہ مثل احمد آباد و الہ آباد
 و لاہور و آگرہ و دہلی وغیرہ غلور خانہ بہ جهت فقر ترتیب دہند،

شہر جہری میں اس پر اور اضافہ کیا، چنانچہ اسکی تفصیل خانی خان ان الفاظ میں لکھتا ہے،

در ہین سال کہ مراد از ست ہزار و ست و ہشت باشد حکم فرمود کہ کیا میں ۱۰۰۰ از لاہور
 تعلقہ سرحد الہ آباد فاصلہ یک سو کردہ جریب یک میل ۱۰۰۰ میں دو میل یک جاہ بسا زند و ہجرت
 دورست و دختان سایہ دار نشانند و بہ زمینداران و حکام احکام تربیت اشخاص و فرمودند
 ہر جا محال خالصہ یعنی شاہی جاگیر برای ساختن مراکم نمودند و بہ امر حکم فرمودند کہ در

۱۰ ترک جہانگیری صفحہ ۱۳۰

۱۱ جہانگیری صفحہ ۱۳۱

۱۲ ترک جہانگیری صفحہ ۱۳۵

مقلد محال جاگیر خود بر مکانے کے قابل ہر ساعتی باشندہ برای نزول مسافرین متروکین
 سر پہنچتہ مسجد و چاہ سازندہ و اکثر دیگر داران بموجب اشارہ بادشاہ وہم چشمے
 یک گیر تباہ خرابیہات ہر اہل امن ہر جہا پہنچ کر وہ گدہ آشتند،

غور کرو ایک ایک کوس پر میل دو دو میل کے بیچ میں ایک ایک کنعان یا چار چار میل کے بیچ
 میں سر زمین، بنوانا، کس قدر مصارف کثیر کا کام ہو اور جس ملک میں یہ انتظام ہو وہاں سفر کرنا کس قدر آسان ہوگا
 جہاں گھیرنے میں مرکز پر جو میل بنوائے تھے، وہ بڑے بڑے چوٹے مینار کی شکل کے تھے اور آج
 بھی پنجاب کی راہ میں موجود ہیں، اور ریل پر سے نظر آتے ہیں،

راستہ کی امن و امان، اور سفر کی آسانی کا یہ نتیجہ تھا کہ ایران، اور بغداد و شام کی چیزیں، دستا
 کے بازاروں میں اس کثرت سے ملتی تھیں کہ خود ان ملکوں میں نہیں مل سکتی تھیں، دیر پا چیزیں ایک طرف
 پھل اور میوے تین تین مہینہ کے راستہ سے تازہ تازہ پہنچتے تھے، جہاں گھیرنے ایک موقع پر خود اس
 انتظام پر ہتھیاب کے ساتھ خدا کا شکر کیا ہو، جلسہ جلوس میں جب اسکے دسترخوان پر مختلف ملکوں کے
 تازہ میوے ایک ساتھ چُنے گئے تو اسکو بھی حیرت ہوئی، اور بول اٹھا کہ اس نعمت کا شکر کس دہان
 ادا کیا جائے، چنانچہ لکھتا ہو،

در یک خوان چندین قسم میوہ حاضر آوردند خیرہ کاریز و خیرہ بخشان و کابل
 و انگر و سمرقند و بخشان، و سیب سمرقند و کشمیر و جلال آباد، و اناس کہ از میوہ ہای
 بناوڑ رنگست، و گوگرد و شکل و اندام خود را ز تاجست، و در صوبہ بنگالہ خوب میوہ
 شکر این نعمت بکدام زبان آوازد نمود و صفحہ ۳۷۱،

یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ یہ انتظام بادشاہوں کے لیے مخصوص تھا، بلکہ ہر کس و ناکس کو حیرت

دور میں میسر آسکتی تھیں آئین الہی میں تفصیل سے لکھا ہے کہ کہاں کہاں سیوجات آتے تھے اور نام
پتہ زون میں بکتے تھے

آج اس وسعت اس انتظام اس ترقی کے زمانے میں، ہمدردی و چستان اور کابل سے دھر کے
میسرے نصیب نہیں ہو سکتے

راستوں کے انتظام اور ڈاک کے بیان میں یہ بات بھی لکھنے کے قابل ہے کہ معمولی طریقے کے
نامہ برکہ

مطہ نامہ برکہ تو بھی طیار کیسے لگے اور ان سے کام لیا گیا، چنانچہ جہانگیر نرنگ میں لکھنا ہے،
کہ کبوتر بادلان فرمود کہ این بار آموختہ کنند و این کبوتر بادلان چند ہفتے را

چنان آموختہ کرد کہ در اول روز کہ از ماند و پر وازان ہای نمودیم اگر گشت باران بسیار

می شد نہایتش تا دو نیم پہر بلکہ تا یک نیم پہر بہر ہان پوری رسیدند و اگر بوالغایت

صاف می بود اکثرے در یک پہری رسیدند (صفحہ ۱۹۱)

ایجادات تمدن کی ترقی کا ایک ضروری نتیجہ ایجادات اور اختراعات ہیں، تیموریوں کے زمانے
اختراعات میں ہر شاخ میں طرح طرح کی چیزیں ایجاد ہوئیں، ان میں سے جو علمی ایجادات تھیں
سے بعض کا حال ہم لکھتے ہیں

ایک عجیب غریب حوض یہ حوض فن عمارت کی ایک ایسی بلجھی تھی جسکی نظیر آج بھی مشکل سے ملے گی، اسکا
سورج حکیم علی گھا جہاں کبر کے دربار کا مشہور حکیم اور موجد تھا، یہ حوض حکیم موصون نے ۳۹ جلوس کبری
میں بنایا تھا جسکی کیفیت تھی کہ حوض کے اندر ایک مختصر سا کمرہ تھا جس میں دس بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے
کہ وہ میں ہر طرف سے روشنی آتی تھی لیکن ہوا کا رخ اسطرح قائم کیا تھا کہ پانی نہیں آسکتا تھا، مگر خوش فہم
سے آراستہ رہتا تھا کھا بھی طیار تھا، تاثر الامین اسکا حال اور انکے سیر کرنے کی کیفیت سن لکھی

در گنج حوض سرے آب فرو بردہ دوسرے پائین فتنہ بدان خادہ در آمد بسیار
 بہ خلف آراستہ در غایت روشنی بجائے دو دروازہ کسست فرش خواب و تخت پوشش
 میز و ماضری طعام موجود چند جلد کتاب در طاق ہا گذاشتہ ہوا نمی گذشت کہ ایک
 قطر آب اندرون در آید چون بادشاہ لختہ درنگ فرمود و غریب حالتے بروم بیرون و آمدہ
 ششم ہجری میں جہانگیر نے اسکی سیر کی چنانچہ ترک میں اسکا حال لکھا ہے،
 حوض مذکور کشش گزیر کشش گزست، و در پہلوے حوض خانہ ساختہ شدہ و غایت
 روشنی کہ راہ بہ آن خانہ ہم از درون آب ست و آب از ان راہ درون در نمی آید و دروازہ
 کس در ان خانہ صحبت می داشتند،

گل کی پتی یہ پکی امیر فتح احمد شیرازی نے ایجاد کی تھی جو اسی ہجری میں اکبر کے سب احکام فتح پور میں آیا، اور
 امین الملک کے عہدہ پر ممتاز ہوا تھا، یہ پکی پانی اور ہوا وغیرہ کے زور سے نہیں بلکہ خود بخود چلتی تھی یا اثر الاروا
 میں لکھا ہے

آسیاے ساختہ کہ خود حرکت می کرد، و آرومی ساختہ،

آج تو یہ ایجاد ایک معمولی بات ہے، لیکن اس زمانے میں یورپ میں بھی عجیب سمجھی جاتی ہوگی،
 نوپ کی مختلف قسمیں اکبر کے صناعتوں نے مختلف طرح کی توہین ایجاد کیں ان میں سے ایک ستر فال کی
 تھی، اور ایک ہی دفعہ سب نالین سرحدی تھیں، ایک ایسی تھی کہ چورایون کے حلقہ کی طرح سے الگ الگ
 ہو جاتی تھی، اور ضرورت کے وقت حلقہ ملا دیتے تو ایک نوپ بن جاتی تھی، چنانچہ افضل آئین اکبری میں لکھا ہے

۱۵ آثار الامرا جلد اول صفحہ ۷۰، ۷۱

۱۶ ترک جہانگیری صفحہ ۷۳،

۱۷ آثار الامرا جلد اول صفحہ ۱۰۳،

گو ناگن اختراع فرمود وہاں نے بے شکفت اور افادہ یکے برے کار آمد و پرورش
 از ہم جدا کردہ با آسانی برند، و وزیر ہندہ راجن یکتائی داد و یک غیلہ ہمدار لکھا و
 وزیر چنان بر ساخت کہ یک نعل آسانی کشد و آن رنگ نال نامند،
 گوئے تہشیں | اگر کبھی کبھی راتوں کو گیند کھیلتا تھا، اسلئے اس قسم کے گیند ایجاد کیے کہ رات کو شعلہ
 کی طرح روشن نظر آئے،

اس قسم کی بہت سی ایجادیں ہوئیں جنکی تفصیل ایک مضمون میں سامنے سن سکتی،
 لغات پسند می موریات کی تمدن کا سب سے مقدم اثر یہ ہونا جو کفریات معاشرت بڑھتے جاتے ہیں مثلاً اسامہ
 وسعت آسائش کے سامان، زندگی یہ ہو کہ زمین پر بیٹھے اور کیلے کے پتہ پر کھانا رکھ کر کھالیا، تمدن آتا جو تو یہ
 سامان ساتھ لانا ہو کہ چاندنی کا فرش ہو، اسپر زیا نامان، دیر انداز پر پشت یا سیلاچی، آدمی نے آفتاب ہات
 میں لیکر ہات اٹھوائے، پھر دست خوان بچھا لیا، رنگ رنگ کے مختلف برتنوں میں کھانے آئے، کھانوں
 کی مناسبت سے ہر ہر برتن کا رنگ اور صورت شکل مختلف ہو کھانا کھا چکے، تو پشت، سیلاچی آفتاب
 وغیرہ آفتاب کی ہات دھونے کے لیے مین بھی ہو ہات دھو کر رومال سے صاف کیا، یہ تو قدیم تہذیب تھی
 نئے نئے فیشن نے اسپر اور بھی نئے نئے حاشیے چڑھائے،

ہندوستان میں مسلمان آئے تو یا وہ حالت تھی جسکی تصویر یا پر نے کھینچی ہو کہ لنگوٹی لگائے
 پھرتے تھے یا مسلمانوں نے ایک ایک چیز میں تہذیب و تمدن کی ہزاروں شاخیں پیدا کر دیں، مثلاً پہلے
 گھوڑوں پرنگی بیٹھ سوار ہوتے تھے، یا کل وغیرہ ڈال لیتے تھے، تیموریوں کے عہد میں گھوڑے کے لیے
 جو سامان پیدا ہوئے اسکی تفصیل ہو،

زین،
 ازنگ

یال پوشش،

پشمن رو پاک،

جبل

تختہ بند،

پشت تنگ،

گس ان،

نمکتہ،

قیسزہ،

دست مال،

خرخرہ،

رکاب

آئین اکبری میں ان سب کی تصویریں بھی دی ہیں،

گھوڑوں کی تربیت خدمت اور نگہداشت کے لیے جن نوکروں کی ضرورت ہوتی تھی ان کی تفصیل یہ ہے

داروہ مشرف، دیدہ ور، چاکلی سوار، ہاڈا، مردھ، بیطار، نقیب،

سائیس، جٹو دار، غلبند، زین دار، آب گس، فراش، پستہ سوز، خاکل، وب،

آئین اکبری میں ان سب کے کام اور ان کے مشاہرے تفصیل لکھے ہیں،

لنگوٹہ، اور دھوتی کے بجائے کپڑوں کے یہ اقسام پہنہ ہوئے،

دوتاہی، پیشوارہ، شاہ آجیدہ، سوزنی، قلی، قبا، فوجی، فرغل، چکن،

شلوار، جامہ، کلاہ، صدری، قمیص، عبا، نیم تنہ، شلوکہ، کر بند،

ہن میں آج بہت سے مشرک ہیں،

زمنہ لباس اور زیور اور آرائش کے متعلق نور جہان سیکم نے جو اختراعیں کیں، تہذیب
و تمدن قیامت تک اس کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی، ہندوؤں کا کیا ذکر، مسلمانوں میں بھی نور جہان
سے پہلے زیورات بھرتے اور ناموزون ہوتے تھے، جیسے آج کل ہندوؤں کے ہوتے ہیں، لباس اور وضع قطع
میں بھی نارک لڑائیوں نے یقیناً آج حال کو گھنڈی گلیات کے لباس اور وضع کی تمام تراش خراش سب نور جہان
کے حمد کی یادگار ہیں جن میں خفیت تغیرات ہوتے گئے خود چھا گھیر کر کرتا تھا کہ جب تک نور جہان میر
گھر میں نہیں آئی، میں گھر کی زیب و زینت سے واقف نہ تھا، مآثر الامرا میں ہے:

اکثر زیور و لباس ماساب تر مین و قطع کرمول ہندست اختراعی ہادی

اوست، مثل دو دانسی، جہت پوشاوا، و بیخ تولیہ، جہت اور مہنی، و بادلو، و کناری

و عطر گلاب، و فرش چاندنی ہمہ وضع اوست،

خانی خان لکھنؤ

اقام زیور و لباس زمانہ ہند کہ در محل بلو شاہی، و امر کے مغلیہ اعمال و راج

دار و ہمہ وضع کردہ اوست، و زیور و پیرایہ سالن کہ بسیار کلفت و در تابو و منسج ساخت

چاندنی کہ نفس الامری عجیب فرش عیب پوش خانہ آمد و گرد پوش فرش دولت ندان

ہست و در شب ہای جہتاب نمود خاص و داد وضع کردہ یہاں ست، و ہا قسم جنس

باد کہ کہ قسم سنگین آن دایہ نام بادشاہ و کارخانہ موسوم ساخت و جنس سبک کہ اذان

تمام خلعت عروس و داماد و موم نام را در پانچاندہ و بست روپیہ نام شہود، و دیگر قہر

بجای و کہ برای او برای شاہ گمانجا را بدادہ ازان کہ تفصیل آن آج در دسترس

۱۳ ترک جہانگیری جلد اول صفحہ ۱۳

آسائش اور آرام اور راحت کے جو ہزاروں سالان پیدا ہوئے ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔
ہندوستان میں قدرتی تمام اشیاء پیدا ہوتی تھیں لیکن لوگوں کو ان سے کام لینا نہیں آتا تھا، مسلمانوں کی
تخوش مذاقی اور جدت طلبی سے ہزاروں چیزیں کام میں آئیں، اور ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی، شورہ یہاں
کی خاص پیداوار ہے، لیکن کسی کو ہزاروں برس سے یہ خیال نہ آیا کہ اس سے پانی ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے،
حالانکہ ٹھنڈے پانی کی ضرورت جب قدر ایسے گرم ملک میں ہو سکتی تھی محتاج بیان نہیں، برت بھی ہزاروں
سے آسکتی تھی لیکن یہاں کے لوگوں کو اپنی وحشیانہ زندگی میں آب سرد کی ضرورت کیا تھی، لیکن مسلمان عجم
سے آئے تو وہ ایسی زندگی کیونکر بسر کر سکتے تھے، اکبر نے شورہ سے پانی کے سرد کرنے کا رواج دیا، ہزاروں
سے برت آکر ہزاروں میں بکنے لگی، خس کی ٹی بھی اکبری کی ایجاد ہے، الفضل اکبری میں لکھنا ہے،
بہ شورہ سرد کرانے واسطے گرفت، و از شمالی کوہ برت مویج آوردن کہ نہ نیست

خس کی ٹی

بیخے ست بویا و ہس چنگ، آن را خس گویند بز فرائش گیتی خدا وادان نے برست لکھنا

سافتن رواج یافت (صفحو ۶، جلد ۱۱)

حارت فن عمارت میں جو فہمستین اور ایجادیں پیدا ہوئیں ان کا بیان تلخ گنج اور جامع دہلی کی
دہان سے ہر شخص سُن سکتا ہے، ہندوؤں کے مکانات کی جو اصلی وضع تھی، اسکی زندہ مثالیں بنارس
میں آج بھی ہزاروں موجود ہیں، یہ مکانات کروڑھوں کے ہیں جن پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہیں،
لیکن دروازے اتنے اونچے ہیں کہ سرکش سے سرکش آدمی کو ان کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے، ہوا کو تو
کبھی کبھی ان میں آنے کی اجازت مل جاتی ہے لیکن روشنی کو مشکل سے بارل سکتا ہے، بلند دروازے، وسیع دالان
شان دار شہ نشین، مسلمانوں کی بدولت ملک میں رواج پائے،

یعنی موسیقی مصوری وغیرہ مستقل علمی و مضمون لکھوں گا،

فنون لطیف
فائن آرٹس

شبلی نعمانی، ۳۱ اگست ۱۹۵۶ء لاہور،

مسلمان اور سرجری

زہراوی

جب کوئی قوم عروج کمال سے گر جاتی ہے تو اس کے متعلق صرف یہی دلائل نہیں ہوتا کہ اس کے علوم و فنون پر گمانی کا پردہ پڑ گیا، بلکہ ہزار و نیاہ ہوتا ہے کہ وہ قوم اپنے کمالات سے خود نا آشنا ہو جاتی ہے کون جانتا ہے کہ مسلمانوں نے فن جراحی (سرجری) کو کس حد تک ترقی دی، اور خود سیکھ کر یا خبر ہو کر سرجری میں ہمارا کیا پایہ تھا؟ جس طرح آج اسلام کے گذشتہ عام علمی کا ناموں کا ادعا ہے، چہرہ نہیں گھلتا، یہ طرح اطباء کی موجودہ علمی و عملی سنگدستی کو دیکھ کر یہ کون تسلیم کرے گا کہ ابن حلیل اور ابن برطیار نے دیو ستورید کے نباتات اور ادویہ مفردہ پر بہت کچھ اضافہ کیا، جیچک کا علاج سب سے پہلے اطباء اسلام نے دریافت کیا، کافور و سنا، سیخ ریوند وغیرہ دوا میں مسلمانوں سے پہلے نامعلوم تھیں، کیمسٹری اور دواؤں کی ترکیب و تحلیل کے موجود مسلمان ہیں، عرق اور الکحل اسلامی ایجادات ہیں اور پھر یہ کون تسلیم کرے گا کہ موجودہ سرجری کا فن اپنے وجود میں نہ اس پر طبائے اسلام کی عنایات کا ممنون ہے، لیکن واقعات شاید ہیں کہ حقیقت امر یہی ہے،

زہراوی جس کا نام زب عنوان ہے، مسلمانوں میں فن جراحی کا بہت بڑا ماہر تھا جس کی تصنیفات دیکھا کرتے ہوئے خود مسلمان اب تک نا آشنا ہیں، لیکن یورپ آج سے چار سو برس پہلے اس کی تصنیفات شائع کر چکا ہے، زہراوی زہرا کی طرف منسوب ہے جو قرطبہ کے قریب اندلس کے آٹھویں اموی خلیفہ عبد الرحمن کا بسایا ہوا ایک شہر تھا، اس کا نام اصلی ابو القاسم خلف بن عباس تھا، لیکن دنیا اس کو زہراوی کے نام سے جانتی ہے، زہرا گندھ مٹ گیا، لیکن اپنی خاک سے اُس نے جس نامور کو پیدا کیا تھا، وہ اس کے انتساب سے بہت بڑے زہرہ ہوا و قیامت تک زندہ رہے گا، زہراوی نے ششہ عین وفات پائی اور قرطبہ میں مدفون ہوا،

زہراوی کی سب سے مشہور طبی تصنیف التصریف لمن عجز عن التالیف ہے، جسے غایت

اشہرت کے لحاظ سے مصنف کا نام خود اختیار کر لیا ہوا اور زہراوی کے نام سے مشہور ہو مصنف کا سرکار
 کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصہ علمی اور حصہ عملی، پہلے حصہ کی نسبت دوسرے حصے نے زیادہ تر شہرت اور
 حسن قبول حاصل کیا ہے، حصہ اول میں تمام امراض کے اسباب و علامات اور طریق علاج کا تفصیل سے بیان ہے
 حصہ دوم میں فن جراحی اور آلات جراحی کا اس قدر ربط سے تذکرہ ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیا مسلمان بھی
 سرجری کے ماہر تھے۔

پہلا حصہ اب تک حلیہ طبع سے مجموعہ ہے اور یورپ میں برطانیہ اور ہندوستان میں اس سال
 خالص ہو چکا ہے، کتاب کا کامل نسخہ پٹنہ کے اورنٹیل لائبریری میں محفوظ ہے، اور ہماری نظر سے گذر چکا ہے، تقریباً
 کتاب کی ضخامت ایک ہزار صفحے سے کم نہیں ہے،

چونکہ فن طب سے کہو واقفیت نہیں ہے، اس لیے ہم یہ تفصیل یہ نہیں بتا سکتے کہ زہراوی نے طبی
 تحقیقات پر کیا اضافہ کیا ہے، حصہ اول کو عام اور معمولی طب کے مسائل پر مشتمل ہے لیکن ایک عام شخص بھی اس کو دیکھ کر
 جس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے وہ حسب ذیل امور ہیں،

(۱) چونکہ زہراوی شاہان اندلس کے دربار کا طبیب تھا اور عموماً امرا و سلاطین تلخ فکاوار و دوا
 نہیں استعمال کر سکتے اس لیے زہراوی نے ایک خاص باب میں شاہی علاج کی سرخی سے تمام مرض
 کے لیے لطیف و خوشگوار دوائیں جمع کر دی ہیں،

(۲) طب جدید کی ترقی نے ایک نیا طریق علاج پیدا کیا ہے کہ بغیر دوا صرف مختلف امراض میں غلغلہ
 ممالک کے قیام سے صحت ہو سکتی ہے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں اندلس کے ایک مسلمان طبیب نامہ امراض
 کا علاج صرف مختلف ممالک، جزائر، پہاڑ کے قیام اور آب و ہوا سے کر سکتا تھا زہراوی نے ایک مستقل باب

۱۰۰ ملین نامی کتب خانہ کے نسخہ مطبوعہ یورپ اور پٹنہ اورنٹیل لائبریری کے نسخہ نسخہ کی نقل سے زہراوی کا حصہ خالص
 کر دیا جو حسین تمام آلات کی تصویریں بھی درج کی ہیں، کتاب دفتر المعین نامہ ہے، مگر قیمت ایک روپیہ

عام امراض کا علاج غذاؤں کے ذریعہ سے بتایا ہے،

(۳) موجودہ اطباء کا عقیدہ یہ کہ بیماریوں کے اسباب و علامات جو قدر ابن سینا نے قانون میں اور نجیب الدین سم قندی نے اسباب الامراض و العلالات میں لکھے ہیں اُن سے زیادہ مکلفہ تقریباً ممکن ہیں، لیکن زہراوی کی تصدیق اسکی غلطی ظاہر ہوتی ہے، زہراوی نے بعض بیماریوں کے ایسے اسباب بتائے ہیں جن کو اور کسی نے بھی نہیں بیان کیا ہے، لکھنؤی کے اسباب میں ایک اُسے پٹھان کیڑوں کا پھیلنا بھی لکھا ہے،

کتاب کا دوسرا حصہ دراصل زہراوی کے کمالات کا آئینہ ہے، اور یہی وہ معلومات ہیں جنکی سطح پر یورپ نے موجودہ سرجری کی وہ عالی شان عمارت بلند کی جس نے دنیا کو جو حیرت بنا رکھا ہے، ہم اعتراضاً خاموشی سے سر جھکا لیتے ہیں، جب پہلے غماغین یہ کہتے ہیں کہ بے شبہ مسلمانوں نے طب کو اس حد تک فروغ دیا کہ صدیوں تک یورپ کی طبی درس گاہیں ابن سینا اور ابن رشد کی تصنیفات پر جیتی رہیں، لیکن سرجری اور جراحی سے انکو کبھی وچسپی نہ ہوئی، لیکن آج ہمارا اپنی سخیلانہ خاموشی سے نجات مل سکتی ہے، جبکہ ہماری مردہ تصنیفات میں سے زہراوی عالم وجود میں آچکی ہے،

گو اس کتاب کی خود اپنے گھروالوں کو خیر نہ تھی، لیکن اس نے اپنے وطن سے نکل کر ملک غیر میں جو حسن قبول حاصل کیا، اسکا اندازہ ان واقعات سے کرو، زبایہ تصنیف کے تھوڑے ہی حصہ کے بعد جب ترقی شوق علم مالمہ تھا تمام عمال اس کتاب کا عبرانی زبان میں ترجمہ کیا گیا، کیشیکون، اسپین، کاشمالی مشرقی مصر، پرتگیزی، دان میں بھی اسکا کامل ترجمہ ہوا، اگوسبرگ میں ۱۷۱۵ء میں لاطینی زبان میں پوری کتاب شائع ہوئی، کتاب کا خاص و دراصلہ جو فن جراحی کے متعلق ہے، وہ ۱۷۱۵ء میں عبرانی زبان میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ پروفیسر نشانگ کے اہتمام سے اگسفرڈ سے دو جلدوں میں شائع ہوا،

اس حصہ ثانی کا اخیر نصف یورپ نے عربی زبان میں لاطینی ترجمہ کے ساتھ دو جلدوں میں چھاپا

حسین بن تمام آلامت کی تصویریں درج کیں جس کا کتاب میں ذکر آیا ہے سب کا عنوان ہنستان میں ہر اسی کا حصہ مع تصویر آلامت
شائع ہوا، دہراوی کے ان تمام ادیشنوں میں اول الذکر ادیشن ۱۵۸۰ء میں چھپا جس کو تین سو نو برس
پہلے یعنی دماطیج کے تقریباً چار صدیوں کے بعد سکو نفس تصنیف کی خبر ہوئی، کتاب کے یہ دونوں مؤخر
الذکر ادیشن اس وقت ہمارے پیش نظر میں مصنف نے اس اخیر حصہ کو تین باب میں تقسیم کیا ہے،

باب اول، وغنے کے بیان میں، اس باب میں دہراوی نے سر سے پاؤں تک ایک ایک
فصل میں تمام امراض کا علاج لوہے سے داغنے کے ذریعہ سے بتایا ہے اس بیان سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے
کہ داغ سے صرف معمولی امراض کا علاج ہو سکتا ہے بلکہ دہراوی نے سکتہ، فالج، مالغولیا، اسور، استسقا
صرع، بواسیر، قنق، جذام، برص، اقرص، سرطان، خنازیر، جیسے سخت اور مشکل امراض کا بھی داغ سے
علاج بتایا ہے،

باب دوم، اپریشن یعنی شق، فصد، اور نشتر وغیرہ کا بیان، اس باب میں نہایت تفصیل کے ساتھ
دہراوی نے تمام امراض اعضا اور زخم کے اپریشن کا ذکر کیا ہے اور حسب الیامور کا خصوصیت کے ساتھ بیان ہے
بدن سے بتر نکالنا، دانت اکھاڑنا، ہلنے والے دانت کو سونے یا چاندی کے تار سے باندھنا، آنکھ بنانا، آنکھ
میں نشتر دینا، ناک، کان، اور کئی ہوئی جلد میں ٹانکے لگانا، غیر طبعی شکل سے پیدا ہونے والے جنین کو نکالنا،
غیر طبعی زائد گوشت کا کاٹ کر علیحدہ کرنا، پتھر نکالنا، پیٹ اور آنتوں کو پھاڑنا اور ٹانکے لگانا، زخم کا اپریشن
کرنا، ملی ہوئی انگلیوں کا علیحدہ کرنا، ورم اور رگون میں نشتر دینا، جس ارد کے کے خلان فطرت جاری ہوں اور
بد ہوں یا غیر فطرتی حالت میں ہوں انکی اصلاح کرنا اور ام بچوں کو اور ایک یا چند مردہ جنین کا رحم سے نکالنا وغیرہ
اس باب کو مصنف نے جس تفصیل سے لکھا ہے اس کا قیاس اس سے ہوگا کہ ہر قسم کے اپریشن

کا بیان چھپانے کے فصلوں میں تمام ہوا ہے،

باب سوم اس باب میں تمام شکست اعضا اور ٹہریں کی ہنگامی اور اپنی جگہ سے نفصل اور جوڑ کے پختہ

آلات کے وضع و بیان کی اصلاح کا بیان ہے، جراحی کے ان تمام علاج و تدابیر میں سیکڑوں آلات جراحی مصنف نے ذکر کیا ہیں جن کے نقشے اور تصویریں دی ہیں، اس کا طریقہ استعمال بتایا ہے، یہ تمام آلات جو کثرت سے تقریباً کتاب کے ہر صفحہ میں موجود ہیں، شکل، صورت، پیما، ساخت میں عجیب و غریب ہیں، اولاً ایک ایک کام کے لیے جو آلات ہیں ان میں سے بعضوں کی بسیوں مختلف ساخت اور نمونے پیش کیے ہیں، ہم نے ان آلات کی تصویریں بعض ڈاکٹروں کو دکھائی ہیں، انھوں نے متفقہاً کہا کہ جراحی کھانچ بھی یہی آلات ہیں مگر اب صرف شکل اور لطافت میں تغیر اور امتیاز ہو گیا ہے، ناظرین کی دلچسپی کے لیے اختتام مضمون پر ہم بعض آلات کی تصویریں بھی پیش کریں گے، وہ آلات اور زیادہ حیرت انگیز ہیں جن کو مصنف نے اخراج جنین کے بیان میں درج کیا ہے، کہ آلات سے کس طرح رحم کو بڑھا چاہیے، اور بچہ کو سرد یا اجائے، اور اسکے اعضا کو کاٹ کاٹ کر علیحدہ کیا جائے اور بسیوں قسم کے آلات کے اس میں حوالے اور تصویریں دی ہیں،

ان امور کے علاوہ اس کتاب کے مطالعہ سے اور چند باتوں پر روشنی پڑتی ہے،

(۱) زہراوی صرتہ کا بیرونی مقال نہیں ہے بلکہ اکثر مسائل میں خود بھی تجربہ اور رائے رکھتا ہے،

(۲) کتاب کی ابتدا ہی میں اُس نے لکھا ہے کہ اطباء کا اس میں اختلاف ہے کہ گرم خشک مزاج والوں کو

اگ سے داغ سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں، بعضے اطباء کہتے ہیں کہ بالکل فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگ خشک

ہو اور گرم خشک چیز سے گرم خشک مرض میں فائدہ کی امید رکھنا حماقت ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ چونکہ خشک

مزاج کی گرمی خشکی اگ کی گرمی خشکی کے مقابلہ میں گویا برعوت ہے اس لیے اگ سے فائدہ ہو سکتا ہے

زہراوی کہتا ہے،

میں بھی دوسرے گروہ کا، جو ان ہوں کہ نہ چند باسکتی
سے محکم معلوم ہو گیا ہے لیکن اس امر کی توقع اسی شخص سے

وانا اقول بقولہ ان التجربة قد كشفت لان الاموات
ان لا یستغنی عن تصور علی انک لا یصلحون

فصل فی علاج درجہ اولیٰ و ثانیہ (طبرہ ہند مفہوم)

جو سکتی ہو جسکو داغ کے قریب میں ملے گا

ب اکثر اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ داغ کا موسم بہار کا زمانہ ہو لیکن زہراوی لکھتا ہے کہ درختی پر
علاج تقریباً ہر زمانے میں مفید ہے کیونکہ ان بیماریوں کے لیے جو موسم سے پہلے پیدا ہو چکی ہوں اگر موسم کا
انتظار کیا جائے تو مرض مہلک ہو جائے،

ج، داغ کا طریقہ علاج اکثر اطباء پسند کرتے ہیں اور وہ گرم دواؤں کو گرم داغ سے زیادہ مفید سمجھتے
ہیں لیکن زہراوی انکی مخالفت کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ دوائیں چونکہ پلائی جاتی ہیں ایسے وہ تمام دوائیں
پھیل جاتی ہیں اس بنا پر کہ بیمار عضو میں قائم ہوتا ہے لیکن دوسرے سالم صحیح اعضا تک پہنچ کر دواؤں
کی گرمی بعض اوقات نہایت مہلک ضرر پہنچاتی ہے اور داغ کی گرمی چونکہ صرف عضو بیمار تک رہتی ہے
دوسرے اعضا تک نہیں پہنچتی ایسے اس سے باقی اعضا میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا اس کو
کے بعد زہراوی کہتا ہے،

وقد اضمحلت اذالك بالتجربة لطول النحر والعنابة

چونکہ چنسن اس فن کی مدت تک توجہ کی ہے اور اس کام کو کیا ہے اور

بالصناعة والوقوف على حقائق الامور ولذلك استغنيت

حقیقت امر و یافت کی ہے ایسے تجربے سے بھرپور ظاہر ہو گیا ہے

عن طول الكلام ولولا انه لا يليق بكتابنا هذا ولا يرتد

اور ایسے تطویل سے میں پرہیز کرتا ہوں مگر تطویل میری اس

عليكم في النار مثل غلماض وكيفية فعلها

تصفیہ کے غیر مناسب تئیں آگ کے متعلق دقیق باتیں کہتا

في الاجسام ونقيها للاهراض بکلام فلسفي

کا اور ایسے برائی فلسفی طریقے سے یہ آگ کنگ کسطن اجسام میں

برہائی یقیناً عن افهامکم (مفہوم)

اپنا کام کرتی ہو کہ اسکا سمجھا مشکل ہوتا،

د اطباء یزان کی روئے نقلی کہ سونے کے آلات سے ماخذا آہنی آلات سے زیادہ مفید ہے،
زہراوی کہتا ہے کہ یہ روئے علی العموم صحیح نہیں ہے بلکہ میرے تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ یہ اجسام کے تناسب
پر موقوف ہے اسکے علاوہ میں طلائی آلات سے آہنی آلات کو میں اسوجہ سے بھی ترجیح دیتا ہوں کہ سونا اگر گرم ہو

تجربہ سے سب سے پہلے اور اگر زبان گرم کیا جائے تو کھل جائیگا اور دماغ کی ایک دوسری صفت میں بیکار
ہو جائیگا اور اس سے نقصان حاصل ہوگا

یہ دوسرے کتاب کے ابتدائی صفحات کے ہیں اور اسی طرح اکثر صفحوں میں مصنف کی رائے اور
تجربہ کی روشنی میں جھلکتی ہے

(۴) اس کتاب سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مصنف سے پہلے شکستہ اعضا اور ٹوٹے ٹوٹے
فن و ترب و بدن و تھامہ کی تحقیقات میں اس کے متعلق جتنی جستجو و مطالعات تھے مصنف نے اس فن کی تیز
تعمیق میں بہت دیر یہ ریزی کی ہے کتاب ہے

اعلیٰ یافونہ و لیکن هذا الباب لاجل من لا یطالع العوام	میرے نزدیک اجماعاً ہے کہ اس فن کا سب سے عاقل اور جاہل طبیب
ومن لا یتصفح قطعیاً لایستطاع ان یرا الا قراء منہ حرفاً	اور وہ لوگ ادا کرتے ہیں جنہوں نے نہ کسی تصنیف کا ایک حرف
..... وانما استفادہ منہ والاستفدت لطول قرائتی	نہیں پڑھا ہے..... اور میں نے جو کچھ اس فن میں حاصل کیا وہ صرف
لکثرت الاوائل و حرص علی فهم احادیثی و تخرجت علم فی	اس طرح پر کہ میں نہ کسی تصنیف کا برابر مطالعہ کیا کرتا تھا اور ان کے
منہ لم اتمم الفہم والذی طویل عمری ففی سکت لکم	سمجھنے کا شائق تھا یہاں تک کہ میں نے ان کتابوں سے اس فن
منہ لکثرت الحاجج والاطحہ علی و مفت علیہ خبری	کو سنبھالیا اور پھر اس کا تجربہ اور شوق اور پیکریش کی اور تھامے لے
بعد ان قریبہ لکم و خلاصہ من شعب الطویل و	جو کچھ معلوم تھا اسکو جمع کر دیا اور جمع کر کے اور اختصار کے ساتھ نظم
اختصرہ غالباً الاختصار یؤنس غایۃ البیان و صورت	سے پاک کر کے اس پر یہ ان تجویز لکھا ہے لیکن اس باب کے کتب
لکم فیہ صور اکثرہ من صور الکالات الی تستعمل	بہت آلات کی تصویریں درج ہیں جنکا اس میں استعمال ہو چکا کہ آلات
فیہا انہ من زیادۃ بین و مطبوعہ ہند	سے بیان کی توضیح اور زیادہ ہوتی ہے

(۵) اسلامی تمدن کے زمانے میں عربین بھی طبیب ہوتے تھے ابن زہر المتوفی ۸۰۷ ہجری
جو ایشیاء کا مشہور فلسفی طبیب تھا اس کی بہن اور بھانجی علم طب میں ماہر تھیں خصوصاً نسوانی امراض کے

یعنی کمال ازہراوی نے ایک علمی نسل آباد کیا جس کی تعلیم باوجود غریبی

اچھوتایا کر غیر طبی رلات میں بچہ کو کیز کرکالنا پاسبی، اور پیدائش کے طبی حالات و علامات کیا ہیں،
(۴) زہراوی صرف علمی حیثیت سے سرحدی کا اہر تھا بلکہ وہ علمی حیثیت سے بھی اس فن میں کمال
رکھتا تھا، ابتدائے کتاب میں اُسے بہت سے ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے اس فن میں کمال حاصل بھی
ظاہر ہوتا ہے۔ سنہ چند مواقع پر لکھا ہے کہ کیز کرکالنے ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑ کر درست کیا، اور بعض امراض میں
عملی طور سے اُسکو کیوننا کامی ہوئی، ایک موقع پر اُسے ایک اقمہ لکھا ہے کہ ایک عورت اُسکے علاج میں پٹی
ہوئی جسکو بیماری تھی کہ پڑ پڑا سکے، دو بچے پیٹ میں مر گئے تھے جس سے اُسکے رحم میں درد مایا تھا
اور اُس سے مواد نکلا کرتا تھا، زہراوی نے ایک عرصہ دراز تک علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہوا آخر اُسے
ایک دوسرا رسم دیا جسکا اثر یہ ہوا کہ عورت کے پیٹ سے ایک ہڈی نکلی اور چند روز کے بعد ایک دوسری بھی
نکلی زہراوی کو سخت تعجب ہوا کہ پیٹ میں تو ہڈی نہیں ہوتی بیان کہاں سے نکلتی ہیں پھر اُسے خیال آیا کہ
ممکن ہے کہ مرد جنین کی ہڈیاں رہ گئی ہوں اس خیال کے اعتماد پر اُسے پیٹ میں اپریشن کیا اور بہت سی
ہڈیاں نکالیں عورت کو کوئی صدمہ نہیں ہوا اور تھوٹے ہی دنوں میں اُسکو صحت ہو گئی کیا ان
کا زاموں کو اچھا د نہیں کہیں گے،

سلیمان



پاک کارانگشت کاٹنے والی تھپی



آٹک کے گوشت کا نشتر



زاد مسوڑھون کے کاٹنے کا آلہ



دانت اگلا دے کا آلہ



عام نشتر



ڈی کاٹنے کا آلہ

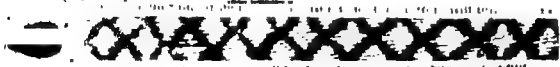


اردو جنین کے کاٹنے میں آکسٹیشن کیا گیا۔ ماہر

چین لکھا
تھپی لکھا
ماہر لکھا



نہ دم دراوگرے کا آکر



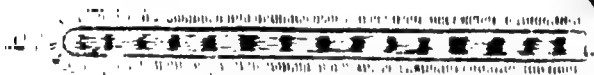
آکھ کاشتر



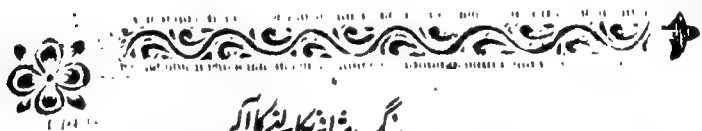
آراج اناہو چترن



آراج اناہو چترن



گرفت پھیلنے کا آکر



نگ شانہ کمانے کا آکر



Accession Number.
24682

Date 24.6.55

نیر کمانے کا آکر

مرد جنین کے کمانے کا آکر



دراوگرے کا آکر

الاشارة فی انواع الجہان للکتابۃ

نظام القرآن فی علوم لغت عربیہ

جسکو صاحب مولوی حمید الدین صاحب پروفیسر مولوی اکبر الہ آبادی نے عربی زبان میں
نہایت تحقیق کے ساتھ جدید طرز میں لکھا ہوا دیکھنے کے قابل حصہ موجود ہے

(۱) تفسیر سورہ التحمیم ۲

(۲) تفسیر سورہ قیامہ ۲

(۳) تفسیر سورہ الشمس ۲

(۴) تفسیر سورہ العصر ۳

(۵) تفسیر سورہ الکافرون ۲

فضل الرحمن منیر برائین ندوہ لکھنؤ

نوٹ - زہراوی کی قیمت صفحہ ۲۲ پر غلط لکھی گئی ہے اس کی قیمت عربی نسخہ ہے

منیر برائین

فن طب

کامل الصفاۃ ۱۶ تذکرہ ابو داؤد انطاکی ۱۶ منافع الافذیہ ۱۶

منطق و فلسفہ

محکم نظری منطق ۱۲ نہادۃ افلاسیفہ لابن رشد ۱۲
کشف الادلہ لابن رشد ۱۹ شرح حکمۃ الاشراق ۱۹
شرح حکمۃ العین مطبوعہ حال مصر ۱۶ الجمل للدراری ۱۶

متفرقات

الحکم الروحانیہ فی الحکم الیونانیہ ۱۳ مفتاح العلوم للسکاک ۱۳
مجموعہ رسائل فارابی ۱۳ منهاج التتبع کتاب العقل والنقل لا یتجہ ۱۳
دلائل الخیرت مجلد سادہ ۱۰ دلائل الخیرت مطلقا ۱۰
فضل الرحمن بنیچر لعین ندوۃ لکھنؤ

ترجمہ اردو مناقب العارفين یعنی تاریخ مولانا روم صاحب

مصنفہ شمس الدین افلاکی مرید امیر عارف علی تصنیف شمس الدین صاحب مولانا
کے والد مولانا کے پیر خود مولانا کے حالات شمس الدین تبریزی صلاح الدین جام الدین چلی
جو شنی کی تالیف کا باعث ہیں۔ مولانا کے بیٹے سلطان ولد مولانا کے پوتے امیر عارف
اور امیر عابد اور دسویں فصل میں بقیہ خاندان کے حالات اور سلسلہ سبت کو لکھا ہے مصنف خود
مولانا کی خدمت میں رہا ہے عجیب غریب حالات میں دیشی کی چاشنی پیل اور تاریخی حالات لا جواب
ہیں کاغذ سفید و نیز چکنا صفحات ۲۰۴ (۵) قیمت علاوہ محصول ڈاک دور رسہ کار

مالک مطبع احمدی امپورٹ یوپی

